کتاب العبرۃ

صوبہ سرحد و افغانستان کی چار سو سالہ تاریخ

۱۵۰۰ء تا ۱۹۰۰ء

جلد اول

سید عبدالجبار شاہ ستھانوی

(سابق بادشاہ سوات)

آج صوبہ سرحد جن علاقوں پر مشتمل ہے وہ برصغیر جنوبی ایشیاء کی تاریخ میں بڑی زبردست اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ برصغیر کی تہذیبی، سیاسی اور مذہبی تاریخ کے ہر نئے دور کے آغاز و انجام میں صوبہ سرحد کے علاقوں پر یہاں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا بہت نمایاں اور تاریخ ساز کردار رہا ہے۔

لیکن یہ حقیقت بڑی افسوس ناک بھی ہے اور عجیب بھی کہ صوبہ سرحد کے اس مسلسل اور لازوال تاریخی کردار کے وقائع وحوادث اور تفصیلات کو اس طرح محفوظ نہیں رکھا جا سکا جس طرح محفوظ رکھنا ان واقعات کی تاریخی اہمیت کے لحاظ سے ضروری تھا۔ ان واقعات میں جن جن شخصیات کو حصہ لینے کا موقع ملا ان میں سے ایک آدھ کے علاوہ کسی نے بھی اپنی یادداشتوں اور مشاہدات کو قلمبند نہیں کیا، چند ایک کے علاوہ بیشتر اہم دستاویزات محفوظ نہیں ہیں، ان شخصیات کی ذاتی مراسلتیں اور کاغذات بھی دستیاب نہیں ہیں۔

صوبہ سرحد کی تاریخ میں امیر المومنین حضرت سید احمد شہید بریلوی کی تحریک مجاہدین وہ پہلی تحریک ہے جس کے بارہ میں تاریخی مواد نسبتاً زیادہ ہے اور اب طلبائے تاریخ کو دستیاب بھی ہوتا جا رہا ہے۔ سید صاحب کی تحریک احیاء اسلام میں جن سعید روحوں کو حصہ لینے کا موقع ملا وہ اپنے کردار، تقویٰ، للّٰہیت، عالی ہمتی، اولوالعزمی اور جذبہ قربانی میں منتخب روزگار تھے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس تحریک کے مختلف مراحل میں اس سے وابستگی کا شرف حاصل رکھنے والی بہت سے شخصیتوں نے اپنے اور اپنے خاندان کے حالات قلمبند کیے ہیں جن سے تاریخ کے بہت سے گوشے روشن ہوتے ہیں۔

ان تاریخ ساز اور عظیم خانوادوں میں ستھانہ کے سادات کا وہ مشہور خاندان بھی جس نے مجاہدین و قائدین اور اصحاب دعوت و عزیمت کی ایک پوری نسل پیدا کی اور اخلاص و قربانی کے بیش بہا نمونے پیش کیے۔ ستھانہ وہ خوش نصیب بستی تھی جس کو سہا لیا بلکہ قرن با قرن کے بعد دارالہجرت بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ سادات ستھانہ نے روز اول سے ہی نہ صرف سید صاحب کا ساتھ دیا تھا بلکہ بعد میں بھی یہ خانوادہ تحریک مجاہدین کا بالخصوص اور دوسری تمام دینی سرگرمیوں کا بالعموم دامے، درمے، قدمے، غرض ہر طرح ساتھ دیتا رہا۔ یوں سادات ستھانہ کی تاریخ دراصل اس علاقہ میں احیاء اسلام کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔۔۔

سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی نے اپنے خاندان کے اس پورے تاریخی کردار کی تفصیلات کو محفوظ رکھنے کا بیڑا اٹھایا اور دستیاب خاندانی ماخذ و دستاویزات، ذاتی یادداشتوں اور بزرگوں کی روایات کی مدد سے صوبہ سرحد کی چار سو سالہ سیاسی، مذہبی اور علمی تاریخ پر مشتمل کتاب تیار کر دی۔

اس ضخیم کتاب کا پہلا حصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی

Rs. 600.00

کتاب العبرة

صوبہ سرحد و افغانستان کی چار سو سالہ تاریخ

۱۵۰۰ء تا ۱۹۰۰ء

جلد اول

سیّد عبدالجبار شاہ ستھانوی
(سابق بادشاہ سوات)

پورب اکادمی، اسلام آباد

SYED MOHD. ABDUL JABBAR SHAH

The sagacious and valiant Wazir-i-Azam Amb State who has fought many battles. He conquered Sawat and was its absolute King for a very considerable time. He lost it because of treachery and because he did not like to sit on a throne saturated with the blood of his own beloved people.

INDIAN TIMES – March 1932

طبع اوّل: اکتوبر ۲۰۱۱ء

ناشر: پورب اکادمی، اسلام آباد

فون نمبر: 051 -2210 101, 0301 - 559 58 61

ای میل: poorab_academy@yahoo.com

ویب سائٹ: www.poorab.com.pk

Kitab ul Ibra

by: syed Abdul Jabbar shah Sathanvi

Published by: Poorab Academy, Islamabad, Pakistan

۹۰۰،۹۲

ع ب د

ستھانوی، عبدالجبار

کتاب العبرۃ / سید عبدالجبار شاہ ستھانوی۔

اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۱ء

۳۴۴ص

۱۔ تاریخ۔ سوانح

۲۔ تاریخ۔ صوبہ خیبر پختون خواہ

۳۔ تاریخ۔ افغانستان

فہرست

بھی ہوتا جا رہا ہے۔ سید صاحب کی تحریک احیاء اسلام میں جن سعید روحوں کو حصہ لینے کا موقعہ ملا وہ اپنے کردار تقوی، للّٰہیت، عالی ہمتی، اولوالعزمی اور جذبہ قربانی میں منتخب روزگار تھے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس تحریک کے مختلف مراحل میں اس سے وابستگی کا شرف حاصل رکھنے والی بہت سے شخصیتوں نے اپنے اور اپنے خاندان کے حالات قلمبند کیے ہیں جن سے تاریخ کے بہت سے گوشے روشن ہوتے ہیں۔

ان تاریخ ساز اور عظیم خانوادوں میں ستھانہ کے سادات کا وہ مشہور خاندان بھی جس نے مجاہدین و قائدین اور اصحاب دعوت و عزیمت کی ایک پوری نسل پیدا کی اور اخلاص و قربانی کے بیش بہا نمونے پیش کیے۔ ستھانہ وہ خوش نصیب بستی تھی جس کو سہالہا بلکہ قرن ہا قرن کے بعد دار الہجرت بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ سادات ستھانہ نے روز اول سے ہی نہ صرف سید صاحب کا ساتھ دیا تھا بلکہ بعد میں بھی یہ خانوادہ تحریک مجاہدین کا بالخصوص اور دوسری تمام دینی سرگرمیوں کا بالعموم دامے، درمے، قدمے، غرض ہر طرح ساتھ دیتا رہا۔ یوں سادات ستھانہ کی تاریخ دراصل اس علاقہ میں احیاء اسلام کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ سید اکبر شاہ صاحب سردار ستھانہ جو مقامی عرف میں بادشاہ کہلاتے تھے جہاد کے ابتدائی مراحل میں ہی سید صاحب کو ستھانہ لے آئے تھے اور انہی کی پیش کش پر سید صاحب نے ستھانہ کو دار الہجرت کے ساتھ ساتھ اس ننھی منی سی اسلامی مملکت کا دار الخلافہ بھی بنایا تھا۔

سنہ ۱۸۳۱ء میں سید صاحب اور ان کے جید رفقا کی شہادت اور بالاکوٹ کے حادثہ خونیں کے بعد بقیہ السیف مجاہدین نے دوبارہ ستھانہ ہی کو اپنا مستقر بنایا۔ سید اکبر شاہ صاحب کے بعد اس خاندان کے ایک اور عظیم فرزند سید عبدالجبار شاہ ستھوانوی نے علاقائی تاریخ میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے۔ انھوں نے سوات میں ایک ننھی سی اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی اور وہاں کے بادشاہ کہلائے۔ لیکن انگریز کی سازشوں اور اپنوں کی غداریوں نے ان کو وہاں زیادہ دیر کام نہ کرنے دیا۔ اور یوں تاریخ سرحد و افغانستان میں ایک نئے اور تاریخ ساز اسلامی دور کا آغاز ہوتے ہوتے رہ گیا۔

سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی نے اپنے خاندان کے اس پورے تاریخی کردار کی تفصیلات کو محفوظ رکھنے کا بیڑا اٹھایا اور دستیاب خاندانی ماخذ و دستاویزات، ذاتی یادداشتوں اور

بزرگوں کی روایات کی مدد سے صوبہ سرحد کی چار سو سالہ سیاسی، مذہبی اور علمی تاریخ پر مشتمل ایک ضخیم جلد تیار کردی۔ سید صاحب نے اپنی تحقیق کا آغاز اپنے اعلی نسب خاندان کے مورث اول حضرت سید علی ترمذی سے کیا ہے جو سرحد کے بیشتر سادات کے جد امجد ہیں۔ یوں کم و بیش ۹۰۰ ہجری بمطابق ۵۰۰ عیسوی سے لے کر ۱۹۰۰ تک چار سو سالہ تاریخ کے اہم گوشے محفوظ کر لئے۔ کتاب کا سب سے اہم حصہ یہ ہے جس میں حضرت سید علی ترمذی کی زندگی کے حالات محفوظ کیے گئے ہیں۔ ان کے اولاد و احفاد کے ضمن میں مصنف نے موقظ الشرق علامہ سید جمال الدین افغانی کے نسب اور مرزوبوم کی بھی تحقیق کی ہے۔ بعض ایرانی اور مغربی مصنفین نے مختلف اسباب و محرکات کے تحت سید جمال الدین افغانی کو ایرانی النسل اور شیعی المذہب ثابت کرنے کی جو کوشش کی ہیں ان کی تردید کرتے ہوئے مصنف نے سید صاحب کے افغانی النسل اور سنی المذہب ہونے کے دلائل دیے ہیں۔

بہت سے دوسرے مورخین کی طرح سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی بھی اس رائے کے قائل ہیں کہ عام افغان قبائل کا نسلی تعلق بنی اسرائیل کے قبائل سے ہے۔ اس سلسلہ میں مصنف نے بعض رائج مقامی روایات کا بھی تذکرہ کیا ہے جن کی رو سے مختلف افغان قبائل کا سلسلہ نسب اسرائیلی قبائل سے متصل بیان کیا جاتا ہے۔

فاضل مصنف کے صاحبزادے اور میرے فاضل دوست کرنل (ر) محبوب علی شاہ صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محبت اور عقیدت و اہتمام سے اپنے جلیل القدر والد کی اس اہم تاریخی تصنیف (جس کا نام مصنف نے قرآنی تصور تاریخ کے عین مطابق کتاب العبرۃ رکھا ہے) طباعت اور نشر و اشاعت کا بندوبست کیا۔ مجھے یقین ہے کہ کتاب العبرۃ نہ صرف تاریخ کے طلبہ کے لئے نئے گوشے روشن کرے گی بلکہ دیگر قارئین کے لئے بھی عبرت کے بہت سے سامان فراہم کرے گی۔

۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

ڈاکٹر محمود احمد غازی

اسلام آباد

تمہید

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وخاتم النبیین وہ خاتم النبیین محمد والہ واصحابہ اجمعین اما بعد! بندہ خاکسار سید عبدالجبار شاہؒ ستھانوی ارباب علم و دانش کی خدمت میں التماس کرتا ہے کہ چونکہ بچپن ہی سے مجھ پر بہت سے حادثات اور انقلابات گزرے اس لئے طبیعت کا میلان اپنے آباؤ اجداد اور اپنے بزرگوں کے حالات کی جستجو کی طرف رہا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے علاقے کے تاریخی حالات سامنے آتے چلے گئے۔ ان واقعات وحالات کی چھان بین میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ ہمارے علاہ یوسف زئی یعنی سرحد میں ہمارے سب سے پہلے مورث جو یہاں آکر آباد ہوئے، ان کا نام نامی حضرت قطب الاقطاب سید علی ترمذی قدس سرہ غوث بونیر ہے۔ ان کی وجہ سے اس وطن میں ہمارے خاندان کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اس لئے مجھ پر لازم ٹھہرا کہ میں اپنی خاندانی تاریخ کا آغاز آپ کے عہد و حالات سے کروں، اس کے ساتھ ساتھ مختلف حالات واقعات سامنے آتے چلے گئے۔ انہیں ہمارے علاقے یعنی صوبہ سرحد کی تاریخ کا ایک اہم باب قرار دیا جاسکتا ہے۔ دوسرے علاقوں کے مسلمان ان حالات سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ازراہ عداوت ان لوگوں کو وحشی اور غیر مہذب سمجھتے ہیں اور انہیں مختلف قبیح اعمال میں ملوث قرار دیتے ہیں۔ جب کہ صورت حال اس سے بالکل مختلف رہی ہے۔ یہ حالات دنیا بھر کے مسلمانوں کیلئے دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ اور یہ بھی پتہ چل سکے گا کہ اس خطے کے مسلمان دینی غیرت وحمیت میں کسی اور خطے کے مسلمانوں سے کم نہیں۔ ان میں اسلامی تہذیب وتمدن کے بہترین نمونے پائے جاتے ہیں۔ اور ان کے دل اسلامی جذبات سے پر ہیں۔ یہ علاقہ برصغیر کی تاریخ میں مسلمانوں کی بقا کی جنگ میں اہم کردار ادا کر چکا ہے۔ اور آئندہ بھی بازوئے شمشیرزن کے طور پر اپنا حصہ ادا کرتا رہے گا۔ تاہم

خرابی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے سر پر ایک دائمی اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے جیسا ہندوستان یا ایران جو کسی نہ کسی سلطنت کے ماتحت ہمیشہ سے رہا ہے۔ یہ حالت میسر نہ ہونے اور دائمی آزادی کی وجہ سے قتل مقاتلے اور خود غرضانہ تصادمات کے واقعات وحشت آمیز ہی معلوم ہوں گے۔ مگر تمام ممالک ایک سے نہیں۔ جہاں بھی انسان بستے ہیں یہ واقعات ہر جگہ خودغرضیوں کے موقعوں پر انسانوں سے سرزد ہوتے ہی رہتے جن سے کوئی ملک مستثنیٰ نہیں۔ صرف ہر ملکے اور ہر رسمے کے مصداق شکلیں واقعات کی بدلی ہوئی ہوتی ہیں۔ ورنہ نیک اور برے لوگ اور نیک وبد حالات ہر ملک اور قوم میں ہوتے رہتے ہیں، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جو فتوٰی تمام مہذب ممالک کے لوگوں کا ان قبائلی علاقوں کی نسبت عائد کیا گیا ہے اس کی تصدیق وتکذیب ایک مشکل جیسا سوال ہے اور میرا خیال ہے کہ میری یہ کتاب کس قدر اس بارے میں خام مواد کہیں یا مشترک ذخیرہ کہیں ناظرین باتمکین کے سامنے پیش کرتی ہے جس سے جو مبصر جو نتیجہ بھی اخذ کرے اس کو حق حاصل ہوگا کیونکہ وہ مقدمہ کی مثل مطالعہ کرنے کے بعد اپنا فتوی صادر کرے گا۔ اوان ممالک وقبائل کے اصلی نقش ونگار میں نے پیش کئے ہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ کتاب کو کسی احسن ترتیب پر میں مرتب نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس لئے کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ خوف ہے کہ میری معلومات اور تاریخی حالات جو میرے ذہن میں ہیں، ان کو کسی صورت سے جمع کر دینا ہی بہتر ہے۔ اگر خود مجھے زندگی میں درستگی کا موقع ملا۔ تو خود درست کرلوں گا۔ ورنہ میری اولاد میں سے جس کو توفیق ملی یا کسی اور مرد صالح نے اس ملبہ سے باقاعدہ عمارت بنانی چاہی تو خام مواد اس کے ہاتھ کس قدر میرا جمع شدہ کام آوے گا۔ اور اس طور سے اسلامی اقوام اور اسلامی ممالک کے ایک تاریک علاقہ یا کم معروف قبائل کی صحیح تاریخ سامنے آجائے گی۔ یہ میری سب سے پہلی تصنیف ہے۔ جس کا ذخیرہ بچپن سے جمع کرتا اور لکھتا رہا ہوں۔ اور اس کی ابتدا قبیلہ یوسف زئی میں ہمارے مورث اعلیٰ حضرت سید علی ترمذی قدس سرہٗ کی تشریف آوری سے شروع ہو کر میری پیدائش کے بعد دس سالہ زندگی تک کے حالات پر مشتمل ہے بلکہ آخر تک اور ضمناً اس وطن کے بعض حالات دسویں صدی ہجری کے بعد سے اس عہد تک کے بھی کسی قدر روشنی میں آگئے ہیں۔ ساتھ ہی افغانی قبائل کی جب بحث آتی ہے، تو ان کے انساب کی تحقیق وتفصیل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

خصوصاً قبیلہ یوسف زئی کی تاریخ اور اس کے اندر قبائل وشعوب کی تفصیل بھی وضاحت سے بیان میں آئی ہے۔ مگر ڈیڑھ صدی کے حالات جو دولت مغلیہ کے زوال کے بعد دولت درانیہ اور سکھا شاہی اور حکومت برطانوی کے عہد کی تاریخ تو ذرا زیادہ کھول کر اور تفصیل سے لکھی گئی ہے۔ انگریزی سلطنت کے عہد میں جو تاریخ مذکورہ وطن وقبائل کی لکھی گئی ہے وہ اس قدر مسخ شدہ اور یک طرفہ مخالفانہ رنگ میں ہے جس کے مطالعہ سے بجز مغالطہ کے صحیح علم تو کجا حالات ہی کچھ اور اور طرح پیش کیئے گئے جن کی تشریح وتبیین آگے بعض جگہ ناظرین کو ملے گی۔ یہ حالات تو میں ان تاریخی حالات کے نسبت عرض کیئے جن کی تفصیل مجھ تک پہنچ سکی اور میں نے اس کتاب میں لکھ دی ہے۔ مگر مجھے جہاں سے کتاب کی ابتدا کرنا تھی وہ زمانہ چار سو سال کا عرصہ ہے اور جو حضرت سید علی ترمذی کی پیدائش کے سال سے شروع ہوتا ہے اور ۹۰۰ھ بمطابق ۱۵۰۰ء کے آغاز کا زمانہ تھا۔ اسکے لئے اس کم تعلیم وطن میں مجھ کو کافی مواد صحیح حالات پر میسر آنا ایک مشکل ترین کام تھا۔ سنی ہوئی روایات سے جو مواد میسر ہوا، وہ کسی تاریخ میں جگہ پانے کے قابل یوں بھی نہیں ہوتا، مگر خصوصاً جب کہ ایسے راویوں کی روایات سے مرتب یا ملوث ہو جو ایک پیر پرست اقوام کے مسلمہ پیر طریقت ہادی کی طرف منسوب حالات ہوں جن میں کرامات وخرق عادات کے لئے بے حساب افسانے شامل ہوں، ان پر تحقیق کی بنیاد رکھنا خود معلوم امر ہے کہ کس قدر خام کاری ہوتی، چونکہ حضرت ممدوح کُل افغانستان اور تمام علاقہ قبائل آزاد اور تمام اضلاع صوبہ سرحد کے بشمول اضلاع شمالی پنجاب اپنے عہد کے ایک عظیم الشان مصلح اعظم ہو گزرے ہیں۔ اور قطبیت اور غوثیت کے مدارج عالیہ ونام نامی سے مشتہر ومنسوب ہیں اور مذکورہ ممالک کے چھوٹے بڑے تمام لوگ آپ کی تعلیم وبیعت پابندی شریعت میں شامل تھے اور بیعت طریقت میں صرف جید علما واہل التقوی ہی شامل تھے اور تمام لوگوں کو آپ کے نام ونسب سے انتہائی عقیدت مندی اب تک موجود ہے۔ لہٰذا ان حالات میں آپ کی نسبت زبانی روایات کسی طرح بھی قابل اعتماد نہیں ہو سکتیں، میں نے اس عہد کے اولیاء کی تاریخوں میں آپ کے حالات تلاش کیے، تو وہ بھی میرے اعتماد کی ترازو میں وزنی نہ تھے، اسلئے کہ متعدد کتابوں میں آپ کا ذکر تو مجھ کو ملا ہے۔ مگر ایک کتاب کا بیان دوسری کتاب سے مختلف ہے اور آپ کے خود بیان فرمودہ حالات سے بھی مختلف ہیں اور اسمائے مشائخ اور زمانہ

ولادت وحیات وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ مجھے خود کم عمری میں خیال پیدا ہوا کہ آپ کی کوئی تصنیف اپنی بھی ضرور ہو گی۔ اس خیال کو دل میں لے کر میں نے ملک بونیر میں اور سمہ وسوات میں ہر طرف تحقیق کی اور کرائی، مگر مجھ کو پوری کامیابی نہ ہو سکی۔ حضرت ممدوح کا سلسلہ روحانی اور جسمانی ہر دو اس وطن میں نہایت روشن طور پر نمایاں ہیں۔ سلسلہ سلوک میں آپ کے مریدین کے متعدد سلسلے ہیں جن کو اکثر اخوان خیل کہتے ہیں یعنی اخوند درویزہ صاحب آپ کے ماذون مجاز اور اپنے عہد کے متشرع مجاہد اور ولی مشہور گزرے ہیں۔ جن کی متعدد تصانیف بزبان فارسی بھی ہیں اور پشتو میں بھی آپ کی کتابیں ہیں۔ اس سلسلہ کے پیران طریقت اخوند درویزہ صاحب اس کا فرزند اخوند شہید (فرزندش) اور اخوند پنجو اور اخوند سلااک اور اخوند عمر۔ اخوند جی اخوند اللہ داد۔ ان میں سے ہر ایک آپ کے سلسلہ سے فیضاب ہوا ہے۔ میں نے غالباً ۱۸۹۴ء میں آپ کے ماذوان اخوند جی صاحب کی اولاد اخوند خیلان تربیلہ میں ایک ۸۰ سالہ معمر بزرگ عالم کو عمداً جا کر دیکھا تھا جس کا نام اصحاب الدین بابا تھا۔ میں نے اس سے اپنے اس مقصد کا ذکر کیا کہ آیا حضرت سید علی ترمذی قدس سرہ کی کوئی اپنی تصنیف آپ کی نظر سے گزری ہے یا نہیں اور آپ نے کسی سے سنا بھی ہے یا نہیں کہ حضرت کی کوئی اپنی تصنیف کتاب ہے یا نہیں۔ تو اس نے مجھ کو جواباً کہا کہ جب میں نوعمری میں طالب علم تھا اور پشاور کی مساجد میں جا بجا درسوں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ان دنوں شہر پشاور کے نزدیک موضع چمکنی میں ایک متمول سوداگر رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک کتاب سید علی ترمذی علیہ الرحمۃ کی تصنیف اور آپ کی اپنی لکھی ہوئی میں نے دیکھی تھی جو اس کے نزدیک تمام دولت ہے اور جائیداد سے زیادہ محبوب متاع تھی، وہ بطور تبرک اس کو اپنے سینے پر رکھ رات کو سویا کرتا تھا اور کسی کو ہاتھ لگنے نہ دیا کرتا تھا۔ مجھ سے اصحاب الدین بابا اخون خیل ساکن محمد تا ہلی تربیلہ نے کہا تھا اور اس کے آباؤ اجداد بھی موضع چمکنی کے سجادہ نشین بزرگ کے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے تھے۔ یہ سلسلہ بھی حضرت ممدوح کے ساتھ جا ملا ہے۔ یہ خبر سننے کے بعد اس اشتیاق میں جب بھی پشاور جاتا موضع چمکنی میں تحقیقات کرتا اور پتہ ڈھونڈا کرتا کیوں کہ جب میں نے اصحاب الدین بابا کو دیکھا تھا، اس وقت میں بلوغت کی عمر کو پہنچا تھا اور اصحاب الدین بابا عمر میں اسی سال سے متجاوز معلوم ہوتے تھے اور وہ اپنی خردسالی کے زمانے کا پتہ دیتے تھے، جس

سوداگر کا نام ان کو بھی یاد نہ رہا تھا۔ یہ بھی وہ مجھ کو نہ بتلا سکا کہ کتاب کس موضوع پر اور کس زبان میں تھی، قیاساً اس نے تصوف میں اور زیادہ تر پابندی شریعت کے آداب و قیود کے بیان میں اپنا خیال بتلایا تھا۔ مگر اسی اصحاب الدین بابا نے مجھ کو ایک صفحہ تذکرۃ الابرار والاشرار کا دیا جو اخوند درویزہ علیہ الرحمہ مرید ماذون حضرت سید علی ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے، وہ دیا تھا۔ اس وقت میری عمر غالباً ۱۵ سال کی تھی اور چوں کہ اس میں جابجا حضرت جد بزرگوار کے حالات بھی تھے اور آپ کے زمانہ کے اشرار اباحتی ملحد پیروں کے حالات بھی مذکور ہیں۔ لہٰذا میں نے اس کتاب کو بھی غنیمت جانا اور حضرت کے پیران طریقت کے سلسلوں کا بیان جو اس کتاب میں آگے آئے گا وہ اسی اخوند درویزہ صاحب موصوف کی تصنیف اور دوسری تصنیف ارشاد الطالبین سے اخذ و نقل کئے ہیں۔ تذکرہ مذکورہ میں جس قدر احوال حضرت کا معلوم ہو سکا، وہ میری تشنگی بجھانے کے لئے کافی نہ تھا۔ اس لئے میں نے اپنی عمر کے ستائیسویں سال ۱۹۰۵ء میں اسی بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کے لئے اور اس طلب تلاش میں افغانستان کا سفر اختیار کیا۔ کیونکہ حضرت سید علی قدس سرہ کا اکلوتا فرزند سید مصطفیٰ، حکومت افغانستان کے اندر علاقہ کونٹر میں مدفون ہے جن کی اولاد سادات کونٹر تین صدیوں سے نہایت بابرکت و باوجاہت رہے ہیں اور کل سلاطین افغانستان اس خاندان کے بزرگوں کو دولت شریک اور نہایت مقدس و محترم جانتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ ان سادات میں سے ہی سید جمال الدین افغانی امیر دوست محمد خان کے اراکین وزارت میں تھے اور امیر ممدوح کے بعد امیر محمد افضل خان والد امیر عبدالرحمٰن اور امیر محمد اعظم خان ایران کابل کی وزارت میں رہے تھے۔ مگر امیر شیر علی خان کی امارت میں جو مذکور بھائیوں کا معارض و مخالف تھا۔ سید جمال الدین نے ہمیشہ کے لئے ترک وطن کر کے عرب، قسطنطنیہ، مصر، ایران، فرانس اور لندن وغیرہ ممالک میں رہ کر تحریک وحدت اسلامی کے لئے مساعی جمیلہ میں تمام عمر صرف کر دی اور آخر ۹۷-۱۸۹۶ میں سلطان عبدالحمید کی رکن حکومت کی حیثیت میں استنبول میں انتقال فرمایا، مجھ کو مرکز کونٹر اور اسلام پور میں بھی کوئی ایسی کتاب نہ مل سکی۔ اگرچہ اندلون قائد سادات کونٹر شیخ باچا میر صاحب جان تھا۔ جو خود صاحب ہذہ مسمی نجم الدین کا سجادہ نشین بھی تھا اور اپنی آبائی برکات کی وجہ سے امیر حبیب اللہ خان کا اعتباری مقرب تھا۔

اس وقت میرے دل میں ایک سوال باقی رہ گیا تھا کہ حضرت سید علی ترمذی علیہ الرحمتہ کے والدین اور خاندان شہر قندز بدخشان کے رہنے والے تھے جو صوبہ ترکستان و مزار شریف میں واقع ہے۔ اور آپ کا پانچوں جد ترمذی سے قندز میں آ کر سکونت پذیر ہوا تھا۔ ترمذ دریائے آموں سے شمال کی جانب اب روسی عمل داری میں ہے اور قندز افغانستان کے اندر ہے جو دریائے آموں سے جنوب میں ترکستان افغانی میں واقع ہے میں نے ارادہ کیا تھا کہ خود قندز جاؤں گا۔ اور مزید حالات اس خاندان کے وہاں سے شاید کچھ پالوں۔ اس لئے کہ حضرت کے ہم قوم اور بھائیوں کی اولاد وہاں ممکن ہے مل جاویں جتنے اس نسل کے بزرگوں کے مزید حالات بھی حاصل ہو سکیں۔ اس سفر کی تفصیل میں اپنی سوانح عمری میں لکھ چکا ہوں۔ مجھے سردار نور احمد خان برگڈ ملکی و حاکم کلاں سمت مشرقی نے نہایت احترام و اکرام کا سلوک کیا تھا اور میرے لئے کابل جا کر حصول مقصد کی تجویز کی بابت جناب اعتماد الدولہ عبدالقدوس خان کو لکھا تھا چونکہ پشاور کی طرف افغانستان میں عموماً داخلہ پر سخت قیود و پابندیاں تھیں خصوصاً اس طرف سے گیا ہوا جو مسافر ترکستان اور روسی سرحدات کی طرف جانے کے لئے ہو، ہرگز وگزارنہ تھی، اور بصورت سعی بسیار خود ذات شاہانہ کی منظوری بغیر ناممکن امر تھا۔ اتفاقاً ان دنوں امیر حبیب اللہ خان دورہ غزنی و قندھار وغیرہ پر چند ماہ کے سفر پر روانہ ہو چکے تھے، لہٰذا میری یہ کوشش بھی بارآور کارگر نہ ہو سکی مجبوراً میں نے اخوند درویزہ صاحب کی تصانیف سے ہی جابجا حالات جمع کر کے کسی قدر مجموعہ مرتب کر لیا اور اس سے زیادہ اعتباری ذریعہ اور نہیں ہو سکتا کہ خود اخوند درویزہ صاحب آپ کے ماذون مرید تھے، ان کے اکثر حالات چشم دید و خود چشید تھے، اگرچہ میری خواہش سے بہت کم ہے۔ مگر حضرت کی اولاد کی تاریخ لکھنے میں ایک باب اول کا بطور عنوان و تبرک مواد مل گیا ہے۔ تب اس کے بعد میں نے آپ کی اولاد میں سے نامی بزرگوں کے حالات کی طلب و تلاش شروع کی چونکہ حضرت سید علی ترمزی قدس سرہ ایک عظیم الشان و بلند پایہ اولیا اللہ میں سے تھے جن کا تذکرہ بجز جذب الی اللہ اور کسی موضع کا حامل نہیں جس کو بطور تبرک میں نے کتاب میں منزلہ عنوان کے رکھنا پسند کیا ہے۔ آپ کی اولاد میں جس طرح قاعدہ ہے کہ اولاد صالحین و اولیا آئندہ امرا و سلاطین بن جایا کرتے ہیں باوجود امارت و دولت آ جانے کے بھی پشتوں نیک متقی اور مجاہدین فی سبیل اللہ گزرے ہیں جن کے مجاہدانہ

کارنامے اولاد کے لئے موجب صد افتخار و اتباع ہیں اور چونکہ ان کے تعلقات افغانی قبائل اور اقوام کے ساتھ اور ملحقہ ممالک کی حکومتوں کے معمولات اور واسطہ پڑنے کے اکثر ہو گزرے ہیں۔ لہٰذا اس کتاب میں اس وطن کے تین سو سال سے زائد زمانہ کی تاریخ کا اجمالی خاکہ آ جاتا ہے۔ مگر ڈیڑھ سو سال کی تاریخ کی قریباً تفصیل درج ہے میں نے چونکہ بچپن سے اس موضوع پر کتاب لکھنے کے لئے مواد جمع کرتے وقت نام کتاب کا عبرۃ لاولی الابصار کیا تھا۔ لہٰذا وہی نام اس کا باقی رکھا۔ اور اپنی سوانح عمری اس مضمون کی آخری کڑی ہے۔ لہٰذا اس کا نام بھی میں نے فقط عبرت رکھ دیا ہے۔ اس تمہید کے بعد میں اب اصل کتاب شروع کرتا ہوں۔

بعون اللہ تعالیٰ شانہٗ

سید عبدالجبار ستھانوی

باب اوّل

حضرت سید علی ترمذیؒ کے حالات زندگی

قطب الاقطاب حضرت سید علی ترمذی قدس سرہ غوث بونیر، بن امیر نظر بہادر سید قمر علی مرزا، بن سید احمد نور بن سید یوسف نور بخش ترمذی بن سید احمد بیگم بن سید احمد ابدالی بن سید احمد مشتاق بن سید شاہ ابوتراب بن سید حامد بن سید محمود بن سید اسحاق بن سید عثمان بن سید جعفر، بن سید عمر بن سید محمد بن سید حسام بن سید ناصر شاہ خسرو بن سید جلال گنج العلم بخاری قدس سرہ العزیز بن ابوالموید حضرت امیر علی جن کا نسب پانچویں پشت میں حجرت امام علی نقی امام دہم آئمہ اہلبیت سے ملتا ہے۔ جو فرزند تھے حضرت امام محمد تقی کے اور وہ فرزند حضرت امام علی رضا کے تھے اور وہ حضرت امام موسیٰ کاظم کے فرزند تھے اور وہ حضرت امام جعفر صادق کے فرزند تھے اور وہ حضرت امام محمد باقر کے فرزند تھے اور وہ حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ کے فرزند تھے اور وہ حضرت امام ابوعبداللہ الحسین شہید دشت کربلا رضی اللہ تعالیٰ کے فرزند تھے اور آپ امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا بنت (محمد الرسول اللہ ﷺ) کے فرزند تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت سید علی ترمذی قدس سرہٗ کے نسب نامہ میں صفحہ نمبر کتاب ہذا پر پشت نامہ نمبر میں شاہ ناصر خسرو بن سید جلال گنج العلم بخاری کا نام آ گیا ہے۔ اس وجہ سے کہ شاہ ناصر خسرو علوی ایک مشہور و معروف مبلغ مذہب اسماعیلیہ بدخشاں و گلگت وغیرہ کے اسماعیلیوں کا پیشوا اور مصنف بھی گزرا ہے، جس کی کتاب اس مذہب کی تبلیغ پر ایک جلد قلمی کتب خانہ مہتر چترال میں موجود ہے اور ریاست چترال اور علاقہ گلگت و ہنزا نگر دیین وغیرہ کے اسماعیلی آغا خان اسی شاہ ناصر و خسرو علوی کے مرید اور آغا خانی ہیں اور اس شاہ ناصر خسرو فرزند سید جلال گنج العلم بخاری کے ساتھ ناموں کے تشابہ کے علاوہ سید جلال میر سرخ بخاری کی اولاد میں ان کا پوتا ناصر الدین محمود بھی ہے مگر بیٹا ناصر خسرو نہیں اور نہ ناصر الدین محمود کے نسب نامہ میں ہے۔ اس کا فرزند سید حسام کا نام نہیں۔ یہ ناصر خسرو بخارا کی مملکت میں تھا جس کا ذکر اخوند درویزہ نے اپنی کتاب کا تذکرہ البراء میں یوں لکھا ہے کہ ہمارے ہادی پیر سید علی ترمذی کا جد بزرگوار شاہ ناصر خسرو نے مملکت بخارا

شاہ ناصر خسرو علی کا نسب نامہ

ابومعین الدین ناصر بن خسرو بن حارث بن عیسیٰ بن حسن بن محمد بن موسیٰ بن علی بن امام موسیٰ کاظم رضا علیہ السلام وطن ان کا بلخ ہے جیسا اس نے خود لکھا ہے:

اے بادِ مصر گر گزری بر دیارِ بلخ — بگذر بخانہ من و آنجا بجوئے حال

پیدائش شاہ ناصر خسرو ۳۹۴ء اس نے خود کہا ہے:

بگذشت نہ ہجرت پس سہ صد نو دو چہار — بنہاد مرا مادر بر مرکز اغیار

سولہ سالہ عمر تک مختلف علوم کی تحصیل میں مشغول رہا اور ذوق تحقیقات کی غرض سے مختلف مذاہب کی کتابیں دیکھیں۔ زبانوں میں فارسی عربی ترکی کا مہارتھا۔ عبرانی بائیبل اور طالمود کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ ہندی یا سندھی بھی جانتا تھا۔ ملازمت کا ذکر سلجوقی بادشاہوں کے عہد میں ملازمت اختیار کی اور عہدہ ستوفی الممالک پر فائز رہا۔ اس دور میں اس نے بڑی عیش و عشرت کی عمر گزاری پھر ایک خواب دیکھنے کی بنا پر جو اس کو قدرت کی طرف سے انتباہ ہوا تھا

میں مجلس خلوت و ذکر میں ایک بار مرد و زن کے اجتماع میں چند عورتوں کو بھی توجہ دینے میں شریک کیا تھا جس کا حال حکمران بخارا کو علماء نے پہنچایا۔ اس نے حضرت کو لکھا کہ روئی اور آگ کو آپ یک جا کر کے جلنے سے کیسے بچا سکیں گے، تو حضرت نے ایک چھوٹی صندوقچی میں روئی کے گالے رکھ کر اس میں دہکتے ہوئے موٹے آگ کے انگارے رکھ کر حکمران خواجہ ترک کو بھیج دی جسے کھول کر دیکھا کہ انگارے لال سرخ دہک رہے تھے مگر روئی کا ایک رواں زرد بھی نہ ہونے پایا تھا۔ اور آپ نے خواجہ ترک کو لکھا کہ جس شخص کی روحانیت اس قدر طاقتور ہو کہ روئی کا ایک رواں، انگارا دہکتا ہوا نہ جلا سکے اس کے لئے تو احیاناً اگر مرد عورت کی یکجا توجہ دہائی مجبوراً پیش آجائے تو حرج نہیں، ورنہ ہر دو کا خلوت دینا ممنوع ہے۔ اس بیان سے اخوند درویزہ سے معلوم ہوا کہ سید علی ترمذی کا جد سید ناصر خسرو حضرت سید جلال بخاری کے اس فرزند کا بیٹا ہے جس کا نام سید جعفر تھا۔ یہ دو بھائی بخارا کے بادشاہ سلطان محمود بندہ خدا کی دختر کے بطن سے تھے۔ والد کو ملتان پہنچا کر واپس وطن چلے گئے۔ نسب ناموں میں لکھا کہ ان کی اولاد بخارا میں بادشاہی پر بھی آئے لہٰذا یہ ناصر خسرو سید معطر فرزند سید جلال بخاری کا ہے جس کا نام نسب نامی میں اخوند درویزہ لکھنا بھول گیا ہے اور ان کا زمانہ اس سے بہت دور بعد کا ہے کہ حضرت سید جلال گنج العلم کی ولادت ۵۹۵ء ہجری میں ہوئی ایک سو سال عمر اور وفا ۶۹۵ء ہوئی۔ تو اگر اس کا پہلا فرزند سید جعفر تیس سال کی عمر میں پیدا ہوا ہو تو بھی اس کا بیٹا شاہ ناصر خسرو کی جوانی کی عمر ۷۰۰ء ہجری میں ہوتی ہے۔ مگر شاہ ناصر خسرو علوی کی ولادت ۳۹۴ء میں ہوئی، ان کے درمیان ڈھائی تین سو سال کا زمانہ از ہمدیگر جدا ہے۔ لہٰذا میں اس جگہ مزید وضاحت کے لئے شاہ ناصر خسرو علوی کی سوانح کا خلاصہ درج کرنا لازم جانتا ہوں۔

ملازمت ہی نہیں بلکہ ہر دنیوی تعلق کو ٹھکرا دیا اور حج کا عزم کر کے جمادی الثانی ۴۳۷ء اپنے چھوٹے بھائی ابوسعید کے ہمراہ سفر پر روانہ ہو گیا۔ وطن سے چل کر نیشاپور، قزوین، دیلم، تبریز مشرقی شام میں داخل ہوا۔ حلب، حماۃ، حمص، بیروت، صور، صیدا، عکہ، القدس میں پھرا قدس جانے کا مدعا یہ تھا قبلہ اولیٰ کی زیارت کرے، وہاں سے وادی القراء کے راستے مکہ معظمہ پہنچ کر پہلی بار حج کیا۔ پھر بعد از حج پھر رملہ عسقلان ہو کر قاہرہ مصر مقیم ہو کر وہاں ٹھہرا اور ۴۳۹ء ہجری میں دوسری مرتبہ حج کیا پھر قاہرہ چلا گیا۔ دو سال کے بعد قاہرہ سے مدینہ منورہ گیا۔ اور ۴۴۱ء میں تیسرا حج کیا۔ بعد ازاں قاہرہ واپس لوٹ گیا۔ (فاطمی خلفاً قاہرہ سے تعلق) یہ زمانہ قاہرہ میں فاطمی سلاطین کا عہد تھا۔ جو فرقہ باطنی کے سب سے بڑے سرپرست تھے۔ الحاکم بامر اللہ کا زمانہ ناصر خسرو نے ان کے ساتھ گہرے تعلقات پیدا کر لئے اور ان کی طرف سے داعی بن گیا۔ (سفر سے مراجعت) قاہرہ سے واپس آیا تو کشتی میں سوار ہو کر دریائے نیل کے راستے جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ اسیوط میں کشتی چھوڑ شرقی سمت میں صحرائی علاقے کو گیا۔ عندلیب کے مقام پر پہنچا۔ وہاں سے پھر جہاز میں سوار ہو کر جدہ آیا اور چوتھی مرتبہ حج کیا۔ بعد از حج طائف، فلج، یمامہ، اکسار ہوتا ہوا بسرہ پہنچا۔ وہاں سے اصفہان پھر مرو الرود پھر ۴۴۴ء میں بلخ پہنچا۔ سات برس اس سفر میں گزرے۔ سفر مراجعت میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ چونکہ طبیعت پر فلسفہ کا رنگ غالب تھا۔ اس لئے عام لوگوں کو اس کی باتیں اچھی نہ لگتی تھیں۔ اور باطنیوں کا داعی بن جانے کی وجہ سے معاملہ اور ہی بگڑ گیا عو (ام کا ہجوم) ناصر نے مازندران وغیرہ میں باقاعدہ باطنی دعوت شروع کر دی تھی۔ لوگوں میں سوءظن پہلے سے تھا۔ اب وہ جوش میں آ گئے۔ بڑے بھاری مجمع نے خروج کیا۔ ناصر سب کچھ چھوڑ کر صرف جان بچا کر ہم ہمکان پہنچا جو بدخشاں میں ہے۔ یہ ۴۴۷ء کا واقعہ ہے۔ تب سے لے کر ۴۸۰ء تک ہمکان سے باہر نہ نکلا۔ وہیں وفات پائی۔ اور وہیں دفن ہوا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ میں نے سفر بدخشان میں سے ناصر خسرو کی قبر دیکھی جو فیض آباد سے جنوب مغرب میں ہے۔ دو منزل پر بڑی دل افزا جگہ ہے اور ناصر کی اولاد وہاں اب بھی موجود ہے۔

یہ حالات اس قدر میں نے ناصر خسرو مبلغ عقیدہ باطنیہ اسماعیلیہ کے اس لئے اس جگہ لکھے ہیں کہ ہمارے اجداد کے سلسلہ میں شاہ ناصر خسرو کا نام آیا ہے۔ جن کا زمانہ حیات چھٹی

صدی ہجری بلکہ ساتویں صدی ہجری میں تھا اور اس تشابہ اسمی کی وجہ سے کتاب کے ناظرین کو مغالطہ نہ لگ جائے۔ جب ان کے جد بزرگوار سید جلال گنج العلم کا زمانہ پوری چھٹی صدی ہجری پر مشتمل ہے۔ جن کا فرزند اول جعفر بخاری سکونت بخارا میں ہے تو شاہ ناصر خسرو کی زندگی کا بڑا حصہ ساتویں صدی ہجری کے ابتدائی نصف حصہ پر مشتمل ہے۔ بوجہ شیخیت وکرامت جہانگیروی کے آپ کو فرزند سید جلال کے نام سے منسوب کیا گیا۔ ہے۔ ہمارے وطن میں ان کا نام زبانی روایات کی رو سے حیات المیر صاحب مشہور ہے۔ ان کی نشست گاہ بڑی مشہور ریاست امب کے بنگرہ پہاڑ کی چوٹی پر موسومہ سری کی زیارت مشہور ہے اور ان کی نشست گاہیں متعدد پرگز تنولی میں بھی ہیں اور ان کے روحانی اثرات اس ملک میں بہت ہیں خود میری ذات کی نسبت ان کی روحانیت کی تو برنگ پدرانہ شفقت کے بہت نمایاں ہیں نے مشاہدہ کیا ہے جس میں واقعات بتائے پہلے گئے اور پورے بعد میں ہوئے معائنہ کئے گئے ہیں۔ ایک روایت مشہور ہے۔ زبانی کے رو سے ان کی نشست گاہ برنگ زیارت تبت میں بھی سنی جاتی ہے جہاں اس وطن کے اکثر لوگ سوات بونیر وغیرہ سے زیارت کو جایا کرتے ہیں۔ اس بزرگ کی کرامات اس زمانہ تک ان کی قیام گاہوں پر دیکھی جاتی ہیں تفصیلات تحریری مزید مجھ کو دستیاب نہیں ہوسکیں جس قدر معلومات اپنی تھیں درج کر دیں ہیں۔

حضرت سید علی ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کا خود فرمودہ بیان آپ کے ماذون اخوند درویزہ علیہ الرحمتہ نے اس طور سے لکھا ہے کہ آپ اصلاً ترمذی ہیں اور وطناً قندوز کے باشندے تھے اور خواہر زادگان سلطان ظہیر الدین (بابر) میں سے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے میرے والد بزرگوار مرزا زیا سید قمر علی بسبب نسبت نسبداری ہمراہ سلاطینِ دنیوی منصب اختیار کر چکے تھے۔ لیکن حضرت جد بزرگوارم امام المسلمین سید الدنیا والدین سید احمدؒ بن سید یوسف اپنے آباء اجداد کے طریقہ مرضیہ پر نسباً اور سجادۂ سلسلۂ کبرویہ پر ذاتاً مستقیم رہ کر دنیوی امورات سے بے تعلق رہا کرتے تھے۔ والد صاحب کو شہنشاہ کی طرف سے لقب امیر نظر بہادر کا ملا ہوا تھا اور آباؤ اجداد کے طریق زہد وریاضت کو ترک کئے ہوئے تھے۔ اس لئے جد بزرگوار کی نظیر انتخاب اس وراثت آبائی کی سپردگی کی نسبت اپنی تمام اولاد میں سے ہر ایک کو حسب پسند اپنے اپنے لئے پسند اور نام نہاد کر رہے تھے تو مجھ کو کسی نے دیگر بزرگوں میں سے اپنے حصہ کا نہ بنایا۔ بلکہ بچپن

میں سب بزرگ مجھ کو دیوانہ کہا کرتے تھے۔

چون ندارم با خلائق الفتے   خلق پندارد کہ من دیوانہ ام

تب حضرت جد بزرگوار نے خوش ہو کر فرمایا۔ تم اس دیوانہ کی قدر شناسی سے بے خبر ہو اس کو میرے لئے اور میرے ہی حصہ کا رہنے دو۔ اور حضور نے مجھ کو اپنی خدمت میں اپنی تربیت وتعلیم کے ماتحت منتخب کر کے رکھ لیا تھا۔ حضور نے تعلیم وتربیت میری اہتمام سے خود کرنی شروع کر دی تھی اور شرح ملا جامی تک میری تعلیم آپ نے پہنچائی تھی اور طریقہ وعادات زہد وریاضت وعبادت کا بھی آپ ہی کے انفاس قدسیہ کی برکت سے اس وقت تک میرے ذہن میں اور عمل میں مرتسم ہو چکا تھا۔ عین ایسے حالات میں آپ کی رحلت کا وقت آ پہنچا۔ تو آخری وقت آپ نے مجھے فرمایا: فرزندم قرآن مجید میں سے جو تم کو کچھ یاد ہو سناؤ میں نے سورۃ ملک پڑھی۔ فرمایا دوبارہ پڑھو، میں نے دوبارہ پھر سنائی۔ فرمایا سہ بارہ پڑھو۔ میں نے تیسری بار یہ سورۃ سنائی۔ تب آپ نے دعائیہ صورت میں اور مرشدانہ طور پر فرمایا اور بطور ارشاد و ہدایت ارشاد کیا۔ اے فرزند جو برکات اور انعامات مجھ کو اللہ تعالیٰ نے عطا اور ودیعت فرمائے تھیں کہ کچھ حصہ ان کا ابا عن جد آبا کرام آل اطہار سے نسلاً مجھے حاصل تھا اور بعض حصہ برکات وانعامات کا بزرگانِ سلسلۂ کبرویہ سے اذناً اور مجازاً مجھے حاصل تھا۔ وہ میں اپنے معبود ومالک خداوند حقیقی کی عنایات وافضال کی امداد وتوقع پر تجھ کو سپرد کرتا ہوں۔ اس مالک کو تیرا کفیل اور تجھ پر وکیل ٹھہراتا ہوں کہ وہی تجھے ان تمام مناصب وبرکات عالیہ عظمہ پر فائز وممتاز فرمادے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کو سلسلہ کبرویہ کا ان کو اجازت اس عمر میں جد بزرگوار کی زبان مبارک اور بیعت سے حاصل ہے۔ ان کی وفات میرے لئے ایک بے پایاں وحشت اور بے سرپرست ومددگار ہو جانے کی موجب ہوگئی اور سخت ابتلا ومصیبت ہوگئی۔ اس لئے کہ جس طرف طبیعت نے راستہ اختیار کر لیا تھا اور نہایت پر زور اشتیاق سے جس راستے پر طبیعت چل پڑی تھی اور مانوس ہو چکی تھی اس کا راہ نما و راہبر سرپرست ہی دنیا سے اٹھ گیا تھا۔ جب ویسا مونس وغمخوار ہی دنیا میں نہ رہا تو میرے لئے وہ راستہ تاریک ہو گیا۔ مگر دوسرے مشاغل اور مسالک سے بھی میں منقطع ہو چکا تھا۔ لہٰذا مجھ پر یہ آئندہ حصہ عمر کا اس قدر صبر آزما اور ابتلا تھا جس کی روحانی تکلیف بیان سے باہر ہے۔ نہ ہی لذت وحظائظ دنیوی کی طرف میلان اور ان

سے فرحت یابی تھی، (جو کچھ حاصل تھا) اور نہ ہی روحانی لطائف وظائف پر ظفریابی حاصل ہو سکتی۔ اکثر والد بزرگوار لباس شاہانہ پہنا کر بارگاہ سلطانی میں ہمراہ خود لے جایا کرتے تو وہ کپڑے گویا میرے بدن کو کاٹ رہے ہوتے تھے۔ معاً بعد واپسی از دربارہ سادہ لباس پہن کر علماء وصوفیا اتقیاء کی مجالس کی تلاش میں مصروف ہو جاتا مگر میرا مطلوب ومقصود مجھے کہیں نہ ملتا۔ پھر بھی نیکی اور علم کی صحبت میں مجھے قدرے تسکین حاصل ہوتی۔!

اس طرح ایام گزرتے رہتے تھے کہ ناگاہ سلطان ظہیر الدین بابر بادشاہ نے فتح ہندوستان کے ارادہ سے افواج کی فراہمی کے احکام صوبہ ترکستان وبدخشان میں شہنشاہ ہمایوں ولی عہد سلطنت کے نام روانہ کئے اور والد بزرگوار جو سلطانی امراء میں سے تھے۔ ان کی فوج میں مجھ کو بھی اپنے ہمراہ لے آئے اور میدان پانی پت میں بادشاہ ہندوستان کے ساتھ مقابلہ ہو کر تاج وتخت ہندوستان کا اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت سے اس خاندان بابری کی طرف منتقل فرما دیا گیا۔ ایک فریق کے زوال دوسرے کے کمال اور ایک سے تاج چھینے دوئم کو تاج ملنے کا جو نظارہ پیش آیا وہ میرے ادل پر اور بھی بے ثباتی دنیا کا ایک کارگر نقش ثبت کر گیا۔ اس کے بعد مجھ سے عمر گرانمایہ بے کار اور ضائع نہ کی جا سکی اور دل میں اپنے مطلوب کی تلاش میں بادیہ پیمائی کا تہیہ مصمم کر لیا۔ ایک دن سپاہیانہ جامہ میں ہی شہر میں (پانی پت کے) حضرت شیخ شرف الدین پانی پتی کے مزار مقدس کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ اسلحہ اور گھوڑا ملازم کو سپرد کر کے مزار پر فاتحہ مسنونہ پڑھنے میں مشغول تھا کہ روحانیت حضرت شیخ کی برکات وانوار کا ظہور و نزول میرے قلب پر ہوا اور دل نے ذکر الٰہی میں جنبش وروانی اختیار کی۔ اس حالت نے مرے لئے ترک تعلقات کی نسبت مہم کو آسان کر دیا اور جوش طلب مولا میں خلاف معمول اضافہ ہو گیا۔ میں خطیرہ مقدسہ حضرت شیخ مرحوم کے دوسرے راستے سے نکل کر ایک دور تر زاویہ گمنامی میں جا بیٹھا اور بفکر خود ذکر الٰہی میں مشغول ہو گیا جب میرے ملازموں نے دیر تک مجھ کو واپس آتا نہ دیکھا اور طلب تلاش سے مزار میں بھی نہ پایا تو واپس جا کر والد بزرگوار کو

حضرت علی ترمذی علیہ رحمۃ کی صحیح سن ولادت لکھی ہوئی نہیں مگر تاریخی دیگر حالات سے اندازہ کرنے سے تخمیناً ۹۰۰ ہجری کے پہلے دو تین سال اور ۱۵۰۰ء کی ابتداء کا زمانہ ولادت ہے جو ہر دو سنین کا اس وقت پانچ سال تفاوت سے سنین کی ابتدا برابر ہے۔ ر۔ ج

اطلاع دی اور سب نے یہ خیال کر لیا کہ اس کو راہ خداطلبی میں مصروفیت اور ریاضت وعبادت کا شوق غالب تھا۔ اس غلبہ کی وجہ سے کہیں چلا گیا ہو گا۔ بعد از تلاش بسیار مجھے والد صاحب نے پالیا میں پابوس ہوا اور بمنت التجا کی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور اولاد بھی مرحمت کی ہے میں آپ کے مطلوب کام کا نہیں ہوں۔ جہاں آپ مجھ کو لے جانا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کشاکش میں میرا اپنا محبوب اور مطلوب کام مجھ سے ضائع ہو رہا ہے۔ للہ مجھے آزادی عنایت کر دی جائے۔ ناچار وہ راضی ہو گئے اور کچھ اشرفیاں زاد راہ کے لئے پیش کیں میں نے اس بارے میں بھی بمنت ان کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا اور اب میں نہایت مسرت اور اطمینان کے ساتھ برضا مندی پدر بزرگوار اپنے مطلوب مقصود کی طلب وتلاش میں راہ نورد ہو گیا۔ اور مجھ کو اس وقت بہت مسرت حاصل تھی کہ مجھے اپنی سعی کے لئے آزادی مل گئی۔

بعد طے منازل ومراحل خطہ مانک پور میں پہنچا! جہاں حضرت شیخ السلام شیخ بہاء الدین صامت (جونپوری) قدس سرہ کے خلفا میں سے قدوۃ الواصلین شیخ سیلونہ علیہ الرحمۃ کے شرف نیاز سے مشرف ہوا جن کے پاس مدتوں تعلیم وتربیت روحانی میں مصروف رہا۔ حضرت موصوف کاملین اولیا اللہ میں سے تھے۔ سخت پابند شریعت وسنّت تھے ان کے خوارق وکرامات بیان کروں تو بیان طویل ہو جائے گا۔ صرف دو امور پر اکتفار کرتا ہوں۔ ایک دن آپ منہ سے ایک لفظ مجلس میں بطور نصیحت واعظ نکل گیا۔ جو نظر بر حالات عجز وانسانی میرے لئے محال عقلی اور موجب بسیار تعجب تھا۔ فرمایا تھا کہ صوفی جو فنافی اللہ تک پہنچ جاوئے اور اللہ تعالیٰ سے دل لگاوے لازم ہے کہ اس پر یہ حالت قائم ہو جاوے کہ وہ یاد الٰہی سے کسی حال میں بھی غافل نہ رہ سکے۔ سوال پر یا خود ہی تحدیث بالنعمت کے طور پر فرمایا۔ الحمد للہ یہ کیفیت مجھ کو حاصل ہے۔ یہ امر میرے خیال میں مستبعد تھا اور مجھے اس پر یقین ہرگز نہ جمتا تھا کہ ایسی کیفیت انسان قائم رکھ سکے۔ ایک دن آپ بھری مجلس میں نصائح وسرایع زبانی ایسے طور سے بیان کر رہے تھے کہ آپ کی زبان اور ذہنیت دونوں اسی طرف مصروف عمل تھیں۔ اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ انسانی کمزوری وضعف کے باوجود آپ اس وقت اس مصروفیت میں کیوں کر دل میں ذکر الٰہی کے اجرا پر قادر ہو سکتے ہیں۔ اس وقت تو دل کے خیالات زبان پر جاری ہیں۔

کڑہ مانک پور الہ آباد کے قریب ایک مقام ہے۔ ر۔ ج

آپ نہایت ذوق وانہماک سے مصروف نصائح تھے۔ میں نے یقین کیا کہ اس وقت قلب ضرور ذکر سے غافل ہوسکتا ہے۔ حالانکہ میں آپ کے سامنے اور روبرو بھی نہ تھا۔ مگر معاً میری طرف تلاش نظر مصروف کر کے مجھے دور سے دیکھ کر فرمایا سید علی اس وقت بھی ذکر سے غافل نہیں ہوں۔ اس کے بعد مدت گزر گئی۔ ایک دن آپ مسجد میں سو رہے تھے میں پاس بیٹھا تھا۔ ناگاہ دل میں وہ مدت کا گذشتہ خیال آ گیا کہ بھلا انسانی ضعف ظاہر امر ہے کہ آپ اس قدر گہری نیند اور از خود بے خبرانہ حالت میں کیوں کر ذکر قلبی جاری رکھنے پر توفیق یاب ہوسکتے ہیں۔ اس وقت تو یقیناً ذکر سے غافل ہی ہوں گے۔ میرے خیال میں اس شبہ کے آتے ہی معاً آپ نہایت عمیق نیند سے چونک کر فوراً مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ سید علی اس حال میں بھی غفلت ایک ثانیہ نہیں ہوتی۔ ایک دن میں نے نوزائیدہ گوسالہ پکایا تھا اور آپ کو کھانے پر مدعو کیا تھا۔ مجھے اپنے مطبخ کا علم نہ تھا۔ آپ میرے ہمراہ اپنے ڈیرہ سے اٹھ کر ہمارے دروازہ تک آئے مگر وہاں کھڑے ہو کر فرمانے لگے سید علی اجماعی فتویٰ امت کا مسئلہ کیخلاف ہے۔ جس کی رو سے اس گوشت کو بعض نے حلال کہا ہے تم اس کو پھینکوا دو اور آپ چلے گئے۔ مجھے تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ میری ہدایت پر گوشت تو گوسالہ ہی کا پکایا گیا تھا۔ لیکن گائے تندرست اور حاملہ تھی جس کو خود ذبح کیا گیا تھا۔ اور اس کے پیٹ کے اندر پوری عمر کا گوسالہ بچھڑا مسئلہ مذبوح میں شامل سمجھ لینے کے رواج کی رو سے مذبوح و حلال جان کر وہ گوشت پکایا تھا۔ آپ نور فراست سے اس کی حقیقت معلوم کر کے مگروہ بتلا کر واپس چلے گئے۔ غرض ایک لمبا عرصہ آپ کے فیض صحبت و تعلیم و تربیت سے فیض یاب ہونے کے بعد اس نے التجا کی کہ آپ مجھے اس بحر ناپیدا کنار طریقت میں تیراکی اور سیاح میں مصروف کر دیجئے جس کی طلب اور پیاس مجھ کو یہاں کھینچ لائی ہے۔ تب آپ نے غور و خوض کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ کام سری و خودروی کا نہیں، بلکہ تمہارے جیسے طالبان حقیقت و محققین کے لئے مشکوٰۃ ذوالبرکات نبوی سے مقتبس مخصوص انوار کے وارث دستگیر کی ضرورت ہے۔ تم میرا سفارشی خط لے کر اجمیر شریف کو چلے جاؤ، وہاں ہمارے ایک پیر بھائی ولی کامل اکمل اس منصب کے اہل موجود ہیں۔ ان سے آپ کو انشاءاللہ فیض یابی ہوگی۔ چنانچہ آپ کی سفارش لے کر میں بعد طے منازل و مراحل اجمیر شریف پہنچ کر حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سید الدنیا والدین شیخ سالار بدعطاء اللہ

رومی قدس سرہ العزیز کی خدمت باسعادت میں پہنچا۔ حضرت نے سفارشی خط پڑھ کر اور میرے حسب نسب پر نگاہ کر کے فرمایا، اے سید سادات فصیح النسب صحیح العقائد تو مخدومی کے اہل و لائق ہوا کرتے ہیں، مگر جو مقصد تمہارا ہے یہ خادمی سے حاصل ہوتا ہے جو شیخ کامل متشرع کے تمام اثرات حاضر باشی میں حاصل کر سکے۔ لہٰذا مجھ کو مصلّی برداری کی خدمت سپرد فرمائی۔ اس خدمت کو میں نے ذریعہ سعادت یقین کرتے ہوئے طرفۃ العین بھی خدمت مفوضہ سے تغافل و تکاسل کبھی نہ کیا۔ اور جب کافی عرصہ حضرت نے خدمت کے امتحان میں مجھ کو راسخ پایا۔ تب علم سلوک و تصوف کی تعلیم شروع فرمائی۔ مخصوص نکات مجھے تعلیم فرماتے تھے جن کی واجبی طور پر حقیقت فہمی کے بغیر حق شناسی و حقیقت فہمی میسر نہیں ہوسکتی۔ میں جو کلمہ اس علم کا آپ سے سنتا ایک ہفتہ خلوت اختیار کر کے بعد از جد و جہد و ریاضت اس کی حقیقت تک جب اللہ تعالیٰ مجھے رسائی دیدیتا بت حضرت کی خدمت میں حقیقت حال عرض کرتا جس پر آپ صد تحسین و آفرین فرما کر اور بے حد مسرور ہو کر دوسرے کلمات اور حقائق تعلیم فرماتے۔ فی الجملہ اس پر ایک کافی زمانہ گزر گیا اور حضرت شیخ کے اقوال اور احوال و افعال و علم و تعلیم آپ نے محل شایان دیکھ کر میرے کلبۂ قلب میں انڈیل دیئے اور تمام انعامات باطنیہ سے معمور فرمایا۔ تب فضیلت ارشاد و اذن کی پیش فرما کر اپنا ماذون مجاز بنا۔ اے عزیز تجھ کو کیا معلوم ہے کہ مجھ پر یہ وقت کس قدر بھاری اور دشوار گزرا۔ اور میں نے نہایت عجز و منت سے التجا کی کہ یا حضرت مجھے اس پابندی و قید رو در خلق سے آزادی اور مخلصی دیجئے۔ یہ تو پھر خلق خدا کی طرف دوبارہ رجوع ہو کر مصروف ہونے کا مستلزم کام ہے حالانکہ مجھ کو جو بچپن سے اختلاط خلقت سے نفرت ہے۔ اس طبعی میلان نے مجھ سے ترک تعلقات دنیوی پر آمادہ کیا ہے۔ پھر آپ کی تعلیم نے زاویہ نشینی اور خلوت گزینی کی لذات کا خوگر بنا دیا ہے۔ اب دوبارہ میرے لئے اختلاط با خلق و تربیت طلاب و امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض عظیم جس کیساتھ اہل دنیا کے انبوہ میں شامل ہو جانا لازم ملزوم ہے جس سے مجھ کو عادتاً اور طبعاً نفرت ہے اور مجھ کو صرف رو بہ حق اور پشت در خلق میں لطف حاصل ہے۔ فرمایا تم نے سچ کہا ہے۔ مگر دو وجہ سے تم کو ماننا پڑے گا اور انکار نہ کرنا ہوگا۔ اول یہ کہ امر مرشد امور مشروع میں واجب التعمیل ہے اس لئے کہ مرشد ظرف سے آگاہ ہو کر امانت خداوندی صرف اس کے اہل اشخاص کو سپرد کرتا ہے پھر اس نے بھی وہ امانت آگے ایسے ہی اہل

اور صاحب ظرف لوگوں کو پہنچانی ہوتی ہے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ ہر صاحب نعمت محل و مقام لائق اور اہل پا کر اس جگہ امانت الٰہیہ کی نعمت اگر ودیعت نہ کرے تو وہ ادائیگی حق میں کوتاہی کا مرتکب اور زمرہ بخلا میں عند اللہ محسوب ہوتا ہے۔ جب میں نے محل شایان پالیا ہے تو کیوں نہ اپنے ذمہ دارانہ فرض سے سبکدوشی حاصل کروں اور کیوں نہ امانت الٰہیٰ اس کے اہل کو ادا کر دوں اور کیوں اپنے آپ کو بخلا میں محسوب کراؤں۔ مجبوراً حکم مرشد بسرو چشم قبول کرنا ہی پڑا اگرچہ یہ بوجھ مجھ پر بہت گراں اور ذوق طبیعت کے خلاف تھا۔ مگر جب قید اذن میں مقید ہو چکا تو بمو جب اس مقولہ کے کہ سالک کو اپنے سلوک میں بہتر قسم کے مانعات اور رکاوٹیں منزل مقصود کی راہ میں مانع انجام رسی کی پیش آیا کرتی ہیں جن کا آنا ابتلاءً و امتحاناً ایک لازمی امر ہے۔ اور سب سے جو رکاوٹ پہلے پیش آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اس بندہ کی نیک شہرت ملک و ملکوت میں پھیل جاتی ہے۔ اور تمام کائنات کی مخلوقات اور ذرہ ذرہ اس کی طرف مانند مقناطیس و آہن کھنچا چلا آتا ہے۔ (سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا) اب اس منزل خیر و برکت میں راہ زن دین کو ایمان عدو مبین کو عمدہ موقع عجب اور کبر میں پھنسانے کا مل جاتا ہے۔ اور انواع و اقسام اسباب سالک کو فریفتہ کرنے کے محبوبات دنیا کے تو خود حاصل ہو رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو بھی محبوب شے کہ اس پر سالک کا نفس راغب ہو سکے۔ شیطان اسی مرغوب کو اسے مزین کر دکھاتا ہے اور اس کی التفات اپنی منزل مقصود کی سعی کے اور سفر کی نسبت اس طرف متوجہ کرا دیتا ہے۔ انسان کے اندر نفس کی خواہشات کی کمزوری خود موجود ہے اور موجودہ کشش و جذب روحانی کی استعداد کا ملاحظہ کر کے اور کسی ایک نہ ایک مرغوب شے پر مائل اور نائل ہو کر فریفتہ ہو جاتا ہے ادھر اپنے آپ کو بھی کو منزل رسیدہ خیال کر لیتا ہے۔ ادھر اس سبب سے اس کا سفر سلوک کا اسی جگہ رک کر ختم ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتا بھی نہیں۔ بلکہ مغز کی بجائے قشر اور چھلکے پر ہی راضی اور قانع ہو کر یہیں کا یہیں رہ جاتا ہے۔ اس کی راحت یابی و فرحت یابی اس مقام پر جب کہ یہ مرجع خلائق بن جاوے اس کی مزید ترقی کی مانع ہو کر اس پر آگے بڑھنے کے راستے ہی بند ہو جاتے ہیں اور وہ اس پر سمجھتا بھی نہیں بلکہ اسی درجہ پر قانع صابر اور اپنے آپ کو کامیاب بامراد جان لیتا ہے اور اس کے لئے سیر روحانی اور مزید پیش روی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ اور اگر خداداد توفیق سے یہ بندہ اس منزل سے قانع نہ ہو کر اور پھنسنے سے بچ کر آگے

بڑھ چلا تو اس سے آگے اور اور قسم کے مانعات اور محبوبات بھی پیش آتے رہتے ہیں، خوش نصیب ہوا تو سب کو عبور کرتا ہوا آگے گزر جاتا ہے اور لا الہ الا اللہ کے معانی پر مستقل قائم رہا اور بجز اللہ تعالیٰ کے ذکر و قرب کی نعمت کے اور کسی طرف متوجہ نہ ہوا اور اسی کی رضا حاصل کرنے میں منہمک رہ کر بہتر رکاوٹوں کو پھاند گیا۔ تب وہ خدا تعالیٰ کا ولی بننے اور کہلانے کا مستحق ٹھہر جاتا ہے اور جو بھی اس کی استعداد ہو اس کے مطابق عند اللہ اس کو مدارج عطا ہو جاتے ہیں۔

میرے لیے پہلی منزل یعنی عوام الناس میں شہرت پیدا ہو کر ان کا رجوع و ہجوم مجھ پر ٹوٹ پڑا تو چونکہ میری فطری اور طبعی عادت ہی اس کے خلاف تھی اور مجھ کو اجتماع خلائق سے جبلی نفرت تھی میرے حضور و مراقبہ و مجاہدہ میں خلل واقع ہونے لگا اور حضور نفور سے بدلنے لگا اور مراقبہ مشاہدہ میں خلل واقع ہونے لگا۔ کیوں کہ اکثر لوگ مرید شریعت ہونے آتے ہیں اور بعض مرید طریقت ہونا چاہتے اور لامحالہ مجھ کو ان پر شفقت اور ان کی راہ نمائی اور تربیت روحانی کا اہتمام کرنا پڑتا۔ گویا اپنا کام چھوڑ کر یا پس انداز کر کے اور ان کی خدمت میں وقت صرف اور ضائع ہونے لگا جس پر مجھے افسوس اس لئے ہوتا کہ جو کام جتنے وقت میں اپنے تزکیہ نفس پر صرف کرنے میں مجھے اپنے لئے کرنے کا تھا، وہ اوروں پر صرف ہو کر اپنا کام بھی ملتوی ہو جاتا اور اوروں سے اختلاط اور دوسروں کی اصلاح میں کئی قسم کے منکرات اور مکروہات کا بھی مقابلہ کرنا لازم آجاتا جو مجادلہ اور مقابلہ کی سورت میں پیدا ہو کر طبیعت متردد اور جنجالوں میں پھنس جاتی حالانکہ میرا طبعی شوق اپنا سفر سلوک کا جاری اور مسلسل رکھنے کا تھا۔ ملک گدائی و حاجی سیف اللہ وغیرہ ککیانی جن کو شہنشاہ ہمایوں اپنے لشکر میں معہ فوجوں کے سردار بنا کر لے گیا تھا کثیر التعداد لوگوں کے ساتھ مرید ہوئے۔ یہ لوگ پشاور کے باشندے تھے اور ہجوم خلائق نے مجھ کو ایک گونہ محصور کر لیا تھا۔ تب میں نے حضرت مرشد سے اپنی روحانی مذکورہ تکلیف عرض کر کے آپ سے اس کا علاج اور مخلصی طلب کی اور عرض کی کہ اگر مجھے اس اجتماع خلائق سے یکسوئی حاصل کرا دیجئے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی بصیرت بے غائت دور بین تھی اور کشف و کرامت بے نہایت حقیقت رس تھی۔ اس لئے آپ نے میری آئندہ کی دوامی سکونت گاہ کو معلوم کر لیا مگر مجھ سے صراحت نہ فرمائی فقط اس قدر اجمالاً فرمایا کہ تم اپنی توجہ کوہستانی علاقوں کی

طرف کرو (یہی وہ جملہ اور فقرہ تھا جس کے اندر قبائل سرحدات شمالی ہند کے علاوہ قبائل قدیم کفار کوہستانات کا اسلام میں لانا اور اصلاح ان کی کرنا اور افغانستانی کوہستانیوں کی دینی خراب شدہ حالت کی اصلاح و درستگی کرنا مضمر و معین و مقدر تھا تب میں نے آپ سے رخصت مانگی اور اپنے خیال و اجتہاد سے میں نے اس سے مقصود علاقہ کشمیر کو سمجھا اور اس طرف جانے کے ارادہ سے میں اجمیر سے چل کر روانہ ہوگیا۔ بعد طے منازل و مراحل جب میں ملک پنجاب میں جدید گجرات کے مضافات میں سے ایک قصبہ موسومہ دادو پنڈ میں پہنچا ہی تھا کہ ایک شخص نے جس کا نام کیلا اس تھا شہر میں غوغا مچا دیا کہ اے لوگو! دوڑا آؤ جس شخص کو میں نے خواب میں دیکھا تھا اور تم سب اہل قریہ کو پہلے وہ خواب میں سنا چکا ہوں۔ وہ شخص یہی ہے میں نے یہی شکل دیکھی تھی اور پہچان چکا ہوں جلدی چلو کہ اسی کے سایہ میں ہماری نجات ہے۔ اس کو اپنا پیر و مرشد بنالو۔ اور فی الفور مجھ کو اس جگہ لوگوں کی ایک بھیڑ اور ہجوم نے گھیر لیا۔ میں نے بطور امتحان اس شخص کے دعویٰ کی تردید کی اور انکار کرتے ہوئے اس سے ثبوت طلب کیا تب اس نے نہ صرف اسی شہر کے بلکہ تمام گردونواح کی آبادی کے لوگوں کو بطور گواہ اپنے بیان کردہ خواب کے ثبوت میں اور میرے حلیہ اور شکل و صورت بیان کردہ کے ثبوت پیش کیا۔ اور سب نے کہا کہ حضرت اس شخص نے اپنا خواب بطور پیغام و اعلان روحانی ہم سب لوگوں کو سنایا تھا کہ ایک اللہ تعالیٰ کا ولی اللہ دور ممالک سے یہاں آنے والا ہے اور لازم ہے کہ ہم سب مسلمان اس کو نعمت اور غنیمت جان کر اس کی بیعت کے شرف سے مشرف ہوں آپ کا حلیہ اور آپ کی پیشانی مبارک کا خال بھی اس نے بیان کر دیا تھا۔ تب میں نے ان سب لوگوں کو مرید شریعت بنا کر پابندی شریعت اور امر معروف و نہی منکر کی بیعت ان سے لی اور لازماً کچھ مدت ان کی تعلیم و تربیت کی خاطر اس جگہ مجھ کو ٹھہرنا لازم ہوگیا۔ یہ وہ ایام تھے جب کہ شہنشاہ ہمایوں کے خلاف شیر شاہ افغان نے فوج کشی اور مقابلہ کر کے ہمایوں بادشاہ کو شکست دے دی تھی اور بادشاہ اس سے شکست یاب ہو کر ہندوستان کو چھوڑ کر ایران کے راستوں پر روانہ ہو چلا تھا۔

(یہ واقعات ۹۴۶ھ ہجری بمطابق ۱۵۴۰ء کے ہیں اور حضرت کی عمر اس وقت تخمیناً چالیس سال کی یا زائد تھی۔ ع ج)

اور شہنشاہ ہمایوں کے امراء اور عمال سلطنت ہندوستان کے مختلف شہروں اور صوبوں

سے افغانی فوجوں کے آگے مغلوب ہو کر اپنے اپنے راستوں سے کابل کو واپس جا رہے تھے۔ اسی قصبہ دادو پنڈ میں حسن اتفاق سے مجھے اپنے والد بزرگوار سے دوبارہ ملاقات نصیب ہوئی جب کہ آپ لشکر کے ہمراہ واپس وطن جا رہے تھے۔ آپ نے بعد شناخت سینہ سے لگایا بے حد تلطف و ترحم فرمایا اور بے حد و بے اندازہ تاسف و تحسر کیا کہ میں نے اپنے آباؤ اجداد کا طریق صحیح چھوڑ غلط طریق دنیاداری اختیار کیا تھا اور جس دل بسانے والی دنیوی عیش و عشرت کی کشش نے مجھ کو اپنی طرف جذب کر لیا تھا۔ اس کو تو زوال ہم دیکھ رہے ہیں مگر شکر الحمد للہ کہ تم نے لازوال نعمت پائی اور ہزار ہزار شکر خداوندی ہے کہ تم کو میں نے ان مراتب علیہ روحانی پر فائز دیکھ لیا۔ دو توڑے مجھ کو تمیناً و تبرکاً پیش کیے۔ ایک اشرفیوں کا دوئم روپیوں کا میں نے لینے سے انکار کیا کہ ضرورت مجھ کو اس کی نہ تھی، نہ میرے کام آنے کی چیز تھی، مگر آپ دل رنج ہونے لگے اور فرمایا فقراء و مساکین کو خیرات صدقات دے دینا، مگر میرا دل تو خوش ہو جاوے گا۔ اور میرے لئے ثواب اور سعادت کا موجب ہوگا۔ تب میں نے قبول کر لئے اور از ہمدیگر رخصت ہوگئے۔

اس جگہ اخوند درویزہ صاحب پہنچ کر لکھتے ہیں کہ مذکورہ واقعات تو اس نے حضرت شیخ معظم ممدوح سے سنے تھے۔ مگر لکھا ہے کہ حضرت پیر دستگیر کے فرزند دلبند سید مصطفیٰ صاحب یہ روایت بیان کرتے تھے کہ جس وقت سے والد بزرگوار حضرت شیخ شرف الدین پانی پتی کی قبر مبارک پر زیارت کر چکے اور حضرت شیخ کی روحانیت کا اثر آپ کے قلب پر اثر انداز ہوا تو آپ نے ترک تعلقات دنیوی کا عزم مصمم کر لیا، تب آپ نے اپنا گھوڑا اور اسلحہ ایک بقال کو سپرد کر دیا تھا کہ وہ آپ کے والد بزرگوار کو پہنچا دیوے۔ اور خود زاویہ نشین ہو گئے تھے، اس وقت کے بعد زیر بحث وقت تک دوبارہ اپنے والد بزرگوار سے نہ ملے تھے، (فتح بابری و جنگ پانی پت جس وقت ہوئی بعد فتح حضرت سید علی علیہ الرحمہ ترک تعلقات کر کے طلب راہ مولا میں مصروف ہوئے۔ وہ سال ۹۳۲ھ بمطابق ۱۵۲۶ء تھا۔ اور ہجرت ہمایوں بادشاہ ایران جانے کا سال ۹۴۸ھ ۱۵۴۲ء تھا جس میں آپ کو والد کے ساتھ سولہ سال بعد ملاقات نصیب ہوئی ع ج)

اس کے بعد جب کہ والد بزرگوار وطن کی طرف رخصت ہوئے۔ ناگاہ اور معادل پر

ایک اداسی پیدا ہو کر سخت روحانی تحریک اور کشش بے اختیار نہ زوردار پیدا ہوئی کہ کاش اس وقت مجھ کو پرواز کے لئے پر لگ جاتے اور میں اڑ کر اجمیر شریف کو اپنے ہادی اور مرشد کے پاس جا پہنچتا اور ان سے بکمال عجز و منت باری درخواستیں کر کے اپنے اوپر سے اس پابندی اور قید تبلیغ دین و اشاعت اقامتہ شریعت و ہدایت عوام الناس سے معافی اور آزادی حاصل کر لیتا۔ یہ ایسا زبردست جذبہ تھا کہ میں نہ رک سکا اور فی الفور اجمیر کے سفر پر دادو پنڈ سے روانہ ہو پڑا۔

(اکثر اولیا کے تذکرات میں لکھا ہے کہ حضرت دائم المراقبہ اور دائم الاستغراق رہتے تھے۔ آپ کو سید علی غواص اولیاء عصر کہا کرتے تھے) چند روز سفر کیا تھا کہ راستے میں شیر شاہ افغان کی فوج جو مغل فوجوں کے تعاقب میں آرہی تھی، راستے میں آگے سے ملاقاتی ہوئی۔ جب انہوں نے مجھے فارسی بولنے والے کو پایا تو مغل فوج یا اس سلسلہ کا شخص یقین کر کے میرے قتل کے مشورہ اور گومگو میں مصروف ہو گئے حضرت فرماتے، ایشان بداں ہوا و بازی و من بقضا و قدر راضی۔

کچھ دیر مجھے روک رکھا اور باہم مشاورت کے بعد مجھ سے صرف اس قدر سوال کی کہ تیرے پاس کوئی نقد مال ہے۔ میں نہ کہا دو ہمیانیاں ہیں ایک سونے کے سکوں کی دوئم چاندی کی۔ انہوں نے کہا اس رقم کا تعلق ہم سے ہے میں نے خادم کو اشارہ کیا، اس نے ہر دو تورے ان کو دے دئے۔ اور ہم نے اپنے راستہ پر روانہ ہو گئے۔

میں تو بہ ارادہ انقطاع و انفصال از اختلاط خلائق۔ حضرت پیر دستگیر سے اذن حاصل کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ اور قضا و قدر میرے ارادہ پر خندہ زن تھی، اس لئے کہ بحکم آیتِ کریمہ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ میرے ہادی و مرشد کے نفس زکی کو شربت موت پلایا جا چکا تھا۔ البتہ ارادہ ازلی نے مجھ کو مزار مقدس کی زیارت پر ماتم داری کے ایام میں پہنچانا اور ہدایات جدید سے آگاہ خبردار کرنا مقدر کر رکھا تھا۔ لہٰذا نہایت سرعت و عجلت سے منازل و مراحل طے کرتا ہوا اس مسکن مقدس میں جا پہنچا۔ آپ کی رحلت کے سبب کے بارے میں مفصل احوال جو سنا وہ بہت زیادہ عجیب تھا کہ آپ کے فرزندان صلحا نو عمر ایک دن گھوڑوں پر سوار ہو کر بقصد شکار جنگل میں گئے تھے۔ ناگاہ ڈاکوں کے ایک سوار گروہ نے ان کو گھیر لیا۔ اور ان کی جمعیت

اور چوروں کے مابین خون آشام تلواروں کا سخت مقابلہ جاری رہا۔ لیکن کسی تیز تیغ نے مخدوم زادوں کے بدن پر کپڑا بھی نہ کاٹا۔ باوجود اس قدر ضربات تلواروں کے سب کو لگنے کے بھی، ان کی جماعہ امانت اور صحیح سلامت بچ کر واپس آگئی جب لڑ کے آپ کے حضور حاضر ہوئے اور حال بیان کیا گیا۔ تو آپ نے اظہار رنج و غصہ کیا۔ اور نصیحتاً فرمایا کہ تم جیسے لوگوں کا کام و طریق اہل سلوک میں مشغولیت و انہماک لازم ہے نہ کہ طریق انبیا ملوک و سلاطین۔ مخدوم زادوں نے تلواروں کے واروں کا بے اثر ہونا اپنی ذاتی برکت اور اپنی روحانی استعداد کا کرشمہ یقین کیا تھا بلکہ ان کی زبان سے اس قسم کے تفاخر کے کلمات دعویدارانہ نکلے اور حضور تک وہ بات پہنچ گئی۔ تب حضرت نے ان کو اس زعم باطل کے ابتلا سے بچانیکی خاطر اور ان کے غرور نفس توڑنے اور اس سے آگاہ کرنے کی خاطر ان کو بلا کر آستین اٹھا کر اپنے بازوں کو دکھلایا کہ آپ کے بازوں پر تلواروں کے ضربات کے نشانوں سے بازو کبود ہو گئے ہوئے تھے۔ نصیحت اور قہر کے جذبہ کی حالت میں اظہار کرامت تو کر بیٹھے، جب ہوش آیا تو بے حد ندامت آپ کو عائد حال ہو گئی کہ مقولہ ہے الکرامات حیاض الرجال۔ یعنی اولیا اللہ پر کرامت کا چھپانا ایسا ہی لازم ہوتا ہے جیسا عورت پر حالت حیض کا چھپانا ایک اخلاقی فرض ہے۔ کرامت کا اظہار خود نمائی و خودستائی میں شامل ہے اور اتقیا کی بے نفسی اس نمود کی متحمل نہ ہو سکی۔ آپ بے حد سخت پشیمان ہو گئے اور پانی طلب کیا اور طہارت کی تجدید فرمائی اور ادائے دوگانہ کے لئے روبقبلہ کھڑے ہو گئے اور جب سجدہ میں سر رکھا تو پھر نہ اٹھا۔ بلکہ رحلت فرما گئے تھے۔

الغرض جب میں آپ کے مسکن شریف میں پہنچا اور میں نے دروازہ سے سر اندر کیا، تو آپ کا جانشین فرزند حضرت صاحبزادہ حسین مراقبہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب آپ نے سر اٹھایا تو بے حد خوشنودی کا اظہار کیا۔ بعد ادائے فاتحہ و استغفارہ بحق مخدوم مرحوم، مخدوم زادہ نے فرمایا اے سید علی اسی وقت اور اسی مراقبہ میں نے حضرت پدر مشفق و پیر محقق کو پایا۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ مجھ سے دو خرقے باقی رہے ہیں۔ ایک کو تو ان میں سے لے کر پارچے پارچے کر کے مریدوں میں تقسیم کر دو، مگر دوسرے کو سالم اس وقت کے آنے والے نو وارد کو سپرد کر دو۔ کہ وہ اسی کا حق ہے اور نو وارد یعنی اس وقت آپ ہی آئے ہیں۔ تب آپ نے خرقے منگوائے تو ناگاہ ان میں سے ایک پر میرا نام سید علی لکھا ہوا پایا گیا۔ اور آپ نے فی الحال وہ مجھ کو پہنا دیا۔

سبحان اللہ العلی العظیم۔ عجیب حکمت غامضۂ الٰہی تھی کہ پنجاب کے شمالی حصہ سے چل کر اجمیر شریف کو اس غرض سے آیا تھا، بلکہ کشش روحانی کھینچ لائی تھی اور میں خیال کر رہا تھا کہ میں اپنے آپ کو ذمہ دارانہ فرض سے معافی حاصل کرسکوں گا اور آزاد کرلینا پسند کرکے آیا تھا کہ پیری پیشوائی کے دھندوں سے بالکل یکسو ہو کر قلبی اطمینان سے مراقبہ مشاہدہ اور عبادت ریاضت وتزکیہ نفس کی لذات سے فیض یاب ہوں، مگر یہاں پہنچ کر اسی ذمہ دارانہ خدمت کے عہدہ اور کام پر تاکید بعد التاکید کے احکام موجود پائے اور قید بر قید کی پابندی اپنے اوپر عائد شدہ دیکھی۔

کچھ مدت تک وہاں مقیم رہ کر ارادہ واپسی کا کیا تو مخدوم زادہ نے فرمایا جب آپ کو پیر محقق والدم نے کوہستانوں میں توطن اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تو آپ چلے جاویں اور جس منزل کو کوہستانی علاقوں میں سے پسند کریں وہاں سکونت اختیار کرلیوں اور چونکہ آپ کا اپنا وطن بدخشاں بھی پہاڑی وطن ہے چاہیں تو وہاں بھی آپ جاسکتے ہیں۔ اس ارشاد کے ماتحت میں نے اپنے دل میں اپنے ہی وطن کو واپس جاکر قیام کا ارادہ کرلیا اور روانہ ہوا جب منازل مراحل طے کرکے پرشور (پشاور) پہنچا تو میرے مخلص مریدوں حاجی سیف اللہ و ملک گدائی وغیرہ ملکان گگیانی کو خبر ہوگئی جو اس علاقہ کے معززین میں سے تھے، وہ میرے پاس پہنچ گئے اور نہایت بعجز الحاح سے آرزومند ہوئے اور کہنے لگے ہمارے گھر قریب ہیں چند روز ہمارے قبائل میں قیام فرماویں تاکہ ہمارے عیال اطفال اور قوم قبیلہ اور اہل وطن آپکے انفاس قدسیہ سے متیمن وتبرک حاصل کریں۔ ان کی رضاجوئی کی خاطر ان کے ہمراہ قصبہ دوآبہ میں جاکر قیام اختیار کرلیا۔ اس تمام علاقہ کے خواص وعوام نے میری طرف رجوع کیا اوان سے مستفید طریقت ہوئے اور بعض مرید شریعت ہوئے اور استماع مواعظ و نصائح سے مستفید ہوتے رہے۔ اس طور سے اس مشغولیت میں ایک سال دوآبہ میں قیام رہا۔ اور اس تمام گردونواح کے لوگ پندونصائح شریعت وطریقت کے فیوض سے بہرہ یاب ہوئے۔ تب میں نے وطن جانے کا کہا، مگر مجان گگیانی نے مجھ کو ٹھہرانے کا ایک اور حیلہ پیش کردیا کہ یہ علاقہ جات تو آپ سے بقدر مقسوم فیض یاب ہو چکے ہیں، لیکن قبیلہ یوسف زیوں میں پیران بے دین اور ملحدان بے آئین کا بڑا زور شور ہے اور وہاں کے سادہ مسلمانوں کے ان پیروں نے آپس میں

گاؤں گاؤں تقسیم کرلئے ہیں اور فرقے فرقے ہر ایک پیر کی اطاعت میں مشغول ہیں جو دین اسلام کے صحیح صراط مستقیم سے ہٹا کر اور بہکا کر اباحتی رنگ میں رنگ رہے ہیں اور ایک بہت بڑا خطہ مسلمانوں کے ملک کا بے خبرانہ ابتلائے عظیم دینی میں مبتلا ہے۔ ان پیروں میں سے دو پیر زیادہ بڑے مشہور ہیں۔ ایک تو پیر طیب کے نام سے مشہور جو خلجی افغانوں میں سے ہے۔ دوسرے کو پیرولی کہتے ہیں، وہ بڑیچی افغانوں میں سے ہے اور ان کی روش یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کو یکجا مجلس میں جمع کرکے گاتے ہیں اور سرود بجاتے ہیں اور کچھ پراگندہ اور اباحتی تقریریں کرتے ہیں اور ان غیر مشروع اعمال افعال کو مباح بتلاتے ہیں۔ کسی وقت پیرولی اپنے آپ کو مظہر خدا اور خدا بھی کہہ دیتا ہے۔ وغیرہ، شاید آپ کی توجہ سے ان سادہ مسلمانوں کو ان شیاطین کے پنجوں سے خلاصی ہو جائے

(اس زمانہ میں اور اس ملک میں اسلام کے اندر عظیم ترین مصیبت قریہ بقریہ اور قصبہ قصبہ ہر قبیلہ کا ایک زندہ پیر بمنزلہ زندہ بت کے اباحتی بے دین بھنگ نوش ہوا کرتا تھا جن کے ساتھ حضرت کو واسطہ پڑا) ع ج۔

جب میں نے دین محمدی کی یہ توہین سنی اور اسلام کے اندر مسلمان قوموں میں اتنے بڑے خلل عظیم پر آگاہی ہوگئی تو دل بے تاب ہوگیا اور بے اختیار اس طرف ساری توجہ سے متوجہ ہونا پڑا۔ اور اپنی ذمہ دارانہ خدمت کا میدان اسی خطہ کو یقین کرکے اور اپنا فریضہ جہاد اس اصلاح خلق اللہ کو یقین کرکے وہاں چلا گیا۔ مگر میں نے جب جاکر قبائل اور اقوام کو دیکھا تو یوسف زئی قبیلوں کو میں نے ایسی حالت میں پایا کہ نہایت سادہ دل اور دراصل وہ سب دین کے طالب تھے اور اللہ ورسول کے نام پر قربان ہونے والے تھے، ان کے جوان بڈھوں سے زیادہ دینداری میں استوار تھے، اور ان کی عورتیں مردوں سے زیادہ دینی امور میں محکم تھیں اور راسخ تھیں۔ بچے طفولیت میں دین کے طالب تھے، لیکن سب کے سب اس مصیبت میں پھنسے ہوئے تھے کہ ایک تو صحیح دینی علم وتدریس مفقود بلکہ معدوم تھی جہالت کا دور دورہ تھا نہ کوئی واعظ تھا نہ دین فہم تھا علماء اتقیاء کا وجود عنقا تھا اور اس پر یہ مصیبت مزید کہ ہر قریہ ہر فرقہ اور ہر قبیلہ کا ایک جدا جدا زندہ پیر بے علم، بے دین، شیوخ جاہل۔ ملحدین واباحتین بے حساب و بے شمار ان سب کو بانٹ لیا تھا۔ اوان پیروں کی گمراہی اور ان کی پیروی کی وجہ سے یہ قبیلہ قعر گمراہی

میں گر گیا تھا۔ اور تمام لوگ حقیقی اسلام سے نہایت دور جا پڑے تھے، چونکہ افغانی عادت میں داخل ہے کہ جب وہ کسی پیر فقری کے آنے کا سن لیویں تو ضرور ملنے کو جاتے ہیں اور یہ قوم اکثر زیرک اور عقل مندوں سے خالی ہرگز نہیں مگر گمراہوں کے جال میں بے علمی کی وجہ سے پھنس جاتے تھے اور اگر ان کو حق و باطل کے مابین مکالمہ مباحثہ سننے کا موقع ملے تو وہ خداداد فراست سے حق و باطل میں تمیز بہت عمدہ طور سے کر سکتے ہیں۔ پھر ان کو مغالطہ نہیں لگ سکتا۔ جب میں علاقہ میں صدوم پہنچا تو اطراف و جوانت سے جوق در جوق لوگ آنے لگے گئے اور مواعظ و نصائح سننے لگے، میں نے نہایت تاکید اور بار بار کے مواعظ سے ان لوگوں کو ظاہر شریعت کی پابندی پر مائل، قائل اور متوجہ کیا اور باطنی انوار اور مدارج کے دعویداروں کے مغالطات میں پڑنے یا ان پر فریفتہ ہونے سے سخت ڈرایا اور فکر ایمان و نجات کو اسلام کی ظاہر شریعت کی پابندی سے وابستہ اور امر معروف و نہی منکر کے اصولوں پر عمل پیرائی کے ساتھ وابستہ ثابت اور ظاہر اور دلنشین کرایا۔ الحمد للہ کہ میری کوشش رایگاں نہ گئی، بلکہ یہ تمام اوطان و ممالک و اولس حق کو باطل سے اور دین کو بے دینی سے ممیز طور پر جان اور پہچان گئے اور ہر ایک زن و مرد برنا و پیر نے پابندی شریعت مصطفوی کو ہی اپنے لئے ذریعہ نجات یقین کر کے اس پر کار بندی اور عمل و مداومت اختیار کر لی۔ فالحمد للہ علےٰ ذلک

اس کے بعد ہم نے یہ پسند کیا کہ ہر دو پیران نامور کے ساتھ رو برو اور جمع عوام میں بحث و مباحثہ دینی اور مذہب اہل حق و اباحت ہ وہوا و بدعت میں کیا جاوے تا کہ عوام الناس پر حقیقت ان کی عقیدت اور فساد کی روشن و مبرہن ہو جاوے۔ جب پیر طیب نے یہ حالت سنی تو نواحی ہند کا وہ رہنے والا تھا پہلے اٹھ کر ہزارہ کو چلا گیا۔ اور پیر ولی نے رو برو آنے اور مقابلہ مذاکرہ سے انکار کر دیا جن کی وجہ سے عوام پر ان کی خامی اور کمزوری واضح ہو گئی، پیر طیب نے سن لیا تھا کہ میرا وطن منذر ہے اور یہ کہ میں عارضی طور پر صرف اس فتنہ کے رفع کے لئے آیا ہوں اور ارادہ اپنے وطن جانے کا رکھتا ہوں، اس لئے اس نے نہایت چالاکی سے اپنے مریدوں پر کرامت کا سکہ بٹھانے کی خاطر ان کو ہزارہ سے خط لکھا جس میں یہ فقرہ بھی لکھ دیا کہ میں نے سید علی کو یہاں سے اٹھا کر قندز میں پھینک دیا ہے۔ اس خط کی شہرت عوام میں ہو گئی اور کل مخلصان مریدون قبیلہ نے نہایت الحاح سے مجھ پر زور ڈالا کہ میں کم از کم ایک سال اور

یہاں قیام اختیار کروں تا کہ پیر طیب کی کرامت اور پیش گوئی کارگر نہ ہو۔ لوگ گمراہی سے بچ جاویں۔ چنانچہ اسی بنا پر یک سالہ قیام کا ارادہ اس وطن میں کرنا ہی لازم ٹھہرا۔ چند عرصہ بعد ان لوگوں میں قاعدہ ہے کہ ایسے لوگوں کو جن سے ان کو عقیدت ہو بہر عذر و حیلہ اپنے وطن سے جانے نہیں دیتے اور منجملہ اور حیلوں کے بڑا حیلہ یہ بھی ہے کہ اس قبیلہ کا بڑا خان یا سردار اپنی لڑکی یا بہن اس کو بیاہ دیتے ہیں اور اس عذر سے اس کو اپنے وطن میں دائمی سکونت پر رضا مند کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اہل بونیر کے معزز خوانین میں سے ملک دولت خان جو قبیلہ یلزی میں سے فرقہ بارک شاہ زئی۔ (برکازئی) کا سرار تھا، اس نے اپنی ہمشیرہ بی بی مریم کے ساتھ مجھ کو نکاح کر لینے پر مجبور و رضا مند کر لیا۔ اگر چہ مجھ کو شادی سے دلی بیزاری تھی، مگر اس قوم نے اس طریق عقیدت مندانہ اور مخلصانہ صورت پیدا کر کے یہ ہدیہ مجھ کو پیش کیا۔ جس سے انکار کرنا ایک مومنین مخلصین کے بڑے گروہ کی دل رنجی ہوتی اور انکار پر اصرار ناممکن ہو گیا۔ ناچار ان کی مرضی پر رضا مند ہونا پڑا۔

اس وقت جا کر مجھے سمجھ آئی کہ حضرت پیر دستگیر کا ارشاد ہدایت خلق و توطن کو ہستانات کا اشارہ اسی وطن کے متعلق تھا۔ جب اس پر کچھ عرصہ گزر گیا اور اولاد نرینہ اور لڑکیاں پیدا ہو چکیں تو عزم مصمم وطن جانے اور والدین شریفین کی زیارت سے مشرف ہونے کا کر کے اہل و عیال کو یہاں چھوڑ کر مجبوراً روانہ ہو کر میں قندز کو چلا گیا والد بزرگوار رحلت فرما چکے تھے اور والدہ شریفہ بقید حیات زندہ تھیں ان کی قدم بوسی اور شرف خدمت سے مشرف ہوا اور چند مدت ان کے پاس مقیم رہا۔ بہت دنوں کے بعد والدہ کے استفسار پر میں نے جب یہ ذکر متاہل ہونے کا اور مملکت یوسف زئی میں بال بچوں کو چھوڑ آنے کا کیا تو والدہ مکرمہ نے مانند اہل دین و دیانت لوگوں سے میرے سفر کے لئے تہیہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ فرزندم اب تم پر حق اپنے اہل و عیال اطفال کا زیادہ ہے اور ان سے غائب اور دور رہنے میں مواخذہ ہے۔ اب تم ان کے پاس جاؤ۔ اگر توفیق ان کو لانے کی ہو سکے تو ہمراہ خود وطن کو لے آؤ۔ اور اگر نہ آسکیں تو میں نے اپنا حق تم کو بخشا تم ان کے پاس ہی رہو۔ اس کے بعد مادر مشفقہ کے ارشاد و ہدایت کے ماتحت واپس علاقہ یوسف زئی میں آ کر مقیم ہو گیا۔ اور تمام اولس مذکور مسلمانان نواحیات کو دین حق اور شریعت اسلام پر محکم اور قائم کر لینے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو کامیاب فرمایا اور مدت دراز تک یہ

تمام قبائل صراط مستقیم پر محکم اور قائم رہے۔ مگر جب بعد مدت بسیار پیر تاریک اور جمال الدین کلال نے پیری مریدی اور اباحت کا جال پھیلایا تو اس قوم کے اندر تفرقہ پیدا ہوگیا۔ بعض نے اہل ہوا و بدعت کی پیروی بھی اختیار کر لی اور اکثر صراط مستقیم پر قائم و محکم رہے۔ (بالآخر اس سب فتنہ کا استیصال ہوگیا۔ ع ج)

اس موقع پر اخوند درویزہ صاحب پہنچ کر اپنی طرف سے لکھتا ہے کہ اس گناہ کا وبال تھا کہ قبیلہ یوسف زئی شہنشاہ اکبر کے فوج کشیوں کے عتاب اور قہر میں مبتلا ہوئے۔

شہنشاہ اکبر کا کوکہ[1] سرحدات کو ہموار کرنے پر مامور ہو کر پہلے خیبر کی اقوام کو پائمال کرتا ہوا، پھر باجوڑ کے قبائل کو محکم بناتا ہوا جندول و تالاش کی راہوں سے چکدرہ کو پہنچا تھا کہ دربار اکبری سے راجہ بیربل اس مہم کا ذمہ دار ہو کر یہیں سے اس فوج میں بمقام چکدرہ ہندوستان سے آ پہنچا۔ اور قبائل یوسف زئی جو سوات میں تھے بلطف و مروت سلامی ہو چکے تھے، مگر شہنشاہی فوج راجہ بیربل کے حکم سے بونیر کی طرف بغیر تحقیق حالات چل پڑی اور کوت کڑاکڑا سے بونیر کی طرف ایسے وقت گزری جب کہ دن خاتمہ کے قریب تھا اور کیمپ کی جگہ معین شدہ نہ تھی اور بونیری مقابلہ کا تہیہ کر چکے تھے۔ چنانچہ اندھیرا ہوتے ہی قبائل شاہی لشکر پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور لشکر کو بجز بھاگ نکلنے کے اور کچھ کرتے نہ بن پڑی۔ چنانچہ جس راستے سے شاہ لشکر نے سہ اور میدانی علاقہ کے جانے کا راستہ اختیار کیا وہ ایک تنگ درہ تھا جو اب تک مغل درہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس میں تیس چالیس ہزار نفری مقتول ہوگئی جن میں راجہ بیربل بھی قتل ہوگیا۔ شہنشاہ کا کوکہ زین خان فوج کے عقب میں تھا اس نے بچا کھچا لشکر سنبھالا۔ اس کے بعد شاہی افواج نے دوبارہ انتقامی حملہ آوری کی اور یہ قوم زیر ہوگئی مگر ان کے کبراء و معززین دہلی آگرہ لے جائے گئے اور مدت بعد خلاصہ ہوئی۔ (عبدالجبار شاہ۔)

اس کے بعد اخوند درویزہ صاحب نے جو تفصیل اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں حضرت پیر دستگیر سید علی ترمذی کے ساتھ جس قدر اولیاء کرام کے سلسلوں کا اتصال تحریر کیا ہے درج کیا جاتا ہے کہ آپ کو برکاتِ روحانیہ جن طرق اور سلسلوں سے پہنچیں وہ فصل دوم میں ملاحظہ فرمائیے۔

[1] زین خان کوکہ

فصل دوئم

حضرت سید علی ترمزی قدس سرہ کے پیران طریقت و مشائخ طرق متعددہ کی تفصیل جن کی طرف سے آپ ماذون مجاز تھے، حضرت ممدوح سلسلہ چشتیہ میں ماذون و مجاز تھے، حضرت شیخ سالار عطاء اللہ رومی سے قدس سرہ حضرت ممدوح چونکہ اپنے زمانے میں پیری مریدی کی گمراہیوں کے فتنوں کے ساتھ مقابلہ و مجادلہ کے جہاد میں ساری عمر مصروف رہے تھے، لہٰذا اسی فتنہ کو عظیم فتن اسلام خیال کرتے تھے اور اسی وجہ سے آپ مریدان طریقت بنانے میں حد سے زیادہ محتاط تھے۔ مگر بیعت اتباع شریعت تمام لوگوں سے لیتے تھے اور ان کو آپ مریدان شریعت کہا کرتے تھے، قوت قدسی اور استعداد باطنی کا یہ حال تھا کہ جاہل سے جاہل اور بدعمل لوگ بھی آپ کی صحبت کے فیض و مریدی شریعت کے طفیل سے پرہیزگار اور متقی بن جایا کرتے تھے، اور اخلاقی اور روحانی تبدیلی ہر کوئی معلوم و محسوس کر سکتا تھا، مگر مریدان طریقت کے بارے میں آپ نہایت محتاط اور قیود و شرائط مختلفہ کے پابند تھے۔ اول یہ کہ ایسا شخص جو علم دین سے کامل آگاہ نہ ہوتا۔ اس کو مرید طریقت نہ بناتے دوئم یہ کہ جو کوئی حافظ کلام اللہ نہ ہوتا، اس کو تعلیم طریقت نہ دیتے۔ سوئم یہ کہ تقویٰ داری کی باریک سے باریک راہوں پر پابندی کے لئے جو آمادہ نہ ہوتا، اس کو مرید طریقت نہ بناتے۔ آپ خود استعداد و ظرف مرید کا بخوبی جان لیتے مگر اس پر سخت نگرانی اور روحانی ضابطہ سے سخت تربیت اور زیر توجہ رکھ کر ان کو سفر سلوک میں داخل کرتے، ان شروط کے ماتحت آپ کے مریدوں کی تعداد بیس سے زائد نہ تھی، مگر مریدان شریعت لکھوکھہا افغانی قبائل و سرحدات کے لوگ تھے جن کو آپ نے کامل طور پر پابند شریعت اسلام بنا لیا تھا اور بڑے خطہ ملک کو بدعات و بد عادات و عقائد و اعمال خلاف شریعت و سنت سے پاک صاف کر کے نہایت نیک خصلت و پابند اسلام قبائل و اقوام کا بنایا تھا۔ جس کا اثر اس زمانہ تک ان قبائل میں پایا جاتا ہے۔ حضرت ممدوح کے ہادی و مرشد سلسلہ چشتیہ میں شیخ سالار

عطاء اللہ رومی بھی بڑے اولیا کبار میں سے تھے کچھ ذکر ان کا گزر چکا ہے۔ ایک حکایت یہ بھی اخوند درویزہ صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت ممدوح نے عوارف المعارف کی شرح ایک ایسی مشروح ومبسوط لکھی ہے کہ بمشکل ایک انسان اس کو بوجھ اٹھا سکتا ہے اور علما زمانہ آپ کو امام ابوحنیفہ ثانی کہا کرتے تھے، اور علم نحو میں آپ کو شہاب الدین ناگوری کہا کرتے تھے، جب شیر شاہ افغان کے ساتھ ہمایوں بادشاہ مقابلہ پر آمادہ ہو کر لڑائی پر جانے لگا۔ تو بادشاہ حضرت ممدوح سے استعانت اور دعا طلب کرنے کیلئے اجمیر میں حضرت کے پاس خود حاضر ہوا۔ وقت ضحیٰ کا تھا اور حضرت مراقبہ میں تھے۔ جب آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو اہل مجلس نے عرض کی بادشاہ وقت حاضر خدمت کھڑے ہیں۔ آپ نے پوچھا مانگتے ہو؟ عرض کیا گیا امن وقبضہ ملک ومملکت یہ الفاظ خود بادشاہ کی زبان سے جواباً عرض ہوئے۔ تب حضرت شیخ پھر مراقبہ میں ہو گئے۔ اور تین مرتبہ آپ سر اٹھاتے پھر مراقبہ میں چلے جاتے۔ تیسری بار آپ نے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور فرمایا بادشاہ کے سر اور جان کی سلامتی کی دعا سب لوگ کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شہنشاہ کی جان تو اس مہلکہ سے بچائی مگر ملک ومملکت اس وقت نہ بچ سکی۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے اور اولیاء اللہ کی دعائیں ضائع نہیں جاتیں۔ آخر یہی ہمایوں دوبارہ فاتح ہندوستان ہوگیا۔ شہنشاہ نے دو گھوڑے نہایت قیمتی حضرت کی خدمت بھیجے تھے۔

حضرت ممدوح ماذون ومجاز تھے سلسلہ چشتیہ میں حضرت شیخ الاسلام شیخ بہاؤ الدین صامت قدس سرہ سے اور اس سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کے اسمائے مبارک کا ایک شجرہ ذیل میں درج ہے۔

۱۔ قطب الاقطاب حضرت سید علی ترمزی قدس سرہ
۲۔ قدس سرہ حضرت شیخ سالار عطاء اللہ رومی
۳۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین صامت قدس سرہ
۴۔ حضرت شیخ سید حامد الدینؒ قدس سرہ
۵۔ حضرت شیخ حسام الدین قدس سرہ
۶۔ حضرت شیخ نور قطب عالم قدس سرہ
۷۔ حضرت شیخ علاؤ الدین عم اسعید اللہ نوری قدس سرہ

۸۔ حضرت شیخ سراج الدین قدس سرہ
۹۔ حضرت شیخ السلام نظام الدین اولاء قدس سرہ
۱۰۔ حضرت شیخ فرید شکر گنج قدس سرہ
۱۱۔ حضرت قطب الاقطاب قطب الدین بختیار اوشی چشتی قدس سرہ
۱۲۔ حضرت شیخ معین الدین حسن سجزی چشتی قدس سرہ
۱۳۔ حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ
۱۴۔ حضرت شیخ حاجی شریف زندنی قدس سرہ
۱۵۔ حضرت شیخ خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس سرہ
۱۶۔ حضرت شیخ خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی قدس سرہ
۱۷۔ حضرت شیخ خواجہ قدوۃ الدین ابو محمد چشتی قدس سرہ
۱۸۔ حضرت شیخ احمد ابدال چشتی قدس سرہ
۱۹۔ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی قدس سرہ
۲۰۔ حضرت خواجہ ممتاز علی دینوری قدس سرہ
۲۱۔ حضرت خواجہ ابومیرہ بصری قدس سرہ
۲۲۔ حضرت خواجہ ابو حذیفہ مرعشی قدس سرہ
۲۳۔ حضرت خواجہ سلطان ابراہیم ادہم قدس سرہ
۲۴۔ حضرت خواجہ فسیل ابن عیاض قدس سرہ
۲۵۔ حضرت خواجہ عبدالواحد ابن زید قدس سرہ
۲۶۔ حضرت خواجہ امام حسن بصری رضی الہ تعالیٰ عنہ

اسمائے مشائخ حضر سید علی ترمذی قدس سرہ بسلسلہ چشتیہ اہل بہشتیہ قدس اللہ اسرارہم

۲۷۔ حضرت اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۸۔ حضرت سید الانبیا شفیع روز جزاء احمد مجتبیٰ محمد و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اخوند درویزہ صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت پیر دستگیر سید علی علیہ الرحمہ چودہ خانودہ اور

سلسلہ جات سے شرف ازن وارشاد سے ممتاز تھے، جن میں سے سلسلہ کبریہ و قادریہ کا اذن و اجازت آپ کو اپنے جد بزرگوار حضرت سید احمد نور بن سیہ :سف نور ابن سید محمد نور بخش ترمذی سے حاصل تھی اور باقی تمام سلسلہ جات اولیاء اللہ جو باہم دیگر وابستہ اور پیچ در پیچ پیوستہ ہیں ان کا اذن وارشاد آپ کو حضرت شیخ سالار عطاء اللہ رومی قدس سرہ سے حاصل تھا۔ جن کی تفصیل بہ شکل جدول حسب ذیل ہے۔

اسمائے مشائخ سلسلہ کبرویہ

حضرت سید علیؒ	حضرت سید احمد نورؒ والد سید علی	حضرت سید یوسف نورؒ والد سید احمد	حضرت سید محمد نور بخش ترمذی والد سید یوسف نور
حضرت شیخ ابو اسحاق ختلانی	حضرت شیخ علاؤ الدولہ	حضرت علی ثانی شیخ سید علی ہمدانی	حضرت شیخ سید محمود مرقانیؒ
حضرت شیخ بہاؤ الدین سمنانیؒ	حضرت شیخ علی لالاؒ	حضرت شیخ نور عبد الرحمٰنؒ	حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ
حضرت شیخ عمار یاسرؒ	حضرت شیخ نجیب سہروردیؒ	حضرت شیخ احمد غزالیؒ ان کی طرف سے دو سلسلے سید علی تک پہنچتے ہیں	حضرت شیخ ابا بکر منہاجؒ
حضرت شیخ ابو القاسم کرمانیؒ	حضرت شیخ ابو عثمان مغربیؒ	حضرت شیخ ابو علی کاتبؒ	حضرت شیخ ابو علی رود باریؒ
حضرت سید الطائفہ شیخ جنید بغدادیؒ	حضرت شیخ سری سقطیؒ	حضرت شیخ معروف کرخیؒ	حضرت امام علی رضاؒ

حضرت امام موسےٰ کاظمؒ	حجرت امام جعفر صادقؒ ان سے دوئم سلسلہ سلطان اولیاء بایزید بسطاقی سے بھی آپ کو پہنچا ہے	حضرت امام محمد باقر	حجرت امام زین العابدین
حضرت امام حسین شہید کربلا	حضرت علیؓ کو سلسلہ کبرویہ خلفائے ثلاثہ سے ملا ہے و دیگر خود رسول اللہ ﷺ	حضرت عثمان زی النورین	حضرت عمر فاروقؓ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت خاتم النبیین شفیع المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ

اسمائے مشائخ سلسلہ سہروردیہ قادریہ

سید علی ترمذی علیہ الرحمۃ	حضرت شیخ سالار عطاء رومی	حضرت شیخ قطب الدین مہاجری	حضرت شیخ نظام الدین مہاجریؒ
حضرت شیخ فخر محی الدین محبوبیؒ	حضرت سید جلال الحسن سید جلال جہانیاں سید جلال ثانیؒ	حضرت شیخ رکن الدینؒ	حضرت شیخ سدر الدین عارفؒ
حضرت شیخ بہاء الدین ذکریاؒ	حضرت شیخ شہاب الدینؒ	حضرت شیخ ضان الدین...... سہر وردی و نیز حضرت عبد القادر جیلانی قدس سرہ	حضرت شیخ وجیہ الدین عمر سہروردیؒ
حضرت محمد بن عبد اللہ معروف بہ عبویت سہروردیؒ	حجرت شیخ احمد اسود علو دینوریؒ	حضرت شیخ ممشاد علیؒ دینوری	حضرت شیخ جنید بغدادیؒ

حضرت شیخ سری سقطیؒ	حضرت شیخ معروف کرخیؒ	حضرت شیخ داود طائیؒ	حضرت شیخ حبیب عجمیؒ
حضرت امام حسن بصریؒ	حضرت امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ	حضرت سید الانبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم	

وابستگی سلسلہ حضرت سید علی ترمذیؒ کی حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ کے ساتھ اپنے جدو مرشد سید احمد نور بن سید یوسفؒ کے تعلق سے حسب ذیل اسمائے مشائخ کے تسلسل سے ملحق ہے۔

اوپر سے نیچے کی طرف یعنی سید عبدالقادر جیلانی سے سید علی ترمذیؒ تک

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	حضرت شیخ ضیاء الدین	حضرت عمار یاسرؒ	حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ
حضرت سید مجدالدین بغدادیؒ	حضرت شیخ رضی الدین معروف بہ لالاؒ	حضرت شیخ احمد جرجانیؒ	حضرت شیخ نورالدین معروف بالکبریٰؒ
حضرت شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ	حضرت شیخ محمود مزقانیؒ	حضرت شیخ سید علیؒ ہمدانی	حضرت خواجہ ابو اسحاقؒ ختلانی
حضرت سید محمد نور بخش ترمزیؒ	حضرت سید یوسف نورؒ	حضرت سید احمد نورؒ	حضرت سید علی ترمذیؒ
حضرت محمد حسن مریدؒ تھے سید احمد نور بن یوسف نور کے	حجرت محمد حسن تھے مرید خواجہ محمد سب کے	خواجہ محمد کے مرید خواجہ بخش مدنی تھے	خواجہ بخش مدنی کے مرید شاہ کلیم ...... جہان آبادی تھے جن کا مزار دہلی کے میدان مابین قلعوں مع جامع مسجد واقع

اخوند درویزہؒ صاحب لکھتے ہیں پنجم سلسلہ مبارکہ شطاریہ جو حضرت خواجہ مشاد علی دینوریؒ

نے حضرت عبداللہ شطاریؒ سے لیا ہے۔ حضرت سید علی ترمذیؒ کو حجرت شیخ سالار رومیؒ سے حاصل ہوا ہے۔ جس کے اکثر اوراد اذکار اپنے مریدین و ملا درویزہؒ صاحب کو تلقین فرمائے تھے۔ مگر اسمائے مشائخ مسلسل بیان نہ فرمائے تھے اور مریدین نے پاس ادب سے اس بارے میں استفسار نہ کی۔

ششم اذن سلسلہ ناجیہ حالجیہ بھی حضرت کو اپنے مخدوم شیخ سالار رومیؒ سے حاصل تھا۔ مگر اس سلسلہ کا اذن آپ نے اخوند درویزہ کو مرحمت نہ کیا تھا۔ اس لئے اس نے لکھا ہے کہ میں اس سلسلہ کی تفصیلات سے آگاہ نہیں ہوں۔ اور نہ ہی اس سلسلہ کے مشائخ کے نام درویزہ صاحب لکھ سکے۔

ملا درویزہؒ صاحب نے اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں ایک جگہ لکھا ہے کہ چودہ سلسلہ جات کے خانوادوں سے حضرت شیخ المشائخ سیادت پناہ سید علی ترمذیؒ مجاز و ماذون تھے جن خانوادوں کی تفصیل اس نے یوں لکھی ہے:

۱۔ سلسلہ زیدیہ جو عبدالواحد ابن زیدؒ کی طرف منسوب ہے۔
۲۔ دوئم فضیلہ جو فضیل ابن عیاضؒ سے تعلق رکھتا ہے۔
۳۔ سوئم ادہمیہ
۴۔ چہارم ابو ہریرہ
۵۔ پنجم چشتیہ جس کا تعلق ممشاد کے ساتھ ہے۔ یہ پانچوں خانواد سے عبدالواحد ابن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جو امام حسن بصریؒ کا مرید تھا۔ اور امام حسن بصریؒ کے دوسرے مرید جناب حبیب عجمی سے نو خانوادے سلسلہ وار چلے ہیں؛

۱۔ اول عجمیہ
۲۔ دوم داودیہ
۳۔ سوئم کرخیہ
۴۔ چہارم سقطیہ
۵۔ پنجم فردوسیہ کہ تعلق با جنید بغدادیؒ دارد
۶۔ ششم عباسیہ (عثمانیہ) کے تعلق بہ عثمان مغربیؒ دارد

٧۔ ہفتم سہروردیہ کہ منسوب بہ ابونجیب سہروردیؒ است

٨۔ ہشتم کبرویہ مذکورہ

٩۔ نہم شاریہ کہ تعلق بہ عبداللہ شاریؒ دارد

اخوند درویزہ صاحب نے حضرت کے ملفوظات یا تصنیفات کا ذکر بہت کم کیا ہے۔ شاذ ونادر کسی جگہ مثال دینے کے طور پر ذکر آ گیا ہے تو وہ بھی ترتیب دار نہیں مگر مجھ کو اس غرض سے کہ جو کچھ بھی حضرت کی طرف سے ان کی تحریر میں آ گیا ہے، وہ ان کے کلمات بغیر ترتیب ہی ان کو نقل کر دینا تبرک خیال کرتا ہوں۔

اخوند درویزہ صاحب ایک موقعہ پر صوفیہ و بزرگان اہل حق کے سماع و رقص کے متعلق کمال احتیاط اور حد شریعت میں رہنے کے پابندی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ میں نے حضرت مرشد محقق سید علی قدس سرہ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک دن حضرت خواجہ شیخ نجم الدین کبری قدس سرہ نے بغیر از حالت وجد گفتگو کے وقت ہاتھ بلند کر کے اٹھایا جس کا دیکھنے والے کو مفہوم وجدانی حالت کا ہو سکتا۔ اس سال تمام علاقہ بخارہ میں قسما قسم امراض اور بلائیں نازل ہوئی جن سے بہت لوگ ہلاک ہو گئے۔ اور شہر کے عمائد و کبراء متفق ہو کر حضرت شیخ کے پاس گئے اور عرض کی کہ آپ بارگاہ الہیٰ میں دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ آفات نازلہ کو مخلوق سے اٹھا دے۔ حضرت شیخ نے رات کے وقت کوٹھے پر تجدید وضو کر کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کہ اے خداوند ان آفات بلیات کو اپنی مخلوق پر سے اٹھا لے تو آپ کو ہاتف نے آواز دی کی بلائیں تو آپ کے بحالت صحو بغیر وجد ہاتھ بلند کرنے کی سزا میں اس ملک پر وارد ہوئی۔ شیخ نے التجا کی کہ الہیٰ خطا تو مجھ سے سرزد ہوئی، لوگوں کا کیا گناہ تھا۔ سزا بھی مجھے ہونی چاہیئے۔ ناگاہ آپ بام پر سے نیچے گر گئے اور آپ کا پاؤں یا ٹانگ مبارک ٹوٹ گئی لوگ عیادت کے لئے آئے اور عرض کی کہ ہم آپ کو وسیلہ بنا کر بلا چاہتے تھے آپ خود ابتلا میں آ گئے۔ فرمایا گناہ دراصل میرا ہی تھا جس میں تم لوگوں پر بھی ابتلا آئی، اسی وقت سے شہر بخارا اور اس کو نواحی سے تمام امراض اور آفات کا خاتمہ ہو گیا۔ فرمایا سورج کو گرہن لگنے سے ایک عالم تاریک ہو جاتا ہے۔ یہ حال غوث و قطب نماں کا ہوتا ہے۔

درویزہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ لازم ہے کہ پیر طریقت وہ ہو اور تب سلسلہ پیری مریدی کا ادعا واجرا کرے جو جملہ اقوال اور احوال میں بلکہ انفاس میں بھی اتباع سید المرسلین سے متجاوز حرکت نہ کرے اور کلی جزوی امور میں اتباع نبوی پر کاربند رہے۔ لیکن اگر اس سے کوئی ذرہ فعل خلاف اتباع نبوی سرزد ہو تو اس کو متنبہ کیا جاوے اور اس پر زجر و سزا دے کر اس غلطی سے روکا اور آگاہ کیا جاوے۔ چنانچہ ایک دن حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ تم لوگ بھی مانند صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ہو۔ اس پر سب لوگ خوش ہو گئے۔ تب حضرت امام نے فرمایا ظاہر شکل و صورت ریش و نقش مومنانہ کے سبب سے میں نے کہا ہے نہ از روئے عمل۔ اگر تم صحابہ کرام کو اس وقت کی ذہنیت کے مطابق دیکھتے تو تم سب ان کو دیوانے کہتے اور اگر وہ تم کو دیکھتے تو اپنی ذہنیت کے مطابق وہ تم کو مسلمان یقین نہ کرتے کیوں کہ ان کو جو انقطاع از تعلقات دنیوی حاصل ہوتا تھا۔ اور ایمان بالآخرۃ قوی تھا اس کا نمونہ بھی تم میں نہیں بسبب تمہاری بے خبری کے احکام و افعال ذات بے چون سے۔

حضرت درویزہؒ صاحب فرماتے ایک دن میں حضرت کے ہمراہ تھا اور ہم لوگ ایک ایسے شخص کے گھر مہمان ہو گئے جس کا عقیدہ تناسخی تھا۔ اور بھنگ نوشی میں منہمک رہا کرتا تھا۔ اس کا باپ مر چکا تھا جس کو امیر کہا کرتے تھے، وہ دعویٰ کیا کرتا تھا کہ میں خود حضرت مرتضیٰ علی ہوں، اور کبھی بکواس کرتا تھا کہ میں ہی محمدؐ ہوں۔ اور کبھی یہ کفر بک دیتا تھا کہ میں ہی خدا ہوں۔ جب وہ مرنے لگا تو اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ تم دس بارہ سال میرے مرنے کے بعد ضرور دہلی کو آنا کیوں کہ اس وقت میں بادشاہ کا فرزند ہو کر دس بارہ سال کا ہو چکا ہوں گا اور تجھ کو میں شناخت بھی کر لوں گا اور تجھ پر شاہانہ نوازشیں بھی کروں گا، یہ قصہ بھی اس نے حضرت مرشد کے حضور بیان کیا اور یہ بھی بتلایا کہ میں نے دو گھوڑے نہایت عمدہ اس شہزادے کے لئے ہدیہ پیش کرنے کے خیال سے لے لئے ہیں اور اب وہ میعاد قریب ہے۔ میں دہلی جانے والا ہوں۔ مجھ کو اس باطل عقیدہ کے سننے سے تو تن بدن میں آگ لگ گئی، مگر حضرت صاحب ہادی و دستگیر نے بظاہر کچھ برا نہ منایا، بلکہ اس شخص کو دلاسہ دے کر نہایت سخت تاکید کر دی کہ جب تیرے والد کی وصیت ہے تو تم نے اس کی تعمیل میں دیر کیوں کی جس قدر جلد ہو سکے تمام ضروریات کو پس انداز کرو اور باپ کے حکم کی تعمیل کرو۔ پھر مکرر آپ اس پر تاکید فرماتے

تھے کہ تم ضرور جلد سے جلد دہلی کو جاؤ اور وصیت پدر کے مطابق اس شہزادہ سے ملو اور تمام حالات اس کو سناؤ سمجھاؤ۔

جب ہم وہاں سے رخصت ہو گئے تو میں نے متعجب ہو کر عرض کی یا حضرت ایک گمراہ اور غلطی خوردہ کو آپ نے بجائے اس کی غلطی پر متنبہ کرنے کے اور حقیقت سمجھا کر منع کر کے آپ زیادہ تاکید مزید سے اس کو اسی غلط عقیدہ پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت اور تاکید فرما رہے تھے۔ اس میں کیا سر تھا۔ حضرت نے فرمایا جو شخص ایک باطل عقیدہ اپنے باپ سے سالہا سال سے سیکھتا سنتا آیا ہو اور اس کے ذہن میں وہ مرتسم ہو چکا ہو اور اس کو صرف زبانی نصیحت اور دلائل سے راہ راست پر لانے کی ہم تب کوشش کرتے اور بھی چنداں کارگر نہ ہوتی، بلکہ وہ خود ایسے امتحان کے لئے آمادہ نہ ہوتا جو اگر اس نے اس پر عمل کیا تو اس کے لئے بہترین علاج اور نصیحت ہو جاوے گی۔ یعنی یہ شخص گھر سے مال خرچ کر کے دو عمدہ گھوڑے ساتھ لے کر اتنا بڑا صعوبت کا سفر طے کر کے دہلی جائے، مگر نتیجہ کیا ہو گا کہ یا تو بادشاہ کا کوئی بیٹا ہی اس عمر کا نہ ہو گا اگر ہو گا تو اس نے کب اس کی بات کو ماننا ہے اور کب اس پر نواز کرتا ہے۔ بلکہ اس کا معاملہ خود بادشاہی دربار میں مشتہر ہو کر اس وطن کے علماء صلحا اور اکابرین کے سامنے آجائے گا۔ جو رسوائی اور مایوسی اور بے زاری اس باطل عقیدہ سے اس کو وہاں جا کر حاصل ہو گی وہ یہاں ناممکن ہے۔ اس لئے میں نے ترغیب زیادہ دی کہ اس کو خود زمانہ اور تکلیف سفر خود اس عقیدہ سے بیزار کر دیوے گا۔

درویزہ صاحب فرماتے ہیں میں نے ایک دن حضرت سے سوال کیا۔ اباحتی لوگ کہا کرتے ہیں یا تناسخی کہ ارواحوں کے لئے کوئی معین شکل وصورت نہیں ہوتی۔ اس بارے میں حقیقت کیا ہے۔ آپ نے جواباً فرمایا۔ ارواح ابتدا سے مقررہ صورتوں میں پیدا ہو کر ترقی پذیر ہوتی ہیں اور بلوغت کی شکل تک تکمیل پذیر ہو کر ایک مقررہ شکل پر تعین ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حصول علم کے بعد خود مجھ کو روح کی وہ شکل یاد اور مستحضر ہے جب کہ رحم مادر میں والد کی طرف سے منتقل ہوئی تھی تو اس وقت نہایت باریک مورچہ پر دار کی شکل میں تھی جس نے بتدریج حالات و ترقی مدارج پا کر شکل انسانی اختیار کر لی۔

(یہ نکتہ نہایت عجیب ہے کہ حضرت کے زمانہ میں تحقیقات جراثیم منویہ انسان کی نہ ہوتی

تھی جو باریک جاندار ہوتے ہیں اور جس مرد کے پانی میں وہ جراثیم نہ ہوں اس کی اولاد نہیں ہوتی۔ حضرت کی کشفی بصیرت کس قدر حقیقت رس تھی جس کو آج تحقیقات علمی نے ثابت کر دیا ہے کہ نطفہ انسانی کے اندر موجب حیات باریک جاندار ہوتے ہیں۔ عبدالجبار)

اس موقعہ پر اخوند درویزہ صاحب نے اپنا حال لکھا ہے کہ مجھ کو بھی کشفی نظر عطا ہوئی ہے کہ جب میں تولد ہوا تھا اور اس جگہ مجھے جس چیز میں رکھا گیا تھا۔ وہ مجھے اب بھی یاد ہے اور میرا بھائی بھی تصدیق کرتا ہے۔

ایک دن درویزہ صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرت کے لئے میوہ لایا تھا۔ حضرت مخدوم نے اس میں سے ایک دانہ تناول فرما کر انگلے سے اپنے شکم کو دبایا۔ میں نے عرض کی کہ حضرت ایک دانہ کھانے سے سیری اور شکم پُری ناممکن ہے کہ آپ شکم مبارک کا امتلاء دیکھتے ہیں۔ فرمایا پیٹ تو نہیں بھرا لیکن آج خلاف معمول میوہ کے لئے اشتہاء کا زور تھا۔ اور نفس کی خواہش تو سامنے آگئی اور میں نے خواہ ایک دانہ ہی کھایا لیکن خواہش نفس کی تکمیل کا ارتکاب تو ہو ہی گیا۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ پیر طریقت میں اس بات کی استعداد ہونا لازم ہے کہ علم مرید کی لغزش کے وقت اگر وہ ایک شاخ سے چھوٹ پڑے تو دوسری شاخ اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پاوے اور اگر اہل علم ہو اور علمی لغزش ہو تو از روئے علم اس کے وساوس کو رفع کر سکے۔ اور جب تک مرید کا دل آلائش دنیوی سے صاف ہو کر متوجہ الی اللہ نہ ہو چکا ہو تب تک اللہ تعالیٰ کی معرفت کے جواہرات اس کے سامنے بے قرار نہ خیالات ہوتے ہوئے نہ پیش کرے۔ اس لئے کہ وہ حقیقت نہ سمجھ کر انجام کو پہنچا نہ سکے گا۔ اور نکات معرفت کو رائیگاں وکم قدر جان کر مزید نقصان میں جا پڑے گا۔ بلکہ گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔

اخوند صاحب فرماتے ہیں ہمارے حضرت کا ایک مرید تھا جو قیام قعود اور راستہ چلتے اور پیدل سوار ہر حالت میں سر ہلاتا رہتا اور کبھی ذکر خفی اور کبھی ذکر جلی میں مصروف رہا کرتا تھا۔ اتفاقاً اس پر موت کا وقت جب آگیا تو اس کے منہ پر یہ الفاظ جاری تھے کہ میری آرزو اس وقت دو امور کے سوا نہیں ہے۔ اول یہ کہ اگر دیدار نور یار حضرت سے اس وقت مشرف ہو جاتا تو میرے لئے بڑی نعمت تھی۔ دوئم یہ افسوس ساتھ لے جا رہا ہوں کہ جو عمر میں نے حضرت کی قدم بوسی سے پہلے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل گزار دی وہ حصہ عمر کس قدر قیمتی اور کار ابد متاع تھا

جو بغیر ذکر الٰہی ضائع ہو گیا۔ یہ افسوس اور ارمان ساتھ لے جاتا ہوں کہ یہ دونوں نعمتیں اب مجھے نہیں مل سکتیں۔

ایک دن حضرت مرشد و ہادی سید علی ترمذی مسجد سے صبح بعد از فراغت گھر تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ کا فرزند سید مصطفیٰ صاحبزادہ مصلی کندھے پر ڈالے ہمراہ جا رہا تھا۔ ایک تنگ کوچہ میں دو طاقتور بیلوں کی آپس میں ٹکر اور لڑائی ہوئی اور وہ آپکے اوپر آن گرے جس سے آپ کا جسم و چہرہ و بینی مبارک کو چوٹیں لگیں۔ گھر پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ آج مجھے کسی آفت کے نزول کی توقع پہلے سے تھی۔ فرزند نے پوچھا حضرت کس وجہ سے تو آپ نے فرمایا آج شب میں خود جاگ نہ سکا تھا اور مجھ سے نماز تہجد فوت ہو گئی تھی جس کی سزا کا مجھ پر مرتب ہونا لازم تھا۔ یہ ذکر اخوند صاحب نے حضرت نجم کبریٰ کے پاؤں ٹوٹنے کے ذکر کے ضمن میں کیا ہے۔

درویزہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ایک دن میں حضرت مخدومی سید علی ترمذی علیہ الرحمۃ کے ساتھ ایک بیابان میں ہم سفر جا رہا تھا۔ بعض نکات دقیقہ تصوف کا ذکر آیا۔ تو حضرت نے اپنا روئے مبارک میرے کان سے نزدیک بطور راز دارانہ نکتہ مجھ کو سمجھایا حالانکہ وہ بیاباں تھا کوئی بھی ہمراہی یا سننے والا قریب نہ تھا، لیکن بزرگان متقدمین کا چونکہ ارشاد راز داری کی نسبت تھا آپ نے اس کی تعمیل میں ایسا کیا۔

درویزہ صاحب فرماتے ہیں ایک دن حضرت کی مجلس میں بیٹھا تھا، آپ مراقبہ میں تھے جب آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا بعض لوگوں کو اکثر اوقات منصور جیسی حالت وارد ہوتی ہے پھر مراقبہ میں ہو گئے۔ میں نے چاہا کہ اس وقت میں بھی مراقبہ کے ذریعے حضور کے پہلو اور سرپرستی کے ماتحت سیر ملکوت حاصل کر سکوں۔ یہ میں نے ابھی تصور ہی کیا تھا کہ آپ نے مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا نہیں ایسا خیال نہ کرو۔ ایسا دیکھ کر کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ حالت تو نفی وجود کے بغیر متعسر الحصول ہے اور نفی وجود بجز چار سیر کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ (سیر من اللہ۔ سیر الی اللہ۔ سیر فی اللہ۔ سیر مع اللہ) جن کی تفصیل فرمائی بوجہ طوالت نقل نہ کی گئی۔ فرمایا مگر چہار سیر میسر نہیں ہو سکتے بغیر سات قدم کے جن کی تفصیل درویزہ صاحب نے مفصل بیان کی ہے) مگر ان سب کا تعلق اس جذبہ الٰہی

کے ساتھ ہے جو اسی طرف سے حسب استعداد جاذبہ کشش خود پیدا کرتی اور نفی وجود و نفی سوائے اللہ ہو کر کھینچ لی جاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر حیات دنیا میں میسر نہ ہو سکے تو بعض پر یہ کیفیت نزع کے وقت رونما ہو کر مشاہدہ اس کو ایسا حاصل ہو جاتا ہے جس کی مثال و نظیر نہیں ہوتی۔ وہ ایسا ہی مشاہدہ ہوتا ہے جو عوام مومنین کو جنت میں ہوگا۔ اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے۔

حضرت پیر دستگیر یہ مقولہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تین امور کا دوسرے تین حالات سے خالی ہونا عجائبات دنیا میں سے ہے۔

۱۔ سادات کا مذہباً اہل سنت کے عقائد کے ہر جزو سے متفق ہونا۔

۲۔ ملا شخص کا جواد اور سخی ہونا اور

۳۔ قلندر فقیروں کا نماز گزار ہونا۔

سید علی شاخے است از درخت عظیم

یعنی سید علی ایک عظیم الشان درخت کی شاخ ہے۔

اس کے بعد جب اسی سفر میں میں سرہند شریف میں پہنچا تو چند ہفتے حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کے روضہ پر بھی میں نے مجاورت اختیار کی۔ میری خوش نصیبی تھی کہ یہاں بھی حضرت خواجہ اجمیری کی طرح ہر شب مجھ کو حضرت امام ربانی کی زیارت نصیب ہوئی تھی اور اسی ذوق نے یہاں مجھ کو ٹھہرے پر مائل رکھا۔ حضرت مجدد کے ساتھ بھی میرے مقامات اولیاء اور مسائل تصوف پر سوال جواب اور بحث مباحثہ رہا کرتے تھے۔ تب میں نے ایک دن آپ سے بھی سید علی ترمذیؒ کے بارے میں سوال کیا، تو آپ کا بھی وہی جواب تھا جو جواب خواجہ اجمیریؒ نے دیا تھا۔

(حضرت مجدد صاحبؒ اس طور سے قریب اور ہم عہد تھے کہ آپ مجدد الف ثانیؒ تھے۔ جن کی پیدائش ســـء ہجری میں ہوئی اور حضرت سید علی ترمذی کی ولادت تخمیناً ۹۰۰ء ہجری کے ابتدائی پانچ سالوں میں ہوئی اور وفات تقریباً ۹۹۳ء ہجری میں ہوئی)۔

فصل سوم

حضرت سید علی ترمذیؒ کے حالات کے ضمن میں اخوند درویزہؒ صاحب کا بیان اپنے ذاتی حالات کے متعلق جو دراصل مرشد کی روحانیت کا پرتو ظاہر ہوتا ہے۔

اخوند درویزہؒ صاحب نے لکھا ہے کہ میرا طریقہ زہد و ریاضت کا اختیار کرنا طلب علم و عرفان حضرت پیر دستگیرؒ کی خدمت میں فائز ہونے کا قصہ اس طور پر ہے کہ یہ فقیر طفولیت کے وقت سے ہی زہد و ریاضت و عبادت کا عادی تھا، بلکہ عبادت سے کبھی سیر نہ ہوتا تھا۔ والدہ فرمایا کرتی تھیں جب تک میں ان کی گود میں تھا ہمیشہ روتا رہتا تھا اور جب سے گفتگو کے قابل ہوا قیام اللیل و صائم النہار اور دائم الوضو رہنا اپنا شعار تھا اور ہر قسم منہیات سے طبعاً دل کو نفرت اور بیزاری تھی۔ اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت ہر وقت دل پر مستولی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ بغیر کسی قسم سلسلہ پیر مریدی کے بھی تصفیہ قلب کی حالت حاصل ہو گئی۔ جس قدر دینی امور اہتمام سے بجا لاتا اسی قدر باطنی صفائی خود ہی حاصل ہوتی گئی۔ بلوغت کی حد کو پہنچنے تک جو کچھ مجھے ملنا مقدر تھا وہ کسی حد تک پا چکا تھا، لیکن تصوف حقیقی اور سلوک مشروع کی بنیاد ہر گاہ کتاب و سنت کے علم پر منحصر ہے اس لئے کہ منزل مقصود تک رسائی بغیر اتباع نبوی امر محال ہے اور میں بے علم تھا۔ اس لئے کہ بے علم انسان واردات شیطانی اور رحمانی میں فرق و امتیاز نہیں کر سکتا۔ میں بھی ہر دو امور کے بارے میں امتیاز کرنے سے معذور تھا۔ ہر دو کو حقائق یقین کیا کرتا تھا مگر اس اندازہ تک پہنچنے سے بے علم افغانوں میں گویا شیخ کامل بنتا گیا۔ بعض امور غیبی مجھ پر ظاہر ہو جاتے اور میں کہہ دیتا اور حالات اس کے مطابق پائے جاتے لہذہ میں ایک صاحب عزت و مرتبہ سمجھا جانے لگا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ میرے استاد صاحب ملا سنجر پاپینی نے فرمایا کہ قبیلہ ترکلانی نے موضع چکان سرائے کے گاؤں کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ واللہ اعلم انجام کیا ہوا ہوگا۔ میرے دل میں

خیال آیا کہ استاد کا دل ساکنان چکان سرائی کی فتح پر رضامند ہے جب میں نے اس وقت اپنی توجہ اس طرف معطوف کی اور اس بارے میں انہماک کی حالت پیدا ہوئی تو کچھ دیر کے بعد میں نے اپنے استاد سے کہا کہ میں نے وہ مقام آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر کیا موضع چکان سرائے اور دریاؤں کے درمیان مقام پر واقع نہیں ہے جس کی دیگر علامات فلاں فلاں میں نے شمار کر کے بتلائیں تو استاد نے کہا بے شک تم نے سب علامات ٹھیک بتلائی ہیں۔ تب میں نے کہا کہ ترکلانی لوگوں کو شکست ہو گئی ہے۔

چنانچہ استاد اس وقت سے بعد حساب کرتے رہے خبر مطابق اطلاع مذکورہ کے جب ان کو پہنچی تو ٹھیک وہی دن ترکلائیوں کی شکست یابی کا تھا۔

یہ حالات میری ابتدائی ریاضت اور بے علمی کے زمانہ کے ہیں جب کسی قدر علم میں نے حاصل کیا اور واردات شیطانی اور رحمانی کے درمیان امتیاز کا کچھ علم حاصل ہوا اور یکبار سابقہ کیفیت ہر دو قسم مبدل ہو کر طرف نیکی معلوم کر لیا۔ تب اس کا دوئم نتیجہ یہ ہو گیا کہ جہال ما اہل میرے خلاف مقابل ہو گئے اور میرا وقار عوام میں ٹوٹ گیا۔ میری طبع و جبلی خصلت اتباع سنت نبوی پر مجبور تھی مگر ملک کی فضا ہوا و بدعت سے متعفن و متاثر تھی۔ لہذا عوام جہاں مجھ سے خلاف ہوتے گئے اور یہ میری قسمت کا قصہ ہے کہ ہمیشہ دشمنان سنت نبوی سے مقابلہ رہتا۔

چرا جہان ہمہ با من بدشمنی برخاست   گناہ من بجز این نے کہ دوستدار توام

فرمایا یہ فقیر جب سے اپنے حضرت شیخ معظم و مولائے مکرم کے لقائے ہمایونی سے مشرف ہوا دنیا اور اس کی آلودگی کے غبارے سے دل کو پاک صاف کر لیا ہے اور جو کچھ بغیر طلب ملے اس کو طلب جاہ نہ کہیں گے، بلکہ فضل اللہ کہیں گے۔ ایام طفولیت سے اب تک میری عمر اسی سال ہو چکی ہے۔ ماکول و ملبوس اپنا اپنے کسب سے حاصل ہے۔ اس کے اخوند صاحب اپنے عہد طفولیت اور شوق طلب علم کی ابتدا کا قصہ اس طور سے بیان کرتا ہے۔

ایک دن جس کو میں اپنے لئے سعید کہوں گا عہد طفولیت میں پہاڑ پر جس کا نام جعفر ہے شکار کے واسطے میں گیا تھا۔ (یہ پہاڑ بالا بونیر کے قبائل سلارزی و عاشہ زی کے درمیان ہے۔ اور اخوند درویزہ صاحب کے والد کی مزار موضع میرہ سلارزیاں میں ہے لہذا ان کی سکونت بھی اسی جگہ تھی۔ میرہ کوہ جعفر کے شمال مغربی کونہ میں ہے جہاں اخون گداؒ صاحب والد اخوند

درویزہؒ کا مزار ہے اخوند گداؒ بھی مصنف کتب پشتو تھے۔) ایک درخت کے نیچے مکین گاہ میں شکار کے لئے تیر کمان درست کئے ہوئے میں بیٹھ گیا۔ مگر روحانی توجہ اس وقت نیاز مندانہ بار گاہ صمدیت کی طرف تھی عین اسی حالت میں دو شخصوں کو میں نے اپنے روبرو کھڑا پایا جن کے قد بلند تھے داڑھیاں سفید، عصا ہاتھ میں لئے ہوئے میری طرف مخاطب کہہ رہے ہیں۔ احسن الخالقین رب العالمین اور پھر یک بیک میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گئے۔ علم کے دفتر سے الف بے تے بھی نہ پڑھ سکا تھا۔ اس لئے کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا بجز الفاظ یاد رہ جانے کے جب میں ملا مصر احمد صاحب اپنے استاد کے پاس پہنچا جو سید محمود ولی کی اولاد میں سے تھا اور حال مذکور ان سے بیان کیا، تو اس نے فرمایا اے فرزند میں نے آج ہی رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ تم ایک عظیم الشان دریا میں بہہ کر غرق ہو گئے ہو، میں نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے، مگر بے سود، تم ہاتھ نہ آئے۔ جب میری والدہ نے یہ خواب استاد کا سنا اور اس کی تعبیر کی نسبت بہت مضطرب ہو گئی تو استاد نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر اور تیرا اپنا کشفی مشاہدہ متوافق ہیں۔ اگر تم طلب علم میں کوشش کرو تو ایسے مقام تک جا پہنچو گے، جہاں میری اور اکثر علما کی رسائی نہ ہو سکے گی۔ والدہ میری نے اسی وقت میوہ ہدیہ کے طور پر استاد کے سامنے لا رکھا کہ ابھی سے اس کی تعلیم شروع کرا دیجئے چنانچہ استاد صاحب نے فی الحال حروف تہجی لکھ کر مجھ کو دے دیئے اور تعلیم شروع کر دی۔ اور ظہر کا وقت تھا، خفتن کی نماز کے وقت تک مجھ کو سات قواعد حروف تہجی کے حافظہ کے اندر مرتسم ہو چکے تھے۔ جب میں نے آٹھواں قاعدہ حروف تہجی کا سیکھا اور ابجد کو پڑھا میں نے الفاظ احسن الخالقین رب العالمین کا ہجا جوڑ لیا اور الفاظ صحت کے سمجھ لئے۔ اس کے بعد میں روزانہ نصف سورۃ قرآن شریف پڑھنے پر قادر ہو گیا اور سورہ فجر تک یہی قاعدہ جاری رکھا اس کے بعد روزانہ ایک سورت پڑھتا تھا۔ ایک سال کے اندر کلام اللہ شریف معہ چند کتب ابتدائی میں نے پڑھ لیں۔ میرے کان گویا مسموعات کے برتن تھے جو سنتا وہ نہ بھولتا اور ذہن میں مرتسم ہو جاتا میری عادت میں بچپن سے خوف جبار جہاندار کا ہر وقت قائم رہا کرتا تھا۔ اور جن استادوں سے میں نے تعلیم حاصل کی مانند ملا مصر احمدؒ وغیرہ ان سب کو بھی اللہ تعالےٰ کی عدالت سے ڈرنے والے اور اپنے آپ منہیات الٰہی سے بچانے والے ہی پایا۔ اساتذہ کی خشیت کا غلبہ ہو جاتا کہ میری جان نکلنے کی حد تک ترسان و لرزان ہو

جاتی تھی۔ اس کے کچھ عرصے بعد جب میں ملا جمال الدین ہندوستانی کی خدمت میں آیا۔ (طلب علم کے لئے) تو ان کا اور طالب علموں کا احوال میں نے بدلا ہوا دیکھا کہ وہ اکثر ہنستے کھیلتے اور قہقہے لگایا کرتے تھے اور جو بات منہ پر آتی بے باک کہہ دیا کرتے۔ ان کی صحبت کے اثر سے میرے دل کی خشیت کم ہونا شروع ہو گئی، اور روحانی اضطراب معدوم ہونے لگا۔ تب میں نے یہ جملہ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور یاد کیا اور اپنے آپ کو ملامت و متنبہ کیا۔ تب ایک میرے مخدوم و مشفق ملا سنجر صاحب نے شفقت فرمائی اور میرے لئے راہبر بن کر مجھ کو آستانہ علیہ مبارکہ حضرت غوث زمان و قطب دوران سراج الدنیا والدین امام المومنین سید علی ترمذی علیہ والرحمتہ والغفر ان پر پہنچا دیا۔ اور ملاقات ابتدائی کے بعد جب میں اپنے زہد و ریاضت اور کشف کرامت وغیرہ کے جو حالات اس وقت تک مجھ پر گزرے تھے،۔ آپ کے حضور سب سنا دیئے تو آپ نے تبسم فرما کر فرمایا کہ تم افغانوں کے لئے کامل مکمل پیر ہو چکے ہو۔ (اس کا مقصد یہ تھا کہ افغان تو جھوٹے مکاروں کو بھی پیر بنا کر ان پر جان و مال قربان کرنے کے عادی ہیں تم میں تو سچے حالات ہی موجود ہیں) پھر فرمایا ریاضات شاقہ بجز فرائض و سنن و عبادات فرضہ بغیر ہدایت شیخ کامل اکمل کے لئے بے حد خطرات و ابتلات کو موجب ہیں کیونکہ اس کی بے عملی سے فائدہ اٹھا کر شیاطین ایسے مشائخ کو اپنا آلہ کار بنا لیا کرتے ہیں۔ واردات روحانیہ کا پانا بجز علم و استاد کامل جو اتباع نبوی سے سر مو اعراض نہ ہونے دیوے، بہت گونہ خطرات سے مملو ہوتا ہے۔ مبتدی کے لئے اوّل زینہ کردار و گفتار مصطفوی پر مکمل عمل و کاربندی ہے کہ اس سے سر مو تجاوز نہ ہونے پاوے۔

یہاں پر اخوند درویزہ صاحب ایک روایت اپنی عادت کے مطابق لکھتے ہیں جیسا کہ وہ ہمیشہ سلسلہ حالات کے درمیاں صفحوں کے صفحے مواعظ و نصائح اور مسائل پر لکھ جایا کرتے ہیں مگر مجھ کو مغالطہ لگتا ہے کہ آیا یہ مقولہ حسب عادت اخوند صاحب کا اپنا ہے یا حضرت پیر و مرشد نے ان کو نصیحت کرتے فرمایا ہے۔ احتیاطاً لکھ دیتا ہوں۔

فرمایا مشارق الانوار اور اس کی شرح میں ایک حدیث نبوی منقول ہے

من عمل لیس علیہ امرنا فھو مردود" یعنی جو شخص ایسا عمل نیک کرے جس کا حکم میں نے نہیں دیا، وہ نامقبول ہے اور پھر فرمایا کسی نے صحابہ میں سے آ کر آنحضرت صلعم سے استفسار کیا

کہ یا حضرت جو شخص ہر رات میں تین ہزار رکعت نماز پڑھے اس کا ثواب کس قدر ہوگا۔ تو حضرت صلعم نے فرمایا ثواب کا کیا پوچھتے ہو۔ یہ پوچھو کہ مواخذہ یا عذاب کس قدر ہوگا۔ اس لئے کہ وحی الٰہی نے مجھ پر ایسا حکم نازل نہیں کیا۔ اور میں نے تم پر احکام الٰہی بیان نہیں کئے تو اپنے خواہش نفس سے پیدا کردہ عمل کیونکر مقبول ہوسکتا ہے۔

اس جگہ میں بندہ خاکسار عبدالجبار قدرے وضاحت کرتا ہے کہ جو زمانہ اس بزرگ نے پایا تھا اور جس وطن میں ان کی سکونت تھی۔ اس جگہ کتب احادیث وتفاسیر وعلوم کا وجود عنقا بلکہ احادیث کی کتابوں کا تو نام تک لوگ نہ جانتے تھے زیادہ سے زیادہ ان کو کتب فقہ اور علماء و اولیاء اللہ کے رسائل دستیاب ہوسکتے یا تفاسیر میں سے تفسیر حسینی یا بیضاوی تک دینی علوم کا مبلغ العلوم تھا۔ مگر پابندی سنت اور عملاً مسلمانی اور تقویٰ شعاری اور صحت عقائد کی جو نعمت اس بزرگ یا اس کے ہم عصروں کو حاصل تھی جو اس زمانہ میں جو کہ تمام علوم وتفاسیر واحادیث وغیرہ ہر ایک کے لئے آسان ہو چکے ہیں۔ وہ مغز علوم ونتیجہ علوم اور ثمر علوم عنقا ہے۔ ان کی اکثر تفاسیر میں تاریخی حالات کا حصہ رطب و یابس بہت ہے جس پر مغرور علماء حال ان کی تصانیف کو ساقط الاعتبار کہتے ہیں مگر میں نے قریباً ان کی افغانی اور فارسی دونوں کی تصانیف میں جب عمیق غوطہ لگا کر دیکھا تو روایاتی اور قصص وامثال وتاریخی حصہ میں غلطیاں بے شک ہیں جو ذرہ برابر بھی نقصان مطالعہ کنندہ کو نہیں پہنچاتیں، لیکن جو حصہ عقائد صحیحہ اور اتباع نبوی او فرائض وسنن ومستحبات ومکروہات ومحرمات اور پنجگانہ فرائض اسلامی کا عبادات ومعاملات وعقائد کا ہے وہ اس قدر جید صحیح قوی ہے اور بال بال پر معروف میں عمل اور بال بال پر منکرات سے اجتناب موجود ہے بلکہ مومنانہ عمل کا مجسمہ وجود ان کا پایا جاتا ہے۔

دوئم یہ کہ آیا ان کے مرشد بھی ایسے کم علم تھے یا کہ ان کا علم ان سے زائد تھا۔ اس کا پتہ بھی ان کی تصانیف سے لگتا ہے کہ ان کا تبحر علم بہت زیادہ تھا۔ ان کو کتب نادرہ کے مطالعہ کے مواقع حاصل تھے اور علوم اسلامیہ کے اتمام کے بعد علم تصوف وطریقت میں وہ ماہر فن ہوئے تھے اخوند صاحب کا واسطہ ان سے علوم طریقت اور حصول برکات روحانی کے دائرہ تک محدود رہا اور ان کی نوجوانی کی عمر میں حضرت مرشد کا انتقال ہوا۔ خاندانی ایک روایت ہم کو متواتر پہنچی ہے کہ حضرت سید علی ترمذی کے فرزند حضرت سید مصطفےٰ کے بڑے بیٹے سید عبدالوہاب نے جو

مادر زاد ولی اللہ تھے اخوند درویزہ کے بعض درجات روحانی کی ترقی میں رکاوٹوں کو دور فرما کر آپ کے لئے حل مشکلات وکشف بان میں امداد فرمائی تھی۔ اس وقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سید علی ترمذی قدس سرہ کے حضور میں ان کو ابتدائی مراحل سلوک کا طے کرنا حاصل ہوا مگر جن تصانیف سے ہم اقتباس لے رہے ہیں۔ وہ اسی سالہ عمر کی ہیں جب کہ اخوند صاحب جہاد جنگی یا مخالفین اسلام میں ایک طرف اندرون اہل اسلام میں مصروف تھے دوسری جانب کوہستان دریائے صوات ودریائے سندھ کے کفار کو داخل اسلام کرنے کا شغل جاری ہو چکا تھا جس کی تکمیل واختتام حضرت سید عبدالوہاب نبیرہ پیر بابا علیہ الرحمۃ کے وقت میں کامیابی سے ہوا۔

میرا مقصد یہ ہے کہ اخوند صاحب نبیرہ پیر بابا علم تاریخ یا علم احادیث سے بہت کم حصہ دار تھے، مگر عقائد وعبادات ومعاملات اور پنجگانہ فرائض اسلامیہ کے نسبت کم علم نہ تھے بلکہ ایک علمی مجسمہ متقین کا تھے۔ ایسا ہی علم سلوک وتصوف میں آپ کامل الفن اور دائم المراقبہ روشن ضمیر تھے۔ ان کا ایک مرید قصبہ یونیاں کا شیخ تھا جس کا نام مجھے معلوم نہیں اسکو قبیلۂ اوتمان زئی نے موضع کیا کے نزدیک شمال جانب عمدہ اراضی بطور ہبہ وسیری دی ہے جس کے اصلی مالک اب تک اس شیخ کی اولاد ہے اس زمین کا نام ہی اب تک شیخاں وںڈ مشہور ہے یعنی شیخاں دی اراضی لفظ وںڈ پشتو ہے جس کا صحیح لفظی معنی انگریزی زبان کا لفظ گراؤنڈ ہے۔ یہ شیخ صاحب شیطانی وسوسوں میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے پشاور سے معلوم کر کے اس کو متنبہ وآگاہ کیا تھا کہ تم پر جو مکاشفات اور واردات اس جگہ ہو رہی ہیں، وہ رحمانی نہیں بلکہ شیطانی ہیں پھر اخوند درویزہ صاحب نے فرمایا ہے شیوخ حقانی کو اسرار مودعہ اعمال صالحہ کے معلوم ہیں اور محقق شدہ ہوتے ہیں کہ وہ کردار حضرت سید البشر ﷺ سے تجاوز نہیں کرتے پھر ہر نو آموز اور شاگرد کی استعداد کا موازنہ کر کے اس کو اوراد ونوافل کی تلقین اس شخص کے حسب استعداد کرتے ہیں۔ تا کہ وہ غلطی میں اور شیطان کے مغالطات کی لپیٹ میں نہ آجائے۔ البتہ درویش کے اندر اس قدر استعداد ہونا اور اتنی معرفت کا وجود لازم ہے کہ مرید کا حال اور استعداد نور باطن سے علی وجہ البصیر صحیح معلوم اور اندازہ کر سکے۔ اگر مرید مقام عزلت کے قابل ہے تو عزلت کا حکم دیوے اگر مقام سکوت کے قابل ہے تو تلقین ذکر کرے اور اگر ان مقامات کا اہل ہی نہ ہو تو

ادائے صلوٰۃ خمس باجماعت ایام بیض وشش رکعت نماز اوابین اور مانند اس کے دیگر اعمال نوافل
کے بتاوے۔ اس کو مراقبہ، ذکر فکر میں ہرگز مشغول ومصروف نہ کرے۔ اور جو پیر اس قدر
استعداد کا مالک نہ ہو تو وہ بد بخت مریدوں کے ایمان کا ڈاکو ہے، ناحق ان کو شیطان کے ساتھ
شطرنج کھیلنے میں مصروف کر کے ضائع کرنے والا ہے۔

پھر خواجہ محمد علی ترمذیؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ فرماتے تھے افضل عبادات میں ترک حق وغرور
نفس کو کہتے ہیں اور کہا ہے کہ میں ایک دن اپنے بخارا کے قیام کے دنوں میں اپنی روح میں
تیرگی اور کاہلی محسوس کی تو میں نے روزے رکھنے اختیار کر لیے۔ چند روز بعد اپنے مرشد حضرت
شیخ بہاؤ الحقؒ کے پاس حاضر ہوا، مجھے دیکھتے ہی آپ نے حکم دیا کہ ان کے لیے کھانا لے آؤ
مجھے حکم دیا کہ روزہ توڑ دو اور طعام کھالو۔ اور یہ جملہ فرما رہے تھے:

بئس العبد ہویٰ یضلہ

اور اس کے معانی مجھ سے بوضاحت بیان فرمائے اور کہا میرا تجربہ ہے کہ ایسے روزہ سے کھانا
بہتر ہے جو اپنے خیال وہوائے نفس سے رکھا جائے اور پھر فرمایا کاش عمر دوبارہ ہوتی کہ تجربہ
سے فائدہ اٹھایا جاسکتا اور فرمایا یاد رکھو نفل عبادت بغیر اذن شیخ کامل باقی فی اللہ نہ کی جاوے
ایسے شیخ کامل کا ارشاد اپنے اندر خواص رکھتا ہے کہ ہوائے نفس سے وہ نوافل پاک صاف رہ
جاتے ہیں ورنہ بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔

الغرض حضرت پیر دستگیر سید علی ترمذی نے بعض نصائح وپند فرمانے کے مجھے ارشاد فرمایا
اور میں نے شروط توبہ تجدید ادا کیں۔ بعد ازاں آپ نے اوامر واجبانہ کا امر فرمایا۔ چنانچہ روزہ ایام
بیض ونماز اوابین وادائے خمس صلوٰۃ باجماعت وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ پہلے سے بھی میں ان اعمال
پر عامل تھا۔ مگر حضرت نے اپنا فرض ہدایت ادا فرما کر حکم دیا۔ اور میں نے قبول کیا۔

کچھ عرصہ بعد میرے استاد حاجی محمد صاحب مشہور بہ ملازگی پاپینی نے بحضور شیخ معظم
عرض کی اور میری، بہت سفارش کی کہ فلاں قصہ شغل باطن اور تلقین طریقت کا رکھتا ہے اور چونکہ
اہل معلوم ہوتا ہے لہٰذا امید ہے کہ مشرف فرمایا جاوے۔ لیکن حضرت مخدوم کی عادت تھی کہ
اس بارے میں حد سے زیادہ پرہیز اور احتراز فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ امانت الٰہی
ہے بغیر اہل کے اور کسی کو سپرد کرنا امانت الٰہی میں خیانت کاری ہے اور اہل علماء واتقیاءً ہیں نہ کہ

عوام وجہال البتہ حضرت اہل اللہ کی شناخت میں بھی باکمال تھے اور فرماتے کہ نااہل ذکر
شریف کے اثرات حرارت کی برداشت اور فہم حقائق سے قاصر ہونے کی وجہ سے بدعت والحاد
کے گڑھے میں گرنے سے بچ نہیں سکتا اور اسی پر اس زمانہ کے پیران طریقت کی گمراہی کو
معمول کرتے تھے کہ ہر ایک طریقہ کے ملحدین دراصل معدن اصلی ومنبع فیضانی سے فیضاب
ہوئے ہوں گے مگر ان کے ناقابلیت اور نااہلیت اور عدم فہم وفراست از کتاب وسنت نے
گمراہی میں ڈال دیا۔ القصہ جب فضل باری معین ومددگار تھا حضور نے فرمایا بیشک اہل ہے۔ لہٰذا
آپ نے ادائے شروط تلقین مجھ کو ظہر کے وقت فرما کر ذکر الٰہی کی تلقین فرمائی اور فرمایا نگہبانی
اور جاسوسی کرتے رہو کہ کس وقت تک ذکر دل میں اندر داخل ہوتا ہے۔ میں اس پر عامل اور
منتظر رہا تا آنکہ نماز عشاء کے وقت دل کے اندر ذکر الٰہی اتر گیا۔ اس کے بعد اس قدر حضوری
حاصل ہوئی کہ آب وطعام سے میں رہ گیا۔ اور اختلاط خلائق سے بیزار ہو گیا۔ نیند بھی ایسی
بیدار رنگ ہو گئی کہ باوجود خواب باتیں لوگوں کی سنا کرتا تھا۔ نیند بہت کم اور ضعیف ہو گئی کہ مکھی
کا بیٹھنا مجھ کو بیدار کرنے کا موجب ہو جاتا۔ اور قبل ازیں جو واردات ناموجبہ مجھ پر وارد ہوا
کرتیں، وہ معدوم ہو گئیں اور تھوڑی مدت میں جو میرے لیے پہنچنا مقدر تھا وہ مجھے بفضل تعالیٰ
حاصل ہو گیا۔ تب حضرت مخدوم محقق وشیخ مشفق نے مجھے حکم فرمایا کہ علم تصوف موافق شریعت
کے حصول میں کامل شغف وشغل اختیار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے
عارف کامل بن جاؤ اور ضعیفاء مومنین کو تشبیہ وتعطیل سے بچا سکو۔ کیونکہ اکثر اہل ہوا اس زمانہ
میں اسی سبب سے کہ چند اصطلاحات علم تصوف سیکھ کر اس پیشہ کو ایک پیشہ بنا کر اختیار کر لیتے
اور پیر طریقت بن جاتے ہیں اب ان کو مریدوں کے آگے اپنی فضیلت اور علم وفن ظاہر کرنا ہوتا
ہے اور وہ رموز شریعت واتباع نبوی سے جاہل ہوتے ہیں۔ اصطلاحات تصوف کے معنی اور فہم
میں سخت غلطی کھاتے اور ذات بیچوں وبیچگوں کی معرفت وصفات ربانی کی سمجھ میں غلطی خوردہ ہو
کر چاہ ضلالت میں خود بھی گرتے اور ایک گروہ مسلمین کو لے ڈوبتے ہیں۔ جب کہ علم تصوف کو
بغیر ادائے شروط استادان کامل وعامل دیکھتے بلکہ پڑھانے بیٹھتے ہیں تو یقیناً ان عبارات و
اشارات کے فہم سے وہ عاجز ہوتے ہیں۔ اور چونکہ اسی میں بحث ہی بیچوں رب باری کی ذات
اور صفات الٰہی کے عقائد شرعیہ کے توافق سے ہوتی ہے۔ اس بنیادی عقیدہ میں ہی غلطی خوردہ

ہو کر ایمان ہی ضائع ہو جاتا ہے چہ جائیکہ نتیجۂ اعمال سے فیض یاب ہو سکیں۔

بعض ان میں سے اللہ تعالیٰ کو ایک صورت تصور کرتے ہیں۔

بعض اس کو کسی مکان پر محدود یقین کرتے ہیں۔

بعض ارواح و انفاس کو اجزاء خدا یقین کرتے ہیں۔

بعض کل اشیاء کو ایک وجود واحد اور مجموعہ کو خدا تعالیٰ یقین کرتے ہیں۔

بعض اللہ تعالیٰ کو خلق کے اندر اور خلق کو اللہ تعالیٰ کے اندر شامل داخل کہتے ہیں۔

بعض اللہ تعالیٰ کو ذرہ ذرہ کے ساتھ ذرہ ذرہ ہونے والا مانتے ہیں۔

علی ہذا القیاس اس زمانہ میں بھی پیران طریقت من المسلمین ان آفات عقیدتی میں مبتلا ہیں جو تم اپنے گرداگرد ممالک میں پھیلے ہوئے دیکھتے ہو۔ اور یہ دشمنان دین بیرونی دشمنان اسلام و شریعت کی نسبت زیادہ نقصان رساں ہیں کہ گروہ گروہ مسلمان ان کی پیروی میں عقائد اصول اسلام میں غلطی خوردہ ہو کر ایمان کے خزانہ پر دشمن ایمان کے حملہ سے غیر محفوظ ہو گئے ہیں۔ تم اپنا فرض قرار دے لو کہ معتقدات اسلام کی تعلیم و تلقین اہل اسلام کو کرو اور ہر گروہ کو ورطۂ ضلالت عقیدتی سے بچا لو۔

اس لیے لازم ہے کہ تم علم تصوف علیٰ نہج شریعت استاد حقانی سے سیکھ سمجھ لو اور شریعت محمدی کے ظاہر و باطن کو واحد اور واضح یقین کر لو اور استعداد توافق و توفیق علم تصوف و شریعت پر بخوبی حاوی اور آگاہ ہو جاؤ۔ تب حضور نے مجھ کو تعلیم تصوف متوافق شریعت دینی شروع کی۔ اور کتاب جام جہاں نما عنایت کر کے درس دینا شروع فرمایا۔ اور کلام الٰہی کے نکات باریک و دقیق بہ تشریحات احادیث سمجھانا شروع فرمایا۔ میں سنتا اور پھر حقیقت نکتۂ فرمودہ پر جب پہنچ جاتا تب حضرت کو اپنا مفہوم سناتا جس پر آپ بیحد تحسین و آفرین فرما کر اظہار خوشنودی کا کرتے اور مجھ کو اور تعلیم دیتے۔ یہاں تک کہ متعدد کتب آپ کے درس میں پڑھیں اور جو میرے حصہ کا مقدر علم اس بارے میں تھا، وہ سب کچھ مجھے بفضلہ تعالیٰ و بہ عنایت حضرت شیخ محقق سمجھ آ گیا۔ بایں ہمہ کچھ نہ سمجھا ہوں اور نہ سمجھ سکتا ہوں۔

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد

رسائل و دیگر لمعات و سوانحات اولیاء اللہ و دیوان خواجہ قاسم انوار وغیرہ وغیرہ حضرت

کے حضور میں نظر سے گزارے جاتے اور آپ ہر اصطلاح کی تفسیر و تشریح کلام اللہ توافق و عبارت النص و شریعت ظاہرہ کے توافق سے سمجھاتے تھے۔ حضرت کی گفتار و کردار و صحبت میں ایک جاذبہ و کشش فوق الخیال اس قدر پر انداز میں بھی اور دیگر طالب علم بھی پاتے تھے کہ نہایت قلیل عرصہ اور قلیل و بلیغ الفاظ میں مسئلہ و دقیقۂ علم دل کی گہرائیوں میں میخ کی مانند اتر جاتا تھا اور طالب علم کو دلی تسکین اور دائمی تشفی حاصل ہو جایا کرتی تھی بعض طلبہ کو میں نے دیکھا کہ آپ کا ایک کلمہ اور ایک جملہ سن کر بحر تحیّر میں مستغرق ہو جایا کرتے تھے۔ مقولہ ہے

حیرتے باید ترا اے ذوالعنان تا نگنجی در زمین و آسمان

چنانچہ ہمارے پیر بھائیوں میں میر سید علی صاحب جو سید ہارون کے بھائیوں میں سے تھے۔ حضرت کی ایک تلقین اور ایک اشارت سے اس قدر عالم استغراق و حضوری مستغرق ہو گئے کہ خیر و شر نفع و ضرر سے بھی بے خبر تھے۔ کسی شخص نے ان کے آستانہ عالیہ کو آگ لگا دی اور آپ بیٹھے ہوئے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ مگر اس کو منع کرنے کی مجال اپنے میں نہ پائی فرماتے ہیں حاضر و ناظر تحقیقی اور فاعل حقیقی پر نظر رکھا کر اس سے تجلی ہو رہا تھا کہ اس کی منشاء کی تکمیل میں میری کیا ہستی ہے کہ حارج و مانع بنوں۔

ملا یوسف الیاس زئی (بونیروال) جو قبیلہ گنائے زئی میں سے تھا۔ اس نے حضرت قبلۂ روحانی مخدومنا سے دیوان قاسم انوار نصف تک پڑھا اور سنا تھا۔ قضا را وہ خطۂ کشمیر کو گئے تھے اور وہاں حضرت شیخ المشائخ ولی زمان شیخ یعقوب کشمیری علیہ الرحمۃ کے شرف دیدار سے مشرف ہوئے اور مدت دراز ان کی خدمت میں رہے، جب حضرت شیخ یعقوبؒ ان کے حالات سے واقف ہو چکے تو ہمیشہ فرمایا کرتے کہ جب ملا یوسفؒ صاحب مجلس میں بیٹھے ہوئے ہوں تم مجھ پر رعشہ طاری ہو جاتا اور میرا ظاہر بدن اور اندرون قلب بھی مرعوب ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ادراک اشارات و عبارات متصوفانہ سے جو اس کے ذہن میں ہیں اپنے آپ کو عاجز ہیچ مپرد پاتا ہوں۔

ایک مرتبہ صلاحیت آثار ملا باسے (عباسے) ایک غریب الدیار شخص کو اپنے ہمراہ لے کر حضرت مخدوم الانام شیخنا سید علی ترمذی کے پاس لایا اور نہایت منت زاری سے اس کی سفارش حضور میں کی کہ یہ شخص عزم مصمم رکھتا ہے اور اکناف عالم کی خاک چھانتا ہوا یہاں پہنچا

ہے اور ادراک اشارات پیر مغالطات تصوف یعنی رسالہ جام جہاں نما کا اشتیاق رکھتا ہے۔ تب اس شخص نے اپنا قصہ حسب ذیل تفصیل سے بیان کیا کہ اصلاً وطناً ہرات کا باشندہ ہوں۔ میرا پیر طریقت ایک عارف و عالم علوم ظاہرہ باطن تھا جو صاحب اسرار و دقائق و متجمع کمالات ظاہرہ و باطنہ تھا۔ جب اس کا وقت وفات قریب ہوا تو خاکسار کو اپنے حضور طلب فرمایا اور یہ رسالہ جام جہاں نما مجھ کو دیا اس کے اوائل سے کسی قدر عبارت و اشارات خود مجھ کو تعلیم فرمائے اور مجھ کو حکم دیا کہ تم تمام دنیا کے اطراف و جوانب میں ڈھونڈو اور پیر کو تلاش کرو جس کسی نے میری تعلیم و تفہیم کے موافق تجھ کو اس کتاب کے حقائق سے سمجھایا اس کے پاس مجاورت اختیار کرنا اسی سے فیوض علم شریعت و طریقت حاصل کرنا۔ اس لیے کہ علم تصوف مطابق شریعت جیسا کہ فی الواقعہ اس کا مقصد ہے۔ اس زمانہ میں اس کا ملنا نوادرات زمانہ سے ہو گیا ہے اور جو کوئی تم کو اس پر واقف ملے اس کے دامن سے وابستہ ہو جانا اسی بنا پر میں ترک وطن کیا اور پوری دنیا میں ملک بملک دہ بدہ قریہ بقریہ پھرتا پھرتا رہا مگر باوجود کثیر مشائخ و علماء نامی گرامی سے ملنے کے بھی مجھ کو اپنا مطلوب علم کسی کے پاس دستیاب نہیں ہوا۔ حالانکہ نہایت عظیم القدر باکمال بزرگوں کا نیاز بھی حاصل ہوا اور اکثر علماء متبحرین کو بھی ٹٹولا۔ بعض ناموروں کو جو لوگوں میں تو خاصی شہرت رکھتے تھے مگر روحانی اور ذاتی استعداد میں میں نے ناقص پایا اور بعض کو تو طریق سنت سے بہکا ہوا اور الحاد و اضلال میں آلودہ پایا۔ تمام مملکت ماورالنہر سمرقند و بخارا وغیرہ کو میں نے چھان ڈالا۔ جب وہاں مجھے کچھ دستیاب نہ ہوا تو مملکت کاشغر و یارقند میں پہنچا، اور اس کی چپہ چپہ زمین کا دورہ کرتا ہوا اپنے مطلوب گم گشتہ کو ڈھونڈتا ہوا براہ لداخ کشمیر تک آیا ہوں۔ اقوام کفار کے اندر سے ہوتا ہوا جب کشمیر اور ولایات کشمیر میں بھی طلب و تلاش مقصود میں دوڑ دھوپ کر کے تھک چکا تو اپنے وطن کو مایوس ہو کر واپس جانے کے خیال سے اس راہ سے روانہ ہو آیا کہ علاقہ یوسف زئی و پشاور وغیرہ میں تلاش کرتا جاؤں گا۔ چنانچہ تقدیراً ملا باسے میرے لیے دلیل راہ بن گیا اور اس نے مجھے آستان فیض بنیان اور معدن علوم حقیقت و معرفت پر پہنچا دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک مقولہ ہے۔

اکثر ما رحم اللہ علے العبد عند الایاس۔

یعنی اکثر اللہ تعالیٰ کے بندے پر ایسے وقت میں رحم فرمانے کا ورود ہوتا ہے جب وہ

اپنے مطلوب کی نسبت ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے۔ ایک مدت دراز تک وہ شخص حضرت مخدومنا کی ملازمت میں مجاور رہا۔ اور حضرت کے اکرام و الطاف سے اس کے مطلوب علوم ظاہرہ و باطنہ میں وہ حالت معائنہ کی گئی کہ ابناء جنس اور اپنے ہم عہد لوگوں میں اس کو علوم ظاہرہ و باطنہ میں بے حد امتیاز حاصل ہو گیا۔ ہمارے حضرت کی عادت شریف میں یہ امر داخل تھا کہ آپ طالب صادق کے ساتھ اس کے اپنے شوق سے زیادہ دوچند محبت اور شفقت کا برتاؤ فرمایا کرتے تھے اور اس کو مقامات عالی تک پہنچانے میں از حد زیادہ شفقت و امداد فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ شخص اپنے اہل وطن کے لیے ایک بہترین اور اکمل ترین صلحاء کا نمونہ بن جاتا تھا۔ یہ شخص بھی اس درجہ تک کامل اکمل انسان ہو کر بحکم حضرت اپنے ملک کی طرف رخصت ہو گیا۔

القصہ میں بھی (اخوند درویزہ صاحب) مدت مدید و عہد مزید حضرت کی خدمت اور ملازمت میں رہا اور ایک لمبا عرصہ حضور کے قدموں میں بسر کیا۔ اور حضرت اپنے متقدمین اجداد بزرگواران کی طرف پانچ خانوادہ کے اذن سے ماذون و مجاز تھے اور حضرت شیخ سالار رومی کی طرف سے چار سلسلہ مشہورہ کے اذن و ارشاد سے ماذون و مجاز تھے۔ اس فقیر کو نوازش کریمانہ سے ہر چہار سلسلۂ مشہورہ کے اذن و ارشاد سے آپ نے مشرف فرمایا:

الحمد للہ علیٰ ذالک۔ ذکر اسمائے مشائخ ہر چہار سلسلہ وغیرہ گزر چکا ہے۔

باطنی انوار و کرامات کی طلب و تلاش سے منع کرتے اور فرماتے کہ یہ راستہ نہایت تنگ و مشکل ہے بلکہ شریعت کی پابندی پر زیادہ متوجہ اور پابند کراتے۔ اور حضور کے کلمات طیبات بہت مختصر ہوتے مگر دلوں میں میخ کی مانند گڑ جاتے تھے اور ہر چھوٹا بڑا آپ کے بیان کردہ دلائل سن کر حق و باطل میں خود باآسانی امتیاز کر لیتا تھا۔ اور اس ملک کے تمام قبائل نے بھی آپ کی برکات اور علم کو جانچ لیا تھا جو کوئی پیر طریقت ہونے کا مدعی ہوتا، جب تک آپ اس کی نسبت صحت کا فیصلہ نہ فرماتے کل قبائل اس سے محترز رہتے، بلکہ اکثر بار ایسا ہوتا کہ اس نو وارد فقیر کو حضرت کے پاس لے آتے یا حضرت مجھ کو اس کے پاس بھیج دیتے۔ ایک وقت تھا کہ پیر عمر اور پیر چالاک جو دونوں حقیقی بھائی اور افغانان خٹک میں سے تھے یوسف زئیوں کی حدود میں آ گئے۔ لوگوں نے چاہا کہ ان کو ہمارے حضرت کی نظر سے گزاریں اور اس کسوٹی پر ان کے کھرے کھوٹے ہونے کا معلوم کریں۔ ہمارے حضرت نے نور باطن کی روشنی سے ان کے متعلق ان کا اسرار قلبیہ پہلے سے کہ ابھی وہ مجلس میں نہ آئے تھے۔ معلوم کر لیا اور ایک پرچہ کاغذ کا مجھے دیا کہ تم اس کو لپیٹ کر اپنے دستارچہ میں (رومال میں) باندھ لو، میں نے باندھ لیا اور فرمایا جب میں کہوں تب تم اس کو میدان میں پھینک دینا۔

بعد از ملاقات یک دیگر حضرت صاحب تو سکوت میں بیٹھے رہے۔ کیونکہ آپ جہال بے علم سے کیا سوال کر سکتے تھے۔ جب تک وہ خود کوئی حرف خلاف شریعت نہ کرے (واعراض عن الجٰہلین وارد ہے) کچھ دیر تک وہ بھی چپ رہ کر پیر چالاک ان میں سے دو زانو ہو بیٹھا۔ اور تقریر اس نے یوں شروع کی کہ آج کے دن مجھ پر منکشف ہوا ہے کہ ساتویں آسمان سے بلائے عظیم اس زمین پر نازل ہوئی ہے جس کی لمبائی کا ایک سرا مشرق کو اور دوسرا مغرب کو پہنچا ہوا ہے۔ کیا تم لوگو یہ جان سکتے ہو کہ وہ بلائے عظیم کہاں اور کس پر جا کر نازل ہوگی۔ اب حضرت نے ان کی سفاہت و ضلالت خلاف شریعت سن کر سکوت کو توڑا اور متبسم ہو کر فرمایا۔ کوئی بلا نازل نہیں ہوئی اور نہ ہی تم نے دیکھی اور خادم کو اشارہ کیا کہ وہ دستارچہ میدان میں پھینک دیوے چنانچہ دستارچہ ڈال دیا گیا اور حضرت نے حسب ذیل تقریر فرمائی:

کتب اسلامیہ میں علماء و سلف نے لکھا ہے کہ اس زمین پر اور آسمان اوّل کی درمیانی مسافت پانصد سالہ راہ ہے اور اس قدر آسمان اوّل کی موٹائی ہے گو وہ شفاف ہے مگر اس کی

باب دوم

فصل اوّل

ذکر کارنامہ ہائے حضرت سید علی ترمذی قدس سرہٗ

باب دویم حضرت مخدوم الممدوح کے ان کارناموں کے جو حضور کو پیران بے علم و ملحدین کے ساتھ اس ملک میں مجادلات کرنے پڑے تھے اور اندرون ملک میں سے مفاسد صاف کرنے کے بعد قبائل کفار کوہستانات کو داخل اسلام کی مہم اپنے خلفاء اور اولاد کو سپرد فرما کر دونوں مہمات میں کامل کامیابی بفضلہٖ تعالیٰ حاصل کر لی جس کا اثر دینداری و پابندی شریعت و سنت کا پونے چار صد سال تک اس ملک میں اب تک باقی ہے اور قبائل سرحد میں ترغیب جہاد فدائیت فی سبیل اللہ آپ کا شروع کردہ عمل اب تک موجود اور زیر عمل ہے۔

اخوند درویزہ صاحب لکھتے ہیں ہمارے حضرت کی عادت میں یہ امر داخل تھا کہ آپ نے جب اس ملک کا مرض اور اپنی نسبت شیخ مخدوم کا مفوضہ یہ فرض معلوم کر لیا کہ اس ملک میں دین اسلام کے اندر رخنہ اور فتنہ بے علم پیران بدلگام اور ملحدین اہل ہوا و بدعت کا ہی ہے تب آپ ملک کا دورہ فرماتے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کے خیالات اور عقائد کی جانچ اور پڑتال فرمایا کرتے تھے اور ایک ایک پیر و مقتداء کو دیکھتے اور جانچتے اور اس کی عزت اور وجاہت کے درپے نہ ہوتے، بلکہ اس کو علیحدگی میں معلوم کرتے اور اس کے عقائد و علم میں نقص ہوتا تو اس کو اصلاح پر مائل کرتے، لیکن اگر وہ باغی اور خلاف شریعت طریقوں پر قائم اور مصر ہوتا تب اس سے مایوس ہو کر عوام الناس کو اس کے فساد سے آگاہ فرما دیتے اور وہ نقص بتلا کر تمام مخلوق کو

موٹائی و عرض کا سفر بھی پانصد سالہ راہ ہے۔ پھر ایک آسمان کی دوسرے آسمان تک مسافت اسی قدر بتلائی ہے اور ہر آسمان کی اپنی موٹائی بھی اسی قدر بتلائی ہے۔ اس حساب سے ہماری زمین سے ساتویں آسمان کا بالائی حصہ سات ہزار سالہ دور ٹھہرتا ہے، جب پیر چالاک کو اس قدر استعداد اور بصیرت حاصل ہے کہ آج ہی اس نے سات ہزار سالہ راہ سے ایک بلائے عظیم کو نازل ہوتے دیکھا ہے، تو یہ بہت بڑا معاملہ ہے۔ اگر یہ صحیح اور سچ ہو تو ایسے اولیاء اللہ قابل اقتداء و اتباع، بلکہ عنقا ہوتے ہیں، مگر میں کہتا ہوں کہ چونکہ ایسا دعویٰ خلاف شریعت و تعلیم محمدی ہے، لہٰذا یہ صریح جھوٹ ہے اور اس لیے ایک جھوٹا انسان دینی معاملات میں ہرگز پیشوائی کے قابل نہیں، بلکہ دنیوی امور میں بھی بے اعتبار ہوتا ہے۔ اور اگر اس نے سچ کہا ہے تو ابھی امتحان ہو جاتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت دی ہو جو سات ہزار سالہ راہ سے بلا کو آج ہی دیکھ چکا ہے اس کے لیے اس دستارچہ کے چند دھاگوں کے اندر لپٹی اور بندھی ہوئی چیز کا دیکھ لینا کیا مشکل ہے۔ پیر جی اس کو دیکھ کر خوب غور کر کے بتلا دیں کہ اس رومال کے کونے میں کوئی سی شے بندھی ہوئی ہے۔ یہ ایک نہایت معقول اور آسان آزمائش تھی۔ اور اگر اس میں عقل ہوتی تو کوئی اور معقول عذر کر دیتا کہ بصیرت اپنی اختیاری نہیں یا کہتا ہر وقت حالت انکشاف قائم نہیں رہتی، مگر اس نے بلا تاویل ایک مجمل جملہ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے تحکم کے طور پر کہہ دیا کہ اس میں دنیا کے میووں میں سے ایک میوہ ہے (یعنی خواک کی چیز ہے) اور کیا ہے دیکھ لو۔ جب اس کو مجلس میں کھولا اور اس میں سے کاغذ کا پرزہ نکلا جو کسی تاویل سے اشیاء خوردنی کی تعبیر میں آنے کے قابل نہ تھا، تو وہ جاہل بہت ہی خجل اور شرمندہ ہو کر اس مجلس سے اٹھ گیا اور اس وطن سے چلا گیا۔

پھر لکھا ہے کہ یہ عاجز حضرت کے ہمراہ سفر و حضر میں اور لیل و نہار یکجا مقیم اور ہر ایک حرکت و سکون و خواب و بیداری و ریاضت و عبادت میں آپ کو سنت نبوی و طریق مصطفوی پر کاربند اور پابند پایا اور ہر عمل و قول میں جو سنت کے ماتحت ہوتا برکات و انوار کثیرہ کا مشاہدہ کیا اور آپ سے ماذون و مجاز ہو کر آپ کا ہی طریقہ اپنا دستور العمل قرار دیا۔ اکثر ایسے گمراہوں کے ساتھ مباحثے کے لیے حضرت مجھ کو ہی فرمایا کرتے تھے کیونکہ حضور کو شغل باطن کی مصروفیات سے فراغت نہ ہوتی تھی۔ اور آپ کو ہمیشہ تمنا ہوتی کہ آپ کو اپنے شغل سے کوئی نہ

لے۔ آپ دائم الاستغراق رہتے تھے۔ القصہ مدت دراز تک روئے نیاز اس غریب نواز کے آستانہ پر متوجہ رکھا ہوا مقیم رہا ہوں۔ اور قید ماسوا اللہ سے مطلقاً آزاد و خلاص شدہ رہا ہوں۔ کیونکہ آنحضور دائم الاوقات مراقبہ و ملاحظہ میں مصروف رہتے تھے۔ اور جب طلاب مخلصین [illegible] کے آپ کے سامنے حاضر ہوتے تو سب پر یہی حالت طاری ہو جاتی کہ فی البدیہہ قید ماسوا اللہ اور ما و من سے چھوٹ جاتے اور ایک زبردست جاذبہ طاقت سے اللہ تعالیٰ کی خشیت و محبت اسے ایک طرف متوجہ کر لیتی تھی۔ کسی نے سچ کہا ہے:

چوں روئے خوب می بینم خدایم یاد میگردد

اور مانند قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

النظر الی حسان الوجوہ عبادۃ

اس کی تشریح امام غزالی علیہ الرحمۃ نے بہت خوب اس طرح کی ہے کہ ان خوب صورت وجوہ سے مراد اولیاء اللہ و علماء اتقیاء ہیں، کیونکہ ان کے حسن حقیقی کو کوئی حسن نہیں پہنچ سکتا۔

پھر اس کے بعد اخوند صاحب لکھتے ہیں ایک دفعہ چند دن حاضری خدمت سے قاصر اور غافل ہو کر وقفہ کے بعد حاضر خدمت ہوا، تو حضرت نے فرمایا اس قدر تعطل اور توقف کا معقول سبب بتلاؤ۔ میں نے عرض کی حضرت میں نے بزرگان سلف کے مقولہ کے آداب مریدین کے بارے میں رعایت کا خیال مدنظر رکھا کہ مرشد کے حضور خالی ہاتھ نہ جانا چاہیے، بلکہ کسی نہ کسی تحفہ کی پیش کش ضرور لے جاویں تا کہ مرشد کے دل میں مرید کے خلوص کا ظہور ہو کر ان کی قلبی شفقت کو ایک گونہ ہیجان اور تحریک پیدا ہو کر مقاصد عالیہ کے حصول میں مرشد کی یہ توجہ شفقت بڑا فائدہ پہنچاتی ہے۔ آپ نے اس جواب پر روگردانی اور ناخوشی کا اظہار فرما کر فرمایا:

جو لوگ اونٹ گھوڑے اور اموال دنیوی لا کر مجھے کچھ دے کر خوش کرنا چاہتے ہیں، وہ ہرگز میرے نزدیک اور مخلص دوستوں اور محبوں کے برابر نہیں ہوتے، بلکہ یہ عطیات تو دینے والی ذات کی طرف سے خیال کرتا ہوں اور ان نہایت ادنیٰ اور معمولی دنیوی مقاصد کے، خود غرضی خیال کرتا ہوں۔ مگر میرا دل ان دوستوں کے طعنوں سے شگفتہ ہو کر تسکین پاتا ہے جو الٰہی امانات و مکنونات کے خلوص نیت سے مجھ سے طلب گار ہو کر میرے عطیات کو اشتیاق اور قلبی لگاؤ سے طلب کرتے ہیں، اور مجھ سے کچھ حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور میرے حالات سے آگاہ ہو کر حقیقی خدمت گزاری اہل اسلام کی اپنے ذمہ لیتے ہیں۔

فصل دوم

حالات پیر روشن وتاریک

اخوند درویزہ صاحب نے اس کے بارے میں اس طور سے لکھا ہے کہ مضافات حدود میں ایک مقام کانی کرم نام ہے اور اس میں چند افغان قبائل، مانند اور مڑ انصاری وغیرہ سکونتدار ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ انصاری قبیلہ اصلاً افغان نہیں، بلکہ عرب یا قریش وغیرہ بتلاتے ہیں۔ اور بعض لوگ ان انصاریوں کو حضرت یونس علیہ السلام کی اولاد بتلاتے ہیں۔ ان میں اکثر لوگ اہل علم وصلاح وتقویٰ ہوتے رہے۔ مگر ہدایت کی دولت آبائی وراثت نہیں بلکہ عطیۂ خداوندی ہے۔ اس انصاری قبیلہ میں ایک شخص مسمی قاضی عبداللہ نام نہایت مرد صالح عالم عابد اور مدرس اس وطن کا تھا اور اس نے اپنے ایک شاگرد مسمی ملا پائندہ نام کو تعلیم مکمل دے کر منصب مدریس اس کے سپرد کر دیا تھا۔ جب ہجرت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیہ سے چند سال نویں صدی کے خاتمہ کے بعد گزرے تھے کہ اس مرد صالح عبداللہ کے اپنے فرزندوں میں سے ایک کو جس کا نام بایزید تھا، ملا پائندہ کے سپرد کیا کہ اس کو وہ کامل مکمل تعلیم دیوے۔ اور ملا پائندہ نے بہت جدوجہد کر کے بایزید کو متوسط درجہ علم تک پہنچایا۔ جب بایزید حد بلوغ کو پہنچ گیا تو سوداگروں کے ایک قافلہ کے ساتھ سمرقند کو چلا گیا اور وہاں سے گھوڑے خرید کر لایا، جن کو لے کر ہندوستان چلا گیا، جب شہر جالندھر میں پہنچا۔ تو اس جگہ اس نے ایک افغان خاندان میں ایک عورت شمسی نام سے شادی کر لی اور وہاں مقیم ہو کر سکونت اختیار کر لی۔ اس اثنا میں اس کی ملا سلیمان کے ساتھ دوستی ہو گئی اور ہنود جوگیوں کے ساتھ مجالست وتعلقداری پیدا کر لی۔ رفتہ رفتہ تناسخیہ کا معتقد ہو گیا۔ نیز خدا تعالیٰ کا بطور اوتار دنیا میں اصلاح اہل عالم کے لیے تجسم اختیار کرنا

۱؎ تفصیل حالات بایزید اور مڑ جو پیر روشن اور پیر تاریک کے دو متضاد ناموں سے موسوم ہوا۔

حلول کرنے کے عقائد کا معتقد بن گیا۔ اور مذکورہ ہر دو عقائد اس کے دل میں پختہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا فرزند شیخ عمر جب پیدا ہو چکا تو بایزید نے اپنے وطن کو مراجعت کی۔ کچھ مدت تک عقائد مذکورہ اس نے مخفی رکھے تھے مگر رفتہ رفتہ اس نے ان کا اظہار کر دیا۔ جب اس کے والد مرد صالح ملا عبداللہ کو اس کا علم ہوا تو اس نے اپنے بھائی کو بھی پاس بلا لیا اور بیٹے کے ساتھ بحث وذکر کے طور پر گفتگو عقیدہ مذکورہ کی۔ شروع کی تب اس نے اس عقیدہ کا پختگی سے والد اور چچا پر اظہار کیا، اور والد اس کا یہ کیفیت سن کر غیض وغضب سے از خود رفتہ ہو کر اٹھا اور چھریوں اور پیش قبضوں سے باپ اور چچا نے اس کو زخمی کر دیا اور اس کو مردہ تصور کر کے چھوڑ گئے۔ بایں حالت اس کو عقیدۂ مذکورہ سے تائب کرانے میں وہ کامیاب نہ ہوئے، وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ جب اس کو زخموں سے صحت ہوئی، تو گھر سے بھاگ کر کابل چلا گیا اور پھر کابل ہوتا ہوا علاقہ جلال آباد پرگنہ ننگرہار میں آ گیا۔ اور ننگرہار میں چند مدت مہمند ملک سلطان احمد کے گھر پر اس کا مہمان ہو کر مقیم رہا۔ چونکہ نہایت زیرک اور ہوشیار شخص تھا۔ اس قبیلہ کی دینداری اور عقائد قویہ کا اندازہ اس نے کر لیا کہ یہ لوگ اس کے نئے اور کفریہ عقیدہ مذکورہ کو (جس کو فروعات میں الحاد زندقہ واباحت وحلول واتحاد وغیرہ شامل ہے) قبول نہ کریں گے بلکہ اس کے لیے اظہار خیال موجب مزید وبال ہوگا۔ لہٰذا وہاں سے وہ پرشور (پشاور) کو چلا آیا۔ اور قبیلہ غوری خیل میں سے فرقۂ خلیل کے اندر اقامت اختیار کر لی۔ اور پیری پیشوائی طریقت کا آوازہ مشتہر کر دیا۔ اکثر لوگ بے علم تھے اور پیر پرستی کی عادت ہر جگہ افغانوں میں بہت ہے۔ نیز اس مکار نے عقائد اصلی کی ابتداء اخفا رکھی اس وجہ سے لوگ دور ونزدیک سے آنے لگے اور مرید ہونے لگے۔ اس زمانہ میں یہ تجارت یا یہ دکانداری کارخانوں سے زیادہ نفع کی تھی۔ اپنے مریدوں کو یہ شخص ہر ایک کے حسب حال تعلیم دیتا اور ایسے امور جو شریعت اسلام کے عملاً خلاف ہوں بے خبرانہ طور پر تعلیم کر دیتا جس کے فساد کا اظہار فوری ہوتا۔ مگر مرید کے لیے کسی نہ کسی قید شرعی سے مخلص اس میں مضمر ہوتی جو عوام جہال کے رجوع اور آزاد پسند طبائع کے میلان کا موجب ہوتا گیا۔ مردوں عورتوں کو یک جا اپنی مجالس میں بلاتا اور یہ مجالس اشغال ذکر وانات کی گرم رہتیں۔ اس جگہ اس نے اپنا لقب پیر روشن کے نام سے اختیار اور اس جگہ سے اطراف عالم میں کابل وہندوستان تک اشتہارات تحریری اپنی طرف سے لوگوں کو

بلانے وار فیض یاب ہونے کے روانہ کئے[1] کہ ایک ولی اللہ کامل ترین زمانہ حدود پرشور (پشاور) میں ظاہر ہوا ہے اور تمام مسلمانوں کو اس کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی گئی تھی اور اپنے دعاوی کی تائید میں کچھ احادیث موضوعہ خود بھی لکھ دیا کرتا یہ تو اس کی بے وقوفی تھی کہ دنیا سے علماء حقانی معدوم نہ ہو چکے تھے جو موضوعات جدیدہ کو نہ سمجھ سکتے، بلکہ علمائے حقانی کو اس کی گمراہی کا علم بھی اس کی خود ساختہ احادیث کی وجہ سے ہو گیا۔ لیکن عوام الناس میں شہرت کاملہ ہو کر لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کے دام تزویر کے صید ہو رہے تھے۔ مصیبت تو تھی کہ علمائے ممالک افغانیہ بجز چند کتب فقہ کے دیگر علوم سے قاصر اور نہایت قلیل العلم ہوتے ہیں۔ دین و دیانت میں علم کی کمی اور منصب پر نہ ہونے کی وجہ سے جہلاء سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ (نیم ملا خطرہ ایمان) ایک دن پیر روشن کی ایک تحریر ہمارے حضرت سلطان العارفین سید علی ترمذی کے پاس بھی مذکورہ بالا مضمون پر مشتمل پہنچ گئی۔ حضور نے تحریر مذکور کو دیکھ کر فرمایا۔ افغانی علاقوں پر قوی ترین ابتلا نازل ہو گیا ہے واللہ اعلم نابود ہو سکے یا نہ کیونکہ ایسے فتنے بجز قوت و طاقت سلاطین اسلام رفع کرنے مشکل ہوتے ہیں اور قبائل افغانیہ کے آزاد علاقے بادشاہ اسلام کی نعمت سے محروم ہیں۔ توضیح اسلام علماء کا کام ہے اور تقویت و اجراء سلطنت اسلامی کا فرض ہے:

جس طرح مقولہ ہے:

اَلملك و النّبوّةُ توامین (حکومت اور نبوت یہ دونوں جڑواں ہیں)

اس جگہ درویزہ صاحب نے فرمایا ہے کہ کبھی میں عالم تصور میں اس ابتلائے عظیم اور حضرت مخدومنا کے وجود پر غور کرتا ہوں تو اہل اسلام کے لیے از راہ شفقت دل کانپ جاتا ہوں کہ یاالٰہی اگر یہ آفت نازل ہوتی جو مقدر تھی، لیکن حضرت کا وجود پہلے سے یوسف زئی علاقہ میں موجود نہ ہوتا تو معلوم نہیں کہ ایک فرد بھی افراد مسلمین میں گمراہی اور ضلالت میں پڑنے سے بچا ہوتا۔ اس لیے کہ یہ بایزید بہت جہاندیدہ اور زیرک شخص تھا اور دلائل عقلی میں کوئی ملا اس کا مقابلہ ہرگز نہ کر سکتا تھا، کیونکہ ملا اکثر عقل مند ہوتے ہیں۔ اس کا مدار ہی عقلی

[1] یہی اشتہاری کتاب اس کی موسومہ صراط التوحید قلمی لکھی ہوئی ۸۷ھ۔
لکھی ہوئی اس کی زندگی میں خود میں نے اس سے ضروری اقتباس اس بیان میں درج کر دیئے ہیں جو قابل دید ہیں۔

اور فلسفی مگر غلط دلائل پر تھا۔ تب ہمارے حضرت نے قصد خود ایک جماعۃ کبراء و عقلاء مومنین کی ہمراہ لے کر اس کے پاس جانے کا کر لیا اور ہم لوگ پرگنہ ہشت نگر میں (مضافات پشاور میں) جاکر اس سے ملاقاتی ہوئے۔ ملاقات ہونے کے بعد اس نے حضرت سے یہ شکایت شروع کی کہ آپ کے اپنے علاقہ یوسف زئی میں بھی تو مبدع پیران طریقت بہت ہیں۔ مانند پیر ولی والی و پیر پہلوان اور پیر طیب وغیرہ وغیرہ کے تو جب تک ان کے شر سے ملک کو آپ نے پاک نہ کر لیا تھا، میرے پیچھے یہاں آپ کا مقابلہ کے لیے واجب نہ تھا۔ حضرت نے جواباً فرمایا۔ ہلاکت صوری اور استیصال فتنہ کا حکماء پہ تو سلاطین اسلام کا فرض اور کام ہے لیکن اس مملکت میں بادشاہ اسلام کا جود ہی نہیں۔ ہلاکت معنوی و علمی و فہمی کی رو سے میں نے بفضلہٖ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دیا ہے اور ان کے جہل اور عقائد باطلہ پر تمام قبائل کو آگاہ اور قائم کر دیا ہے اور میرے بیدار و آگاہ کرنے سے ان دیار و ابصار کے مسلمان ان کی مریدی اور جال کے شر سے مخلص ہو چکے ہیں۔ اہل دین و دیانت ان سے خبردار ہو چکے ہیں اور فساق فجار دنیا میں ہر جگہ ہوتے ہیں جو اپنے جیسے اباحتی راہبر اور دوست بغیر ایسے پیروں کے بھی ڈھونڈ لیا کرتے ہیں اور ایسے گمراہوں کو بھی ایک آدھ شکار زبوں مل ہی جاتا ہے۔ البتہ وہاں کے پیران بے دیانت اپنی گمراہی اور بدعقیدگی پر علانیہ قائل ہو چکے ہیں اور وہ مغالطہ رفع ہو چکا ہے کہ دین محمدی کا جبہ پہن کر مسلمان قبائل کو وہ شکار نہیں کر سکتے اور یوں جو کوئی دین محمد سے مرتد ہو کر عقائد کفریہ قبول کرے وہ اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔ تم بھی اگر اعلانیہ اپنے معتقدات تناسخ و تداخل و حلول وغیرہ کو اعلانیہ خلاف دین اسلام تسلیم کر کے جیسا کہ وہ مذہب ہندو ہے اظہار اس کا کر کے پیری مریدی کرو یا جو چاہے کرو۔ لَکُم دِینُکُم وَلِیَ دِین۔ ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ مگر جامہ اسلام میں اور عقیدہ توحید الٰہی میں فساد برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ تمہیں مار ڈالنے پر ہم قادر نہیں، مگر مسلمانوں میں تمہارے خلاف حقیقت اسلام و معتقدات کا اظہار اور تشہیر ہم اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔

جب اس شخص نے بہت کچھ اباحتی دلائل اور ملحدانہ عقلی مسائل سیکھے ہوئے تھے بھی نہایت نرمی و لطافت سے اور گاہے تحدی اور دلائل سے بحث و ذکر جاری رکھا، مگر میں بندۂ عاجز درویزہ ننگرہاری نے بہ برکت انوار و اسرار شیخ معظم اس قدر اعتراضات اور سوالات و جوابات

اس پر بارش کر دی کہ ایک جم غفیر قبائل و اقوام کی مخلوقات کا وہاں جمع تھا وہ تمام خورد و بزرگ بھی اس پر قائل اور واضح آگاہ ہو گئے کہ اس کے دلائل باطل در باطل تھے اور وہ مردود بھی کوئی جواب اور دلیل نہ دے سکا۔ اور اپنے عجز اور مغلوبیت کا اس نے کل خلائق کے سامنے اعتراف و اقبال کر لیا۔ اور سارے لوگ متحیر ہو گئے۔ مگر عقائد ذاتیہ سے تائب نہ ہوا۔ اس دفعہ اسی حد تک معاملہ پہنچ کر ہم لوگ واپس آ گئے اور اس کے معتقدات کفریہ کا اظہار و بطلان ثابت و ظاہر کر آئے۔

دوسری مرتبہ میں (درویزہ) خود اس کے پاس گیا سیادت مآب سید ہارون بھی موجود تھے اور بحث اس پر تھی کہ پیر موصوف اس وقت مسئلہ شفاعت سے منکر تھا۔ اس وقت بھی عقلی و نقلی دلائل سے وہ لاجواب اور شرمسار ہو گیا۔ مگر اپنے معتقدات کی کمزوری اور عجز تسلیم کر لینے کے بعد بھی رجوع اور توبہ نہ کرتا تھا۔ اور یہ وجہ نہایت خطرناک اس لیے تھی کہ اس کے معتقدات واضح اور ظاہر ہو کر جو مسلمان اس کی اتباع کرتے وہ صریحاً معتقدات کفریہ کی جہالت سے پیروی کر کے برباد ہوئے تھے۔ لہٰذا حضرت مخدومنا سلطان العارفین سید علی ترمذی اس مرتبہ پھر علماء و کبراء و جم غفیر یوسف زیون کو ہمراہ لے کر بونیر سے اشنغر کو اس پیر کے پاس گئے۔ اس غرض سے کہ اگر اس کے معتقدات اسلام کے مسائل ہیں تو ان کو قرآن و حدیث و اقوال آئمہ سے ثابت کرے اور اگر اسلام کے نہیں تو ان عقائد باطلہ کو اسلام میں داخل و شامل لوگوں کو نہ بتلا دے یا ہمارے دلائل کی تردید عقلاً و نقلاً کر دیوے۔

درویزہ صاحب لکھتے ہیں اس دفعہ اپنی خجالت کے خوف سے اس نے سامنے آنے سے ہی انکار کر دیا۔ تب حضرت نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ پیر بایزید اپنے آپ کو معتقدات باطلہ کے بارے میں منصور حلاج کے مرتبہ اور مقام پر پہنچا ہوا بتلا کر اس مغالطہ میں خلق خدا کی گمراہی کا موجب بنتا ہے اور منصور حلاج کے اس شعر کا حل ہی کر دیوے اور حضرت نے وہ شعر لکھ کر اس کو بھیجا جو حسب ذیل ہے:

ولدت امی اباوهاذاك من عجباتی

انا طفل صغیر فی حجر مرضعاتی

جب یہ تحریر اس کی نظر سے گزری اور پیغام حضرت کا سنا تو اس پر اس قدر خوف و ہیبت

مستولی ہو گئی کہ عبارت پڑھتے میں بھی لرزتا تھا اور مقصد کی نسبت ایک حرف بولنے سے عاجز تھا۔ تب ہمارے حضرت کو ایک جلالی حالت رونما ہوئی، کیونکہ آپ ہمیشہ اپنے کشف و کرامتہ کے اظہار میں حد سے زیادہ محتاط اور اخفا کے عادی تھے۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! میرا اس شخص کے ساتھ دل بدی کا کوئی امکان اور واسطہ نہیں اگر یہ دین محمدی کے اندر عقائد کفریہ کو نہ داخل کرا دے اور جب ان عقائد باطلہ پر بھی معتقد ہے جو خالص کفرہ فجرہ کے ہیں اور اسلام کے اندر اولیاء کرام و عظام کے مدارج کا بھی مدعی ہے تو میرا اور اس کا فیصلہ نہایت آسان پڑ گیا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام بھی ایسے موقعوں پر معجزہ دکھلانے پر مجبور ہو جایا کرتے ہیں اور اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ولایت کی نعمت عطا ہو تو وہ ایسے مواقع پر کرامتہ دکھلانے پر مجبور ہو کر اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ مخلوق خدا کے روبرو مانند معرکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساحران فرعون کے کرامت نمائی سے اپنا حق اور باطل ہونا ثابت کریں۔ لہٰذا پیر روشن اس مجمع میں آوے اور اس کو جس درجہ عالی کا ادعا ہے بحث مباحثہ کو ترک کر کے میرے مقابل معجزانہ کرامت ظاہر کرے اگر وہ حق پر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تائید ہو گی۔ اگر میں حق پر ہوا تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے میری تائید کریں گے۔ ہم ایک طرف مباحثہ کا ایک دوسرے سے نہ کہیں گے بلکہ میں دعا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ میرے سامنے پھیلا دے یعنی باہر رکھے اگر بغیر الات و اسباب قاطع اس کے ہاتھ کٹ کر زمین پر الگ ہو گرے تو وہ اپنے عقائد سے توبہ کر لے اور اگر ایسا واقعہ نہ ہوا اور میری دعا نہ مقبول ہوئی تو میں شرمندہ و خجل اور مخذول سمجھا جاؤں۔ اگر اس کو اپنی کرامت نمائی پر جرأت اور یقین ہو تو میرے ساتھ ایسا عمل کرے۔ ورنہ میں اس کا امتحان لینا نہیں چاہتا نہ اس سے اس کرامت کے ظہور کی مجھے توقع ہے، بلکہ وہ میرے سامنے آ کر میرے وار کو دفع کر دیکھے اگر میں مذکورہ صورت سے اس پر غالب نہ ہو سکا۔ اور اپنے ہاتھ وہ سلامت لے گیا تو اس کو تمام قبائل ہادی صادق تسلیم کر لیں اور مجھ کو خجل اور جھوٹا سمجھیں۔

یہ معاملہ جب پیر روشن پر لوگوں نے پیش کیا اور وہ اسی شہر میں گھر میں تھا، مگر روبرو نہ آتا تھا تو وہ بدبخت بہت زیرک تھا اور اولیاء اللہ کے تصرفات سے بھی آگاہ تھا۔ یہ آسان آزمائش یک طرفہ ہمارے مرشد و ہادی کی کرامت نمائی کی قبول کرنے سے خوف زدہ ہو گیا۔ افسوس کہ اس کا اظہار ہوتا کس قدر بہتر ہوتا مگر اس نے ہونے نہ دیا۔ اور اس کی نسبت اظہار

عجز کر کے روبرو نہ آیا۔ تب اس مجلس میں میرے استاد حاجی ملا محمد معروف ملازئی صاحب پاپینی نے ہمارے حضرت سے مخاطب ہو کر عرض کی کہ کیا ابھی اس کا نام پیر روشن ہی رہنے دیا جاوے۔ حالانکہ میں چاہتا ہوں کہ آج کے بعد مسلمین مومنین اس کو پیر تاریک کے نام سے یاد کیا کریں، تب حضرت علیہ رحمۃ نے بھی فرمایا بے شک پیر تاریک نام ان کا بالکل صحیح ہے۔ چاہئے کہ آئندہ پیر روشن کا لقب مسلمان اس کو نہ دیویں۔

اس شخص کے حالات عجیب تھے۔ اپنے مریدوں کے حلقہ میں بسا اوقات نبی ہونے کا دعویٰ بھی کر دیتا تھا۔ اور کم پایہ و کم علم علماء کے درپے ہو کر ان سے مباحثات اس لیے کیا کرتا تھا کہ دین محمدی کے ایک ایک اصول دینی کا بطلان جہاں مسلمانوں کے دلوں سے کرالیوے اور اسلام کے بنیادی عقائد سے لوگ بدظن ہو کر اباحتی ہو جاویں۔ اور اس کی جدید نبوت و شریعت جاری ہو جاوے اس لیے کہ وہ مدعی نبوت تھا اور حلول خدائی کا قائل اور خود کو اوتار بھی اور نبی بھی کہتا تھا، مگر معتقدات توحید و رسالت میں الحاد و فساد و مخالفت کرتا تھا۔

پرشور (پشاور) سے اشنغر مین اس کے آنے کا سبب یہ ہوا تھا۔ (حالانکہ پہلے وہ کابل ننگر ہار سے ہو کر فرقہ میں آ مقیم ہوا تھا جو پشاور کے متصل رہتے ہیں ارباب خلیلوں کے رئیس ہیں) کہ ملا دولت خان مہمند زئی جو اس وطن کے زہاد و عباد متقیوں میں سے تھا، اور شیخ خداداد جنی کی اولاد میں تھا۔ ایک دن اس پیر کی مجلس میں پیش ہو گیا اور اس ہوشیار کو اپنا شکار نظر آیا۔ کیونکہ ملا دولت خان بے علم زاہد تھا اور نیکو کار تھا۔ اس پیر نے مسائل معرفت بیچوں و ذات بیچگون کے گورکھ دھندہ کے بیان سے اس سادہ کو گرویدہ کر لیا اور دلائل باطلہ ملحدانہ سے فریفتہ بنا لیا اور عقیدۂ حلول و اتحاد خدا تعالیٰ کی نسبت اس نے قبول کر لیا اور چونکہ افاغنہ کی عادت میں ہے کہ ان کا رئیس یا امام محلہ جس طرز کو اختیار کر لیوے۔ باقی اہل محلہ و قبیلہ بھی وہی راستہ اختیار کر لیا کرتے ہیں۔ خواہ وہ طریقہ نیک ہو یا بد ہو، افغان کی سرشت ابتدا سے مقلد چلی آئی ہے نہ مدلل۔

اس لیے ملا دولت خان کی وجہ سے اکثر مہمند زئی قبیلہ کے لوگوں نے پیر مذکور کو پیر بنا لیا اور مرید بن کر اس کو نواحی پشاور سے پرگنہ ہشتنگر میں لے آئے۔ اور وہ ہشتنگر میں موضع کلرڈیر میں آ کر مقیم ہو گیا اور اپنی پیری پیشوائی کے اشتہارات تحریری اکناف عالم میں شائع و مشتہر

کر دیئے چنانچہ اس کی تحریرات کابل کو بھی پہنچ گئیں اور بوجہ مرکز حکومت ہونے کے وہاں علماء صلحاء بھی موجود تھے جن کو اس کے عقائد فاسدہ کا علم تھا۔ وہاں سے حکم کے مطابق محسن خان غازی نے تاخت ان پر کر دی۔ اکثر مرید اس کے قتل ہوئے اور پیر مذکور گرفتار ہو گیا اور ایک طرف کے سر کے بال اس کے کاٹ ڈالے اور دوسری جانب بال باقی رکھے اور اس کو قیدی بنا کر شہر کابل میں لے گئے۔ وہاں یہ قیدی تھا مگر پورا ہشیار تھا۔ اس جگہ پہنچ کر تمام معتقدات باطلہ سے بالکل انکاری ہو گیا کہ یہ اس پر اتہام اور بہتان ہے اور پابندی شریعت کامل طور پر اختیار کر لی اور زہد و ریاضت اور تقویٰ طہارت عملاً اختیار کر لی، اب تو تمام امراء کابل کو اس پر شفقت اور مرحمت پیدا ہو گئی۔ وزرائے حکومت میں سے ایک کو اس نے ہدیۃ و رشوۃ ایک کنیز اور تین صد مثقال طلا دیا اور اس نے اس کو زندانِ شاہی سے خلاصی کرا دی۔ اب وہاں سے رہا ہو کر جب پرگنہ ننگر ہار اور موضع راجپور میں پہنچا تو ایک جماعۃ اوباشوں، ڈاکوؤں کی اپنے ساتھ جمع کر کے توی کے پہاڑ میں چلا گیا اور توی کے افغانوں کو مرید بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

اب دوبارہ ہشتنگر میں آ پہنچا، مگر اب اس کی چوروں اور راہزنوں کی جمعیت نے راہزنی اور مسافروں کو قتل کرنا اور لوٹنا شروع کر دیا اور فتوٰی دے دیا کہ اس حکومت کے لوگوں کے خون و اموال مباح و حلال ہیں۔ اور اس طور سے بہت بے گناہ مسافر لوٹے اور قتل کئے گئے۔ کچھ مدت بعد اس نے تیراہ کے پہاڑی علاقہ میں اپنی توجہ کی، وہ بالکل بے علم اور سادہ افغان تھے، بے فہمی سے سارے کے سارے قوم تیراہ وال آفریدی اس کے مرید ہو گئے پہلے سے بھی ان لوگوں میں علم و علماء کی عدم موجودگی سے رسم و اسم اسلام کا ہی تھا وہ بھی اس بد بخت نے ان سے باآسانی چھڑا دیا۔

(میں عبدالجبار اس جگہ تفصیل نہ پا کر حیران ہوں کہ آیا تیراہ کے سنی فرقہ میں پیر تاریک مقیم تھا یا شیعہ فریق میں مگر بے علم چونکہ دونوں تھے اور ملک ان کا تنگ و بے زراعت تھا پیشہ اکثر لوٹ مار سب کا تھا۔ لہٰذا ایک پیر طریقت ہی جب حلال و جائز کنندہ لوٹ مار کا مل گیا اور پیر کو ایک زبردست جنگی قبیلہ اپنے عمل کے اجراء کے لیے مل گیا تو بادشاہانِ ہند کے لیے بھی اور قبائل مسلم افاغنہ کے لیے بھی پیر کا وجود ایک مستقل خطرہ بن گیا۔)

اب اس جماعت کے ہاتھ آ جانے سے اس نے اپنے آپ کو نہایت قوی کر لیا اور

سلطنت مغلیہ کے قافلوں اور شاہی فوجوں کا گزر درّہ خیبر کے راستے کابل کا آنا جانا بند و مسدود ہوگیا۔ تب اس وقت تمام قبائل آزاد و سرحد کو ایک اور ہی محسوس ہوگیا کہ پیر کے حملوں اور بدامنی کی وجہ سے لازماً ایک دن سلاطین دہلی افواج قاہرہ اپنی کو ان کے قلع قمع کرنے کے لیے ضرور ان پر بھیجیں گے اور جب سلطانی افواج نے ایک قبیلہ تیراہ والوں کو مغلوب اور ماتحت کر لیا تو سلاطین ہند کے لیے قبائل کے آزاد علاقوں کی پائمالی اور رعیت سازی آسان ہو کر صدہا سال کی آزادی ان قبائل کی غلامی سے بدل جاوے گی۔ لہٰذا اس بارے میں تمام گرد و جوار کے آزاد قبائل نے یہ علاج سلاطین کی فوج کشی سے بچنے کے لیے پسند اور تجویز کیا کہ ہرگاہ بما تحتی پیر تاریک اور تیراہ والوں سے طرح جنگ ڈال کر ان کو سخت سزا دے کر مغلوب کر کے پیر کے فتنہ کا سد باب کر دیویں، تا کہ سلاطین ہند اس کی اطلاع کو پا کر دیگر قبائل کے ساتھ تعرض کا خیال کبھی دل میں نہ لاویں بلکہ متشکر ہوں۔ اس مشورہ میں درّہ خیبر کے موالی کے قبائل سب شریک تھے اور سب آمادہ ہوگئے کہ پیر مذکور کو اور اس کے مددگاروں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاوے، یہ خبر جب پیر کو پہنچی تو اس نے ایک پیغام خیبریوں کو بھیجا کہ یہ وعدہ میں خدا تعالیٰ سے لے چکا ہوں کہ تم پر کوئی بادشاہ یا قبیلہ کبھی غالب نہ ہو سکے گا اور ہمیشہ ایسا رہے گا۔ البتہ تم سے ایک گناہ عظیم اور بدگمانی بحق پیر خود اور بدنیتی بخاطر رضا جوئی سلاطین ہند ایسی سرزد ہوئی ہے اگر اس کی تلافی اور توبہ نہ کرو تو دائمی عذاب الٰہی میں مبتلا رہو گے اور وہ یہ ہے کہ تمہارے تمام خورد و بزرگ اپنے ہاتھ باندھ کر توبہ گار ہو کر میری قدم بوسی کے لیے حاضر ہو کر معافی مانگو اور تجدید توبہ کر لو۔ اس پیغام کو ان جہال بے علم اور سادہ لوگوں نے قبول کر لیا۔ تین سو بیس شخص ہاتھ باندھ کر اس کے پاس حاضر ہوئے، مگر پیر نے سب کو گرفتار کرا کر سب کو تہ تیغ اور قتل کرا دیا۔ اور اپنی فوج سے ان کے مساکن پر حملہ آور ہو کر لوٹ اور قتل عام کا نہایت مکروہ نظارہ دکھلایا جس قدر یہ تیراہ وال قبیلہ مل سکا قتل کر دیا گیا اور جو بھاگ کر زن و بچہ نکل سکے، وہ ننگرہار کے علاقہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ (افسوس ہے اخوند صاحب نے قبیلہ مقتولہ کا نام نہیں لکھا۔ عبدالجبار شاہ) ہمارے یوسف زئیوں میں سے بعض لوگ اس معرکہ میں پیر تاریک کو دیکھنے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے واپس آ کر ہم سے یہ بیان چشم دید واقعات کا کیا ہے کہ جب تیراہ والوں کو قتل کرا چکا اور اموال غنیمت تقسیم کر چکا تو ایک سفید گھوڑے پر سوار ہوگیا اور اپنے

مریدوں کے باقی سواروں کو بھی اپنے ساتھ لے کر بیشمار تیراہ وال مردوں کے اوپر اس نے اپنے گھوڑوں کو بار بار دوڑایا اور مُردوں کو گھوڑوں سے پائمال و بدحال کرایا۔ ان کے ہڈیاں توڑوائیں اور پاؤں میں اس طرح کچلوایا جیسے فصل سے غلّہ جدا کرنے کے لیے جانوروں کے پاؤں میں غلّہ جدا اور فصل کا بھوسہ بنوایا۔

اس موقع پر اخوند درویزہ صاحب پیچ کر از خود رفتہ ہو کر غصے میں لکھتا ہے، مکار بے دین، ابتدائی حالات میں سبز گھاس اپنے عقیدہ تناسخیہ کی بنا پر نہ کھایا کرتا تھا کہ اس میں کوئی انسانی روح ہوگی اور جہاں چیونٹیاں ہوتیں وہ راستہ چھوڑ دیا کرتا تھا اور سخت پرہیز کرتا تھا کہ کوئی چیونٹی پاؤں تلے نہ آ جاوے مگر جب اس کو انسانوں اور مسلمانوں پر قدرت ہوئی تو خود گھوڑے پر بیٹھ کر معہ دیگر سواران انسانی مُردوں کو بھوسہ بنوایا۔ اور زہے سفاہت ایسے افغانوں کی جو اس کو پیر اور پیشوا بلکہ پیغمبر تک یقین کرتے تھے تب وہ اس کے بعد کل تیراہ کی مملکت پر مالک اور قابض ہو کر متمکن ہوگیا۔ تو چند ہزار کی جمعیت اس نے ساتھ لی اور سلطنت کابل کے اندر علاقہ ننگرہار میں موضع بڑو کو تاخت و تاراج و قتل و غارت کر دیا، اور چاہتا تھا کہ دیگر آبادیات مملکت مذکور کو بھی تباہ و برباد کرے مگر محسن خان غازی کو جلال آباد میں اطلاع پہنچ گئی اور اس نے یلغار کر کے اس کو آ لیا۔ خود محسن خان کے لشکر کے مقدمۃ الجیش ساٹھ سوار جب پہنچے اور ان پر چھا گئی اور معمولی جھڑپ میں ہی ان سواروں سے پیر تاریک عنان تاب ہو کر پیچھے کو لوٹ پڑا اور لشکر اس کا بھاگ نکلا۔ لشکر محسن خان کا ان کے تعاقب میں تھا اور اس کا لشکر بھاگا جا رہا تھا مگر اس کی جمعیت مقتول ہوتی جا رہی تھی۔ البتہ پیر تاریک نے یہ ہوشیاری کی کہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور عوام پیدلوں میں شامل ہو کر اپنی امتیازی حیثیت کو گنوا دیا۔ اس طور سے لشکریان محسن خان سے بچتا ہوا پہاڑ کی چوٹی تک جا پہنچا تھا کہ جگر پیاس سے جل رہا تھا اس کے بعد موضع کالا پانی میں پہنچ کر مر گیا۔ اور ہشت نگر میں لا کر دفن کیا گیا۔

اس کے پانچ بیٹے تھے، شیخ عمر، نور الدین، کمال الدین، جلال الدین۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے منصب و مسند پیری پر شیخ عمر متمکن ہوا۔ حسب دستور عوام اور قبائل کو دعوت دیتا اور بلاتا رہا۔ مگر والد کی مانند راہزنی اور قافلہ لوٹنے اور مسافر آزاری کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ کچھ مدت بعد اس نے مخالفتوں کے خطرات کی وجہ سے فی الحقیقت مگر بظاہر از راہ تبرک و تیمن

اپنے باپ کی ہڈیاں قبر سے نکلوا کر صندوق میں بند کر کے اپنے ساتھ رکھ لیں جن کو سفر و حضر میں اپنے ساتھ پھرایا کرتا تھا کہ ان کی برکت سے مصائب و تکالیف سے بچا رہے گا۔

اس پیر نے جب تیراہ میں فتح حاصل کر لی تھی تو تب سے اپنے آپ کو پٹھانوں کا بادشاہ یقین کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی دعوت پر یوسف زئیوں کے بعض نادان قبائل اس کے دنیوی مطیع بھی ہوئے اور بعض دینی پیرو بھی ہو گئے تھے اور اپنا مالیہ شرعی یعنی پیداوار زمین سے عشر بھی اس کو دینا منظور کیا تھا۔ مگر حمزہ خان[1] اکوزئی نے اس کی اطاعت کو دینی اور دنیوی دونوں جہاں کی ذلت و خسران و نقصان کا موجب خیال کر کے اس کی اطاعت قبول نہ کی، مگر اس بے عقل نے اپنا لشکر بھیجا، جو حمزہ خان کا مال مویشی تاراج کر کے لے گئے تب اس وقت تمام قبیلہ یوسف زئی نے غصہ کھایا اور تنگداری اور غربت سے باہم متحد و متفق ہو کر تمام قبائل و شعوب یوسف زئیوں کے لشکر فراہم ہوئے اور نوبت جنگ کی آئی۔ سب سے پہلی جنگ سورکاوی[2] میں ہوئی۔ اس لشکر کا سرکردہ اس طرف سے خود حمزہ خاں اور اخوند درویزہ صاحب تھے (اس لیے کہ اب سابقہ حالات کے بعد کافی عرصہ تھا اور حضرت سید علی علیہ الرحمۃ رحلت فرما چکے تھے اور اس مہم کا قائد علماء میں سے یہی اخوند درویزہ تھے اور قبائل میں اہل سوات اکوزئی تھے جن کا قائد

---

[1] حمزہ خان اکوزئی خانخیلاں تھا۔ یہ سوات کا مورث اعلیٰ اور تمام یوسف زئیوں کا مسلمہ قائد تھا۔ اخوند درویزہ کا مرید تھا۔ مدفن اخوند صاحب کی قبر کے ساتھ ہے۔ خانخیلان و خوانین موضع تھانہ صولت اس کی اولاد ہیں۔ حمزہ خان نے ۹۹۳ھ میں ہوئی اور حضرت کی عمر بھی تخمیناً اسی قدر تھی، تب اس کے بعد پیر تاریک کو زیادہ غلبہ حاصل ہوا۔
اور وہ تیراہ کا بادشاہ بن گیا اور ہشت نگر کا قبیلہ مہمند زئی چونکہ ضلع مردان کے یوسف زئی علاقہ سے ملا ہوا ہے لہٰذا یوسف زئی قبائل میدانی بھی اس کے ماتحت ہو گئے تھے۔ مگر سوات اور بونیر کوہ بند کے یوسف زئی اخوند درویزہ کی قیادت کے ماتحت پیر کے مخالف رہے۔ حمزہ خان تمام قوم اکوزئی کا قائد تھا جو ہر دو کنارہ سوات و دیر کے اقوام ہیں، سب اکوزئی ہیں ان ہی قوموں کے لشکر نے شیخ عمر پسر پیر مذکور کے وقت اخوند صاحب کی ہمراہی میں ہو کر اس فتنہ کو کچل دیا تھا اس وقت حضرت غوث بونیر مدت پہلے سے وفات پا چکے تھے۔ اخوند صاحب نے تسلسل واقعات میں آخری واقعہ کو یکجا لکھ دیا ہے۔ اس لیے مجھ کو وضاحت کرنی پڑی ہے۔ یعنی میدانی یوسف زئی اس پیر کے فتنہ میں مبتلا ہوئے مگر سوات بونیر اس سے بچا رہا۔ بلکہ انہوں نے ہی اس کا استیصال کر دیا اور ہمیشہ کے لیے معدوم کر دیا۔ (عبدالجبار)

[2] موضع سورکاوی وہ مقام ہے جس پر ۱۸۶۳ء ۱۲۸۰ھ میں برطانیہ کی عظیم الشان جنگ سادات ستھانہ مجاہدین ہندی و تمام قبائل سرحد و اخوند صاحب صولت کے ساتھ ہوئی تھی۔ جس کی تفصیل کتاب میں آگے درج ہے۔ اور اس وقت ضلع مردان کی آخری شمالی جانب سرحد بونیر سے اس جگہ ملتی ہے۔

حمزہ خان تھا۔ اور اہل بونیر کا یوسف زئی تو ان کی طرف سے تھے۔ مگر پیر کے فرزندوں کی طرفداری میں مہمند زئی بھی تھے اور میدانی علاقہ سمہ کے جواب ضلع مردان یوسف زئی ہے نصفا نصفی تھے اور محل و موقعہ جنگ اوّل کا مقام سورکاوی سے پتہ چلتا ہے کہ پیر مذکور تمام سمہ کے علاقہ میدانی پر چھایا ہوا تھا۔ اسی لیے اس کے لشکر عین سرحد بونیر چملہ میں جا کر مقابل ہوئے تھے۔

اس جنگ میں بھی شیخ عمر پسر پیر مذکور کے لشکر کو کسی قدر فتح تو ہوئی مگر وہ اس مقام پر جو بونیر وال قبائل کے مرکز کے نزدیک اور ان کے حملہ کی زد میں مقام تھا یہاں ٹھہر نہ سکا اور اپنا لشکر لے کر یہاں سے مشرق جانب قبیلہ اوتمان زئی کے ٹوپی مینی گاؤں میں چلا گیا کہ وہاں اس کے طرفدار قبیلے تھے۔ مینی کے گاؤں میں جو لڑائی ہوئی، جنگ میں یہاں بھی پیر کا لشکر غالب رہا۔ پیر کا ڈیرہ ٹوپی کے گاؤں میں تھا اور اخوند صاحب معہ حمزہ خان و لشکر سوات و بونیر موضع جھنڈہ میں مقیم تھے۔

اخوند صاحب کے لشکر نے جھنڈہ میں پانی کے لیے کنواں کھود کر پانی نکالا ہے۔ وہ کنواں اس ہمارے (عبدالجبار کے) عہد تک اخوند صاحب درویزہ کے نام سے موسوم ہے۔ جھنڈہ اور ٹوپی کے درمیان قصبہ مینی واقع ہے۔ اس جنگ میں سوات و بونیر کے لشکروں کا اجتماع کافی نہ تھا۔ اس وجہ سے اس جنگ میں بھی غلبہ پیر کو حاصل رہا۔ مگر قوم یوسف زئی اور ان کے قائد اس کے استیصال کا تہیہ کر چکے تھے۔ اب انہوں نے اپنے قبائل کے لشکروں کو کامل طور پر فراہم کرا لیا تو پیر کو خوف نے گھیرا۔

اخوند درویزہ صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ٹوپی میں اب لشکروں کی طاقت سے خوفزدہ ہو کر ٹھہر نہ سکا اور تین چار میل اور مشرق کو دریائے سندھ کے کنارہ پر موضع باڑہ میں جو قبیلہ تنولی کا علاقہ ہے جا کر مقیم ہو گیا۔ (یہ جگہ دو سو سال سے اب تک قبیلہ اوتمان زئی کے مقبوضات میں شامل ہے۔ بلکہ اوتمان زئی میں شامل ہیں۔ لیکن اس جنگ کے وقت جو غالباً ۱۰۰۰ ہجری کے پہلے دس سالوں کے اندر ہوئی باڑہ تک ملک قوم تنولی کا مقبوضہ تھا۔ عبدالجبار)۔ یوسف زئیوں کا لشکر کامل جمعیت کے ساتھ اس تیسری جنگ میں جمع ہو چکا تھا اور اپنے مستقر سے روانہ ہو کر باڑہ میں پہنچا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اور حمزہ خان و اخوند صاحب کو اس جگہ ایسی کامل فتح

حاصل ہوئی کہ اس فتنہ کا افغانی ممالک سے بالکل استیصال ہو کر سد باب ہو گیا۔ شیخ عمر اور خیر الدین پیر تاریک کے دونوں بڑے بیٹے قبیلہ ولازاک کے لشکریوں کے ہاتھوں اور شمشیروں سے مقتول ہو گئے۔ نور الدین ان سے بھاگ نکلا مگر مہمند زئی فرقہ کے نوجوانوں نے اسے قتل کر دیا۔ (یہ وہی مہمند زئی ساکنان ہشت نگر ہیں جہاں پیر نے مضافات پشاور میں پہلے پاؤں جمائے اور یہ قبیلہ مرید ہوا تھا۔)

جلال الدین کا چوتھا بیٹا زخمی ہو کر دریائے سندھ میں ڈال دیا گیا تھا۔ جس کو مردہ اور دریا بردہ سمجھ لیا گیا۔ مگر قبیلہ مندن میں سے امازئی فرقہ نے اس زخمی کو پکڑ لیا چونکہ بچہ تھا اس کی خورد سالی پر رحم کر کے قتل نہ کیا۔ (یہی جلال الدین آگے چل کر وہ جلالہ بنا ہے۔ جس کے ذکر سے اکبر اعظم شہنشاہ ہند کی تاریخ بھری ہوئی اور جس نے شہنشاہ اکبر کے لشکروں اور فوجوں کو تکالیف دی (عبد الجبار)

جس قدر جمعیت اور لشکر پیر تاریک کا تھا سب تہ تیغ کر دیا گیا اور ان کی عورتوں اور لڑکیوں پر فریق غالب کا ہو گیا۔ پیر تاریک کی عورت منکوحہ کو سرداروں نے اپنے لشکر کے ایک باجہ نواز اور شہنائی بجانے والے مطرب کو نکاح کے لیے دے دیا اور ان کے تمام مال متاع قبائل نے بانٹ لیے۔ اس کے زن فرزند لشکریوں نے بھی قید کر لیے اور صندوق پیر تاریک کا لشکریوں نے پالیا، اس کو توڑ کر ہڈیوں کو جلا دیا۔ پھر دریائے سندھ میں ڈال دیا۔

اخوند صاحب لکھتے ہیں کہ مسمی میرو افغان جو قبیلہ والازاک سے تھا اس نے مجھ سے بیان کیا۔ (اور خود بھی اخوند صاحب لشکر میں تھے مگر اس جگہ موجود نہ ہوں گے) کہ جب پیر تاریک کی ہڈیاں جلا کر دریا میں ڈالی گئیں تو اس کے سر اور کلہ کی ہڈی جلنے سے باقی تھی مگر میں نے ایک بھاری پتھر مار کر اس کو چکنا چور کر دیا۔ پیر مذکور کے بیٹے عین معرکے سے تو بھاگ نکلے تھے اور دریائے سندھ کو کسی طرح عبور کر کے پار تربیلہ کو شیخ عمر و نور الدین جا پہنچے تھے۔ مگر ان کو ولازاک قبیلہ نے ہزارہ و تربیلہ کے آگے قتل کر دیا ان کی قبریں ہزارہ میں ہیں، اور نور الدین یہاں سے بھاگ کر ہشت نگر میں اپنے قدیم مرید مہمند زئی قبائل میں جا پہنچا، مگر اس کو مہمند زئی لوگوں نے ان کی گمراہی کے یقین کی وجہ سے قتل کر دیا۔ اس لشکر نے پیر کے لشکریوں کے ساتھ کوئی صلہ رحمی اور مروت روا نہ رکھی باوجودیکہ وہ بھی اکثر یوسف زئی و مہمند تھے، مگر سب کو قتل کر

دیا گیا جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ سے لڑنے میں اور مقابلہ کرنے میں کچھ تامل نہ کیا تھا۔

اس جگہ اخوند صاحب لکھتے ہیں کہ یہ کام یوسف زئی قبائل نے بھی اس وقت ایسا ہی کیا ہے اور الحمد للہ کہ یہ فتنہ مکمل ختم ہوا اور میں نے بچشم خود دیکھ لیا کہ ان کی املاک و عورتوں کو لوگوں نے آپس میں مال غنیمت کے طور پر بانٹ لیا۔ زہے سعادت اس قبیلہ کی جو ایک غوث زمان کے انفاس قدسی کی برکات سے برکت یاب تھے جن کا یہ فعل ایک ہزار سال ماقبل صحابہ کرامؓ کے عمل سے تطبیق کھاتا ہے جو کچھ اس قوم نے کیا ہمارے حضرت کے ارشاد اور تشہیر کے مطابق ہے اس بدکردار کے اعمال فتنہ و فساد آگے چل کر الم نشرح ہو گئے۔ تب تمام فرق اسلامیہ نے مشاہدہ کر لیا کہ یہ فتنہ دینی عظیم تھا اور اس قوم کا ہادی راست باز تھا اور اللہ تعالیٰ نے فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا کا واقعہ بھی سب قبائل کو دکھلایا۔

(یہاں تک کہ اخوند درویزہ صاحب بعد میں پشاور جا مقیم ہوئے اور اس سلسلہ کی تمام روایات اور خطوط یا ایک کتاب خیر البیان نام پر تحریر کی جس میں پشتو، فارسی مشترک جملے تھے، صفحہ دنیا سے سب کچھ نابود کر دیا گیا، بلکہ ہم کو افسوس ہے کہ کوئی ایک نسخہ ان خرافات کا ملتا تو بہتر ہوتا۔ عبد الجبار)

(حضرت غوث بونیر کی تعلیم کا یہ اثر معمولی اثر نہ تھا، بلکہ قبیلہ یوسف زئی کے خمیر و عادت میں جہاد مذہبی و دینی اور جان و مال کا خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دینا شیوہ اور عادت داخلہ ہو گئی کیونکہ اس اندرونی فتنہ سے فراغت کے بعد جلد تر حسب ارشاد و حضرت ممدوح اور ان کے نبیرہ سید عبد الوہاب و فرزند سید مصطفیٰ اور ماذونانِ طریقت اخوند درویزہ صاحب اور اخوند سالکین و دیگر ماذونان افسریان وغیرہ نے افواج قبائل یوسف زئی کے ساتھ کوہستانات کے کفار قدیم کو دائرہ اسلام میں لانے کے لیے جہاد شروع کر دیئے اور اسی عہد کے لوگوں کی موجودگی میں لاکھوں کفار قدیم اہالیان کوہستانات سندھ وہ جدید سوات دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ عبد الجبار)

اخوند صاحب نے بھی لکھا ہے اور میں ان کی تحریرات کے ٹکڑے جدا جدا تصنیف سے لے کر یک جا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کوئی بھی ان زمانوں میں تقویت اسلام کے لیے جہاد

بالسیف کے لیے قبائل میں سے ایسا جان نثار قبیلہ نہیں نکلا جیسا یوسف زئیوں نے عملاً جہاد
مفسدین فی الاسلام میں اور جہاد کفار کوہستان میں عمل کر کے دکھایا ہے، چنانچہ اس بے نظری
جان بازی کے معرکوں میں ان کے چیدہ چیدہ سرداران قوم شہید ہوئے ہیں، جن میں خواجہ اب
موسیٰ جیسے بزرگ لوگ کام آئے، خود اخوند کا بیٹا بھی سوات کے جہاد میں شہید ہوا، ہند اور کابل
کے سلاطین سے اس سلسلہ میں مفسدین کا علاج کچھ نہ بن سکا۔ اگرچہ بے شمار فوجیں ان کی
دوڑتی رہیں، مگر وہ سلطنت کے لیے عمل تھا اور یوسف زئیوں کا عمل خالصتاً للہ اور اللہ تعالیٰ کے
کلمے کو علیا بنانے کا تھا جس کی تائید اور نصرت اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔

درویزہ صاحب لکھتے ہیں ہمارے حضرت صاحب اس دنیا سے سفر فرما چکے تھے۔ جب
یہ واقعات بہت بعد رونما ہوئے۔ اور اس کے بعد اس پیر کے سلسلہ کا کوئی خلیفہ دہلی آگرہ میں
شہنشاہ اکبر کے حضور فریادی ہو کر جا پہنچا اور دادخواہ ہوا کہ اس سلسلہ کے خلفاء اور چند لوگ قبیلہ
یوسف زئی کی قید میں ہیں ان کو رہائی دلوا دیجیے۔

پھر درویزہ صاحب لکھتے ہیں کہ اکبر بادشاہ بھی حقیقی اسلام کا چنداں پابند نہ تھا، بلکہ مجھ کو
تو منحرف ہی معلوم ہوا کہ اس نے اس بارے میں نہ اسلام کا پاس کیا اور نہ عدل و انصاف کا
پاس کیا کہ آخر ان گمراہوں کے ہاتھوں سے راستے بند تھے اور کس قدر بے گناہ بندگانِ خدا قتل
و غارت و تباہ ہوئے تھے اور یوسف زئیوں نے صرف حمایت دین سید المرسلین ﷺ کی خاطر
سربکف ہو کر اور خلق خدا کو اس ڈاکو گروہ کے جور سے نجات دلانے کی خاطر یہ جہاد کیا تھا اور
اس سرکش جماعت کا اسیر کرلیا تھا۔ اب بادشاہ نے حکم ارسال کیا اور یوسف زئیوں نے مجبور ہو
کر جلال الدین پسر پیر تاریک وغیرہ کو بادشاہ کے احکام لانے والوں کے سپرد کر دیا۔ جتنے رشتہ
دار پیر کے تھے ان کو آزاد کر کے قاصدان شاہ کو دے دیا گیا اور بادشاہ نے ان کو بڑی عزت
کے مدارج اپنی بارگاہ میں دے دیئے وسط ہند ضلع فرخ آباد میں پیر روشن کی اولاد اب تک بڑی
بڑی جاگیروں اور املاک کے مالک موجود ہیں اور اب تک ان کو پیری تقدس اور حکمران خاندان
کی اولاد کہا جاتا ہے۔ (عبدالجبار شاہ) مگر شاید بادشاہ نے گلستان سعدی میں وزدان عرب کا
قصہ ذہن میں نہ رکھا تھا کہ گرگ زادہ آخر گرگ ہی ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جلال الدین بادشاہ ہند سے بھاگ آیا اور تیراہ کے علاقہ میں جو اس کے

آپ کے راسخ الاعتقاد و مرید تھے ان میں جا پہنچا اور اب اس کو خوب تجربہ کار سفاکوں قاتلوں
اور ڈاکوؤں کی کافی جمعیت میسر آ گئی۔ اب اس نے بلا استثناء و بلا صرفہ و امتیاز ہندو مسلم و رعایا
وے بادشاہ فوج بادشاہ و مردان قبائل دیگر پر راہ زنی، ڈاکہ زنی شب خون اور حملوں کا سلسلہ اس
قدر گرم کر دیا کہ بادشاہ کی رعایا کی چیخیں ہفتم آسمان تک جا پہنچیں۔ راستے راہ پر بند ہو گئے۔
حاجی قافلے مارے اور لوٹے گئے اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ شہنشاہ اکبر کے لیے جلال
الدین سے بڑھ کر سخت اور صعب دشمن کوئی دوسرا نہ تھا اور حد سے زیادہ سعی کے باوجود اس
جماعت کو نابود نہ کر سکا، بلکہ اس کے بعد سلطان سلیم (جہانگیر) نے بھی سعی میں کمی نہیں کی۔ مگر
خیبر کا راستہ فقراء و مساکین مسافرین و خواجہ سلطانی وغیرہ سب پر مسدود کر دیا۔ ایک یلغار جلال
الدین نے اپنے مستقر سے اٹھ کر خطۂ شریفہ غزنی پر کر کے وہاں کے مومنین متقین کو قتل کر دیا
اور تمام وطن کو لوٹ غارت کر کے واپس لا رہا تھا کہ اولیاء اللہ غزنی کے جن کی تعداد نو دو نہ ہزار
ہے ان کی ارواح کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد میں یہ سبب کیا کہ مردمان ہزارہ
جات کے ذریعے اس جمعیت پر وہ لوگ اطراف و جوانب سے حملہ آور ہو کر گھیر لیا اور تمام
جمعیت کو تہ تیغ کر کے جلال الدین کا سر کاٹ کر شہنشاہ ہند کے پاس بھیج دیا۔ اور نصف بدن
مردود کا درمیان سے کاٹ دروازۂ کابل میں لٹکایا اور نصف بدن دروازۂ غزنی میں لٹکائے
رکھا۔ کمال الدین اس واقعہ سے پہلے گرفتار ہو کر جیل خانہ اکبر بادشاہ میں مر چکا تھا۔

اس کے بعد پیر تاریک کا ایک پوتا شیخ عمر کا ایک بیٹا احداد نام نے پھر مملکت تیراہ میں
باپ دادا کے مریدوں میں ظہور کر کے اس نے خروج کیا اور ایک بڑی جمعیت ساتھ لے کر
اپنے آبا کا پیشہ رہزنی جاری رکھا ہے۔

پھر درویزہ صاحب ان کے حالات کو آخر اولاد تک پہنچانے کے بعد لکھتے ہیں کہ پیر
تاریک از راہ عقیدۂ حلول کبھی اپنے آپ کو خدا اور کبھی پیغمبر اور کبھی مہدی کہا کرتا تھا اور ہر مرید
کی استعداد و مبلغ فہم کے مطابق بیعت کے وقت ان سے یہ عہد لے کر یہ راز کسی سے نہ کہے گا
کلمات کفر اس کی اپنی زبان میں تعلیم دیا کرتا تھا۔ یہ بیان تو اس کا اعلانیہ بھی تھا کہ کائنات کا
ذرہ ذرہ خدا ہے کل مخلوقات صوری عین ذات خدا ہے اور اپنے آپ کو خدائی میں ممتاز زیادہ اس
وجہ سے بتلاتا تھا کہ اس کو تصرفات باقیوں سے زیادہ حاصل ہیں یعنی کہ اس کے بدن میں حلول

واتحاد خدائی کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ مگر قدرت نے اس خدائی کے زیادہ حصہ دار کا عجز دنیا کو دکھلایا کہ محسن خان کی فوج سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھائی کی وجہ سے حرکت قلبی میں زیادہ گرمی وارحدت پیدا ہونے کی وجہ سے مرگیا۔ پہاڑ پر چڑھائی میں دوڑ کر جانے سے جو ذہنی اختلاج قلب ہوتا ہے۔ اس کا اسی میں ہارٹ فیل ہوا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ ان کے بدبخت مریدوں سے یہ باتیں بھولی ہوئی ہیں۔ جب دلائل سے ہم ان کو مغلوب کر لیتے تو دوسرا پہلو لے لیتے کہ ہم ذات خدا اگر نہ ہوں تو صفات مجسمۂ خدا تو ضرور ہیں۔

اخوند صاحب کہتے ہیں کہ اتفاقاً ایک مرتبہ جہاں ان سرکشوں کی جمعیت (شروع میں کثیر تھی میں اکیلا پھنس گیا۔ اوّلاً تو میرے قتل کا ارادہ کیا مگر پھر گفتگو پر اتر آئے اور کہا تم ہم کو کافر کیوں کہتے ہو۔ میں نے مومنانہ بے خوفی سے کہا فتویٰ عقائد پر ہے اگر تم اپنے آپ کو دیگر مخلوقات کبیرہ سے کسی خاص امتیاز کے ساتھ خصوصاً صفات الٰہی کہتے ہو حالانکہ تم مخلوق ہو تو اس کا کیا ثبوت ہے۔ وہ چلائے کہ ہم تو اپنے آپ کو ذات خداوندی کہتے ہیں تم صفات بناتے ہو۔ میں نے دلیل دی تو بدبختوں نے آیت غلط طور پر پڑھی اِن اللہ مع کُلِّ شیٍ مُحیط۔ اور عقلی دلیل یہ دی کہ اللہ تعالیٰ مانند رویا کے ہے جس کے اندر تمام مخلوقات کی ہستی محصور اور محیط ہے۔ میں نے غلط آیت کا مطالبہ قرآن مجید سے بتلانے کا کیا کہ ایسی آیت تمیں پاروں میں تو نہیں۔ تب انہوں نے جواباً کہا بے شک ایسا کہا ہے مگر ہمارے پیر نے کہا ہے کہ محمد ﷺ سے یہ جملہ فراموش ہوگیا ہے۔ میں نے سفر ک فلانتنیٰ پڑھ کر سنایا کہ قرآن مجید محفوظ ہے اور تمہارے پیر پر کب جبرئیل علیہ السلام آیا کہ صاحب قرآن کی غلطی اس کو بتلا گیا۔ ان باتوں کو سن کر جو بحث طویل لکھی ہے وہ جاہل خلفاء بھی کچھ متحیر جیسے تو ہوگئے مگر جواب یہ دیا کہ تم تو یہ گفتگو شریعت کی کہہ رہے ہو مگر ہم شریعت تم کو حوالے کر چکے ہیں۔ میں نے کہا کہ کوئی طریقت شریعت سے باہر نہیں اگر باہر ہے تو بدعت اور کفر و گمراہی ہے۔ آخر ایک یوسف زئیوں کا معزز درمیان آگیا اور مجھے ان ملعونوں سے خلاصی دلا دی۔ پھر لکھتا ہے کہ میری عمر علی الدوام اسی عمل جہاد فی سبیل اللہ میں گزری اور کسی جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے بحث و دلائل میں اور جنگ جدال میں مجھے مغلوب نہ کیا۔

پیر تاریک کی مہر میں یہ نقش کندہ تھا:

سبحانک الملک الباری جدا کرد عالم نوری از ناری بایزید انصاری

اور دوسری مہر میں یہ عبارت کندہ تھی:

بایزید مسکین ہادی المضلین

عجیب قسم کا ہادی تھا کہ روزہ نماز اور حج کو مباح اور غیر ضروری قرار دیتا تھا۔ مگر دعویٰ ہدایت کا تھا۔ قتل و نہب اموال و زنا وغیرہ مکروہات کا نہ فقط جائز کرنے والا بلکہ اس پر عامل تھا۔ سب و شتام طرازی انبیاء علیہم السلام پر بے باک کرتے تھے اور علم و شریعت سے علانیہ عداوت کا اعلان کرتے تھے۔

اخوند صاحب کو ان حالات کے باوجود ان کے مرید بننے اور ان کی طرف رجوعات عوام پر بہت غصہ آتا ہے اور بہت کچھ لکھ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں ایک دن ان کے مرید متہ خان اورکزئی ان کے عقائد باطلہ پر ذکر آیا جو اس کے خلیفہ میں سے تھا۔ اس کو کہا کہ تم لوگ پیر کے نام کے ساتھ لفظ پاک لگاتے ہو جو مخصوص لفظ ذات باری کے لیے ہے اور لفظ سبحان کا ترجمہ ہے اور تم نور کہتے ہو جو خاص محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام اللہ تعالیٰ نے سراجاً منیراً رکھا ہے آیا یہ نادانی اور مغالطہ میں تم نے مان لیا ہے یا واقعی سبحانی کی صفت سے اور پیغمبری کی صفت سے اس کو متصف جانتے ہو تو اس نے کہا ان دونوں امور کو ہم اس کی نسبت واقعی یقین کرتے ہیں۔ یہ سن کر اخوند صاب برافروختہ ہوگئے اور موقعہ ایسا تھا جہاں ایک دوسرے پر حملہ نہ کر سکتے تھے۔ مگر دونوں نے قسمیں کھالیں کہ تنہا جگہ پیش آویں تو ایک دوسرے پر ضرور حملہ کریں گے۔ یہ اتفاق سے ایسی جگہ باہم ملاقاتی ہوئے کہ اخوند صاحب بغیر اسلحہ اور تنہا تھے اور متہ خان بااسلحہ و باسامان تھا مگر ازرہ مروی کی وجہ سے اخوند صاحب مقابلہ پر آمادہ ہوگئے مگر متہ خان نے سلام میں سبقت کی اور ان کی تکریم کرتے ہوئے صلح کر لی۔ اس موقعہ پر اخوند صاحب لکھتے ہیں کہ قوم یوسف زئی کے اندر ہمارے حضرت کے اثرات نے اس قدر اثر کر لیا تھا کہ یہ لوگ علم و علماء کا احترام سچے دل سے کرتے تھے۔ اور آخر انجام کار سے اسی قبیلہ نے اس فتنہ کا استیصال مکمل طور سے ایسا کیا جو سلاطین عظام سے ناممکن تھا جیسا کہ مذکور ہوا۔

پھر اخوند صاحب لکھتے ہیں کہ پیر تاریک بعثت اہل قبور کا اور یوم الحساب کا بھی منکر تھا اور اپنے مریدوں کو در پردہ یہ تعلیم دے کر سخت دلیر اور بے باک کر دیتا تھا کہ جتنے انبیاء گزرے

ہیں۔ سب خودغرض اور اپنی اپنی حیثیت قائم کرنے کو یہ گورکھ دھندہ اور خطرہ قیامت اور دوزخ اور عذاب کا سنا کر مرعوب کرتے رہے۔ درحقیقت یہی جسم ہے۔ جس قدر ناز و نعم اور خوشحالی میں اس کو رکھ سکو غنیمت ہے۔ مرنے کے بعد دوسرا جنم لے لیتا ہے۔ نہ حساب ہے نہ عذاب ہے نہ کسی آخرت کا عالم ہے یہی دنیا ہے۔ دنیا بھی ہے اور آخرت بھی ہے خواہ بری حالت اور تکلیف میں رکھو تمہیں مرنا ضرور ہے اور جون بدلنا ضرور ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ عیش و آرام سے گزارو۔

پھر اخوند صاحب نے لکھا ہے اس پیر نے ایک عورت کو جس کا نام قاتی تھا۔ اپنی خلیفہ بنا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے مقرر کیا ہوا تھا جو نوجوانوں اور فاسقوں کو دام میں پھنسانے کا ایک دام تھا۔ ایک دن وہ مجھ سے راستے میں ملاقاتی ہوئی تو میں نے اس سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کو تم لوگ واحد لاشریک مانتے ہو یا نہیں اور انبیاء علیہم السلام کو سچے مانتے ہو یا نہیں اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا سچا کلام مانتے ہو یا نہیں جواباً اس نے کہا سب کو حق مانتی ہوں۔ تب میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام اور قرآن مجید ان سب کی تو تعلیم یہ ہے کہ تمام مردگانِ قبر ایک دن قیامت کے اٹھیں گے۔ ان اللہ یبعث من فی القبور اور حساب ہوگا نیک جنت میں اور بد دوزخ میں جاویں گے مگر تمہارا پیر اس واقعہ سے انکاری ہے۔ اب بتاؤ تم اللہ تعالیٰ اور اس کی کتابوں اور نبیوں کا کہا مانتی ہو یا اپنے پیر کا۔ وہ اس گفتگو سے حیران رہ گئی نہ یہ جواب دیا کہ ہمارا تو پیر تو یہ سب مانتا ہے اس لیے کہ اس کی تعلیم یہی تھی اور نہ میری دلیل کا جواب و تردید کر سکتی تھی اور بالکل لاجواب اور حیران کھڑی رہی۔

اس فرقہ کے استیصال کے بعد مریدان و خلفا ان کے سب قائل و تائب ہوئے کہ واقعی ان کے ایسے ہی اباحتی تعلیم اور دہریانہ عقائد تھے۔ پھر لکھتے ہیں میرے مریدوں میں سے ایک شخص اس پیر کی مجلس میں حاضر ہوا اس نے دیکھا کہ ایک بڑی جمعیت عورتوں اور مردوں کی یکجا اس کے گرد جمع تھی۔ میرے مرید نے ان سے کہا میں نے سنا ہے کہ تم اپنے ہر ایک مرید کو درجہ میں منصور حلاج کے مرتبہ اور مقام پر کہتے ہو اور یہ دعویٰ بھی ہے کہ تم نے اپنے مریدوں میں وہ علم بخش دیا ہے جن کو کائنات کی ریت کے ذرات اور درختوں کے پتوں کا شمار بھی معلوم ہو گیا ہے جواباً اس نے کہا بے شک ایسا ہی ہے تب اس نے کہا بھلا اتنا تو بتا دو میرا ازار بند کس چیز کا

ہے۔ چونکہ وہ پشم کا تھا سب مرید بھی اور پیر بھی کچھ نہ بتا سکے۔

پیر درویزہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس پیر نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جن میں بعض جملے عربی کے بلا ادراک معانی و ترتیب جمع کیے تھے اور بعض کلمات فارسی کے اور بعض افغانی یعنی پشتو اور بعض ہندی زبان کے مرکب مندرج تھے۔ مگر ہر فقرہ اور جملہ ناموزوں و ناموافق ہونے کے باعث اہل علم و بصیرت کے لیے موجب نفرت طبعی دیکھنے کے ساتھ ہی ہو جاتے نام اس کا خیر البیان رکھا تھا۔ مگر اس کے اندر کفریات و افترا و فسادات کے بغیر کچھ بھی نہ تھا۔ لہٰذا میں نے اس کا نام شرالبیان مشتہر کر دیا۔ اگر خربیان کہیں تو بھی نامناسب نہ ہوگا۔ دعویٰ اس نے یہ کیا تھا کہ میرے دعاوی کے مطابق یہ کتاب مجھ پر من جانب اللہ نازل ہوئی ہے اور اس کے مریدوں اور متبعین کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ وہ خداتعالیٰ نے اس پر نازل کی ہے۔ تعجب تو یہ تھا کہ باوجود دعوائے اسلام یہ باتیں وہ بھی کہتا تھا اور جاہل بھی مان لیتے تھے۔ میں نے سنا کہ یہ خرافات و فضولیات سے معمور کتاب بھی خود اس نے ساری تصنیف نہیں کی بلکہ ملا ارزانی شاعر نے اس کی امداد کر کے کسی قدر ترتیب اس کو دے دی ہے کیونکہ ارزانی بھی ملاحدہ میں سے تھا کچھ حصہ کتاب میں اس کا بھی ہے اور کچھ حصہ ملا ارزانی شاعر کا ہے۔ ملا ارزانی شاعر کا دیوان بھی اب تک موجود ہے جس میں اس نے پیر روشن کی شاعرانہ ستائش بہت کی ہے۔ ایک نسخہ بھی اس کے دیوان کا پشاور عجائب گھر میں بھی موجود ہے میں نے خود دیکھا ہے۔ (عبدالجبار)

افغانان قبیلہ خویشگی میں تین بھائی تھے۔ ملا ارزانی، ملا عمر، ملا علی۔ یہ لوگ ہندوستان کی طرف سے واپس آ کر اس پیر کی تابعدار ہو گئے تھے۔ ان میں سے ارزانی تیز فہم شاعر تھا۔ اس کے مبتدعات کو وہ پشتو کے شعروں میں نظم کرتا تھا۔ اور فارسی عربی ہندی میں بھی شعر کہا کرتا تھا۔ اس کتاب میں بھی اس نے معاونت کی ہے اور ایک کتاب اس نے خود بھی لکھی ہے جس کا نام اس نے چہار زبان رکھا ہے گمراہی کی باتوں سے بھری ہوئی ہے مگر جب پیر تاریک نے ملک پر قبضہ کر لیا اور راہزنی اور مسلم کشی اختیار کر لی تب ارزانی اس سے جدا ہو گیا اور پوری علیحدگی اس نے اختیار کر کے ہندوستان کو چلا گیا۔ مگر اس کے مذکورہ دو بھائی اسی پیر کے ساتھ عداوت میں مقیم رہے۔ الغرض اس کتاب میں اس نے بعض آیات بھی اور کچھ احادیث بھی اور کچھ اقوال آئمہ متقدمین بھی اس طور سے لایا ہے جو موضوعات و مفتریات کا مجموعہ ہے اور اس نے خود بہت اقوال وضع کر کے بزرگوں اور احادیث کی طرف منسوب کیے ہیں۔ ایک ادنیٰ

نمونہ اس کے علم کا اسی سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے رسائل میں اہل علم اور علم کی خدمت میں ایک جگہ لکھا ہے۔ قولہ تعالیٰ علم الیقین، لترون الجحیم۔ اور ترجمہ اس کا اس طور سے کیا ہے، جو کوئی علم سیکھے ضرور دوزخ میں جاوے گا۔ علی ہذا القیاس آیات اور احادیث کے معنی اپنی مرضی پر کر کے مریدوں کو سنایا کرتا تھا۔ حالانکہ معہ مریدوں کے از روئے عقیدہ آیات و احادیث کو مانتا ہی نہ تھا۔ مگر ایک دام فریب تھا جس میں ناواقف شکار پھنستے تھے۔ چنانچہ جب پشاور میں آیا تو سبزی نہ کھاتا تھا، بدن کے کپڑوں سے جوئیں نہ مارتا تھا اور چیونٹیوں پر پیر رکھنے سے احتراز کرتا تھا اور اپنے مریدوں کو بھی ایسا ہی حکم دیتا تھا اور زوال کے وقت سے نماز نوافل شروع کرتا تو عصر تک پڑھتا رہتا تھا۔ ظہر باجماعت کے بعد عصر تک رکوع و سجود میں وقت گزارتا بعد عصر شام تک نوافل میں مشغول رہتا اور بعد مغرب عشاء تک رکوع و سجود میں وقت گزارتا تھا۔ مگر آخر اس کے اعمال کا بھرم کھل گیا جس کو بیگناہوں کی خون آشامی سے سیری ہی نہیں ہوتی تھی اور بعد کو نماز کی نسبت اس کا معہ متبعین کے وطیرہ ہو گیا کہ بلا طہارت بلا وضو نمازیں پڑھنا اپنا شعار بنا لیا۔

پھر اخوند صاحب نے لکھا ہے کہ میں خود ایک دن ہشت نگر میں اس کے پاس گیا، جا کر اس کا مہمان بنا اور چونکہ میری بچپن سے شب بیداری کی عادت ہے یہاں بھی حسب عادت میں جاگ کر نوافل میں مشغول تھا۔ مگر میری اور پیر مذکور کی خواب گاہ کا درمیان نہایت باریک پردہ تھا اور گویا ہم ایک دوسرے کے بہت نزدیک تھے میں جاگتا رہا کہ زوجہ کے ساتھ رات بھر ہم بستر اور صبح نماز کے وقت اٹھا نہ غسل کیا نہ طہارت کی۔ بلا وضو مسجد میں آ بیٹھا اور جب اس کے متبع جمع ہو چکے تو امامت کر کے ان کو نماز پڑھا دی۔ مگر میں نے الگ ہو کر اکیلے نماز ادا کی۔ ہم تو تناسخی عقیدہ کے اصول و فروعات سے بے خبر تھے۔ مگر اس نے جس طور سے مریدوں کو سکھلایا ان سے ہم نے سنا کہ وہ ان کو یہ بتلایا کرتا تھا کہ مرنے کے بعد یہ جسم عنصری نابود ہو کر اپنا اپنا عنصر اپنے اپنے عناصر سے مل کر اس میں محو ہو جاتا ہے۔ اور اس جسم نے پھر ہرگز ہرگز پیدا ہونا نہیں۔ لیکن روح جو اس کے زعم میں جز خداوندی ہے وہ اپنے لیے دوسری صورت اور جسم اسی دنیا میں ڈھونڈ لیتی اور اختیار کر لیتی ہے۔ خواہ جسم حیوان ناطق ہو یا حیوان مطلق ہو مگر حیوان وجود میں داخل ہو کر اس کو زندہ بنا کر اس میں آباد ہو جاتی ہے۔ یہ حالات اخوند صاحب نے زیادہ تر تذکرۃ الابرار والاشرار میں اور اختصار بعض بعض ارشاد الطالبین اور فوائد شریعت

وغیرہ کتابوں میں لکھے ہیں مگر یکجا اور مسلسل نہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ان کے مفہوم کو ادا کروں خواہ عبارت کے رو سے مزید وضاحت کے لیے الفاظ زائد آتے ہیں یا مشرح آتے ہیں۔ جدا جدا جگہ سے حالات کے ٹکڑے جمع کر کے اور اس کو ذرا زیادہ واضح الفاظ میں لکھا گیا ہے۔[1]

---

[1] بایزید انصاری یا پیر وروشن کی نسبت اس زمانہ میں سب سے پہلے سید علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت نے اس کی تعلیمات و عقائد کے خلاف واقعہ جو کہ اس کے مشن کو حقیقی اسلامی توحید و تعلیم کے خلاف ظاہر و مشتہر کیا ہے، جس کا احوال اخوند درویزہ صاحب نے مندرجہ بالا تفصیلات سے لکھا ہے۔

مگر بایزید انصاری نے جس وقت کامل اقتدار پرگنہ تیراہ پر حاصل کر لیا اور اس کی جھڑپیں مغل سلطنت کے خلاف میدان عمل میں آ گئیں۔ یہاں تک کہ حکومت کابل نے بذریعہ محسن خان حاکم جلال آباد، اس کے خلاف فوجیں روانہ کیں اور [2] سلطنت اکبری نے دہلی کی طرف سے زین خان کوکہ کو ہزارہا جنگی نفری کے ساتھ تیراہ کی مہم پر جلال الدین کے مریدوں کے خلاف بھیجا۔ وہ ہندوستانی افواج لے کر تیراہ کو گیا پھر مملکت باجوڑ کو ماتحت کیا۔ اسی زمانہ میں سید علی ترمذی کے اکلوتے فرزند سید مصطفیٰ کو مغل دربار سے پرگنہ وادی کونڑ عطیہ دیا گیا اور پھر پرگنہ باجوڑ یہ فوج چکدرہ پہنچ کر راجہ بیربل کے آملنے سے زین خان کے اختیار سے بد عنان ہو کر راجہ کے خودسرانہ راستہ پر خود بلا انتظام بونیر میں براستہ کوتل کڑاکڑ سوات کی طرف سے داخل ہو کر مغل درہ میں معہ راجہ بیربل کے ہلاک ہو گئی اور بقیہ زین خان نے بچائی تو مذکورہ حوادث عطیہ کے ورود سے پیر روشن اور اس کی اولاد اور سلسلہ پیری مریدی کا معاملہ ایک عالم آشکارا معاملہ میں بدل گیا تھا۔ سید علی کی اولاد کے لیے ایک بڑی ریاست وادی کونڑ کے عطیہ کے علاوہ مرکز تختہ بند بونیر کے صاحب سجادہ و دستار کے لیے سالانہ چوبیس ہزار روپیہ کا دوامی عطیہ مقرر کیا جانا جس کی سند کی نسبت دہلی سے میں لکھ چکا ہوں کہ میرے والد و عم بزرگوار نے جنگ ۱۸۶۳ء بمطابق ۱۲۸۰ھ مقام امبیلہ کے خاتمہ کے بعد تک تختہ بند میں مذکور تبرکات کو دیکھا بلکہ بدن پر پہنا تھا۔ جس کو بونیر کے بے علم سادات ہاتھ لگانا بے ادبی جانتے تھے اور بعد میں جب عم معظم شہزادہ مبارک شاہ کا ۱۸۷۱ء بمطابق شعبان ۱۲۸۹ھ میں اپنے تمنچہ کے چل جانے سے جوانی میں وفات پا جانا اور میرے والد کا ۱۸۷۹ء میں شہید ہو جانا ہوا تو سادات بونیر کے دلوں میں تبرکات مذکورہ کی بے ادبی کا اثر تو ہم میں پختہ ہو کر معہ سند فقط مذکورہ و سند بعض ریاست کونڑ عطیہ سلطنت ہند و تمام تبرکات کو دریائے سندھ میں دریا برد کر دیا گیا افسوس ہے کہ ان تبرکات میں ان بزرگوں کی تصانیف کا ہونا بھی متوقع امر ہے اور نہ معلوم اور کیا کیا تبرکات ہوں گے۔ جو نادانی بے علمی سے تلف ہو چکے۔

تو مدعا یہ ہے کہ خود میرے دل میں بھی اور بعض دیگر ہر زمانہ کے محققین کے دل میں بھی یہ شبہ ضرور گزرا ہوگا کہ ہمارے سامنے پیر روشن کے خلاف یک طرفہ مثل پیش ہوتی ہے اور فریق مخالف کی طرف سے تحریری شہادت کوئی نہیں اور ممکن ہے کہ پیر روشن ایسا ہی باخدا ولی اللہ ہو جس کو مولویانہ مخالفتوں نے مانند حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے

جہانگیر شہنشاہ ہند کی تحقیقات کے مطابق قابل سزا سمجھا ہوا اور وہ پاک ہوا اور مظلوم ہو۔ اس امر کی تفصیل وتشریح کے لیے میری طلب وتلاش مسلسل پچاس سال سے جاری رہی کہ بایزید انصاری کی کوئی اپنی تصنیف مجھے مل سکے اور اس کی نامی کتاب خیر البیان مل جائے تو میری حقیقی تسلی عدل وانصاف کی رو سے اس کے مطالعہ سے ہو سکے گی۔ مگر باوجود انتہائی تلاش کے اب تک وہ مجھے نہ ملی تھی۔ لیکن اس سال ۱۹۴۸ء میں جب کہ پاکستان اسلامی سلطنت کا قیام عمل میں آیا ہے۔ ہمارے صوبہ کے مرکزی پشاور کے عجائب گھر کا ذمہ دار ایک افسران تھک محنتی اور متجسس ومحقق متدین کارکن صالح نوجوان عبدالشکور خان مقرر ہوا ہے جس نے صدیوں کی نادر الوجود پشتو فارسی قلمی کتابوں کا بڑا ذخیرہ عجائب گھر میں جمع کرلیا ہے اور میرا یقین ہے کہ اگر حکومت اسلامیہ سرحد نے اس کی امداد پوری طرح کی تو وہ اس ملک اور وطن کے بے بہا جواہرات علمی کو ہر جگہ سے پیدا کر لینے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ بیسیوں کتابیں مختلف علوم کی اور اسناد اور رسائل اور دواوین پشتو اور فارسی کے وہ اب تک فراہم کر چکا ہے جو سب قلمی اور گمنام کتابیں ٹھہر چکی تھیں۔ میں نے اس کے مذکورہ شوق کو دیکھ کر چند کتابوں کی تلاش کی تاکید کی تھی کہ ان میں سے ایک ارزانی شاعر پشتو کی کوئی تصنیف ہو، جو اس نے قلمی ایک نسخہ پالیا ہے۔ دوئم خیر البیان تصنیف پر روشن سوئم ملک شیخ علی یوسف زئی کی کتاب دفتر شیخ علی پشتو جس کی رو سے قوانین افغانیت عملاً تقسیم املاک کے بارے میں یوسف زئیوں میں جاری ہے جو ابھی تک اس کو دستیاب نہیں ہو سکیں، لیکن ایک کتاب خود تصنیف کردہ پیر روشن بزبان فارسی موسومہ (صراط التوحید مصنفۂ بایزید انصاری) جس میں اس نے اپنی سوانح عمری اور اپنی دعوت سلاطین وامراء وخوانین کو اپنا مرید بنانے کی تحریک میں لکھ کر شائع اور ممالک میں پہنچی تھی، لکھی ہے تصنیف شدہ وہ کہنہ قلمی نسخہ مجھے مہیا کر دیا ہے جس سے بڑا حصہ معلومات کا اس حد تک مل چکا ہے کہ اگر ایک طرف اخوند درویزہ صاحب کا ۹۸۷ھ کا بیان اس کے خلاف ہے تو دوسری جانب اس کا خود نوشتہ بیان اس زمانہ کا جب کہ وہ ابھی فرمانروایا حاکم تیراہ کا نہ بنا تھا اس کے معتقدات پر گہرا اثر ڈالتا ہے جس کا خلاصہ اقتباس میں اس جگہ شامل کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ ان خود نوشتہ بیانات کے اکثر حصے سے اخوند صاحب کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔

اوّل یہ کہ اخوند صاحب اس کے والد عبداللہ قاضی کو صالح متقی لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس نے اس بیٹے کو پیری مریدی بے علمانہ عمل سے منع کیا تھا، بلکہ اس کے کافرانہ عقائد پر اور ہمہ اوست کے عقیدہ پر چھریوں سے زخمی کر کے مردہ وار ڈال دیا تھا۔ اس کی تصدیق پیر روشن خود اس قدر اندرونی غصہ کے رنگ میں کرتا ہے کہ باوجود قاضی عبداللہ کو باپ مانتے ہوئے۔ بیگانہ وار قاضی عبداللہ ہی اس کو لکھتا ہے اور اپنا شدید مخالف بتلاتا ہے۔

دوئم یہ کہ اس کو پیر کامل کی تلاش از حد زیادہ ہے مگر اس کتاب کی تحریر تک جب کہ اس کے خود پیری اختیار کرنے پر غالباً ۲۵/۲۷ سال گزر چکے ہیں، ویسا ہی آرزومند ہے کہ پیر کامل اس کو نہیں مل سکا۔ کاش مل جاتا باایں ہمہ خود اعلان پیری کا سلاطین کو امراء کو کرتا ہے کہ وہ اس کو پیر طریقت مان کر سعادت دارین حاصل کریں ورنہ بغیر پیر کامل کی اتباع کے ان کے تمام حسنات واعمال صالحہ ہرگز بار آور نہ ہوں گے۔

سوئم بغیر کامل کے ملنے کے ہی زاویہ نشینی اختیار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ خواب میں ملاقاتی ہونے سے اس کا کام چل پڑتا ہے چند خوابوں کو اپنی روحانی ترقی کی ٹھہراتا ہے اور راز توحید کو خود بخود پالینے کا

دل اٹھا ہے۔

الہام، سفر یارقند وخراسان وغیرہ کا ذکر بھی کرتا ہے۔ مگر کوئی پیر کامل نہ مل سکنے کی آرزو دل میں رکھتا ہے۔

اسم اعظم حاصل ہو جانے کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ لیکن دعویٰ کے علاوہ کوئی حوالہ اور اشارہ اس کی صحت پر نہیں دیتا۔

علم، خدا تعالیٰ کی توحید میں ہی یہ کتاب لکھی ہے۔ مگر مخلوق یا مریدین کو سمجھانے کے لیے کوئی تشریح وتفصیل مانند اہل علم و اہل علم عرفان کے اس پر دلیل نہیں بتلاتا، بلکہ نام کتاب کا صراط التوحید لکھ کر ہی توحید رب باری پر دلیل علمی وعقلی باری کتاب میں نہیں لکھتا۔ البتہ بطور اشارات اس قدر پتہ لگتا ہے کہ وہ تمام کائنات کی ظاہرہ ومخفیہ قوئی ومظاہر سب کو وجود رب باری مانتا ہے، لیکن باایں ہمہ الفاظ صریحہ میں اس کا اظہار واقرار کرنے سے گریز وسکوت کرتا ہے۔

علم ابھی اپنی منزل سلوک میں صرف ایک دو بار القا یا ہاتف غیب کی آواز کا حوالہ بھی برائے دینی ودنیوی روزگار کے متعلق دیتا ہے، مگر مسائل دینی وعلمی وحقائق ومعارف قرآنی کا شائبہ تک بیان کرنے سے عاجز ہے۔ اپنی نسبت صرف پیر طریقت کامل ہونے کا عاشق وشیدا ہے جیسا کہ اخوند صاحب علیہ الرحمہ نے لکھا کہ اس کی انگوٹھی میں منقوش تھا۔ ہادی مسلمین بایزید مسکین۔ اور احادیث نبوی موضوعات یا مقولات کو حدیث کے رنگ میں بیان کرتا ہے۔ میں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔ اخوند درویزہ صاحب کا بیان بھی موجود ہے اور پیر بایزید کا خود نوشتہ بیان رسالہ مذکورہ سے درج ذیل ہے۔ ناظرین خود اس پر محاکمہ کر سکتے ہیں۔ مگر سید علی ترمذی علیہ الرحمہ کا عمل کہ قرآن واسلام کی تعلیم کا عطر ظاہرہ شریعت پر عمل اور باطنیات میں پڑنے سے اجتناب کی شدید تاکید کی اس وادی میں بے علم وبے ہدایت صوفی شیطان کا تختۂ مشق بنتا ہے اور شیاطین ایسے لوگوں کو تمام قسم اقسام الہام خوابوں، ہاتفی آوازوں، عجائب نظاروں کے دکھلانے سے تمام نقلی الہامی طریقوں کو نقلی اور طبع سازی سے اصلی کر دکھایا کرتے ہیں: اِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ۔ فَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ فَاِنَّکُمْ اِذًا لَّمُشْرِکُوْنَ۔ دوسری جگہ ارشاد قرآن ہے کہ شیاطین، یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔

الغرض تحریرات ہر دو کی سامنے ہیں البتہ اس کی وہ کتابیں جن میں عقیدہ تناسخ کا بیان یا کفریات وغیرہ کا علانیہ بیان ہو میری نظر سے نہیں گزرا، لیکن ایسے عقائد کو مسلمان اپنے آپ کو بتلا کر لکھ سکتا ہی نہ تھا، بلکہ وہ تو مریدوں کو آزادی دینے اور خوف عاقبت سے بے خوف کرنے کے لیے کان میں راز خداوندی بتلانے کے رنگ میں بتلائی جاتی ہیں، جبکہ ہر شے خدا ہے تو خود خدا اپنی جزو کے لیے جیسے دنیا میں لکھوکھا انعامات میوہ جات اور لذات دیتا ہے مرنے کے بعد اپنے جزو کو آگ میں جلاتا اور کسی ایک مسلک پر نہ چلنے سے ابدی عذاب میں ڈال سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس سے آگے میں اقتباس بایزید کی کتاب سے لکھتا ہوں:

رسالہ صراط التوحید مصنفہ بایزید انصاری

معروف بہ پیر روشن و پیر تاریک پر تبصرہ

اس رسالہ کی تصنیف کو خود بایزید معروف بہ پیر روشن نے سن ۹۷۸ھ میں لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھتا ہے کہ جو کوئی اس کو پڑھ کر بہرہ مند ہوگا وہ اس پر عمل کرنے سے رازِ توحید سے بہرہ مند و مسعود ہوگا۔

اور اس رسالہ کے آخر میں پیر مذکور نے متعدد قسم کی روشنیوں کا ذکر کیا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اس کا نام پیر روشن خود اس نے موسوم و مشہور کرایا۔ کتاب فارسی میں لکھی ہے، جابجا عبارت عربی اور آیات قرآنی اور احادیث واقوال بزرگان نقل کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے اگر چاہوں تو میں بتلاؤں کہ بندے کن کن تاریکیوں سے اس کے مطالعہ سے نکلیں گے:

۱۔ تاریکی کفر سے ایمان کی روشنی میں نکلیں گے۔

۲۔ شرک ونفاق کی تاریکی سے توحید واخلاص کی روشنی میں نکلیں گے۔

۳۔ بدعت ومعصیت کی تاریکی سے سنت واطاعت کی روشنی سے خلاصی پاویں گے لکھتا ہے کہ جب تک کفار کفر کی تاریکی سے ایمان کی روشنی میں نہ آویں۔ اور مشرک شرک کے اندھیرے سے توحید کی روشنی میں نہ آئیں۔ اور

۴۔ متنازعین اہل اسلام اندرونی اختلافات کی تاریکی سے نکل کر حقیقی اسلامی وحدت کی روشنی میں نہ آویں۔ اور

۵۔ بدخوئی تنگ دلی کے عذاب سے نیک خوئی کی روشنی میں نہ آئیں گے تب تک نجات کے مستحق کماحقہٗ نہیں ہوسکتے۔

یہ حصہ ۵ تاریکیوں اور ۵ روشنیوں کا مذکورہ کے آخر حصہ میں خاتمہ کے قریب درج ہے۔

مصنف نے قرآنی آیات کو اپنے مقاصد کے مطابق کتاب خوبی سے مواقع پر چسپاں کیا ہے۔

سارے رسالے میں رازِ توحید کی تشریح کسی جگہ نہیں ملتی

لیکن علم حدیث اس زمانہ میں کم یاب تھا اس لیے اکثر مقولوں کو احادیث سمجھ کر لکھا ہے۔ اپنا نام بایزید مسکین لکھتا ہے۔ ابتدائے کتاب میں اپنی سوانح عمری مختصر لکھ کر آگے مباحث علمی کے طور پر اپنے مشن کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب ۹۷۸ھ میں اس نے تصنیف کی ہے مگر وفات اس کی غالباً ۹۹۹ھ میں ہوئی یا اس کے قریب قریب جب کہ یہ شخص ایک فرمانروا کے بمنزلہ بن چکا تھا۔ اپنے حالات اس نے ذیل کی عبارت فارسی میں لکھے ہیں۔ (سید عبدالجبار شاہ)

میں نے عوام سے خورد سالی میں سنا تھا کہ جب تک مسلمان کسی پیر کامل کے ہاتھ پر توبہ کر کے گناہوں سے کفارہ ہو کر زہد وتقویٰ مسنونہ بجا نہ لاوے تب تک اس کے اعمال صالحہ مقبول ومشکور نہیں ہوتے۔ پھر خود میں نے علماء زمانہ سے اس بارہ میں سوال کیا تو انہوں نے بھی ایسا ہی فتویٰ سنایا۔ لہٰذا میں کسی پیر کامل کی تلاش میں سرگرداں ومصروف ہوگیا۔ ناقصوں سے میرا اطمینان نہ ہوتا تھا اور کامل پیر ملتا نہ تھا۔ اس وقت میری عمر حد بلوغت کو پہنچ چکی تھی۔ میں نے ایک پیر کی صفات سنیں جو ہمارے قبیلہ انصاری میں سے تھا۔ اور وہ عبداللہ قاضی کا برادر زادہ تھا (عبداللہ قاضی مصنف کا باپ ہے) اس وقت میں اپنے آپ کو بدترین گناہ گار خیال کرتا تھا۔ ایک دن میں نے عبداللہ سے کہا (باپ سے) کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں توبہ کر کے راہ طریقت اختیار کروں، اور خواجہ اسماعیل کی طرف میرا عقیدہ متوجہ ہوگیا اس بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ عبداللہ نے (باپ) نے اپنی داڑھی ہاتھ میں پکڑ جواب دیا کہ میری یہ داڑھی تیری اس کے ہاتھ پر توبہ کر کے اس کا مرید ہونے سے مونڈی جاتی ہے اور میرا نام ذلیل ہوتا ہے، اگر تو اس کا مرید ہوگیا۔

پھر اس نے (عبداللہ) کہا کہ میرے باپ محمد کے ۱۲ بیٹے تھے ان میں سب سے علم و فضل میں میں ہی برتر تھا۔ اب اگر تو اسماعیل (میرے برادر زادہ) کے ہاتھ پر توبہ کر کے اس کا مرید ہوگیا تو دنیا خبردار ہو کر کہے گی کہ عبداللہ کا بیٹا خداداد کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کا مرید ہوگیا ہے، ایسا ہرگز نہ کرنا۔ ورنہ تجھے میرے گھر سے نکل جانا پڑے گا۔ میں نے کہا کہ خورد سالی میں تو نے مجھ کو طالب علم بن کر مسافرت اختیار کرنے سے بھی روک رکھا، حج کو جانے کے ارادہ سے بھی خود جا کر مجھ کو واپس کرا لایا۔ اب جو میں توبہ کر کے طریقت اختیار کرنا چاہتا ہوں، اس سے تو روکتا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر تجھ کو ایسا ہی شوق ہے تو حضرت شیخ

بہاء الدین ذکریا ملتانی کے سلسلہ کی بیعت میں داخل ہونے کے واسطے ملتان چلا جا کہ وہ قدیم و
مستند پیر خانہ ہے، زادہ راہ کی امداد بھی میں تم کو دوں گا اور شکرانہ پیر کے لیے رقم بھی میں دوں
گا۔ اور اس طرف جانے والے ارادت مندوں کے قافلہ کے ساتھ کر کے تجھ کو وہاں پہنچوا بھی
دوں گا۔

میں نے جواباً کہا کہ وہاں جانے والوں کو صرف خرقہ و زنبیل اور شجرہ نسب پیران
طریقت مل جاتا ہے جس سے میری سیری ہرگز نہیں ہوتی۔ مجھ کو تو استاد طریقت سے باقاعدہ
تعلیم کی ضرورت ہے۔ تم مجھے اسی شخص سے بیعت کرنے دو۔ ہر چند میں نے بہت کوشش کی
لیکن ہرگز اس نے اجازت نہ دی۔ پھر میں نے خود خواجہ اسماعیل کے پاس جا کر کہ بغیر بیعت
کے تم مجھ کو طریقہ زہد و ریاضت کا ایسا بتلا دو جس پر میں کاربند ہو کر مراد کو پہنچ سکوں۔ اس نے
بغیر از بیعت کوئی تجویز بتلانے سے انکار کر دیا۔ صرف یہ کہا کہ تم پاس انفاس کا شغل رکھا کرو۔
یہ بھی اسے پہلے سے معلوم تھا کہ میرا خود یہ شغل پاس انفاس کا پہلے سے عملاً جاری تھا۔ پھر میں
نے اس بارہ میں قرآن مجید کی طرف رجوع کیا کہ قرآنی حکموں پر عمل کروں اور خواجہ اسماعیل
اپنے مریدوں کو کم خوری، کم خوابی اور کم گوئی کی تلقین کیا کرتا تھا۔ میں نے بھی یہی وطیرہ از خود
اختیار کر لیا۔ عبداللہ (باپ) اس پر بہت خفا ہو گیا کہ تو نے کم خوری کم خوابی کم گوئی کیوں اختیار
کر لی ہے۔ میں نے کہا حج کو جانے سے بھی تو نے مجھے روکا اور طلب دین کے کام میں بھی مانع
ہوا۔ اب ریاضت سے روکتا ہے۔ میں اب اور نہیں سنو گا اور میں نے قرآنی حکم وَاِن
جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ پر عمل کرنا پسند کر
لیا۔ اور باپ مجھ سے سخت رنجیدہ ہو گیا۔ (اخوند صاحب نے اس موقع کی نسبت یا عقائد باطلہ
کے اظہار پر چھریوں سے زخمی کرنے کا لکھا ہے)۔ تب میں انہی ایام میں ایک مبشر خواب دیکھا
(جو بوجہ طوالت نقل نہ ہو سکا) اور اس خواب کے عالم میں خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔
اس نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں اپنا دین و ایمان ان سے متحد کر لینے کا عہد کر لوں۔ چنانچہ میں
نے اس کے ساتھ ایسا ہی عہد خواب میں کر لیا۔ ہر چند میں نے اپنے آپ کو نااہل کہا مگر اس
نے عہد مجھ سے لے ہی لیا۔ پھر میں اسی خواب میں ان کو اپنے گھر لے گیا۔ اس رویا کے دیکھنے
سے میرا دل خوش اور قوی ہو گیا اور میرا شوق محبت خدا میں بڑھ گیا۔ اس کے بعد میں بلند

مقامات کی سیر کی۔ اور قبرستانوں میں جا جا کر عبادت اختیار کی۔ بچپن سے اسم الیقین تک اور
پھر جوانی میں علم الیقین سے عین الیقین تک میں پہنچ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جملہ ذرات عالم
خدا تعالیٰ کی ہستی سے جدا شے نہیں۔ (ناظرین اس فقرہ پر بہت غور کر لیں۔ عبدالجبار) اور اسی
خیال کے مدنظر میں فقیروں اور عالموں کی صحبت کو بہت پسند کرتا تھا۔ چند سال اسی حالت پر
گزرے۔ پیر کامل کی تلاش کی طلب مجھ کو ہمیشہ رہی۔ مگر کوئی نہ مل سکا۔ اس کے بعد، حق تعالیٰ
نے خود مجھ پر تجلی کی۔ (کیفیت تجلی کی مجمل بھی نہ بتلائی) اور مجھ کو شرح صدر عطا کیا۔ میرا دل
کھول دیا۔ اور انانیت کا پردہ اٹھا دیا۔ اور عین الیقین تک مجھے دکھا دیا۔ قہر و رحم کو اس کے ساتھ
ایک جا دیکھا۔ آنکھوں سے اور دل سے بے مثل دیکھتا تھا۔ کوئی شے اس کی ہستی سے جدا نہ پاتا
تھا۔ اور ہر شے سے بجز حق کی تسبیح کے کچھ اور نہ سنتا تھا۔ اور میں نے جان لیا کہ مقام قرب تک
پہنچ گیا ہوں۔ اس وقت بھی مجھ کو پیر کامل کی طلب و تلاش بدستور رہی، مگر نہ پایا۔ لیکن عارفوں
اور صالحوں کی صحبت دل کو پسند تھی۔ تب علم سلوک کے مطالعہ اپنے آپ میں مشغول رکھا۔ مگر
عبداللہ (باپ) مجھے علم فقہ پڑھنے پر مجبور کرتا تھا، تا کہ مجھے قاضی بنوا دے۔ اور مجھ کو علم فقہ سے
نفرت اس وجہ سے تھی کہ اس میں مقدمات کے فیصلے کرنے اور ریاکاریوں رشوت ستانیوں کے
امکانات ساتھ لگے ہوئے تھے۔ قاضی بننے کی بجائے فقیری میں زیادہ امن تھا۔ چند سال اس
میں گزر گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی ایک سبب کی وجہ سے مجھ کو اسم اعظم تک پہنچا دیا۔
اگر وہ سبب بیان کروں تو بات لمبی ہو جائے گی۔ (اس جگہ اخفائے اصلیت کسی خاص قسم استاد
کے مل جانے کے راز سے خالی نہیں جس کا اظہار موجب بدعقیدگی سامعین کا ہو جانا ممکن و محتمل
تھا۔ عبدالجبار شاہ) پھر مجھ کو کہا گیا کہ اسم اعظم پڑھا کرو۔ تو مقصود اصلی حاصل ہو جائے گا۔ مگر
میں پڑھتا نہ تھا۔ اس لیے کہ اس کے پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اس کے بعد مجھ کو ہر چیز سے
آواز سنائی دینے لگی اور آواز میں وہی اسم اعظم کی آواز ہوا کرتی تھی۔ پھر اس کے بعد ایک
دوسرے سبب حق تعالیٰ نے مجھ پر ذکر و حلاوت پہنچا دی۔ اس ذکر میں میری ہستی پگھل رہی
تھی۔ اور ہر وجود کی ہستی کو خدا تعالیٰ کی ہستی کے ساتھ یک وجود کر کے دکھلا رہی تھی اور اس
حالت میں اس کی ہستی کو میں اس کے ساتھ یک وجود دیکھ رہا تھا۔ اور آواز اس کا اس سے سنتا
تھا۔ اور علامت، بی یسمع و بی یبصر و بی یاخذ۔ و بی یاکل و یشرب و یمشی کو اپنے آپ میں میں

نے دیکھا۔ ہر وجود کو معہ اپنے وجود کے اس (اللہ) کے ساتھ متحد یک وجود دیکھ رہا تھا اور ایسا ہی سمجھ بھی رہا تھا۔ اپنی ہستی کو فانی کر کے اس کی ہستی کو باقی پاتا تھا۔ (اس جگہ اسناد آیۃ ذیل لکھی ہے) یاایھا الذین امنوا اتقوالله وابتغوا الیه الووسیلة وجاهدوا فی سبیله الخ۔ مگر باوجود ان حالات کے ورود کے مجھ کو اب بھی پیر کامل کے ملنے کی تلاش بدستور رہی۔ الغرض آیات و احادیث و اقوال مشائخ و بزرگان کے شغل میں مشغول رہتا تھا۔ اور اپنا یہ سب احوال لوگوں سے چھپایا کرتا تھا۔ اس کے بعد پھر میں نے خضر علیہ السلام کو دوبارہ خواب میں دیکھا۔ اس وجہ سے پھر مجھ پر اثر ہوا کہ شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت و قربت و وصلت کے مدارج سے خبردار ہو گیا۔ جہالت کی حالت میں بھی مجھ پر اشارات ہوئے تھے کہ اگر اسم اعظم آغاز کروں تو منزل مقصود تک پہنچنا آسان ہوگا۔ مگر میں وہ عمل کر نہ سکا تھا۔ اس کے بعد ایک اور شخص نے میری نسبت خواب دیکھی! جو بوجہ طوالت ترک کی گئی۔ اس نے سنایا کہ تجھ کو اس سال معفت پہنچے گی۔ پھر اس کے بعد میں نے خود بھی ایک خواب دیکھی کہ ایک شخص ع ج نے مجھ کو ایک کتاب دے کر کہا یہ تیرے بزرگوں کی میراث ہے۔ اللہ نے اسے تجھ کو پہنچا دیا ہے۔ میں نے ہاتھ میں لی تو وہ بہت بھاری تھی جس کے آخر میں سرخی سے کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔ جس کے حروف سونے سے موٹے لکھے ہوئے تھے اسے میں نے بند کر کے رکھ لیا۔ اس کے بعد دیکھا کہ میری بغل میں قرآن ہے۔ تب اسے میں نے رکھ دیا۔ پھر اسی خواب میں ایک صحرا میں میں نے ایک آبادی دیکھی جس میں ایک قافلہ آ کر داخل ہوتا تھا دوسرا قافلہ وہاں سے رخصت ہوتا تھا پھر ایک کوا کتاب اڑا کر لے گیا۔ اور میں اس کی تلاش میں نیند سے جاگ گیا اور میں ڈرا کہ کہیں یہ علم واپس نہ چھین لیا جاوے۔ اس پر بہت دل تنگ تھا کہ کسی مصیبت میں نہ پڑ جاؤں۔ اسی غمگین حالت میں میں تھا کہ آواز سنائی دی۔ دیکھا تم نے خواب میں وہ کیا کچھ تھا پھر کہا گیا وہ قرآن پر حملہ کرنے والا کون ہے۔ میں نے جواباً انکار کیا۔ بسم اللہ و کلمہ توحید کا نام ہے خدا تعالیٰ کا جو قرآن کی مانند ہے۔ وہ دل ہے وہ صحرا زمین ہے اور قافلے دو جانے والے۔ وہ ایک دنیا میں پیدا ہونے والوں کا قافلہ ہے دوئم دنیا سے جانے والوں کا۔ زاغ شیطان ہے۔ دل کی حفاظت سے بے فکر نہ ہونا۔ اس نصیحت کے سننے سے میری پریشانی کم ہوئی گئی اور دل میں فرحت آ گئی پھر محبت و شوق نے مجھ پر غلبہ کیا اور میں

ہر کر سکا۔ میں نے دوبارہ اس زور سے نعرہ لگایا جس سے بعض نزدیکی سوئے ہوئے جاگ گئے۔ اس رویا کے بعد صبح اٹھ کر میں نے وضو و غسل کر کے صبح کی نماز پڑھی اور ظہر کے وقت اسی خواب کے فکر میں مستغرق رہا۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تجلی کی جو توحید کی تھی اور مخفی اذکار سے مجھ کو خبردار کر دیا۔ جو میرے دل میں پوشیدہ تھے، وہ خدا پاک نے مجھ ظاہر کر دیئے، مگر میں اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل ہرگز یقین نہ کرتا تھا۔ اس وجہ سے ان کو اپنے پر چسپاں نہ کرتا تھا۔ اسی وجہ سے کہ نہ میں زاہد و پرہیزگار ہوں نہ عابد فرمانبردار ہوں۔ نہ عالم و خبردار ہوں، نہ غنی، نہ خواجہ، نہ مالک ملک بلکہ ایک بد بخت بندہ ہوں اور بد خو گناہگار ہوں۔ کاش یہ نعمت کسی عابد زاہد عالی غنی حسین و خوش حال کو ملتی۔ واللہ! یہ بات سچ ہے اخلاص کہتا ہوں۔ سننے والو اعتبار کر لو۔ پھر خیال آیا کہ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے کی ہر کسی سے زیادہ واقف و خبردار ہے وہ دانا بینا ہے۔ یہ نعمت اس نے میرے لیے پسند کی پھر شکر و حمد ادا کی کہ یہ نعمت باطنی مجھ کو نصیب ہوئی جس کا نام توحید ہے جسے میں جانتا ہی تھا۔ اس پر مجھے آگاہ کیا گیا۔ پھر اس کے بعد متعدد خوابیں دیکھیں۔ جس کا بیان اکثر کسی سے کیا۔ پھر تیسری بار اللہ کی طرف سے تجلی ہوئی یہ تجلی بھی توحید کی تھی (اس تجلی و حصول توحید و توحید کے حصول کے معمہ کو معمہ ہی رکھا کچھ نہ بتایا۔) اور ایک اور ہی نعمت سے باخبر کیا۔ پھر ایک اور خواب میں پاک شراب (شراب طہور) کا پیالہ مجھے دیا گیا کہ یہ ع ج خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ میں نے اس وقت پاس بیٹھے ہوئے ایک دوسرے بزرگ کو اپنے سے بہتر کر پیش کر دیا تا کہ وہ پی لیوے۔ اس نے مجھے پر واپس کر دیا۔ میں نے اسے کہا شاید یہ آپ کا حصہ ہو مجھے غلطی سے دے دیا گیا ہو۔ اس نے کہا خدا کی طرف سے لانے والے غلطی نہیں کر سکتے، بلکہ یہ حق تمہارا ہی ہے۔ تب میں نے اسے پی لیا۔ تو اس سے دل کو راحت ملی۔ و نفس تکبر میں ہو گیا۔ میں نے مذکورہ خوابوں کے بعد مزید واقعات کی امید رکھی۔ لیکن چند بعد تک کچھ ظہور نہ ہوا۔ اس لیے میں نے پسند کیا کہ میں اب خود خلوت گزینی اختیار کروں اور پرہیزگاری کم خوابی کم خوری اختیار کروں۔ تب شہر سے باہر میں نے ایک خلوت منتخب کیا۔ پنجشنبہ کے دن جمعہ کی رات اس جگہ جا کر اسی اسم اعظم کا ورد شروع کیا اور پڑھتا مگر بعض دوستوں نے وہاں سے اٹھ آنے پر مجبور کیا۔ تب اپنے گھر پر چلہ داری کا کام شروع

کر دیا۔

اس کے دو دن بعد مجھ پر اللہ نے تجلی فرمائی جو اسرار کی تھی۔ اور ہر قسم کے شرک سے اس نے مجھے پاک کر دیا۔ اور مخلوق کو میں نے شرک میں آلودہ اور پلید شدہ دیکھا۔ انما المشرکین نجس۔ اس کے بعد پھر اللہ کی طرف سے تجلی ذات وصفات کی ہوئی۔ چنانچہ اس کی صفت کو میں نے اپنی ذات پر حیات وباقی دیکھا۔ اس روز اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایسے مقام تک پہنچا دیا جہاں ہر گونہ شرک سے باہر نکال دیا گیا۔ یہ حالات میں کسی پر ظاہر نہ کرتا تھا۔ مجھے میری بی بی نے کہا گزارہ تجارت پر تھا۔ اب تم جو تارک دنیا ہو گئے ہو تو گزران کس طرح چلے گی۔ اور جب اس نے بار بار یہی معاملہ پیش کیا تو میں گھر سے تجارت کے ارادہ سے قندھار کی طرف چلا گیا۔ وہاں بھی مجھے پیر کامل کی طلب وتلاش بدستور جاری رہی۔ مگر کوئی نہ ملا۔ (یہ تلاش پیر کی طلب اللہ تعالیٰ کی بار بار تجلیات کے ظہور کے بعد بھی پیاس کی مانند قائم رہ کر نہ مل سکنے پر مایوسی کا اظہار کچھ عجیب لا ادریت کا معاملہ ہے ع ج) انجام کار تجارت میں خسارہ ہوا۔ وہاں کے ظالم امیر نے ہم سے پانچواں حصہ مال ضبط کر لیا۔ تب مجھ پر آواز ہوا کہ تو اسم اعظم پڑھنے کے باوجود ظالم بندوں کی خوشامد کرتا ہے۔ اب واپس جا کر اپنے گھر پر پانچ سال کے لیے خلوت گزینی اختیار کر لے اور تم کو ذکر وفکر میں آئندہ عمر گزارنی ہو گی۔ گھر جب واپس آ کر پہنچا تو گھر میں ہی زمین دوز خلوت گاہ بنالی۔ خوف ورجا کی حالت میں رہا کرتا تھا اور کسی کو اس کی خبر نہ ہونے دی۔ صرف ضروریات بشری اور وضو کے لیے نکلا کرتا تھا ادھر نفس نے مقابلہ جاری کر دیا کہ مال کہاں سے لاؤ گے۔ عیال اطفال نفقہ وپوشش مانگیں گے۔ تب میں نے عیال سے کنارہ گیری اختیار کر لی اور اسم اعظم کی وردخوانی اختیار کر لی۔ تب یہ دنیا میرے سامنے ایک عروس کے مانند بن کر لائی گئی۔ دنیا بھر کی ہر ایک خوبی ایک ایک نقش اس کی گردن والے طوق میں نمایاں تھا۔ طمع نے واویلا مچایا کہ میرا پیٹ خالی ہے۔ سب قسم کی متعارض خواہشات نفسانی مجھ کو اس کام سے روک رہی تھیں۔ مگر میں نے تمام تخیلات کا مقابلہ ومخالفت کی۔ بعد ازیں مجھ کو خواب میں اور بیداری میں بھی کہا گیا کہ جو کوئی تجھ سے فائدہ لینے آوے اس کو توحید کی راہ بتلایا کر اور شرک خفی سے سب کو نکال (یہ شرک خفی وتوحید صحیح کچھ ایسا معمہ ہے جو قابل بیان نہ سمجھا گیا، بلکہ کان میں بتلانے کا راز ہی رہا۔ عبدالجبار شاہ)

اس کے بعد لوگوں کو میں نے معلوم کرایا کہ اس غرض سے آنے والوں کو میں نے مجاہدہ کی شرط پوری کرنے پر رہنمائی کا وعدہ دیا وہ اطاعت قرآن وحدیث کے تحت ان کو ہدایت دیا کروں گا۔ اور وہ شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت وقربت ووصلت وعلم توحید سے خبردار ہوں گے۔ (حالانکہ پیر کامل تو آپ کو ملا ہی نہیں اور نہ علم سلوک کی منازل کسی پیر نے طے کرا کر تمام راستوں سے آگاہ کر دیا ہو جس کی تمنا اور پیاس خود آپ کو موجود ہے) اور شرک کی نجاست سے تب وہ لوگ پاک ہوں گے اور پھر تب ان کے حسنات وعبادات مقبول ہو سکیں گے۔ اور راحت اور نور کی وجہ سے ظلمت کفر وغفلت وعمیت سے باہر نکلیں گے وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور سن کر جن لوگوں نے مجاہدات اختیار کر لیے وہ منزل مقصود تک پہنچ گئے اور بعض انکاری ہو گئے۔ چند سال میں اندوختہ مال ختم ہو گیا۔ اہل خانہ نے سنایا کہ دو چار دن کا صرف رزق باقی ہے میں نے ان کو تسلی دی کہ رازق خدا ہے۔ لو ستقاموا علی الطریقة لاسقیاهم ماء غدقا لنفهم فیه ط پانچ دن ہمارے گھر کچھ نہ پکا تھا۔ تو پکا ہوا طعام اللہ نے ہمارے گھر بھیج دیا تھا۔ ایک دن بھی بغیر خوراک نہیں گزرنے دیا۔ اب (جبکہ) اکیسواں سال ہے مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کسی سے میں نے کوئی شے طلب کی ہو یا دنیوی کمائی کا کچھ کام میں نے کیا ہو۔ اور نہ کبھی رزق وضروریات زندگی میں کمی واقع ہوئی ہو۔ اس اثنا میں مجھ کو الہام ہوا کہ ایک رسالہ لکھ کر سلاطین وامراء کو بھیج دو تا کہ علم توحید مطلق کا شہرہ سب لوگوں پر ظاہر ہو جائے اور تجھ سے فیض حاصل کریں۔ اسی لیے میں اس رسالہ (صراط التوحید) کے مخاطب سلاطین وامراء کو میں نے ٹھہرایا ہے اور اس کی تصنیف ۹۷۸ھ میں کی گئی ہے[1]

راقم مسکین بایزید انصاری معروف بہ پیر روشن فقط

[1] مذکورہ بالا سوانح عمری خود نوشتہ پیر مذکور مفصل نقل واخذ کر لینے کے بعد وہ قلمی رسالہ اس وقت عجائب گھر پشاور میں موجود ہے۔ میں نے سب کا مطالعہ کر لیا ہے مگر راز توحید مطلق اور شرک خفی وجلی سے نکلنے کی کوئی ترا کیب کوئی نسخہ کوئی طریقہ بیان شدہ میں نے اس میں نہیں پایا اور حیرت ہوتی ہے کہ یہ بلند بانگ دعوے تعلیم توحید مطلق آخر کس عمل پر کہاں سمجھا جاوے اور یہ قلع قمع شرک خفی وجلی اس شرک کو کیونکہ شناخت ومعلوم کر کے کس طور وطریق وکس قسم عمل سے کیا جاوے کس قسم عقیدہ مشرکانہ کو شناخت کر کے اس سے بیزاری اور اس عقیدہ وطریقہ کے اختیار کر لینے سے توحید مطلق کا

چونکہ اخوند صاحبؒ نے سلسلہ کلام میں حضرت امام الاسلام سید علی ترمذی کے حالات ادھورے بیان کر کے ان کی وفات کا ذکر لکھنے سے پہلے ہی پیر تاریک کے حالات آخری انجام تک بیان کرتے لے گئے جو حضرت کی وفات سے بہت بعد کا زمانہ تھا۔ پھر اخوند صاحب نے حضرت کے بیان کی طرف رجوع کر کے حضرت کا نسب نامہ لکھ کر پھر لکھا ہے کہ ہر گاہ یہ دنیا دائمی استقرار کی جگہ نہیں اور ہر نفس نے موت کا پیالہ پی کر اس راستے سے گزرنا ہے۔ لہٰذا آپ نے ۹۹۳ھ میں اپنے انفاس قدسی سے اس دنیا کو خالی کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت کی وفات کے بعد شہنشاہ اکبر کی افواج قاہرہ نے ممالک قبائل یوسف زئی پر چڑھائی کر کے اس مملکت کو ویران اور کبرائے ملک کو گرفتار و بندی کیا تھا۔ ایک جگہ لکھا ہے واقعہ اسی پیر کی اتباع میں بعض میدانی علاقوں کے یوسف زئیوں کا اس کی اطاعت اختیار کر لینے کا جرم عظیم ثمرہ لایا کہ لوگوں پر عذاب نازل ہوا اور حضرت کی تعلیم نہ ماننے کی سزا ملی بعض خشک کے ساتھ تر لکڑی بھی جلی اور استقامت پر ڈٹے رہنے والوں کی برکت سے آخر مصیبت

حصول حاصل ہو سکتا ہے۔ اس رسالہ میں اس کی تفصیل وتشریح کسی جگہ نہیں پائی جاتی۔ البتہ کل عبارت پیر مذکور میں خط کشیدہ نشان کے نیچی عبارت سے خالق ومخلوق کی وحدت تامہ کاملہ کا عقیدہ ظاہر ہو رہا ہے اور مدار دعوٰی بے علانہ خوش عقیدگی سے خوابوں میں خضر علیہ السلام کے دیکھنے سے شروع کر کے اسم اعظم پا لینے کا اعادہ ہوتے ہوئے آخر دم تک پیر کامل انسان کی طلب وتلاش کی پیاس بدستور رفع شکوک کیلئے بحال ساتھ چلی جاتی ہے۔ اس بارہ میری تصنیف کتاب الاثبات فی وجود...... من الایات البینات میں باب الشیطان میں نہایت نہایت وضاحت کے ساتھ عبارت النص قرآنی کی رو سے شیاطین کا عمل عباد و زہاد بے علم بے خبر کے ساتھ قسما قسم طریقوں سے انکو اپنا آلہ کار بنا لینے کی تفصیلات پر جو درج ہیں۔ ان سب کا مقصد ذات وصفات خداوندی کے بارہ میں عابدوں زاہدوں سے اصولی غلطیاں کرانے کیلئے اصلی وحی والہام کی نقل مطابق اصل پیش کر دکھانا اور ذات وصفات ربانی کے نسبت مغالطوں میں ڈال کر جب ہر ایک بندہ کو اپنی ذات میں اور کل ذرات میں وجودی طور پر خدا تعالیٰ کی شرکت وحلول واتحاد کا عقیدہ محکم ہو جائے تو پھر جزو خدا کے لئے کونسی چیز موجب خطرہ یا خوف یا موجب ممانعت ہو سکتی ہے۔ اباحت کا مذہب اسی جگہ سے چلتا ہے اس جگہ میں نتیجہ اخذ کرنا ہر ایک ناظر کے ذوق سلیم پر چھوڑتا ہوں۔ البتہ یہ سب حالات پیر مذکور کے حالت زاویہ نشینی کے ہیں مگر جب آگے چل کر اس کی لمبی تاریخ روشنی میں موجود ہے۔ اس پر غور وخوض کرنے سے خود عقیدہ وحدۃ الوجود کے ثبوت کے علاوہ ثمرۂ عقیدہ مذکورہ اباحت گناہ ومظالم ومقالات وتحلیل محرمات ہی فعلاً ثابت ہوتا ہے۔

(واللہ اعلم وعلمہ اتم سید عبدالجبار شاہ)

ملی اور پھر اپنی املاک پر آبادی نصیب ہوئی۔ پھر درویزہ صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت نے تمام زندگی میں اس مملکت میں دائمی قیام کا ارادہ نہ کیا تھا۔ بلکہ ہر سال تہیہ کرتے تھے کہ عیال و اطفال لے کر وطن کو جائیں، لیکن یوسف زئی جمع ہو کر کچھ مدت تک بمنت روک لیتے۔ ہر گاہ آپ کی خاک پاک اس وطن سے تھی۔ لہٰذا وطن جانے کے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔

پھر لکھا ہے کہ تمام دنیا میں دینِ محمدی ضعیف حالت میں خواہ سلاطین اسلام کے ماتحت ہو مگر فی الجملہ اس قطعہ ملک میں آپ کے انفاس قدسی کی برکت سے پابندی شریعت و پیچ ... اسلام کا چرچا دیگر ممالک سے زیادہ بہتر حالت میں ہے۔

اخوند صاحب نے اپنی ایک پشتو کی ضخیم کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے، کیا ہی خوش نصیبی یوسف زئی قبیلہ کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک ولی اللہ نے ہندوستان سے ایک غوث کو ان کی اصلاح کے لئے بے حد یا جس کی نظر سنگِ پارس تھی اور یہاں جن لوگوں اور جس قوم پر وہ نظر پڑی اسکو صاف سونا بنا دیا۔

پھر لکھتا ہے کہ اس تمام قوم کو حضرت نے حق و باطل میں تمیز کرنا سکھلا دیا ہے اور ان کی ... کی اس نورانی تعلیم سے ملکر ملک میں دینداری کی رونق کا موجب ہوگئی ہے اگرچہ ... نفسانی سے گمراہی میں بڑھ چکے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے پھر انکو راہِ راست پر آ جانے کی ... آپ ہی کی برکت سے بخش دی۔

حضرت کی وفات کے بعد آپ کی اولاد شریف بھی اپنے آباؤ اجداد کے قدموں پر گامزن اور قائم ہے اور اللہ تعالیٰ سے بندہ امید کرتا ہے کہ حضرت کی اولاد کو ہر گز مائل بدعت ... نہ ہونے دے گا اس لئے کہ آباؤ اجداد سے لے کر آج تک یہ خاندان ہمیشہ سے جادۂ شریعت محمدی پر قائم چلے آئے ہیں۔ نیز حضرت مخدوم نے یہ امر محسوس کر لیا تھا کہ سادات کے گمراہ ہونے کے دو اسباب ہیں:

اول یہ کہ وہ شرف نفس و ذات کے غرور میں اپنے آپ کو پاک و برتر جان کر عمل صالح میں کوتاہی اور غفلت میں پڑ جاتے ہیں اور اس طور سے غرور نفس کی وجہ سے اعمال صالحہ سے عاری و بے دولت رہ جاتے ہیں۔

دوم سبب سادات کے بے راہی کا سلف بزرگوں کے تنازعات میں پڑ کر جن کا فیصلہ

اپنے وقت پر جیسا اللہ نے چاہا ہوا اور اب اس وقت کے جھگڑوں سے وہ واقعات یا کسی قسم کی کامیابی ہاتھ آسکتی ہے بجز امت کی تفریق اور بے کار جھگڑوں کے جن سے دل سیاہ ہو جاتا ہے خشیت وخوف خدا کو غیض وغصہ دل سے ہٹا دیتا ہے اس کی جگہ دنیوی جھگڑے لے لیتے ہیں۔

اس بارہ میں ہمارے اسلاف کرام اور اولیاء اللہ نے جو وطیرہ اختیار کیا تھا وہ ہمارے سادات نسل کے لئے مشعلِ راہ ہے کہ دنیوی سلطنت پر تھوک دیا، مگر باطنی سلطنت اور روحانی برکات تمام اُمت پر انہوں نے تقسیم کیں۔ اور اصل ثمرہ اسلام یعنی معرفت الٰہی کے خزانہ سے خود بھی معمور رہے اور تمام عالم کو بھی سیراب کیا۔ وہی طریقہ سادات کے لئے مشعلِ راہ ہے کہ صالح عمل سے ان برکات کا ورثہ حاصل کریں اور امت محمدیہ کو اس نعمت سے فائدہ پہنچاویں۔ یہی نصیحت اور وصیت حضرت کی اپنی اولاد کو تھی جس پر وہ سب قائم و مستقیم ہیں اور انشاء اللہ رہیں گے۔

فصل سوئم

جس میں اس عہد کے مختلف حالات مندرجہ تذکرہ اور پیران گمراہ کی فہرست

اخوند درویزہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ یوسف زئی اس اندرونی تقسیم کی رو سے دو قبیلوں پر منقسم ہے ایک کو یوسف زئی دوئم کو مندان کہتے ہیں۔ دراصل یوسف اور عمر دو حقیقی بھائی تھے۔ عمر کا صرف ایک بیٹا مندن تولد ہوا اور وہ خورد سال ہی تھا کہ عمر فوت ہو گیا۔ مندن چھوٹی عمر میں یتیم رہ گیا۔ اس کی والدہ سیدہ اور بہت صالحہ تھی اور پرورش مندن کے چچا یوسف نے کی یتیمی کے چچا مند پر اپنی اولاد سے زیادہ شفقت کرتا تھا اور جب جوان ہوئے تو یوسف کے اپنے پانچ بیٹے تھے۔

یوسف وعمر نصف نصف کے حقدار تھے۔ لہٰذا یوسف نے اپنی املاک اور جائیداد سے نصف حصہ اپنے پانچوں بیٹوں میں تقسیم کردی اور نصف اکیلے مندن کو دی۔ چچا بھی معناً باپ ہوتا ہے اور مندن کی پرورش بھی یوسف نے کی تھی اور بظاہر یوسف کے پانچ بیٹے اپنے ایک برادرزادہ مندن چھواں۔ اسی کے بیٹے شمار ہوتے تھے۔ لہٰذا ان سب کو یوسف زئی کہا گیا اور چونکہ اندرونی املاک کی تقسیم میں پانچوں کے برابر ایک مندن کا حصہ تھا۔ لہٰذا گھر میں یوسف اور مندن دو ناموں سے دو قبیلے شمار ہوتے ہیں۔

درویزہ صاحب اپنا تجربہ بتلاتے ہیں کہ تقویٰ اور صلاحیت اور سعادت مندی کی دولت میں قبیلہ یوسف زئی نہایت جوہر قابل کے مالک ہیں مگر فتنہ اور شورش اور گمراہی، جنگ ہوئی خانہ جنگی اور ابتلا میں زیادہ مبتلا ہونے والے یوسف زئی اکثر مندن قبیلہ میں ہوتے رہے ہیں۔ یوسف زئی اگر غلط راہ بھی اختیار کرلیں تو اہلِ صلاحیت کے سمجھانے سے راہ راست پر آجاتے ہیں۔ مگر مند زئی جس طرف بہک گئے کل قبیلہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے ان میں جہل

وضدیت اور شوریدہ شری زیادہ ہے، چنانچہ اس زمانہ میں پیران گمراہ اور بے راہ لوگوں کا زور زیادہ تر مند قبیلہ میں پھیلا ہوا تھا اور پیر تاریک کی اطاعت میں بھی یہ قبیلہ پیش تھا۔ مگر انجام کار یوسف زئیوں نے اصلاح قبول کر کے تمام قبائل افغانیہ کو بھی اور مندنوں کو ہی اس بے عقیدتی سے خلاصی نصیب ہوئی۔

میں عبدالجبار شاہ بھی اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی رو سے کہتا ہوں کہ اخوند صاحب کا مقولہ صحیح موازنہ ہے۔ ہمارے نزدیک زمانہ میں دو عظیم الشان فتنے مذہبی اس قبیلہ مند میں واقعہ ہو چکے جس کا ذکر خود آگے آئے گا اور وہ بہت زہرہ گداز واقعات ہیں جو قبیلہ مند میں واخل سمہ میں ہوئے جو اب ضلع مردان کا پرگنہ ہے۔ ان کے ہاتھ سے سید احمد غازی بریلوی مہاجر ہند اور ہندی مجاہدین کے نیکوکار علماء صلحاء کو قریہ بقریہ اور شہر بشہر ۱۸۳۰ء میں اس مندن قبیلہ کے فرقوں سے ۱۴ صد نفر کو بے گناہ قتل و شہید کر دیا جو ہندوستان سے ہجرت کر کے سکھ سلطنت کے مقابلہ کے لئے قیام جہاد کو آئے تھے۔ یہ ایسا سیاہ داغ ظلم کا ہے جو قیامت تک مندن قبیلہ کے چہرے سے نہیں ڈھل سکتا اور جس قدر بھی اسلامی تاریخ روشنی میں آوے گی۔ اسی قدر یہ داغ تابانی حاصل کرے گا۔

دوئم حضرت سید امیر صاحب عالم و پیر صاحب کوٹھہ بھی مندن قبیلہ میں تھے۔ کہا جائے گا کہ اُن پر تو یوسف زئیوں کے پیر اخوند صاحب نے فتویٰ دے کر انکو وہابی قرار دیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اخوند صاحب کو اسی سمہ اور مندن علاقہ کے علماء نے جا کر اکسایا جن کی سابقہ رنجش ملا صاحب کوٹھہ کے ساتھ تھی۔ اور دو ہزار علماء اسی علاقہ کا لشکر بن کر ملا صاحب کے خلاف سوات کے علماء کو لے کر موضع بام خیل باجہ میں جمع ہوئے تھے اور اس فتوی سے سینکڑوں علما اور قبیلے مصیبت میں آلودہ ہوئے۔ بیسیوں قتل ہوئے جن میں ایک جید عالم صاحب تصانیف کثیرہ صاحبزادہ عبدالرؤف بھی شہید کیا گیا۔ جو پیر صاحبزادہ عبدالقیوم کا والد ماجد تھا۔

یہ فتنے تو مذہبی تھے مگر سیاسی امور میں بھی یوسف قبیلہ اب تک مندن قبائل سے زیادہ متدین اور سنجیدہ اور پختہ کار ہے۔ مگر مندن قبائل زیادہ مشتعل مزاج اور شوریدہ سر ہیں اور گورنمنٹ سرحد کے باقی پانچ بڑے بڑے اضلاع میں جس قدر قتل و بدامنی کی وارداتیں ہوتی ہیں۔ اس سب کے برابر اس چھوٹے ضلع مردان جو ایک سب ڈویژن تھا۔ قتل اور بدامنی کی

وارداتیں اس زمانہ تک بہت زیادہ ہوتی رہتی ہیں اور یہ قبائل بہت زیادہ مشتعل مزاج بدخو جنگجو واقع ہوئے ہیں۔ یہ حالت اب تک اس قبیلہ کی موجود ہے۔ عبدالجبار شاہ)

اخوند صاحب نے لکھا ہے کہ یوسف زئیوں میں کم و بیش علماء صوفیائے وطن خالی رہا۔ چنانچہ ملا کاکن فرقہ الیاس زئی میں گزرا ہے اور ملا شاہ خان بھی اسی قبیلہ میں سے تھا جس کے بعد ہمارے مخدوم سید علی ترمذی نے بھی اسی قبیلہ میں ابدی قیام اختیار کر لیا اور آپ کی اولاد اصفیاء بھی اسی وطن سے منتشر ہوئے جو اپنے آباؤ اجداد کے صراط مستقیم پر قائم و دائم ہیں۔ خود ملا درویزہ صاحب بھی اسی قبیلہ الیاس زئی کے رہنے والے تھے۔

آپ کا مدفن پشاور شہر کے شمال مشرق گوشہ میں مشہور ہے جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یوسف زئی و مہمند زئی یعنی ہشت نگر وغیرہ کے اطراف سے پیر تاریک کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش میں اس طرف کی سکونت اختیار کر لی تھی اور انکو اس بار میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ پیر مذکور کا اب ایک پیرو یا طرفدار کسی جگہ نہیں ملتا اور اسکی تصنیف خیر البیان کا ایک نسخہ بھی کہیں دستیاب نہیں ہو سکتا۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص خراساں سے آیا تھا جس نے موضع چکدرہ میں مندن قبیلہ میں اقامت اختیار کی تھی۔ (اس وقت تقسیم مندن یوسف کی مشترک تھی۔ مندن سوات کو تبدیل ہو جایا کرتے تھے اور یوسف سوات و بونیر سے سمہ یعنی میدان ضلع مردان میں آجایا کرتے تھے مگر بعد میں ان کی تقسیم دائمی ہوگئی۔ مگر یوسف زئیوں کے اندر باہمی تقسیم اب تک جاری تھی۔) یہاں اس نے شادی کر لی اور وہ شیعہ عقائد کا تھا جس نے اکثر لوگوں کو علی پرست بنا دیا اور خلفائے ثلاثہ کے دشمن اور بدزبانی کرنے والا ساتھ ہی ساتھ ریش تراشی نماز روزہ سے لاپرواہی اور شراب نوشی جیسے حرام کاموں میں بھی ان کو لگا لیا تھا۔ نام اسکا پیر پہلوان تھا۔ پھر بعد کسی وقت قبائل مندن نے جمع ہو کر اس شاخ کو جن میں پیر پہلوان مقیم رہا تھا۔ اور وہ لوگ اس کے معتقد تھے۔ کافر خیل نام سے موسوم کر دیا۔ جو اب تک اسی نام سے پکارے جاتے ہیں۔ (یہ شاخ قوم ابازی علاقہ پٹاؤ موضع چڑوائی میں اس وقت مقیم ہیں۔ ان کے دونوں نام اب تک مشہور ہیں۔ پیر خیل و کافر خیل دونوں اسی پیر کی طرف منسوب ہیں۔ اس وقت بھی اس فرقہ میں خانہ جنگی و برادرکشی بے حد زیادہ ہے۔ ہمارے آستانہ سے ان کا مسکن بیس میل فاصلہ

سے زیادہ نہیں۔ عبدالجبار شاہ)

اس پیر پہلوان کا مدفن بھی چکدرہ میں ہے۔

اخوند صاحب نے ایک عجیب روایت چکدرہ کے رہنے والوں کی زبانی یہ لکھی ہے کہ جب پیر مذکور مرگیا اور قبر میں اتارا تو چشم دید گواہ کہتے تھے کہ قبر اس پر اس قدر تنگ ہوگئی کہ دفن کرنے والوں پر ہیبت اور خوف طاری ہوگیا اور کسی طرح مٹی ڈال کر چھپا دیا۔

دوسرا لال شہباز قلندر نام ایک شخص خالی شیعہ مندن لوگوں میں آ کر مقیم وسکونت دار ہو گیا۔ اور یہی راہ ورسم موضع لنگر کے باشندوں کو سکھا دیا۔ جب شہنشاہ اکبر کی فوجیں اس ملک میں آگئیں تو لنگر کا نام لنگر کوٹ رکھ دیا اور پیر موصوف کا مزار جو لنگر میں تھا اس کا نام شاہ باز گڑھ رکھ دیا۔ حالانکہ یہ شخص بھنگ نوش ملنگ فقیر تھا، مگر جب اس جگہ اس نے قبیلہ والا دلازاک میں سے فرقہ بچکوئی میں اقامت کر کے مرید کافی بنالیے تو بادشاہی کا سودا دل میں پیدا ہوگیا اور اپنے مریدوں کا لشکر لے کر اس نے علاقہ ڈھوک پر حملہ کر دیا۔ جو قبیلہ تنولی کا ملک ہے اور کوتل داہند میں تنولیوں کے ہاتھوں سے مقتول ہوا جس کو لنگر میں لا کر دفن کیا اور اب تک اس کی مدفن کی پرستش قبیلہ مندن کرتے ہیں۔ (یہ ڈھوک جو اخوند درویزہ صاحب کے وقت تنولیوں کا ملک تھا، مواضعات چنگی سوادی وکاڑہ وغیرہ کا علاقہ ہے جو ۱۰۲۱ھ میں تنولیوں کا ملک تھا، مگر اب وہ قبیلہ مندوخیل کا ملک ہے۔ یوسف زئیوں کے بادشاہ علی اصغر نے کوہ مہاجرین ومضافات کو فتح کر کے تنولی قوم سے لے کر یوسف زئی علاقہ میں شامل کر دیا تھا۔ جو اب تک قبائل مندن کے قبضہ میں ہے ۱۹۰۷ کے بعد سے ۱۹۲۳ تک نواب سرخاں زمان خان والی مملکت تنول وریاست امب کے عہد میں یہ قدیم تنول کے مملوکہ علاقے (میں) عبدالجبار شاہ نے فتح کر کے املاک تو اقوام سے لئے مگر محرہ سہ ریاست امب میں شامل کر لئے جن کا ۱۹۲۳ و ۱۹۲۴ میں والئی سوات میاں گل شہزادہ عبدالودود نے ریاست سوات سے الحاق کر لیا۔

اس نام نہاد قلندر کے مزید حالت اخوند صاحب نے یوں لکھے ہیں کہ اپنے مریدوں کو نمازوں سے حکماً منع کرتا تھا۔ اور حضرت ولی اللہ سید محمود علیہ الرحمہ کی ہڈیاں اس کی قبر سے نکلوا کر پھینک دیں ان کے مقبرہ کو مجلس خمر خواری کا میخانہ بنایا تھا اور مریدوں سے کہا کہ میرے مرنے کے بعد میری خواب گاہ اسی جگہ ہوگی اس کے بعض مرید جوگی تھے انکو فروخت کر کے

ایک سیاہ ابلق گھوڑا خریدا کہ میں عنقریب بادشاہ بنایا جاؤں گا۔ تب مریدوں کو لے کر تنولیوں کے ملک پر حملہ کر دیا۔ جہاں وہ درہند کے کوتل میں مقتول ہوگیا۔

سوئم پیر طیب، جو خلجی افغانوں میں سے تھا، مگر عقیدۂ تناسخ کا قائل تھا اور تمام غیر شرعی کاموں کا جواز سکھاتا تھا۔ وہ بھی اسی مندن قبیلہ میں تھا۔ جب ہمارے حضرت یہاں پہنچے تو آپ کا نام سُن کر ہزارہ کو بھاگ کر چلا گیا جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس کا فرار ہمارے حضرت کے اس ملک میں قیام کا موجب ہوگیا۔ مگر یہ بھی اس کی خوش نصیبی تھی کہ جب ایک قطب زماں وغوث دوراں اس کی وجہ سے اس ملک میں مقیم ہو کر لاکھوں مسلمانوں کی ہدایت کا سبب بن گیا تو اللہ تعالٰے کی رحمت نے اس کو بھی محروم نہ ہونے دیا۔

درویزہ صاحب لکھتے ہیں میں نے بچشم خود دیکھا کہ وہ ہمارے حضرت کے انوار و برکات سے آگاہی اور تیقن کے بعد خود حضرت کے حضور میں حاضر ہو کر تائب ہوا اور اپنی تمام گمراہی اور تمام شیطانیوں کا اعتراف واقرار کیا اور اپنے شریرانہ کرتوت سب لوگوں کے روبرو حضرت کے سامنے بیان کر کے توبہ کی اور حضرت کی بیعت توبہ کر کے نیک عملی اختیار کی، مگر قسمت تھا جلد ہی اس نیکی میں فوت ہوگیا۔

چہارم پیر ولی بڑچی افغانوں سے تھا یہ بدبخت بھی تناسخی تھا اور لوگوں کو مرید بنا کر دین محمدی ﷺ سے نفرت دلاتا تھا۔ بعثت وقیامت کا منکر تھا۔ اپنے آپ کو کبھی پیغمبر کہتا اور کبھی خدا بھی کہتا۔ اس کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ ارواح ونفوس ہی خدا ہیں اور تمام حیوانات ناطق ومطلق میں مشترک ہیں۔ یہ بدبخت بھی مندن قبیلہ میں مقیم تھا اور اس کی ہزلیات کے قصے بے شمار ہیں ان سے ہم اعراض واختصار کرتے ہیں۔

پنجم کریمداد نام افغان غورغشتی میں سے بے حد گمراہ تھا اور وہ بھی قبیلہ مندن میں اقامت گزین تھا۔ یہ تمام گمراہ ایک عہد میں اس ملک میں تھے۔

ششم شیخ الیاس نامی اس قبیلہ ہی میں سے ایک عابد زاہد شخص تھا۔ مرتبہ کشف ذات تک ترقی کر چکا تھا مگر بے علم و بے راہ تھا۔ پیر کامل کے بغیر زہد وریاضت وطلب وتلاش نور باطن کی منزل سخت خطرناک ہے اس کا بھی کوئی شیخ محقق وراہبر کامل نہ تھا انجام کار جبریہ مذہب اختیار کر لیا۔ چند روز پیر ولی مذکور کی صحبت میں رہنے سے گمراہی کے گڑھے میں گر گیا۔ تارک

صوم وصلوٰۃ و مانع زکوٰۃ و منکر بعثت ہو گیا اگلے میں زنار پہن لیا اور نہ معلوم کیا کیا کھیلیں کھیلنے لگا۔

ایک دن ملا عیسیٰ ملتانی نے اس کو متنبہ کیا کہ خلاف شریعت کن مفاسد میں پڑ گئے ہو تو کہنے لگا سنا گیا ہے کہ بعض اولیاء اللہ نے ایسے عمل کئے ہیں۔ اس نے سمجھایا کہ بڑی کشادہ راہ صراط مستقیم شریعت نبوی ہے۔ اس کے خلاف ہر طریقہ گمراہی ہے۔ اس الیاس کو گاہے گاہے اخوند درویزہ صاحب کے ساتھ رہنے کی عادت تھی۔ ان سے نصائح و عقائد صحیحہ اسلامیہ کی گفتگو بھی سنتا رہا۔ آخر توفیق الٰہی سے عقائد جبریہ وقدریہ سے تائب ہو گیا۔

ساتواں ملا میرو بھی قبیلہ مندن میں سے ہے جو اپنی حماقت کی وجہ سے مشہور ہے۔ نام قطبیت اور غوثیت کا سنا ہوا ہے۔ اس لئے ان بدبختوں میں سے ہر ایک غوث اور قطب کے درجہ سے کم کا دعویٰ نہیں کرتا۔ ہمارے حضرت کی اس وطن کو آنے سے پہلے یہ ملا میرو کچھ عبادت کیا کرتا تھا ممکن ہے غیب حق کے درجہ کے کچھ نظارے نظر آتے ہوں۔ اس پر اس نے علم غیب حاصل ہونے کا دعویٰ مشتہر کر دیا۔ اس کے خلفاء ہم پر پیش ہوئے۔ مانند میاں خان حذرزئی کے اور شیخ بار آور کے اور بھی کئی دیکھے سب کا عقیدہ یہ تھا کہ رب العزت ایک مکان واحد پر متمکن ہے اور اس کی صورت ہے جو اپنے گھر میں مانند انسانوں کے تخت پر جلوہ افروز ہے (شاید ملا میرو کو اس شکل میں شیطان نے متشکل ہو کر نظارہ دکھایا ہو)۔

وہ کہتا تھا کہ ملا میرو نے خدا کے دربار میں حاضر ہو کر ان سر کی آنکھوں سے اس کو دیکھ کر خود علم غیب حاصل کیا ہے۔ خرافات از خود ظاہر ہیں۔

آٹھواں شیخ ابراہیم یہ بھی مندن قبائل میں سے ہے اور ہمارے حضرت کی موجودگی کے زمانے سے وہ بھی ایسے ہی دعویٰ کا مدعی ہے اور ان سب بدبختوں کے سلسلے اور کثرت سے مریدین کے جال پھیلے ہوئے تھے۔

نواں شیخ میران شاہ سواتی بھی اسی مضمون میں علم غیب کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی خدائی کے اختیارات اور تصرفات مجھ کو بتلاتا رہتا ہے۔

ملا میرو کے مریدوں نے قصیدے اور شعر اس مضمون کے مشتہر کئے تھے کہ عرش کے اوپر فرش ہے اور اس کے اوپر ایک سخت پتھر ہے اس پر تخت رکھا ہوا ہے اور تخت پر خیمہ بنا ہوا

ہے جس کے ستر دروازے ہیں اس خیمہ کے اندر خدا تعالیٰ ہے۔ جس کی خبر ان علماء کو بالکل نہیں ہے۔

دسواں خلیل روخانی تھا۔ اس کے دعویٰ بھی ایسی ہی قسم کی فضولیات پر مشتمل تھے۔

گیارہواں شیخ میاں خاں نام تھا۔ درویزہ صاحب لکھتے ہیں کہ یوسف زئیوں نے ایک لشکر کشی ضلع ہزارہ پر کی تھی۔ اور اس لشکر کے ہمراہ میں خود بھی گیا تھا۔ ہندی لوگوں کے خلاف یہ لشکر گیا تھا اتفاقاً بارش شدید آ کر نہایت سخت ژالہ باری ہوئی۔ اس حد تک کہ اہل لشکر کی جان پر بن گئی۔

شیخ میاں خان جو وہ بھی اس لشکر کے ہمراہ تھا اور اس کو مندن لوگ بمنزلہ پیر جانتے تھے اس کی جانب رجوع ہوئے۔ تب میں اس کا بیان سن کر حیرت زدہ ہو گیا۔ جب اس نے کہا کہ اس جنگ میں تمہارے لشکر نے ایک اتنے بڑے نیک شخص کو قتل کر دیا ہے کہ جو صالح اور ذاکر الٰہی تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ سخت غضبناک ہو گیا ہے اور غضب میں اس قدر زیادتی ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے تخت میں کسر ہو گئی اگر میں جلدی میں پہنچ کر امداد نہ دیتا تو قریب تھا کہ اللہ تعالیٰ تخت سے گر پڑا ہوتا مگر میں نے تھام لیا اور اسی وجہ سے یہ ژالہ باری بھی ہوئی تھی (نعوذ باللہ) یہ تھا اس عہد کے پیروں کی خدا رسیدگی کا معیار۔

نادان معتقدوں کے ماننے کے احوال کا خود عقل مند اندازہ کریں کہ اس قسم کے قطب اور غوث ان ایام میں اور ان قبائل میں بے شمار تھے۔

اخوند صاحب نے لکھا ہے:

دلو چغرزئی مجھ سے بیان کرتا ہے کہ ملا میرو کو ایک دن میں نے نماز میں دیکھا کہ عورتوں کی مانند تمام جوارح ہاتھ پاؤں سکیڑے ہوئے بدن کے ساتھ سمیٹے ہوئے نماز پڑھتا تھا میں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ اگر میں اپنے آپ کو سمیٹ اور لپیٹ کر نماز نہ پڑھوں تو میرا سر مکہ معظمہ سے آگے گزر جاتا ہے اس مجبوری سے سمٹ کر نماز پڑھتا ہوں۔

اس شیخ میرداد خلیل جنی جو ملا میر کا استاد تھا کہا کرتا تھا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ نے سابقہ ستر زنا بخش دئے ہیں اور چند بعد میں ہونے والے بھی معاف ہیں۔

اصطلاح غیب جن کی تشریح

تفصیل لفظ غیب جن و جن و قوم و پری و بھوت پریت و شیطان و مسمریزم وغیرہ

اس جگہ پہنچ کر درویزہ صاحب نے غیب جن کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس کی تشریح مختلف طور سے وہ کرتے ہیں جس کا مفہوم میرے الفاظ میں یہ ہے کہ زاویہ نشینی اور توجہ دلی سے کسی قسم کا ورد یا منتر پڑھنا اور جپنا جو کوئی شروع کردے۔ اس پر کچھ عرصہ کے بعد ایک غائب اشیاء وارواح کا انکشاف بتدریج ہوتا ہے جس کو عربی اصطلاح میں محی الدین اکبر ابنِ عربی نے صور معلقہ نام رکھا ہے اور عام طور پر اسلامی کتب نے اور قرآن شریف نے ایک مانندِ انسان وجودوں کا نام جن رکھا۔ جن کے لفظ کا لفظی معنی مخفی ہے یا نادیدنی ہے یعنی آنکھوں سے پناہ مگر اس کے ہونے میں شک نہ ہو۔ اس لفظ کی جو تشریح قرآن نے کر کے اس مخلوق کا صحیح عطا کیا ہے وہ سابقہ اور کسی کتاب سماوی میں نہیں جہاں فرمایا ہے کہ انسان کی تخلیق پانی ملی ہوئی مٹی کے جوہر سے ہو کر تکمیل کی گئی ہے اور جن قوم کی تخلیق مانند انسان کے عبادت خداوند کے لئے انسان سے بہت پہلے ہوئی۔ انسانی پیدائش سے بہت پہلے جب یہ زمین ناری شعلہ کی مانند تھی۔ ناری اور برقی اجزائے مادی و ارضی سے کی گئی ہے جو مانندِ عالمِ برق موجود طاقتور مگر ظاہری انسانی آنکھوں سے نہ دیکھے جانے والی ہے اور بعض خاص خاص حالات اور خاص ترکیب اور علمی تجویز تدبیر سے دیکھنے میں بھی آنے کے قابل ہیں جس طرح عموماً برق اور عالم برق مادی ہے مگر بجز خاص حوادث و حالات کے انسان کی آنکھ ہر وقت برقی عالم اور طاقت کو دیکھنے سے عاجز ہے اور برقی عالم کی اس قدر عظیم الشان ہستی ہے اور طاقتور ہے جو روحانی نہیں، بلکہ مادی اور جسمانی ہے مگر ناری اور برقی دنیا انسانی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ روایات قدیم کل اقوام و مذاہب نے اس غائب ہستی کو مانا اور تسلیم کیا ہے اور اس کے مختلف نام رکھے ہیں۔ انجیل میں ان کو بدروحیں لکھا ہے جن کو انسانوں پر تصرف کر کے دیوانہ بنا دینے والی بتلایا ہے۔ عہد عتیق کی کتب میں بھی اس کا ذکر اسی مفہوم سے آیا ہے زردشتی مذہب والوں نے

ان کو اہرمن کی ذریت یا جوج بتلایا ہے اور ہندوؤں نے انکو بھوت پریت چڑیل اور ایرانیوں نے بھی جن پری وغیر نام رکھے ہیں یہ عالم ہے تو ضرور ہونے میں شک شبہ نہیں اور نہ یہ خالی وہم و خیال ہے تمام دنیا کی تمام اقوام و مذاہب اس غائب وجود کو ابتدا سے مانتے چلے آئے ہیں بجز فرقہ فلاسفہ کے اس لئے کہ وہ بغیر ثبوت روایتی کے اس کو توہم خیال کر بیٹھے ہیں، خواہ وہ یونانی فلاسفر تھے یا ان کے شاگر اسلامی فلاسفر تھے اور معتزلہ اور سرسید جیسے لوگ اس بارے میں اس کا انکار کرتے ہیں حالانکہ تمام مذاہب کے روحانی مجاہدہ کرنے والے طبقوں کا کروڑوں انسانوں سے بھی زائد کا مشاہدہ ہے کہ کوئی وجود ذی عقل غائبانہ طاقتور مانند قوئی و احساسات انسانی کے غائب عالم میں موجود کئی قومیں اکثر ان کو مردہ انسانوں کے اروح کہتے ہیں، بلکہ ہندوؤں میں بھوت کا لفظ کسی خاص مردہ کی روح کیلئے بولا جاتا ہے کہ فلانے کا بھوت نظر آیا، مکان میں فلاں کا بھوت باشندوں کو ستاتا ہے اور اس زمانہ میں اہل یورپ میں بھی مردوں کی روحوں سے زندوں کے ملاقات و گفتگو اور باہم دیگر تعارف و تقابل کا ایک علم ایجاد ہو کر مشہتر ہو گیا ہے اور فری میسن یا ہپناٹزم یا مسمریزم اور سحر و جادو وغیرہ الفاظ اسی قسم کے علم کے بارے میں مستعمل ہیں۔ (یہ تفصیل مجھ عبدالجبار شاہ کی ہے۔ ۱)

اخوند صاحب نے مجمل لفظ غیب جن پر اس قدر لکھا ہے کہ ہر مذہب و ملت والے جب ذکر اور زہد و ریاضت کریں تو انکو غیب جن کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور لکھا ہے کہ وہ زمینی غائب از نظر متصرف روحیں ہیں جن کو جن اور شیاطین کہتے ہیں وہ اس ریاضت کنندہ سے مانوس ہو کر اس کو بعض غائب کی خبریں اور دور کے واقعات اور بعض امراض کے علاج وغیرہ باتے ہیں۔ اور امداد کرتے ہیں، بعض کو کوئی دفینہ تھوڑا یا بہت سابقہ مرے ہوئے لوگوں کے بھی بتا کر فقیر سے تو انگر کر دیتے ہیں اور اس کو اخوند صاحب نے سفلی اور شیطانی گمراہ کن درجہ لکھا ہے۔ اس کو غیب جن کا درجہ بتایا ہے۔

مگر اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے مجھ پر اس بارے میں زیادہ علم اور فہم کی راہیں کھول

---

۱ یہ مضمون مجھ عبدالجبار کا ہے جو اخوند صاحب کے مفہوم سے مخلوط ہو گیا ہے۔ مگر ان کا مفہوم اصول قدیم متعلق جن کے تسلیم شدہ صورت میں ہے اور میرا مفہوم جدید دلائل و جدید علم کی اصلاحات کے ساتھ درج ہے جس کی حوالی مضمون کے جدید خیالات و قدیم خیالات کی تفریق سے ہو سکتی ہے۔

کر تفصیل سے اگر ایک طرف جنی قوم کے علماء اور صلحاء اور اتقیاء سے خود گفتگو کر کے ان کی زبان سے تفصیلات سن کر علم میں اضافہ کرا دیا ہے تو دوسری جانب ان کے علماء کے بتلانے سے قرآن کریم میں جس قدر اس عالم اور جنی قوم کے نسبت متعدد جگہ اور مختلف رنگوں اور مختلف ازمنہ و اوقات کے حالات سے روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کی نسبت سابق مفسرین نے جو تفسیریں کی ہیں ان سب پر موافق و مخالف اور صحیح اور غلط کی نسبت خود اس قوم کے بتلائے ہوئے علم سے جو لفظاً و معناً قرآنی الفاظ کے تحت اور صریح تائید کے ساتھ ہے، مجھ کو علم حاصل ہوا ہے۔ جس پر میری متعدد کتابیں شہادۃ الثقلین کے نام سے موسوم ہیں اور ایک رسالہ علیحدہ قرآنی حقائق کی بناء پر مختصر جیسا شہادۃ الثقلین جلد اول کے ساتھ شامل کیا ہے اور اس سے واضح طور پر اس قوم اور اس مخفی دنیا کا حال بطور تجزیہ ظاہر و معلوم ہو سکتا ہے [1]

اس جگہ صرف بطور خلاصہ اور بقدر حصول علم غیب الجن اس قدر لکھنا کافی ہے کہ جس قدر اختلاف جدا جدا مذاہب والوں کو ان کے بارے میں لگا ہے کہ کوئی انکو مردوں کی ارواح کہتے ہیں کوئی انکو اہرمن اور نیکی کے مقابل بدی کا خالق اور بدی کا بادشاہ یا اس کی ذریت کہتے ہیں کوئی اس کو جادو سحر کا پیر استاد یا متصرف غائبانہ طاقت کہتے ہیں۔ کوئی اپنی ہی ہمزاد اور اس کی تسخیر سے کار براری کے لئے اور حسب مراد مقصد حاصل ہوتا بتلاتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ تمام حالات اسی طبقہ عالم جنات اور غیب جن کے جدا جدا مدارج ہیں۔ جس کو ہپناٹزم، مسمیریزم قوت برقی اور معمول کے ذریعے غائب حالات کا علم حاصل ہونا وغیرہ بتایا جاتا ہے یہ سب کرشمے غیب جن کے درجہ کے اندر ہیں اور کرامت ولایت کے مدارج سے بہت گرے ہوئے اور سفلی ہیں نہ علوی اور مادی ہیں نہ کہ روحانی۔ بلکہ جو یورپ کے لوگوں نے مردوں کی ارواح سے تعلق بنا کر ان کو مردوں کی ارواح اور ان سے ہم کلامی کا ذریعہ بنایا ہے اور سمجھا ہے یہ سب بھی غیب جن کے اور سفلی مدارج ہیں علوی اور روحانی ہرگز نہیں۔ اسلامی اولیا بسا اوقات ان مدارج سفلی سے مانوس ہوئے بغیر ہی آگے روحانیات میں بڑھ جاتے اور آگے گزر جایا کرتے

[1] اس تصنیف کے چھ سال بعد جب کہ یہ کتاب ابھی طبع نہیں ہوئی میں نے ایک مفصل تصنیف علم جن و جنات پر تصنیف کر لی ہے۔ علمِ قرآنی سے اس بارہ میں ایک نور عطا ہوا۔ ثبوتوں سے مزین کتاب ہے جس کا نام ہے اثبات الوجود الجنات من الایات البینات والعلامات الباھرات۔

[illegible] اکثر ریاضت کنندوں پر غیب جن کے حالات جو پیش آتے ہیں ان کو وہ ابتلا اور امتحان [illegible] ہیں کیونکہ یہی وہ درجہ ہے جہاں شیطان متجسم حالت میں ہو کر ہر زاہد زاویہ نشین کو حسب [illegible] جدا جدا اتم کی آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے اور اصل منزل روحانی کے سفر سے روک کر [illegible] انوار برکات اور ملائکہ اللہ اور دیدار خداوندی کے نقلی نظاروں اور نقلی مغالطوں میں [illegible] بے علم کو بھی اور باعلم صوفیا کو بھی اگر ان کو شیطان کا خطرہ فراموش ہو کر اپنے آپ کو [illegible] جان کر شبہ اور شک ان مکاشفات نو وارده میں ترک کر دیا ہو اور احتیاط کو دو بار مداخلت [illegible] ملکوتی نظر انداز کر دیا ہو تو خواہ کوئی بہت بڑا اور بڑے سے بڑا پاک طینت کیوں نہ ہو [illegible] مغالطہ لگ جانا بعید نہیں چونکہ زیر بحث زمانہ میں بے علم غیر متشرعی پیروں پر یہ بلا نازل تھی [illegible] حضرت علی ترمذیؒ نے اس سے بچنے کی حد سے زیادہ تاکید کی ہے اور اخوند صاحب نے بھی [illegible] بہت بحث کی ہے:

اور ہم قرآن میں نہایت جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ لڑتا جھگڑتا ہوا شیطان کو [illegible] پاتے ہیں اور انجیل میں حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو شیطان کا آزمانا موجود ہے، بلکہ [illegible] مجید کی ایک آیت ہے کہ ہم نے کوئی ایسا نبی اور رسول نہیں بھیجا جس نے ہدایت دینے [illegible] آرزو پوری کرنی چاہی ہو اور شیطان اس کی خواہش کے درمیان کود نہ پڑا ہو۔ الغرض ہر [illegible] ملت کے پیشوا بھی اور پیرو بھی ہمیشہ صرف ظاہری شریعت یا قانونی عبادات پر اکتفا کر [illegible] نہیں رہا کرتے بلکہ ہر مذہب اور ہر ملت کے عاشق و شیدا زاویہ نشین ہو کر روحانی [illegible] کی طلب و تلاش میں مشقت اور ریاضت کیا کرتے ہیں اور ہر ریاضت کنندہ کو اگر کوئی [illegible] نظارے اور تسکین کے پیغامات حاصل نہ ہوں اور عالمِ غیب سے کوئی اطلاعیں نہ ہوں تو [illegible] مذاہب والے صرف ظاہری پابندی مذہب پر صابر نہیں رہ سکتے لہٰذا لازمی ہے کہ ہر ملت [illegible] ریاضت کرنے والوں کو کچھ غائبانہ معلوم و مکاشفات ملتے ہیں جن پر وہ اس مذہب پر قومی [illegible] و راسخ العقیدہ ہو جاتے ہیں۔ یہی درجہ اور رتبہ بالعموم غیب جن کا درجہ ہوتا ہے اور یہی [illegible] کی مداخلت کا معرکہ اور میدان ابتلا کا ہوتا ہے۔ البتہ دیگر مذاہب نے اسی کو مشکل سے [illegible] جدا کیا ہو، بلکہ جدائی وہ نہیں کر سکے، مگر قرآن مجید نے ایسی واضح تشریح کی ہے کہ اس میں [illegible] اشتباہ باقی نہیں رہتا۔ اس بارے میں میرا رسالہ خاتمہ شہادۃ الثقلین جلد اول پر واضح ہے

۔اور نہایت مختصر ذوق اس جگہ بتلاتا ہوں۔ (اور میری کتاب الاثبات لوجوالجنات میں الایا
البنیات میں تفصیلات دی ہیں)

قرآن شریف میں ابلیس لفظ دس جگہ آیا ہے۔اور لفظ شیطان قرآن مجید میں پینسٹھ جگہ
یا زائد جگہ آیا ہے۔ اور لفظ جن قرآن مجید میں اکتیس جگہ آیا ہے۔ اور چونکہ قرآن پاک
شیطان کا جن قوم سے ہونا بتلایا ہے (کان من الجن) اس لئے جن و ابلیس و شیطان کا ہم جنس
ہونا تو دنیا کی اکثر قومیں مانتی ہیں، مگر ان کے اندر امتیاز قرآن شریف نے واضح کر کے
ہے اور کسی آسمانی کتاب میں اس وضاحت سے نہیں پایا جاتا۔ پھر قرآن نے جن قوم کی تخلیق
اس دنیا پر اس وقت ہونی بتلائی ہے جب زمین ایک شعلہ مشعلہ نار تھی اور ان کا اسی برقی عالم
میں ذی عقل لطیف مادہ برقی سے وجود قائم ہونا بتلایا ہے۔ (وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ
السَّمُومِ) یعنی یقیناً پیدا کیا ہے ہم نے انسان کو مٹی بجتی ہوئی سیاہ کیچڑ متغیر شدہ سے اور جنوں کو
ان سے پہلے (بہت پہلے) جب دنیا آگ کا شعلہ اور مشتعل حالت میں تھی۔تب جنوں کو اس
آگ سے پیدا کیا تھا۔

پھر دوسری جگہ فرمایا کہ پہلے جنوں کو اور بعد میں انسانوں کو میں نے اپنی معرفت اور
عبادت کی غرض سے پیدا کیا ہے نہ یہ کہ صرف رزق و طعام کھانے کے لئے ہی بنا دیا ہے۔ ان
آیتوں سے خود چند اصول ظاہر ہو گئے کہ جن و ابلیس و شیطان برقی عالم اور ناری عالم کی ذی
عقل اور رزق روزی کی محتاج مخلوق ہے پہلی مخلوق لطیف ناری اور مادی ان اجزا سے پیدا
ہوئی جس کا وجود اب بھی موجود ہے، مگر انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی مگر اخلاق قوئی عادات اور
فرائض حیات میں ان میں یکسانیت پائی جاتی ہے اس لئے ان کے لئے جنت و دوزخ کے
وعدے وعید یکساں ہیں مگر قرآن نے تمام جن قوم کو ابلیس اور شیطان نہیں فرمایا، بلکہ ان میں
سے ایک فرقہ شیطان ہے جس نے ابلیسی کی حالت واقع ہونے پر شیطانیت اختیار کر لی۔ باقی
قوم جن اس فرقہ سے کوئی جداگانہ امتیاز رکھتی ہے جن کے اندر مومن کافر ملحد ولی اور نیک و بد
انسانوں کے مانند ہیں۔ اسی لئے عذاب و ثواب پانے میں انسانوں کے ساتھ برابر۔ سورہ
رحمن میں ان کو بتایا ہے یعنی قرآن شریف نے جنوں میں سے خاص فرقہ کو جن کے قوی لطافت
میں ملائکہ کے قریب قریب ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کے شرف تک اپنی فطرت میں

اور رکھتے تھے کہ ان کو جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے بعد اطاعتِ آدم کا حکم دیا تو وہ بوجہ
لطافت و قربِ خداوندی کے گھمنڈ کے مخالف ہو گئے۔ ابلیس کا لفظ ابلاس اور مایوسی کی
نومیدی کے معنی میں ہے جو اس وقت جن قوم کے ایک خاص خدا رسیدہ طبقہ کی مایوسانہ
کی وجہ سے ابلیس نام دیا جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ اس کی طرف سے خاکی انسان کے
حسد کا ہونا لازمی ہے، مگر اس خاص صنف ابلیس کے علاوہ باقی قوم جن کا حال اس کے
، بلکہ انسان کی مانند نیک بھی اور بد بھی ہونا ثابت ہے لہٰذا جن مخلوق میں مختلف طبقوں
گروہوں کا وجود ہے۔ ابلیس نسل کا واحد مقصد حیات انسانوں کی نسل سے حسد کرنا اور انہیں
ان کے راستے پر لگا کر تباہ کرنا اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت سے بہکانا ہے خدا تعالیٰ
ذات وصفات کی معرفت ہی نہ ہونے دینا پھر اگر یہ ہو تو اعمال سرکشانہ سرزد کرنا ٹھہر گیا ہے
حالت کا نام شیطان ۶۵ جگہ قرآن نے بتلا ہے اور دس جگہ ابلیس کا لفظ آدم کو خلافت دی
کے موقع ازراہ حسد و مایوسی از حکومت دنیا اس خاص صنف پر بولا گیا ہے جن مسلم غیر
مسلم اور نیک و بد دونوں ہوتے ہیں۔ اور جن کو احکام اور وعدے وعید دیئے ہیں۔

مجھ کو خود جن قبیلہ سے ۱۸۹۷ء میں معرفت اور ہمکلامی اور معلومات حاصل ہوئیں۔
اس وقت کم عمر بے علم تھا تاہم میں نے لکھ دیئے تھے۔ وہ ان حالات مذکورہ کی تائید کرتے
کہ شیطان کا طبقہ جن قوم کے اندر لطافت میں اس قدر الطف و افضل ہے جو ان کا تعلق
کے ساتھ شامل ہے۔ اپنی جنس جنات کی نظروں سے بھی مانندِ ملائیکہ ان کی نہ دکھائی
کی استعداد موجود ہے اور جس طرح انسانوں میں رنگی و فرنگی و چینی و سامی نسل انسانوں
ہیں تمیز ان کے رنگ اور چہروں کی بناوٹ سے موجود ہے اسی طرح جن قوم میں چار پانچ
قوموں کی از حد دیگر تفریق لطافت و کثافت اور قد و قامت کی وجہ سے ہے۔ ان میں سے
و الطف ترین طبقہ شیاطین کا ہے جو باقی جن قوم کے ساتھ ان کا معاملہ اور گزران بالکل
، بلکہ ملائیکہ کی مانند ایک جدا دین ورکام میں مصروف طبقہ ہے اور انسانوں کے معتقدات
و جنوں میں بھی معتقدات کے علمبردار اور انسانوں کو مغالطات میں ڈالنے کے عمل پر
قائم طبق ہے۔ جن کی رسائی عالم بالا کی مادی حدود تک ہے۔

ان کے بعد دویم بطقہ افضل و اعلیٰ مکلف جن قوم کا پری زاد ہے جو قد و قامت شکل و

صورت قوائے طبعی واخلاقی میں مانند انسان کے گویا انسان کا مخفی جوڑا ہے۔

سویم ان سے کم تر قد و قامت کے جن ایک گز سوا گز قد قامت کے بدصورت
انسانوں میں رہنے والے اور جنگلوں میں رہتے ہیں۔ اور ایک طبقہ ان میں نہایت حقیر و ذلیل
شعور مانند حشرات الارض کیڑے مکوڑے کے بھی ہوتا ہے۔

ایک طبقہ دیوؤں کا ہے جو شریف ترین اعلیٰ طبقہ کے لئے بمنزلہ جانور اہلی پالتو
اونٹ بیل وغیرہ کا کام دیتے اور بھدے اور بڑے قد والے اور طاقتور ہوتے ہیں۔ سچ بات
یہ ہے کہ ان سب کا کوئی تصرف اور دست رسی انسانوں پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ ان کے
درمیان بمنزلہ دیوار کے ہیں۔ جو مادی نقصان نہیں دے سکتے مگر روحانی مداخلت شیطانی طبقہ کو
اختیار حاصل ہے۔ وہ صرف وسوسہ اندازی ہی میں ہوتی ہے۔ جب کوئی انسان زاویہ نشین ہو کر
روحانیت کے حصول کا متمنی ہوتا ہے اس وقت ضرور اس کے ساتھ عزازیلی طبقہ اور شیطانی
صنف کا واسطہ مشاہدہ کے طور پر پڑ جاتا ہے۔ اگر صاحب علم و استعداد غالب روحانی ہوا تو بچ
نکلتا ہے ورنہ اس کے دم میں آگیا تو جزوی فائدے ان سے لیتا ہے مگر نقصانات فوائد سے
زیادہ ہوتے ہیں۔

چونکہ مجھ کو مسلمان اولیاء الجن اور علماء مومنین جن سے بڑا واسطہ رہا ہے جن کی کرامات و
مکاشفات کو بھی میں نے مطابق آیات کلام اللہ تجربہ سے سچا مشاہدہ پایا۔ لہٰذا اس بارے میں
قرآنی علم کی تطبیق ان کے بتائے ہوئے علم نے مجھ پر واضح کردی ہے جو جداگانہ کتابوں میں
ہے اور ان سے حاصل شدہ علم اور حضرت سید علی ترمذی علیہ الرحمہ کا اور اخوند درویزہ صاحب کا
بتایا ہوا علم بھی ہے۔ عابد انسانوں میں شیاطین کی مداخلت اور بہکاوے کا میں نے از روئے
تجربہ و مشاہد یکساں پایا ہے اسلئے بے موقع میں نے یہ بیان لکھ دیا ہے کہ ہر صاحب کشف و
حال بزرگ کو اپنے مکاشفات اور الہامات کے بارے میں حد سے زیادہ محتاط اور خوف زدہ رہنا
چاہیے اور ہر کشف یا الہام کو رحمانی نہ سمجھنا چاہیے جب تک قرآنی تائید اس کے موافق نہ ہو اور
ہر روحانی نظارہ کو رحمانی القانہ سمجھ لینا چاہیے جب تک وہ ذرہ ذرہ کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو
جس قدر اصل الہام یا انوار یا رویت انوار و مکاشفات اصلی ہیں۔ ان کی نقلی صورت اصلی سے
بھی بڑھ کر یہ طبقہ شیطانی عابدی، زاہدی ہر ملت و ہر مذہب کو دکھلا کر حق کے مقابلہ و مخالفت پر

[illegible] تے ہیں۔ قرآنی عبارت ایسی ہے اور ۶۵ جگہ قرآن میں جہاں لفظ شیطان آیا ہے اس
[illegible] اس کی کارستانیاں اور حملوں کے مواقع اور طریقے بھی بیان کئے گئے ہیں۔ جہاں
[illegible] کا لفظ بھی زُخرُفَ القَولِ غُرُوراً کے لفظوں میں فرمایا گیا ہے۔

تیرہواں ملا عمر شلیمانی: اس بیان غیب الجن کے بعد درویزہ صاحب نے لکھا ہے کہ
شاگردوں اور مریدوں میں سے مسمی ملا عمر شلیمانی بھی مرتبہ غیب جن میں پہنچ کر اس پر
[illegible] مغرور ہو چکا تھا۔ چونکہ ہماری صحبت سے بہت دور ہو گیا تھا۔ (آپ پشاور میں تھے اور
[illegible] سندھ کے کنارے پونتیان نام گاؤں میں قریب نوچی وکوٹھہ کے مقیم تھا)۔ اس لئے
[illegible] و مقام میں کامل مغرور ہو گیا تھا۔ امید ہے کہ اللہ اس کو تلاطم ضلالت سے ساحل
[illegible] تک لے آویگا۔ (اخوند صاحب نے حالتِ مراقبہ میں اسکی غلطی پر آگاہ ہو کر متنبہ کر کے
[illegible] لیا تھا۔)

چودہواں ملا رکن الدین تھا جو مذہب الحاد اور معرفت بے کیف باری تعالیٰ کے بارے
[illegible] میں پڑ گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مثل قرار دیتا تھا اور اس کے پانچ بیٹے تھے۔ عبداللہ۔
[illegible] اللہ۔ نعمت اللہ۔ فیض اللہ۔ بایزیدہ۔ یہ سب اپنے باپ کے پیرو تھے اور اپنے مذہب کا
[illegible] ذریعہ اشتہار و رسائل پشتو میں بایزیدہ و عبداللہ نے مشتہر کیا تھا۔ اور اسی نعمت اللہ نے
[illegible] اساتذہ میں سے ایک کو جس کا نام لطف اللہ بن امام الدین تھا معرفت باری کے مسئلہ
[illegible] دی تھی جب کہ اس نے ایک رسالہ مشائخ متقدمین کے طریقے کے خلاف تصنیف کیا
[illegible] اس کا والد امام دین واقف ہو گیا تھا اور اس مقام سے اس کو نکال لیا۔

پندرہواں۔ ملا عبدالرحمٰن نام ایک شخص زرگراں ہند میں سے اس وطن میں آیا تھا جو
اپنے آپ کو سید کہتا تھا۔ بعثت ثانی اور احوال و قیامت کا منکر تھا۔ اور اسکا مذہب بالکل پیر
[illegible] کا تھا۔ خود میرے ساتھ اس کے مباحثے مذاکرے بارہا ہوئے۔ اور ہر بار وہ مخجل اور
[illegible] ہوتا۔ مگر اپنے عقیدہ سے باز نہ آتا تھا اور مکر و فریب سے افغانوں کی کافی جمعیت اپنے
[illegible] حال کر چکا تھا۔ دراصل اس کے دل میں حصول حکومت کا فریب جاگزین تھا۔ اور خود
[illegible] تھا۔ اس لئے اس نے سکہ بھی ڈھالا تھا جو سکہ میاں شاہی کے نام سے موسوم تھا۔
[illegible] تو اس کو نہ ملی مگر ضلع ہزارہ میں موضع مانکرا میں قیام اختیار کر لیا تھا۔ سالہا وہاں مقیم رہا۔

غلط مذہب میں رسائل لکھے جن میں سے ایک رسالہ حسینہ نام ہے۔

سولھواں مسمی تانی مہمند زئی تھا جس نے لمبا عرصہ ہندو جوگیوں کے ساتھ گزارا ...
عقیدۂ تناسخیہ قبول کر کے اور اس کا اظہار و اعلان کر کے اپنے آپ کو پیر و پیشوا و مقتدا ...
تھا۔ اور اس کا جانشین بیٹا جس کا نام عبید تھا، وہ بھی اپنے باپ کے مسلک پر تھا، لیکن اس کا ...
شیخ فرید گاہے گاہے علماء کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا تھا۔

سترھواں شیخ یوسف مہمند زئی اسی عہد میں اباحت کے مذہب پر مع اپنے پیروؤں ...
سختی سے قائم تھا۔

اٹھارھواں سید احمد بن میرو بن حکو جو شیخ حسن کا غلام تھا یعنی شیخ حسن نے ہندوستان ...
سے ایک حکو نام غلام خریدا تھا۔ اور شیخ حسن قسم خٹک کے خواہر زادوں میں سے تھا۔ اس ...
اس نے بعض اپنے ضروری کاموں کے واسطے اس کو بھی قبیلہ خٹک میں مقیم چھوڑا ہوا تھا۔ ...
حسن کی وفات کے بعد حکو نے دعویٰ کیا کہ وہ غلام نہیں بلکہ اصیل ہے اور اس کے بیٹے نے ...
آسان پیشہ شیخی اختیار کر لیا۔ جب اس کا بیٹا تولد ہوا تو اس کا نام ہی سید احمد رکھ کر پیدائشی ...
پر اس کو پیری پیشوائی کے دعویٰ پر محکم قائم کر دیا گیا۔ ایک دن نہایت غریبانہ لباس میں ...
مغالطہ دہ حالت میں ہمارے حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سید علی ترمذی کے حضور حاضر ...
حضرت نے بجز نام سننے کے اسکو دیکھا کبھی نہ تھا مگر مومنانہ فراست سے صریح پہچان کر فرما...
کیوں کر آنا اس طرف ہو گیا۔ عرض کی کہ لوگ اس علاقہ کے متوجہ بہت ہیں۔ لیکن فتویٰ ...
ہوں کہ آیا میری پیری جائز ہو گی یا نہ۔ حضور نے فرمایا یہ کام تو خودروی اور خودسری کا ہرگز نہیں
اور بغیر اذن شیخ کامل کے اور بغیر ادائے خدمات و ریاضات واجبانہ و رعایت طول صحبت مرشد
کامل مکمل، ایسا پیشہ اختیار کرنا اضلال و تضلیل ہو گا۔ اس نے کہا اذن کس سے حاصل کروں۔
ہمارے حضرت نے فرمایا اکناف عالم میں لمبے لمبے سفر کرو اور اہل اللہ کو ڈھونڈو اور جس کو ...
پاؤ کہ ظاہر شریعت کا سخت پابند ہے اور باطنی نور سے معمور ہے اس کی خدمت کو اختیار کرو۔

یہ سن کر یہاں سے وہ چلا گیا۔ مگر کسی ولی صاحب حال کی نہ تلاش کی اور نہ کسی ...
اذن حاصل کیا، مگر خود ہی مشہور کر دیا کہ میں ماذون و مجاز ہوں حضرت بہاؤ الدین ذکریا علیہ
الرحمۃ کی اولاد کی طرف سے اور حسب منشاء خود رسالے تالیف کئے اور پیر بنا رہا۔ اس کا ایک ...

...ت نام جانشین ہوا۔ جو ہمیشہ ہر قسم باجے بجایا کرتا اور رقص و سرور میں منہمک رہتا اور اس کو
...ال اور حلال کہا کرتا تھا۔

انیسواں ایسے پیران بے بنیاد میں سے تھا جس کا قصہ یوں ہے کہ خواجہ خضر افغان نے
...قبیلہ تازن سے تھا اپنی ایک کنیز ایک حجام کو نکاح کر دی تھی۔ اس کی بدبختی سے ہندو جوگیوں
...ایک جمعیت بجواڑہ کے گاؤں میں آوارد ہوئی۔ اور یہ فرید چند مدت ان میں شامل رہ کر ملحد
...بن گیا۔ ان کے ساتھ ہی سیر و سیاحت میں لمبے عرصہ تک جہان گردی میں مصروف رہا۔ اور جو
...علوم ادویہ اور منتر وغیرہ میں کامل الفن سنیاسی بن گیا۔ مگر عقیدہ اس کا تناسخی و اباحتی عین
...اللہ پر تاریک کے تھا۔

پھر یہی فرید عہد حکومت سلیم شاہ فرزند شیر شاہ افغان میں اس بادشاہ کا بندوقچی ملازم بھی
...تھا۔ جب اس بادشاہ کی حکومت میں خلل واقع ہو گیا تو یہ فرید وہاں سے یوسف زئیوں کے
...آ گیا۔ اور یہاں پہنچ کر اس نے اپنے آپ کو حاجی محمد کے نام سے مشہور کر دیا۔ اور پیری
...گری کے پیشہ کا اعلان کر دیا۔ اپنے مریدوں کو بدعت و گمراہی کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ مگر جاہل
...دعویٰ بہت نرالا مشہور کیا کہ میں ماذون و مجاز ہوں حضرت میر فیض اللہ ولی کی طرف سے اور
...فرزند تھا حضرت سیدنا مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کا اور یہ بھی ادعا کیا کہ میری عمر تین صد سال کی
...اور کہ میں نے سات بار حج بیت اللہ کیا ہے۔

درویزہ صاحب فرماتے ہیں ہم نے ایک ہوشیار شخص کو بھیجا کہ وہ جا کر بیت اللہ شریف
اور مدینہ طیبہ کے شہروں کے حالات من وعن اس سے پوچھ آوے۔ مگر اس عقلمند سوال کنندہ کے
سوالوں سے وہ پریشان ہو کر ایک دوسرے جھوٹ پر اُتر آیا جس سے اس کے سات حجوں کا پردہ
چاک ہو گیا۔ اس نے سائل سے تنگ آ کر جواب دیا کہ مکہ مدینہ کو نہایت خوردسالی کی عمر میں
دیکھا تھا اس لئے ان شہروں کا نقشہ ذہن سے محو ہو گیا ہے جس سے اس کی صداقت کی قلعی کھل
گئی۔ مگر ان فریب کاروں میں سے ہر ایک کو جہلا مریدوں کا کافی جتھہ حاصل ہو جاتا تھا جو
ان کے لئے ذریعہ معاش بلکہ ذریعہ حکمرانی ہوا کرتا تھا۔

آخر کار ہم کو خود اس کے پاس طریقت کی تحقیق کیلئے جانا پڑا، مگر وہ ڈر کر یوسف زئی
علاقہ سے افغان غوری خیل میں جا پہنچا۔ اور وہاں اس کو حمقا مل گئے، کیونکہ یوسف زئیوں میں

ہماری طرف سے اس کے اباحتی عقائد اور اسلامی نبیادی عقائد سے برگشتہ ہونے کی تشہیر
اس کو ان ممالک سے بیدخل کر دیا تھا۔

اس کی اولاد بھی پشاور کے نواحی علاقوں میں مختلف گناہوں بشمول لواطت رائج کر
موجب بنی تھی۔ اور امردلڑکوں کو جو حسین وخوب صورت ہوتے، عمداً ان کو محبوب ومعشوق بنا
اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے اور کہتے تھے کہ ان کی خوب صورتی دیکھ کر ہم کو خدا کی قدرت پر
نگاہ جاتی ہے اور یہ مقولہ بیان کرتے: النظر الی حسان الوجوہ عبادۃ“

اسکا مذہب یعنی حاجی محمد کا جبر یہ تھا۔ تمام منہیات کے...... وہ مجبوری اور امر خداوندی
سے ہونا بتلاتا تھا۔ اپنے متبعین کو بھی مجبور محض ہونے کا فضول فلسفہ پیش کر کے گناہوں پر دلیر
کیا کرتا تھا۔ حماقت اور جہالت کا اس کے یہ عالم تھا کہ مریدوں کو شجرۂ پیران طریقت کو جو لکھ کر
دیا کرتا تھا۔ وہ اس طور سے ہوتا تھا۔ حاجی محمد مرید حضرت میر فیض اللہ بن مرتضیٰ علی کرم اللہ
وجہہ مگر اس کے بعض مولوی مریدوں نے ایک دوسرا شجرہ لکھ دیا ہے۔ جس کو حضرت
بغدادیؒ سے جا کر ملایا گیا ہے۔ اس کی اولاد کو دعویٰ سیادت کا بھی ہے۔ حالانکہ فرمان خداوندی
یوں ہے:

اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللهِ۔

بیسواں ان میں سے حاجی عمر غوری خیل تھا۔ جس کے تمام حالات کا لکھنا موجب
تطویل ہے بدعت پیشہ تھا۔ اور اس کے پاس اخوند صاحب نے جا کر تائب اور غلطی پر قائل کر
لیا تھا۔ مگر بعد واپسی کے بعض پر قائم رہا اور بعض عقائد بدعتہ کو ترک کر دیا۔

اکیسواں ایک خواجہ افغانان ذدونی (جدونی) میں سے جبریہ مذہب کا پابند فاسق تارک
صوم وصلوٰۃ و برائیوں کا مرتکب نام نہاد پیر طریقت تھا جس کے کافی مرید تھے۔

بائیسواں تا چھبیس شاہ اسماعیلا اور میرلی وابوبکر وعمر۔ چار شخص منکہ دام قندھار کے ایک
چور کی اولاد سے تھے۔ اس ڈاکو نے دعویٰ کیا تھا کہ میری اولاد سے اولیاء اللہ پیدا ہوں گے۔ یہ
اشخاص کسی قدر زہد وعبادت مرتبہ جن کے غیب تک بھی پہنچے ہوئے تھے۔ خٹک قبیلہ کے افغان
ان پر اس قدر گرویدہ تھے کہ خدا اور رسول کو بھی نہ جانتے تھے، مگر ان کی پیروی ان کو مقدم تھی۔
ان کی روش سرود سننا اور رقص کرنا اور حالت جذبہ اپنے اوپر وارد کرنا اور اس کو حلال وجائز بتلانا،

لا دعویٰ یہ کیا کرتے تھے کہ یہ عمل ہم پر اللہ تعالیٰ نے زائد مذہب و دین محمدی سے فاضل
ارے لئے مقرر کیا ہے۔ ان کے معمول بے ہوش ہو کر غیب کے حالات بیان کیا کرتے تھے۔
(یہ تو مسمریزم زمانہ حال کا نقشہ معلوم ہوتا ہے۔ عبدالجبار شاہ) اور بطور دعویٰ اس عالم مدہوشی
میں کہا کرتے تھے کہ فلاں کو سرفراز ہم نے کر دیا اور فلاں کو معزول کر دیا۔ فلاں کو زخم لگا دیا
وغیرہ۔

چھبیسواں شیخ قاسم غوری خیل تھا جس نے پشاور میں ایک درخت کے نیچے سکونت
اختیار کر رکھی تھی جب لوگ عموماً اس کی طرف متوجہ ہو گئے تو بدعت اور ہوا کا طریقہ ظاہر کیا۔
اس ملک کا حاکم شادمان خان جو میرزا حکیم شہزادہ کی طرف سے اس ملک کا حاکم اعلیٰ تھا۔ میرزا
حکیم شہنشاہ ہمایوں کا فرزند تھا، اس نے اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ یہ وہاں سے بھاگ کر قندھار
چلا گیا اور وہاں سے حاجیوں کی جماعت میں شامل ہو کر مکہ مکرمہ پہنچا۔ اور جب واپس اپنے
لوگوں میں پہنچا تو یہاں اعلان کیا کہ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی کی اولاد سے اذن واجازت
لے کر آیا ہوں، مگر دراصل عقائد واعمال میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی تھی، یہ تمام صعوبت سفرو
محنت صرف پیری مریدی کا سلسلہ جائز وجاری کرنے کی خاطر تھی۔

پیر روشن یا پیر تاریک کے پانچ بیٹوں کو ملا کر شمار کردہ پیراں بے راہ کی فہرست اکتیس
تک شمار کر چکا ہوں۔ ان میں سے ہر ایک مریدوں کی کافی جھیتوں کے مالک تھے، اور جن کے
بیٹے پوتے سجادہ نشین ملا کر ساٹھ سے زیادہ تعداد ہو جاتی ہے۔ اور درویزہ صاحب کے تذکرہ
میں ابھی انکی نفری اور بھی باقی ہے، مگر میں نے چونکہ بہت سارے حالات اور بھی لکھنے ہیں۔
لہذا پیروں کی فہرست میں اسی قدر مشتے نمونہ از خروارے پر اکتفا کرتا ہوں اور اس سے ناظرین
کتاب دسویں صدی ہجری ایک ہزار پوری ہونے تک اس وطن کو مذکورہ مفاسد سے صاف کیا
جاتا تھا۔ مذہب حنفی کے پابند اور ظاہر شریعت اسلامی پر کار بندان ممالک کو کرا دیا گیا تھا۔ اسی
واسطے اخوند صاحب نے لکھا ہے کہ جب کسی قوم کا سویا ہوا بخت جاگنے لگتا ہے تو اس کی اصلاح
کے لئے کوئی اللہ والا پیدا ہو کر اندھیرے سے اُجالا کر دیتا ہے۔ یوسف زئی وغیرہ پر بھی
اللہ تعالیٰ نے خوش بختی لائی اور اپنے اولیاء میں سے ایک غوث کو ان کے پاس بھیج کر ان کی
بلائیاں دھوڈالیں۔

حضرت کی وفات کے بعد جو ۹۹۱ یا ۹۹۳ ہجری میں ہوئی۔ اخوند صاحب موصوف ۱۰۲۱ ہجری تک تو تذکرہ کی تصنیف تک زندہ نظر آتے ہیں جن کی عمر اس وقت اسی سال کی ہو چکی تھی۔ اور اس ماذون نے اور آپ کے فرزند سید مصطفےٰ اور ان کے بڑے فرزند سید عبدالوہاب نے حسب الارشاد حضرت مرحوم اندرونی اسلامی مفاسد سے ممالک افغانیہ کو صاف کر لینے کے بعد یوسف زئی قبائل کے ممالک کے متصل شمالی سرحدات پر کوہستانی علاقوں میں کفار قدیم کی اصلاح پر کمر باندھی۔ یہ اسی ارشاد کی بناء پر کیا گیا جو حضرت کو ان کے مرشد شیخ سالار رومی صاحب نے فرمایا تھا کہ تم کوہستانوں میں جا کر خلقِ خدا کی اصلاح کرو۔

بیرون ممالک یا ہندوستان کی اصلاح میں تو کوہ ہند یوسف زئی کو بھی کوہستانی علاقہ کہا جاسکتا ہے جس کی اصلاح اندرونی بوجہ احسن ہو چکی۔ مگر حضرت نے اس وطن میں پہنچ کر اس ملک کی اصطلاح میں کوہستان نام ایک خاص ملک اور وطن کو پایا۔ جس میں گورے رنگ کی آریائی نسل کے شکل وصورت کے قدیم کفار غیر مسلم رہتے تھے جن کے مذہب وعقیدہ کا کوئی پتہ نہ لگتا تھا۔ مگر ان میں گانا بجانا ناچنا اور اپنی بہن بیٹی سے شادی کو نہایت احسن خیال کرنا جس سے نسل بہت خالص رہتی ہے۔ رائج تھا۔ سیام کے شاہی خاندان میں اب تک یہ رسم رائج ہے۔ اور فراعنہ مصر میں بھی اس کا رواج پایا جاتا ہے۔ اس قوم کو دائرہ اسلام میں لے آنا ایک ذمہ دارانہ فرض خیال کر کے اس جہاد کو شروع کر دیا جو کوہستانات دریائے سندھ وسوات و کوہستانات دریائے پنجکوڑہ کے غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کیلئے تھا۔

اخوند درویزہ صاحب آخری عمر میں پشاور میں مقیم رہے اور وہاں ہی وفات پائی۔ میں نے حضرت سید علی ترمذی علیہ الرحمہ کے حالات اور الفاظ اور تعلیم وطریق عمل سے اس قدر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کا علم وفضل واخلاق نہایت بلند معیار ولایت پر تھا۔ اور آخوند صاحب کا علم و فضل ان سے بہت کم تھا، کیونکہ ان کی سرشت بونیر وال افغانیت کی سادہ اور جامد فقہی کی پائی جاتی ہے۔ مگر حضرت کے کلمات میں الفاظ کتاب وسنت اور پیروی خیر البشر صلعم کی تاکید پر عمل وبرکت میں کرنے کی تاکید ملتی ہے۔ لہٰذا کہوں گا کہ اخوند صاحب کی بعض جگہ کی تیز مزاجی اور ملایانہ غصہ کو ان کے علم وفضل سے کوئی نسبت نہیں۔ مگر آپ کے مشن اور مسلک کی تکمیل میں اخوند درویزہ واخون پنجو واخوند سالاک کو بڑا دخل تھا۔ حضرت کا ایک مرید جان خان نام پہ

مندن میں سے عمر خیل تھا۔ جو اب صوابی مانیری میں رہتے ہیں، اس کا لقب دیوانہ بابا مشہور ہے اور مزار بونیر میں ہے، بہت باکمال مجذوب سالک تھا ایک مرید عبداللہ صاحب لاہوری تھا جس نے انواع نام کتاب پنجابی زبان میں تالیف کی ہے۔

غرض کہ مذکورہ بالا مقاصد اندرونی اسلام کے ساتھ حضرت کو اصلاح کا واسطہ پڑا۔ جن کو آپ نے اور آپ کی اولاد نے اور مریدانِ باصفا نے اس ملک سے نیست ونابود کر کے اس کی بجائے صحیح مسلمانی اور عقائد اہلِ سنت کو مکمل طور پر رائج کر لیا اور علم وعلما کا چرچا اس ملک میں بہت زیادہ ہو گیا۔ اخوند درویزہ صاحب تو جہاد کوہستان کی تکمیل سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ ان کے ایک بیٹے کا مزار موضع کانجو ملک صوات پرگنہ نکپی خیل میں شہید بابا کے مزار کے نام سے مشہور ہے۔ شہید بابا کا قاتل کفار قدیم میں سے بیزو نام کا شخص تھا۔ مگر کوہستان کا جہاد جاری ہو چکا تھا۔ مرکزی قائد سید عبدالوہاب سجادہ نشین وجانشین پوتا حضرت کا بونیر کے مرکز میں تختہ بند میں مقیم تھا، مگر جہاد کا سپہ سالار اخوند سالاک صاحب تھا جس کی اولاد اخوند خیل کہلاتی ہے۔

ایک بلند چوٹی دار پہاڑ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر کوسیاہ کے بالمقابل ڈوما نام مشہور ہے جس کا حاکم ڈوما نام کوہستانیوں کا سردار تھا۔ بڑی مدت تک بونیر کے پرگنہ کے متصل شمال مشرق میں اس ڈوما کے ساتھ جنگ جاری رہی۔ اس قوم یوسف زئی کی ہر دو قومیں یوسف مندن اس فوج مجاہد کے سپاہی تھے۔ ان کے قبائل کے سردار خود جہاد میں شریک تھے ان ایام میں مندن میں خدو خیل فرقہ سے باگو خان نام سردار بڑا عقلمند بہمہ صفات موصوف تھا۔ ڈوما کا قلعہ نہایت مشکل سے مدت بعد فتح ہوا۔ قبیلہ عیسیٰ زئی میں سے حسن زئی قوم کی شاخ میں سے ایک شخص کے تیر سے ڈوما مقتول ہوا۔ اور دروازہ فتوحات کوہستان کا ان پر دریائے سندھ میں حاصل کیا۔ کہتے ہیں مال غنیمت میں ڈوما کی حسینہ جمیلہ بی بی اخوند سالاک صاحب نے باگو خان کو بخش دی تھی جس کی اولاد خوانین پنجتار خانان چملہ ومخزنی وڈیری کا بہت خوب صورت خاندان ہے۔

جہاد کوہستانات کے جاری ہونے کے سلسلہ کا ذکر زیادہ تفصیل کا محتاج ہے۔ اس لئے کہ موجب ہدایت وحکم حضرت غوث بونیر اس کی اولاد نے ایک طرف اندرون ملک کے

مسلمانوں سے بے دینیوں اور فاسقوں کے مفاسد کا قلع قمع مسلمان افغانوں کے فوجوں اور لشکروں کے ذریعے کیا ہے تو کل سرحدی مسلمانوں میں جہاد فی سبیل اللہ کی عادت فطری عادت کی مانند ڈال دی ہے۔ جیسا کہ بایزید انصاری پیر روشن کے فتنہ کا استیصال کسی قدر زبردست قربانیوں سے کر دیا ہے۔ حضرت غوث کے مریدوں ماذون میں اخوند درویزہ صاحب معہ اولاد مجاز اخوند سالاک اخوند سیاک صاحب وغیرہ اولیا اللہ نے حکم مرشد سے ملک کو مفاسد سے پاک کر لینے کے بعد حدود کشمیر تا منتہائے حدود چترال کل اقوام کفار قدیم کو ہستانیوں کو داخلِ اسلام کرنے کا جہاد کا فریضہ سپرد کر دیا تھا۔ جس کو آپ کے اکلوتے فرزند سید مصطفیٰ نے اپنے بڑے فرزند سید عبدالوہاب کو کوہستانات دریائے سندھ کے ممالک تین چار صد میل طولاً دوئم صد میل عرضاً سپرد کر دیئے تھے جس کی طرف سے اخوند سالاک اخوند سباک نے چند سال میں اس عظیم ترین خطہ کوہستانات کو اپنی زندگی میں مسلمان کر لیا جس کے اندر پرگنہ جات ذیل شامل ہیں:

١۔ کوہ ڈوما سے سلسلہ جہاد شروع ہوا ہے جو اس زمانہ میں پرگنہ قوم چغرزئی بسی خیل نصرت خیل کا مقبوضہ ہے۔ اور

٢۔ لاہور باشام کے پرگنہ سے آگے پرگنہ جات

٣۔ بن کہڑو ۴۔ رن لا ۵۔ دبیر ٦۔ پٹن

٧۔ ججال ٨۔ کہندیا ٩۔ پالس ١٠۔ جالکوٹ

١١۔ چیلاس ١٢۔ درہ کاغان ١٣۔ دارپل ١۴۔ تانگیر

١۵۔ سزین ١٦۔ گلگت ١٧۔ یٹین ١٨۔ مستوج وغیرہ

پرگنہ جات کے کل کفار قدیر کو داخلِ اسلام کر کے ان میں مبلغین معلمین مقرر کر دیئے۔ اس عہد تک اہلِ کوہستان پاک صاف مسلمان ہیں۔ یہ سلسلہ جہاد رگنہ بونیر سے عبدالوہاب صاحب سجادہ ودستار کے زیر اہتمام مگر افغان لشکروں کے ذریعے چند سال میں اختتام کو پہنچ گیا۔

دوسرا سلسلہ جہاد جو سوات کی وادی سے شروع ہوا، اس کا قائد سید قاسم بن سید مصطفیٰ بن سید علی تھا۔ اس کی فوج کا جنرل یا پیشوائے علم اخوند عبدالرحیم فرزند اخوند درویزہ صاحب

... یہ سلسلہ بالا سوات کے برانیال کے گاؤں سے کفار قدیم کا مقابلہ شروع ہو کر دریائے ...ات کے چار پانصد میل طویل واسی قدر عریض پرگنہ جات کوہستانات کل سوات تا بہ ہوشو ...ام کارای کوہستانات دریائے پنجکوڑہ جو دیر کا کوہستان کہلاتا ہے۔ پندرہ بیں پرگنہ جات ...ا اضلاع کل اقوام کوہستان شدید جنگوں کے بعد داخل اسلام ہو گئے جو اب تک اسلام پر ...ام ہیں۔ اخوند شہید مرحوم ایک کوہستانی بیزو نامی کافر کے ہاتھ سے شہید ہو کر سوات کے غربی ...ارے موضع کانجو میں مدفون ہے اور حضرت سید قاسم کا مزار بالا سوات موضع پیر کلی میں ہے ...س کی اولاد بہت کثرت سے بالا سوات میں متعدد قصبوں املاک و گاؤں کے مالک موجود ...یں۔ یعنی بڑے فرزند سید عبدالوہاب کے لشکروں نے حدود کشمیر سے گلگت سے مستوج ویٹین و ...ت تک مسلمان کرا دیا۔ اور سید قاسم نے حدود سوات کے شمال و مغرب تک موجود الحال کل کو ...انات دریائے سوات پنجکوڑہ کو مسلمان کر لیا۔

اندرونی مفاسد کی صفائی بھی کچھ خدمت اسلام نہ تھی، مگر یہ کارنامے تو اولوالعزم سلاطین اسلام سے بھی بجز سلطان محمود غزنوی کے اور کسی سے نہیں ہو سکے۔ ان حالات میں سید علی ...دی کی اولاد کو سرحدی قبائل افغانوں نے جو املاک جائیدادیں وغیرہ کو دی ہیں وہ کل ملک ...ا و قبائل کے رقبہ کے خمس سے ہرگز کم نہیں۔ اور یہ نسل اب تک ہر جگہ تین صد سال سے دینی اسلامی کاموں میں اقوام و قبائل کے قائد رہے ہیں۔

ضلع مظفر آباد کشمیر سے لے کر تا حد چترال ورتام کل کفارِ کوہستانات کے صرف سید عبدالوہاب و سید قاسم کی زندگی میں داخل اسلام ہو چکے تو مذکورہ دو مہمات کے علاوہ ایک تیسری مہم ...عبدالوہاب کے فرزند سید جمال الدین اول نے وادی کونڑ کے دو مراکز یعنی پشت اور اسلام ...ے متصل کوہستانات کے کفار کے ساتھ ہی سلسلہ جہاد شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں مراکز ...ورہ قیام گاہ سادات کے متصل وادیوں اور دروں کے کفار بہ آسانی داخل اسلام ہو گئے۔ مگر ...س جگہ کفار قدیم کے ممالک چترال سے ترکستان تک لال کافروں کی جمعیت اس قدر کثیر تھی ...وجہ کے سب اس عہد میں داخلِ اسلام نہ ہو سکے۔ بلکہ صرف درہ نور کے نورستانی اور بعض ...ہاتوں کے کفار اسلام میں آ گئے۔ بقیہ لال کفار کو امیر عبدالرحمٰن نے جرنیل غلام حیدر خان ...کے ذریعے فتح کر کے مسلمان کر لیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوتا تھا کہ لندن کے وزیر اعظم مسٹر

گلیڈسٹون کی زبان سے ایوان میں یہ الفاظ نکلے کہ ہمارے یونانی قدیم یورپین لوگ افغانستان میں بھی لال کفار کے نام سے موجود ہیں جن کو اُٹھانا اور علم وتہذیب سے آشنا کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس خبر کو سن کر امیر عبدالرحمن نے شدید برف باری کے موسم میں زبردست فوج بھیج کر کل قوم کو مغلوب کر کے نومسلم بنالیا تھا۔

حضرت سید علی ترمذی کے مرشد حضرت شیخ سالار عطاء اللہ رومی اجمیری کی زبان سے عجب لفظ سید علی کے لئے ارشاد ہوئے تھے کہ تم کوہستانات میں اسلام پہنچاؤ اور سرحدوں کو جاد شریعت پر مستقیم کرادو۔

لاکھوں کفار کا داخل اسلام بالجہاد کر لینا اور اندرونی لادینی مفاسد پاک صاف کر کے پھر ان قبائل کو دواماً غازی بنوا دینا بے شک محمدی معجزہ اور سید علی رحمتہ اللہ علیہ کی کرامت مسلم بھی تھی۔ اسی مضمون کو میری کسی جگہ نظم میں سید علی رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت لکھا گیا ہے:

حکم مرشد شد کہ کوہستان برو — کفر و فسق ان ممالک راشو
رفت و در یوسف زیان کر دہ قیام — کف کو ہتا نیا نرا شکست تام
نیلہ فسق جملہ افغانیان — شست و محرم ساخت بارہانیان
الغرض ازدست و جاری جہاد — درس کوہستان را اسلام داد
لاکھا کفارِ آن عہد ِ قدیم — ازحد کشمیر و چترال و رتیم
داخلِ اسلام گردید ند شان — گشت افغان عادی غز و جنان

فصل چہارم

حالات بعد وفات حضرت صاحب ونتائج مساعی حسنہ

حضرت سید علی علیہ الرحمۃ کے حالات یہاں تک مطالعہ کر لینے کے بعد میری خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں رہتی کہ اپنی طرف سے کوئی موثر مضمون کا اضافہ کروں، مگر ملکی حالات کی رو سے اس قدر لکھ سکتا ہوں کہ آپ کا عمل اجرائے شریعت وصحت عقائد و پابندی صوم و صلوٰۃ کا عمل تمام اضلاع سرحد و یاغستانات سرحد بلکہ مثالی پنجاب اور کل افغانستان میں اس قدر پختگی سے رائج ہوگیا اور مفاسد کا قلع قمع ہوگیا کہ پر مفاسد زمانہ تک ان ممالک میں پابندی اسلام دنیا کے دیگر حصوں سے زیادہ پختگی سے رائج ہے۔ سود خوری سخت ترین گناہ کبیرہ سمجھا جاتا ہے لحم خنزیر سے بھی زیادہ نفرت شراب سے ہے۔ روزہ خوری میری اپنی یاد تک لحم خنزیر سے زیادہ ممنوع تھی، انگریزی آزادی سے یہ برکات اگرچہ اندرونِ اضلاع کہیں کہیں رواج پاگئی ہیں، مگر پھر بھی تمام دنیائے اسلام سے بڑھ کر حفاظت اس وطن میں ابھی باقی ہے عصمت کا پاس بہت زیادہ ہے۔ غیرت، حیا اور عہد کی پابندی کا خیال، ایثار مروت، مہمان نوازی وغیرہ محاسن بہت حد تک موجود ہیں۔

ایک دوسری کتاب میں اخوند درویزہ صاحب کا یہ مقولہ مجھے یاد پڑتا ہے جو لکھا ہے کہ جب حضرت جب سوات کے اطراف میں تشریف لے گئے تو اس قدر شراب بننے کی بھٹیاں جگہ جگہ بنتا دیکھا کہ آپ نے بہت تعجب فرمایا اس وطن میں حضرت سید جلال گنج العلم بخاری نے اس ملک میں کیونکر قیام فرمایا تھا، مگر آپ کے عہد کے بعد سے اس ملک سے شراب نوشی کا خاتمہ ہوگیا، اور اصل سبب یہ تھا کہ یوسف زیوں کے ملک کی سرحدیں قدیم کفار کوہستانیوں سے ملی ہوئی تھیں جہاں شراب بکثرت بنتی تھی۔ اس لئے افغانی ملک میں بھی اس کا

رواج ہو گیا تھا۔ آپ نے ملحدین اندرونی کے خاتمے کے بعد اپنی اولاد مریدین کا فرض قرار دیا تھا کہ وہ کوہستانی کفار کو داخلِ اسلام کریں۔ وہ نہایت وحشی لوگ تھے اور علم و نصیحت کی اہلیت ہی نہ رکھتے تھے بجز سفاکی اور قتالی و راہزنی کے۔ ان کی زبانیں ہر ایک درہ کی جدا جدا ہیں، مگر بنیاد اور زمین زبانوں کی آریائی ہے۔ سنسکرت سے ملتی ہے، چنانچہ جس طرح یوسف زئی قبیلہ کے لوگوں نے حضرت کی تعلیم کو اخذ کر کے اپنا شعار بنا کر اندرونی مفاسد اسلام کے خلاف جہاد کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہوا تھا۔ ایسا ہی ان کفار کوہستانات کے خلاف جہاد کا سلسلہ شروع ہو کر کئی سالوں تک قائم رہا۔ اور حضرت کے پوتے سید عبدالوہاب و سید قاسم کے عہد میں تمام کوہستانیوں اور دریائے سندھ و سوات والوں کے اسلام لانے پر جا کر ختم ہو گیا، اس طرح قبیلہ یوسف زئی میں جہاد ایک جاری سنت بن گیا۔ سکھوں کی حکومت کے عہد میں بھی اور برطانوی حکومت کے ساتھ بھی مسلسل جنگی مقابلہ سے اقوام سرحدی میں سب سے پہلے جہاد کرنے والے یوسف زئی قبائل ہی تھے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

زمانہ کہنہ ساز ہے ہر گزری ہوئی بات فراموش ہو جاتی ہے، مگر حضرت کا یہ کارنامہ اندرونی بیرونی اصلاح کا اس قدر پختہ عمل اب تک قائم نہ ہوتا تو ہم آپ کے مناقبات اور پیری مریدی کے سلسلوں کی فہرستوں سے صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب نہ ہوتے۔ مگر عمل وہی شے ہے جو پائیدار نیکی یا پائیدار رواج کو صدیوں تک قائم رکھ کر بانی کی یادگار کو موجب ہوتا ہے۔ جدید الاسلامی کوہستانات اور سرحدی افغانوں میں جہاد فی سبیل اللہ کا بیج کاشت کر دینا ایسا عمل ہے جو زمانہ صحابہ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اور اس ملک کے پیرانِ طریقت اور بزرگانِ دین کا ایک نمایاں شعار اور فریضہ ٹھہر چکا ہے جس کی بنیاد حضرت نے ڈالی اور آپ کی اولاد صلحاء اور ماذون اولیاء نے اس کو جاری رکھا یہاں تک کہ ہمارے زمانہ کے قریب تیرہویں صدی ہجری میں ہونے والے جہاد اور اخوند صاحب سوات کے جاری کردہ جہاد اور ان کے مریدوں ماذونوں اخند ملا صاحب ہڈہ و صوفی صاحب و حاجی صاحب ترنگزئی وغیرہ کے اعمال حسین جہاد کا حصہ لازماً بطور نمایاں شعار کے داخل رہا۔ یہ سب آپ ہی کا بنا تھا وہ اور جاری کردہ عمل اب تک حفاظت اسلام و مدافعت از ملک کا فرض ادا کرتا رہا ہے۔ حضرت صاحب کا اثر اور حکومت روحانی کل افغانستان اور کل سرحدات آزاد و اضلاع سرحد کوہستانات پر ہے۔ آزاد کشمیر تا

...اگر اس تمام رقبہ کو معہ شمالی پنجابی اضلاع کے حسب کریں۔ جہاں چار صدیوں سے کم و ...اثر واحد مذہب و سنت و پابندی دینداری اب تک موجود ہے تو بلاشک حضرت کی سعی ...کامیاب نظر آتی ہے اور تمام افغانستان اور قبائل سرحد وغیرہ ممالک کے لوگوں نے جس ...حضرت کی اولاد کا احترام و اکرام کیا ہے اس کی نظیر بھی کسی اور خاندان میں دکھائی نہیں ...

حضرت کے فرزند سید مصطفیٰ صاحب کو جو اکلوتا ہی تھا اور وہ زمانہ افغانستان پر مغلیہ ...سلطنت کا تھا، اور مغل حکومت کے اصول کے ماتحت زمینی املاک بادشاہ کی ملکیت ہو کرتی تھی۔ ...مصطفیٰ صاحب کو پرگنہ کنڑ بطور ہبہ جو کو افغانی سیری کہتے ہیں، دیا گیا تھا۔ جو قیاس بھی ہوتا ...سلطان کے بغیر اور کون اس قدر خطہ ملک بخش کر دے سکتا تھا۔ کنڑ ایک بڑی وادی ہے۔ ...اب تک اس شاخ کے سادات دربار کابل کے اراکین اعلیٰ میں شامل رہے ہیں۔ اور ...سید مصطفیٰ کا مدفن کنڑ کی وادی حد چترال جاری دریا کے ساتھ شروع ہو کر جلال آباد پر ...ہوئی ہے سید مصطفیٰ بن سید علی کا مدفن اسلام پور میں ہے جو جلال آباد کے قریب سادات کا ...گاؤں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا قیام اکثر اس بڑی جاگیر میں رہتا تھا اور وہ حصہ ملکیت آپ ...بیٹے سید عبدالوہاب کے حصہ میں دیا ہوا تھا۔ جن کا قیام بونیر کے مرکز تخت بندر میں ...مدفن بھی بونیر ہے۔ اس کے علاوہ چترال سے کشمیر تک اور ہزارہ و اٹک کے اضلاع سے ...تک تمام اقوام و قبائل نے اپنے املاک میں بڑے بڑے قطعات اور بیش بہا املاک ...حضرت کی اولاد کو بطور ہبہ دی ہیں اور میں جو اس نسل کے سادات کے پاس موجودہ املاک کا ...حساب لگاتا ہوں، تو وہ کسی طرح رقبہ کے حساب سے مجھے کل املاک و اراضیات ملک کے ...حصے سے کم نہیں معلوم ہوتے۔ میرا خیال ہے کہ یہ املاک یوسف زئی قبائل نے جو فتح ...کے حاصل کئے ہوئے تھے اور ممکن ہے ان کے بزرگوں کو حضرت کی اولاد کو سادات ...اللقب جان کر املاک زمینی سے خمس کے طور پر دینا اپنا فرض سمجھا ہو۔ مجھے اس کا تحریری ...ثبوت نہیں ملا، مگر عمل دیرپا سامنے موجود ہے۔ ہر قبیلہ نے اپنا فرض خیال کیا تھا کہ اپنے حصہ ...سے چیدہ اور عمدہ حصہ حضرت کی اولاد کو ہبہ اور سیری دے دیتے تھے۔

اس امر کے علاوہ کہ حضرت کی اولاد کی قدردانی قبائل اور اقوام نے حد سے زیادہ کی

ایک اور بات بھی قابلِ لحاظ ہے۔ پونے چارصد سال سے یہ بات نظر آتی ہے کہ حضرت کی اولاد بہت زیادہ کثرت سے پھیلی ہے۔ ساڑھے تین سو سال میں اگر تمام مردم شماری ان کی اولاد کی جاوے تو تیس تا چالیس ہزار نفری سے کم میرے قیاس میں نہ ہوگی۔ ہر جگہ یہ سادات ممتاز اور املاک زمینی کی کافی جائیداد کے مالک ہیں۔ حضرت کی اولاد کے صلحاء بے شمار اولیاء اللہ اور صاحب کرامت بھی گزرے ہیں اور حکمران بھی گزرے ہیں۔ آپ کی اولاد میں مرکزی خاندان جو سید عبدالوہاب کی اولاد سے چلا ہے۔ ہر زمانہ اور ہر ایک عہد میں کل قبائل یوسف زئی و سرحدیوں کا نیک کاموں او ور جہادی امور اور اجرائے شریعت اور حکومتی معاملات میں قائد اور پیشوا اور زعیم وطن یہی خاندان رہا ہے۔

معاً حضرت کی وفات کے بعد سے اور استیصال ملحدین کے بعد سے جہاد کو ہستان شروع ہو گیا جو بیس پچیس سال میں کامیابی پر اور لاکھوں نفوس کے داخلِ اسلام ہونے پر ختم ہوا۔ یہ نہایت موثر ہر دو عمل تھے۔ اور جس عمل سے دو طور پر اس قوم یوسف زئی بلکہ تمام سرحدی قبائل میں خالص دین اسلام کی خاطر جان مال اور آرام کی قربانی کی عادت قائم اور ثبت ہو گئی۔ اس زمانہ سے پہلے کی تاریخ افغانان سرحد و قبائل کی آپس میں ایک دوسرے کی املاک ...

... کر لیتا ہے تو ولازاک قبیلہ کو اس کی برادری افغانستان سے املاک چھین کر اس کو نکال دیتی ہے وہ اگر خلمانی سے جدید حاصل کردہ ملک چھین کر ان کو ہزارہ سمہ اور سوات کی طرف ہانک دیا ہے، پھر ترین آ جاتے ہیں۔ وہ ولازاک کے سر پر ان سوار ہوتے ہیں پھر یوسف زئی مہمند ... دونوں مخی خیل نہیں، بلکہ مہندزئی جمند ہیں، مگر ملک دونوں سے قندھار کے نواحی میں باقی قبیلوں سے چھین لیا تو یکجا وطن ہو کر نواحی پشاور میں آ گئے۔ اور یہ ملک انہوں نے ولازاک خلمانی و ترین کے بقایا قبیلوں سے چھین کر اس پر قابض ہو گئے۔

یہ حالات حضرت کے زمانہ کے پچاس ساٹھ سال پہلے تک رہے، مگر حضرت کی تعلیم نے ان قوموں کے حملوں اور جنگوں کا رخ جہاد اسلام و کوہستانوں کی طرف بدل دیا۔ اور وہ بھی ... کے لئے اور اس طور سے کہ ملک اور قوم کو فتح کر کے اس پر قبضہ بھی نہ کیا اور نہ مفتوح قوم کفار کو لونڈی غلام بنایا۔ بلکہ مسلمان بنا کر ان میں علما جا بجا مقرر کر کے اپنے مانند مساوات میں رکھا۔ کوہستان میں اس وقت تک اختیارات اور ملک کی حکومت علما کے ہاتھ میں ہے۔ الغرض قبائل کے خیالات اور جنگ و صلح کے طریقوں میں تبدیلی ہو گئی جس پر اس وطن کی تاریخ گواہ ہے۔ البتہ ایک دو پشت کے بعد پھر قبائل افغانیہ نے پرانا وطیرہ اختیار کیا ہے۔ اور

لب ملہ سے مدینہ کو
حضرت امیر نے فرمایا ان میں سے کوئی نسبت بھی مجھ کو پسند نہیں ... یہ بشارت سن کر بدوی لیٹرے راہزن انتظار میں تھے کہ یہ ...
میں سے ایک سی بھی ہر ایک میں کچھ افراط و تفریط ہو گئی ہے۔ روانہ ہوگا۔ بدو گھڑیاں گن رہے تھے اور سید صاحب وہاں بدو کے ارادہ کا ...
دوم سوال کیا ... طریقت میں سے کون سا ...
طریقہ آپ کے طور ... اس سرزمین کے لیٹروں سے مقابلہ کرنا ارض حرم کی جنگ تھا۔ بعد از روانگی پہلی منزل وادی
حضرت امیر نے جواباً فرمایا، ان میں بھی کوئی طریقہ میرے طریقہ ... فاطمہ میں ہوئی۔ یہاں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مرقد ہے۔ قریب ...
... مرسی کے خلاف میرے طریقہ میں شامل کی ہیں۔ اس ... آپ معہ چند ... فتح زیارت کے لئے ... تشریف لے گئے ...
... دور جا پڑے ... ہمارے عہد میں صرف ... رہبر کا خواہر زادہ ہم اور ... سفر میں حضرت کا ہمراہی تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ مرقد مبارک پر ہم کو
... تازہ انگور کے گچھے غیب سے عنایت ہوئے، حالانکہ یہ انگور کی فصل کا موسم نہ تھا۔
... طرح کا شغل ہوا کرتا تھا ... دوسری منزل مقام بحفہ میں قیام کیا ...
... اور مار ... آ کر صلح کرا دی ... غرض کہ نصف راستہ طے کیا
... معاودت ... ہوگا اور قافلہ ... پہاڑ کے مجاذ پر پہنچا جہاں راہزنوں کا سردار سعد نام رہا کرتا تھا۔ اور وہ اس
... اور نماز ... قافلہ کے آنے کا مدت سے انتظار کرتا تھا۔ اہل قافلہ کو تمام رات ... قافلہ ...
اب ان لوگوں نے ذکر کو شغل مقرر کر لیا ہے اور تلاوت قرآن مجید کو اور نماز کو ...

زکوزئی۔ اور یونس کے دو بیٹے تھے۔ یوسف۔ متا۔ یوسف کے دو بیٹے۔ اسماعیل۔ آجا۔ اسماعیل
کے پانچ بیٹے تھے۔ ابوزئی۔ مجازئی۔ ہندوزئی، شام۔ ستوزئی۔ ان میں سے شام کے تین بیٹے
تھے۔ بہدین۔ مما۔ ہوتی۔ بہیدین کے چار بیٹے تھے۔ احمارک۔ الیک۔ کدا۔ الک۔

سریال بن شیروانی بن موتی بی بی کے تین بیٹے تھے۔ ہندی۔ سوزی۔ احمد۔ سوزی کے
تین بیٹے تھے۔ شہباز۔ ہمست۔ کک پور۔ ان میں سے کک پور کے چھ فرزند تھے۔ سید۔
ابراہیم۔ بوتی۔ انوش۔ سنکت۔ مولانا۔ ان میں سے ابراہیم کے تین بیٹے تھے۔ کردی۔
ہارون۔ محمود۔ محمود کا ایک بیٹا تھا۔ موسےٰ۔ اور موسیٰ کے تین بیٹے تھے۔ ذکو۔ اجو۔ احمد جوانمرد۔
ان میں سے احمد جوانمرد کے تین بیٹے تھے۔ ہندو۔ شیخ سلیمان۔ حمو۔ شیخ سلیمان کے تین بیٹے
اور ایک دختر تھی جس کا نام دومابی بی تھا اور بیٹے شیخ محمود حاجی۔ شیخ حسن سرمت اور شیخ ملی
قتال۔ شیخ ملی کے دو بیٹے۔ شیخ علی۔ شیخ بازید تھے۔

شہباز اولد سوری کا ایک بیٹا تھا۔ زندہ پیر جس کے چار بیٹے تھے۔ صدر جہاں۔ شاہ
سکندر۔ شیخ خواجہ۔ الیری۔

ابراہیم لودھی ولد متو بی بی بنت بٹنی بن قیس عبد الرشید کے تین بیٹے صلبی تھے اور اسی کی
اولاد میں ایک شخص دولت خان لودھی امرائے سلطان ابراہیم لودھی میں سے تھا۔ اور تین بیٹے۔
سیانی۔ نیازی۔ دوتانی تھے جن میں سے سیانی کے دو فرزند تھے۔ اسماعیل۔ برنگی۔ اسماعیل کے
تین فرزند تھے۔ مہیال۔ سوز۔ لوخانی۔ مہیال کی زوجہ بی بی نام ہے جس کے نام پر اس کی اولاد
بی بی زئی مشہور ہوگئی۔ اور لوحانی کے چھ بیٹے تھے۔ تج۔ ہود۔ مروت۔ میان۔ مور۔ مما۔
مروت کی اولاد مروت خیل ہیں اور میال کی اولاد میں خیل ہیں، جن میں سے خواجہ عثمان حاکم
بنگالہ تھا۔ تور کے دو بیٹے تھے۔ موسیٰ خیل۔ اوب خیل۔ موسیٰ خیل کی اولاد میں سے دریا خان
لوجانی ایک امیر امراء سلطان سکندر لودھی میں سے تھا جس کا بیٹا بہادر خان بنگال میں بادشاہ ہوا
تھا۔ اور مما ولد لوجانی کے تین بیٹے تھے۔ یعقوب خیل۔ یاسین خیل۔ حیدر خیل۔ یاسین خیل دو
شاخ ہیں۔ دولت خیل۔ حسین خیل۔ اور حیدر خیل چار شاخ ہیں۔ دوکو خیل۔ توا خیل۔ ابراہیم
خیل۔ کروزئی۔

سوز ولد اسماعیل ولد سیانی ولد ابراہیم لودھی کی اولد چار بیٹوں سے ہیں۔ للا۔ سادو۔

لی۔ یونس۔ یونس کی ایک دختر مسماۃ ترکی اور دو فرزند ہیں۔ یاسین۔ محمود زئی۔ محمود زئی چار
شاخ ہیں۔ شادی خیل۔ شیرا خیل۔ دولت خیل۔ داؤد خیل۔ اور داؤد خیل بھی چار شاخ ہیں۔
کولی۔ بہرام۔ مرلی۔ نور خیل اور شیرا خیل کا بیٹا ایمان نام تھا جس کا ایک بیٹا محمد خان تھا جس
کے تین بیٹے بہاؤ الدین۔ صدر الدین۔ رکن الدین تھے اور بہاؤ الدین کا ایک بیٹا حسن خان
تھا جو حسن خان سوز کے نام سے مشہور تھا۔ جس کے آٹھ بیٹے تھے۔ سلیمان خان۔ احمد خان۔
نور خان۔ شادی خان۔ یوسف خان۔ علی خان۔ نظام خان۔ اور فرید خان یعنی شیر شاہ سوری
شہنشاہ ہندوستان۔

نظام خان کی ایک دختر بی بی بانی اور بیٹا مبارز خان۔ محمد شاہ عدلی تھا۔ اور شیر شاہ سوری
کی ایک دختر بی بی سلیم خاتون اور دس بیٹے تھے۔ عادل خان۔ جلال خان۔ قاسم خان۔ گمان
خان۔ قطب خان۔ نور خان۔ نصرت خان۔ رکن خان۔ کمال خان۔ جلال خان۔ سلیم شاہ جس
کا ایک بیٹا فیروز خان تھا۔

فصل چہارم

ذکر اولاد غور غشت بن قیس عبدالرشید

غور غشت کے تین بیٹے تھے۔ بابی۔ وابی۔ مندو جن میں سے مندو کی اولاد مندوزئی مشہور ہے۔ بابی کی اولاد چار شاخ ہے۔ جبرئیل۔ میکائیل۔ اسرافیل۔ عزرائیل۔ اور وابی بن غور غشت بھی چار شاخ ہے۔ داوی۔ ناغر۔ کاکڑ۔ پنی۔ پنی کے اٹھارہ بیٹوں سے اولاد ہے۔ ان ہی میں سے ایک شخص جعفر خان تھا۔ جس کے دو بیٹے خان بہادر نواب ابراہیم خان ولد نواب داؤد خان تھا۔ جس کے دو بیٹے رفیع ملک۔ اور امیر الامراء تھے۔ رفیع الملک کے دو بیٹے سلیمان خان و شجاع ملک تھے۔

اولاد داوی ولد وابی۔ کی تین شاخ ہیں۔ وکر۔ خواندی۔ حمر۔ خواندی کے چار بیٹے موسیٰ، علی۔ سکندر۔ خلیل ہیں۔ اور ناغر ولد وابی کے دو بیٹے تھے۔ یونس۔ دمس یونس کے چھ بیٹے تھے۔ ملکت۔ فاسور۔ مترو۔ جذر۔ سلتی۔ رندک اور دمس کے چار بیٹے تھے۔ بہرن۔ ترک۔ سلانچ۔ عبدالرحمن۔ کاکڑ ولد وابی کے اٹھارہ بیٹے صلبی اور چھ وصلی تھے۔ سیراد۔ رلغوزی۔ جدران۔ مرسین۔ طغرق۔ موسیٰ زئی۔ مالی۔ لب یز۔ مکرانی خیل۔ جلال خیل ازلی خیل سام خیل، یونس خیل۔ زرغزی۔ غنی۔ سرکری۔ حسین۔ ربخ۔ ان میں سیرا ولد کاکڑ کے آٹھ بیٹے تھے شادی خیل۔ تاجو خیل۔ ایوب خیل۔ باجو خیل۔ ستک۔ می زئی۔ مما خیل۔ مندی زئی۔ جدران ولد کاکڑ کے دو بیٹے صاحب اولاد ہیں۔ حسینی۔ ابوبکر۔ حسینی کے چار بیٹے تھے۔ آدم۔ سنام۔ جی عمر۔ اور ابوبکر ولد جدران کے دو بیٹے تھے۔ الیاس۔ سیتہ۔ سیتہ۔ کے تین بیٹے تھے۔ یوسف۔ نبی۔ عیسیٰ اور طغرق ولد کاکڑ ولد وب کی اولاد چار شاخ ہے۔ یونس خیل۔ سوندن۔ سحر سیران۔ سالار خیل۔ ان میں سے سحر سیران کی اولاد سات شاخ ہے۔ حرم زئی۔ اوتمازئی۔ اوول زئی۔ ازلی خیل۔ کیوی خیل۔ علی خیل۔ ان میں سے کیوی کے چار بیٹے تھے۔ حسن شمس الدین۔

دوم۔ یاسین۔ اور ازلی خیل ولد سحر سیران کی اولاد تین شاخ ہے۔ الوزئی۔ محمد زئی۔ رجازئی۔ اور علی خیل کی چار شاخیں ہیں۔ عوزئی خیل۔ حیدر زئی۔ سدوزئی۔ منیر زئی۔

اولاد سدوزئی۔ ولد سور ولد سرک ولد عمر ولد برنگی ولد سیانی ولد ابراہیم لودھی ولد متو بی بی بنی ولد قیس عبدالرشید کی تفصیل یہ ہے کہ اس سدو کی اولاد سدوزئی میں سے ایک شخص الف خان تھا۔ جس کی اولاد محمد خان میں سے دو بیٹوں کا باپ تھا۔ ذوالفقار خان۔ احمد شاہ ابدالی مشہور بہ درانی۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ تیمور شاہ۔ سکندر شاہ۔ سلیمان شاہ۔ پرویز۔ درانی نسل میں سے عبداللہ خان اور اس کے دو بیٹے اللہ یار خان و سعد اللہ خان تھے جنہوں نے محمد زمان خان کو قتل کیا تھا اور تیمور شاہ کے سات بیٹے تھے۔ ہمایوں۔ شاہ محمود۔ شاہ زمان۔ شاہ شجاع الملک۔ شاہ پور۔ عباس۔ فیروز الدین اور شاہ محمود کا ایک بیٹا کامران تھا۔ اور شاہ شجاع الملک کا بیٹا صدر جنگ تھا۔

اس جگہ جو انساب افاغنہ کا ذکر آیا اس میں اصولاً تو تمام نسل افغان کی ابتدائی اور بنیادوں کی تفصیل آگئی ہے۔ مگر مندرجہ بالا ابتدائی ناموں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تفصیل کسی ایک آدھ شاخ کی صرف تین چار نسلوں تک ہو سکی ہے۔ ورنہ صرف مورث کے نام اکتفا کیا گیا ہے۔ جس کے آگے بیٹوں پوتوں کے ناموں سے بڑی بڑی قومیں ہیں، ان کا ذکر نہیں آیا۔ مثلاً خٹک قوم ایک بہت بڑی قوم ہے اس کا نام تک نہیں آیا۔ جدون یا گدون یا جدون ایک بڑی قوم کی شاخ ہے اس کا ذکر نہیں آیا ایسے ہی آفریدی ایک بہت بڑی قوم ہے اس کی شاخ کے بزرگ کا نام نہیں آیا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح شاخ در شاخ اس قدر بے شمار نسلیں بڑھ گئے ہیں جن کی تعداد کا شمار ایک ضخیم مجلد جدید تصنیف کرنے کے لائق ہے اور یہ فرض ضروری ہر ایک افغان اور افغانستان کے بادشاہ کا فرض اولین ہے جس سے آج تک افسوس ہے کہ بے اعتنائی کی گئی ہے۔

میں نے کچھ کتابوں سے اور کچھ اپنی معلومات سے جو اندراج اس جگہ کیا ہے۔ یہ ہرگز کافی نہیں میرے خیال میں اس علمی زمانہ میں افغانستان کے بادشاہ کا بہت اہم اور بڑا فرض ہے کہ وہ دو امور قطعی فیصلہ کر کے ایک مستند کتاب مرتب کرے یعنی اول یہ کہ وہ قومیت و ملتِ افغانی کی بنیادی تحقیقات کا انحصار فیشن اور طرز گزران بلانے کے مطابق نسب کے بارے میں

تبدیلی وتجدید کا خواستگار نہ بنے۔ بلکہ امراء و کبراو طن کو تمام سرحدات سے بھی بلا کر اس امر پر
ہر قسم بحث و ذکر اور چھان بین کر لینے کے بعد متفقہ طور پر نسل افغان کی اسرائیلیت اور
آریائیت کے بارے میں تحقیق کرے۔

دوئم انساب وشعوب وقبائل اور قبائل در قبائل اور شاخ در شاخ تمام اقوام افغان کی
خواہ وہ قلمروئے افغانستان میں ہیں خواہ آزاد سرحدات میں خواہ پنجاب و ہند اضلاع سرحد
بنگال و دکن میں ہیں بہ وضاحت تحقیقات کر کے موجود الحال افغان شعوب وقبائل کی مکمل ایک
کتاب مرتب کروائے۔

اگر اس بارے میں تحقیق کرنی ہو تو جو جو تواریخ اسلامی اور افغانی نسب نامے لکھے موجود
ہیں وہ ہرگز نظر انداز نہ کریں۔ اس لئے کہ ابتدائے اسلام کی تاریخ زیادہ اس بارے میں مسلم
ہیں اور ان کی تحریر افغانوں کے اپنے بیانات سے اخذ کی گئی ہے۔

مجھ کو بہت افسوس وتعجب اور تفکر عہد سلطنت امان اللہ خان کے دور کی اس بات پر آتا
ہے کہ دارالسلطنت کابل میں سابقہ نظریہ قدیمہ نسبت ابتدائے افغانان میں تبدیلی واقع
ہو کر سابقہ روایات قدیمہ اور تحقیق انساب کے مسلمہ اصولوں کو نظر انداز کر کے افغانوں کا قوم
بنی اسرائیل میں ہونے سے انکار اور آریائی نسل سے ہونے کا نظریہ تیار کیا گیا ہے جو صرف غیر
اقوام کا نظریہ ہے یعنی ممکن ہے متاخرین اہلِ فارس نے یہ لکھا ہو کہ یہ قوم قدیم سے اسی ایران
کے شمال مشرق خراسان کے پہاڑوں کے قدیم باشندے ہیں یا یہ کہ سکندر اعظم اور اس کے
یونانی مورخین نے افغانوں کو ایرانیوں کی ایک جزو لکھا ہو جس کی نقل کرنا اہلِ یورپ او محققین
انگریزی وغیرہ کا فرض تھا۔ اور اہلِ یورپ نے اپنی جدید تحقیقات کی بنا پر افغانوں کو آریائی نسل
سے لکھ دیا یا یہ کہ یونانی اور آریائی نسل کا مخلوط نسب لکھ دیا۔ اور اس زمانہ میں اہلِ یورپ کی
تحقیقات کو وحی آسمانی سے بھی زیادہ فوقیت دی جاتی ہے۔ لہٰذا خود افغانستان کی سلطنت نے بھی
یہ نظریہ تسلیم کر لیا ہے اور سرکاری سالناموں میں بڑے زور شور سے اس نظریہ کی اشاعت ہو
رہی ہے۔

حالانکہ یہ معاملہ معمولی اور سرسری ہرگز نہ تھا۔ بلکہ ایک مسلم قوم کے لئے ازروئے
قرآن وحدیث فرض عاید ہوتا ہے کہ خصوصاً اس ملک کے بادشاہ پر فرض واجب ہے کہ وہ

اللہ کریم کے اس قرآنی حکم کے ماتحت اپنی اور قوم کے نسب کے بارے میں صحیح اور بے لوث
تحقیق کروائے اور بے خطا نظریہ قائم کرے جیسا اشارہ مندرجہ ذیل آیت ہے۔

"اور تمہیں مختلف گروہ اور قبائل بنایا تا کہ تم ایک دوسرے تعارف حاصل کر سکو"۔
اللہ تعالٰے کے نزدیک ایسا کرنا بہت زیادہ عادلانہ منصفانہ فعل ہے۔ اللہ تعالٰے نے ہی
انسانوں کو شعوب وقبائل میں تقویم ہونے کی ذہنیت اور فہم عطا فرمایا ہے اور اس کی علت غائی
تعارف ومعرفت باہمی اور تشریح وعلم تقسیم انساب وتحقیق اصلیت انساب ہے دوئم حدیث میں
من بدل نسبہ فقد بدل دینہ، یہ ایک وعید ہے۔ تبدیلی نسب کرنے والوں کے لئے اور آیت
کے اشارہ کا مفہوم بھی تبدیلی نسب سے پرہیز کرنے کا نکلتا ہے۔

یہ بات معمولی اور فیشن تبدیل کرنے کی مانند سطحی اور سرسری ہرگز نہیں، بلکہ ملت کی
تبدیلی فی الحقیقت دین کی تبدیلی ہوتی ہے جس طرح مختلف اقوام ہندو ترکستان وچین وغیرہ
اسلام میں آ کر سابقہ رشتے قطع کر چکی ہیں۔ میں نے لکھا ہے کہ افغانوں کا قدیم ایرانی شاخوں
ہوتا۔ یہ نظریہ اور فتوی دور رہنے والی ناواقف مگر اہلِ علم اہلِ یورپ کا اقوام ہے۔ مگر نظریہ
تبدیل کرنے والوں نے غور نہیں کیا کہ محتسب را درون خانہ چہ کار۔ جاہل سے جاہل قوم اور
جاہل نشین بھی اپنی قومیت اور باپ دادا کی شناخت کے بارے میں زیادہ واقفیت کا ہزارواں
حصہ بھی نہیں حاصل کر سکتی خصوصاً جب کہ افغانوں جیسی نسابہ قوم ہو جس کا بچہ بچہ اپنی تقسیم املاک
اپنی نسل ونسب کی رو سے کرتا ہے اور دو ہزار سال تک کی اپنی شاخوں سے واقف اور آگاہ ہوتا
ہے۔ ہر قبیلہ اور اس کی شاخیں مرد عورتیں سب کے سب تمام دنیا کے رواج کے خلاف افغانوں
میں نسب شناسی میں بغیر تحریر وکتب کے عالم اور خبردار ہیں۔ ایسی قوم کیوں کر مجہول النسب ٹھہر
سکتی ہے جس کو کوئی یورپین مورخ اپنے علم سے کسی اور نسب سے ملانے کا احسان افغانوں پر
دھرے۔

میرا دعوٰی ہے کہ عرب وافغان کے علاوہ تمام دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کے بچہ بچہ
کو اپنی اقوام وقبائل کی بنیادوں سے لے کر شاخوں تک کا علم زبانی یاد ہو۔ پھر ایسی قوم کو مجہول
النسب قرار دینا اور کبھی اسرائیل اور سامی ہونا اور پھر سامی نسل سے تبدیل کر کے آریا بنا دیا۔
جب تہدید اور وعید حدیث ایک مسلمان قوم کے لئے اس سے بڑھ کر خسران کیا ہو سکتا

ہے کہ جس قوم کو عہد عتیق کی تمام انبیاء علیہم اسلام کی کتابوں میں معہ توریت انجیل زبور اور ...
انبیا و قرآن مجید کے فضیلت دادہ و فضیلت یافتہ اور اللہ تعالےٰ کے افضال کی مورد قوم بتلایا گیا
ہو، اسی میں سے ہونے کے باوجود اس نسل سے تو انکار کیا جاوے۔ اور آرین اور یورپین اقوام
کے ساتھ نسل ملانے پر افتخار کیا جاوے۔ صرف اس لئے کہ ان کو دنیوی برتری اس وقت حاصل
ہے۔ اس قدر اشرف نسل کو اس سے اسفل نسب میں تبدیلی کی سعی کی جاوے۔ اور یہ عمل ایک
افغانی سلطنت خود کر کے تمام قوم کی روایات قدیمہ معتبرہ کو دفن کر رہی ہے۔ میرے پاس اس
بارے علم معقول و منقول دونوں سے کافی مواد بفضلہٖ موجود ہے۔ اور میری دلی خواہش ہے کہ
اگر زندگی نے وفا کی تو میں حکومت افغانستان کو متنبہ کروں گا کہ وہ ایک عظیم الشان غلطی کے
ارتکاب کرنے میں عجلت نہ کرے۔ بلکہ یہ نہایت اہم مسئلہ ہے اس پر وہ تمام اقوام کے
نمائندے بلائے۔ علما کو دعوت دے۔ اور اگر میں زندہ رہا ہو مجھ کو موقعہ دے اور اگر مجھے زندگی
اور فرصت ملی تو اس پر انشاء اللہ ایک کتاب لکھوں گا یہ کتاب میں نے موسم خریف ۱۹۳۲ء
مطابق ۱۳۲۱ھ میں لکھی ہے اور طبع ہوگئی۔ اور اگر میں زندہ نہ رہوں تو میری تالیف سے ان
دلائل و شاہد دیکھ کر زیر محک لا کر کل قوم کے اتفاق سے ایک قطعی فیصلہ قومیت کے بارے میں
کرے اس جگہ میدان بیان تنگ ہے۔ پھر بھی میرے دو تین دلائل اس بارے میں سرسری
خیال کرنے والے کو بھی مسئلہ کی اہمیت پر متوجہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ جو حسب ذیل ہے:

۱۔ افغان قوم اپنے اندرونی نظام قومیت سے باوجود غیر تعلیم یافتہ اُمی ہونے کے ایسی
ہی باخبر ہے۔ جیسا کہ عرب میں، بلکہ افغان عورتوں اور مردوں میں نسب کی معلومات عربوں
سے بھی بڑھ کر ہیں۔ یہ توافق خیال بنی اسرائیل و بنی اسماعیل کا ایک قومی شہادت ہم نسبی کی
ہے جو دنیا بھر کی اور قوموں میں نہیں۔

۲۔ جب عرب صدر اسلام میں اسلام لے کر افغانوں تک پہنچے تو اس قوم نے مجموعی
طور پر اسلام قبول کر لیا اور یہ واقعہ اہل مدینہ کے مجموعی طور اسلام قبول کرنے کے موافق و مطابق
اس لئے تھا کہ مدینہ میں بھی اہل کتاب اور یہود تھے جن کو آخری نبی کے آنے کا انتظار تھا۔ ایسا
ہی افغان بھی اسرئیلی تھے جنہوں نے آخری نبی کو جلد شناخت کر کے مجموعاً مان لیا۔ اس وجہ سے
کہ جب ان تک اسلام پہنچا۔ ضعف سے نکل کر اس شوکت کے درجہ پر جا چکا تھا۔

۳۔ اسرائیلی لوگ اپنے آپ کو تمام دنیا کی اقوام سے افضل یقین کرتے تھے غیر
...وں کو جنٹائل کہتے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنے انساب کو نہایت واضح طور پر محفوظ
...رکھا۔ جو اب تک حفاظت کا سلسلہ موجود جاری ہے۔ اس لئے قبول اسلام کے وقت
...ام اور صدر اسلام کے جمہور پر واضح کر دیا گیا کہ افغان بنی اسرائیل ہیں۔

۴۔ صدر اسلام کے محققین جنہوں نے ایک ایک حدیث بلکہ ہر حدیث کے ایک ایک
...ت کے لئے جو مشقت اور تحقیق کی ہے۔ اس کی نظیر دنیا میں کسی قوم کی مزعومہ آسمانی
...کی نسبت بھی ہرگز نہیں ملتی۔ مگر اس طبقہ صحابہ و تابعین نے افغانوں کے دعویٰ
...ت کی تصدیق کی ہے اور افغانوں کا مجموعی طور پر بنی اسرائیل سے ہونے کا دعویٰ
... اسلام سے اب تک ساڑے تیرہ صدیوں سے قائم رہا ہے۔ اور صدر اسلام سے یہ
...میر و خمیر ہر افغان و عرب میں رچی ہے کہ افغان نسل اسرائیل سے ہیں۔ اور ان کی نسبی
...ت اور صدر اسلام کے محققین کا اس کو تسلیم کرنا عظیم الشان اجماع امت ہے جس کے
... میں بعید ملکوں کے محققین کی تحقیق محض قیاسات کا درجہ رکھتی ہے۔

۵۔ افغانوں نے اسلام اور پنج بنائے، اسلام کو تو قبول کر لیا ہے، مگر رواجات عجمی شادی
...ن اور تقسیم وراثت وغیرہ وغیرہ کا قانون اب تک تمام کا تمام یہودی شریعت کے مطابق
... یہاں تک کہ جامہ مردانہ زنانہ اور طریق گزاروں فیشن اور عادات و اطوار کل یہودیانہ
...رائیلی ہیں۔ اور یہ روایت صدر اسلام سے ان میں زبان زد چلی آئی ہے کہ کیا اسرائیل
...بعض حصہ کتاب اللہ (توریت) کو مانا اور بعض حصہ پر عمل سے انکار نہ کیا تھا۔ اسی لئے
...میں تقسیم میراث و نکاح کے بمنزلہ منگنی اور لڑکیوں کے عوض میں شادی کنندہ سے خدمت
...ت لینا جس کو دختر فروشی کہتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے شادی کے
... میں خسر کی بکریاں آٹھ دس سال چرانے کا رواج اب تک افغانوں میں زندہ موجود ہے
...اس قدر سرکشانہ عادات و اطوار کتب عہد عتیق میں یا قرآن شریف میں مذکور ہیں کہ اہل
...ائیل میں وعادات تھیں۔ وہ تمام عادات جس کا جی چاہے افغانوں میں اور قبائل آزاد میں
...تمام خود دیکھ لے حتیٰ کہ اپنے عزیزوں کو مغلوب کر کے گاؤں سے نکال دینا جس کا قرآن
...ذکر کیا ہے۔ وھو محرم علیکم اخراجہم اور باقی دنیا کی قوموں میں عموماً ان خصوصیات کا نہ ہونا۔

۶۔ ساخت جسم اور چہرہ شکل شمائل وضع اہل عرب وبلی افغانستان کا باہم توافق
فرق یہود اور افغانوں کی شکلوں میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔

۷۔ بخت نصر شہنشاہ بابل کا اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے صرف ایک قبیلہ
شام وغیرہ ممالک میں رہنے دینا اور دس یا گیارہ اسباط اسرائیل کا خراساں کے پہاڑوں
جلاوطن کر دینا ایک مسلّم تاریخی واقعہ ہے جو گویا طالب حقیقت کا ہاتھ پکڑ کر افغان قبائل
اسرائیل بنا دیتا ہے جن کا اپنا قدیم دعویٰ باہم مل کر شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔
لاکھوں شمار نفوس کہاں غائب ہو گئے اور اگر تھے تو یہ مقام ومحل ان کا وہی ہے جہاں سے افغان
بطور منبع کے دنیا میں پھیلے ہیں۔ البتہ کابل جلال آباد کے اطراف ان کا معدن ہرگز نہ تھا، بلکہ
سے کابل تک اور جلال آباد سے گندھارا تک جو پشاور سمہ سوات باجوڑ وغیرہ پر دوئم سوئم صدی
ہجری تک آریہ ہندو اقوام کا قبضہ رہا ہے، بلکہ سمت مغربی وسمت جنوبی موجودہ افغانستان کی
کا مستقر رہا ہے۔ کابل کے اطراف میں جو صحابہ کے زمانہ سے بہت بعد تک شدید جنگیں ہوئی
ہیں جن کو مورخین سرسری افغانوں سے جنگ خیال کرتے ہیں، وہ ہندوؤں سے ہوئیں
سلطان سبکتگینؒ وسلطان محمودؒ کے زمانہ تک کابل جلال آباد ہندوؤں کا تھا۔ سوات بونیر باجوڑ
وغیرہ ممالک گندھارا کے نام سے ہنود کے مرکز تھے جن کو سلطان غازیؒ نے فتح کر کے
افغانوں اور اسرائیلی قبائل کو آباد کیا ہے۔ اس کے بے شمار دلائل وشواہد ہیں۔ جو مجوزہ کتاب
میں لکھوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کابل میں چوتھی صدی ہجری تک ہندو راجپوت قوم کے ساتھ
مسلمانوں کی جنگوں کے ذکر میں تاریخ ابن خلدون میں بھی کابل کے محل کی وجہ سے افغان
راجپوت ہندو لکھا ہے جس کو عہد سبکتگینؒ وسلطان محمودؒ میں جھاڑو دے کر ملک بدر کر کے افغانی
قبائل کو ملک دیا گیا یہ ہندو تہذیب وار یہ ملت ہی افغانوں کو اس وقت مغالطہ لگنے کا موجب
رہی ہے۔

البتہ میرا ذاتی اور منفرد طور پر ایک نظریہ ہے جو علم درایت کی رو سے مجھے صحیح معلوم ہوا
ہے اور کتب انساب افغانیہ کے اندر میں اس امر کو ایک ایسی غلطی خیال کرتا ہوں جس نے تمام
کتب انساب کو چاہے عقلمند مورخین یونانی ہوں، خواہ انگریزی، جرمنی، فرانسیسی ہوں۔ ان
دعوی اسرائیلیت کو خام ور غیر صحیح تسلیم کر لیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام افغان کو صرف قیس عبدالرشید

کی اولاد قرار دینا۔ اور صرف ایک شخص کی نسل سے تیرہ صدیوں میں تین چار کروڑ تک
پیدا ہو کر دنیا کو بھر دینا۔ یہ امر خلاف عقل وقیاس ہے اور جب افغانی نسب ناموں میں
دیکھا گیا تو ان کے اصلی وحقیقی صحیح دعویٰ کو بھی غلط سمجھا گیا۔ اصلیت اس قدر معلوم ہوتی
ہے کہ قیس عبدالرشید ہی وہ شخص ہے جو اس وقت کے موجود افغانوں کے سرکردہ لوگوں کو ہمراہ
مدینہ طیبہ کو خواہ حیات نبویؐ میں آگئے خواہ خلافت ثلاثہ میں گئے اور تمام قوم افغان کو
طور پر اسلام میں لانے کا موجب ٹھہرا۔

یہ قرین عقل ہے کہ ان کا نکاح سارہ بنت سلیمان بن خالد بن ولید سے ہوا ہو۔ اور ان
کی اولاد کو خالد بن ولید کی اولاد سے شمولیت حاصل ہو، مگر نہ تو افغان خالد بن ولید مخزومی سپہ
سالار اسلام کی اولاد ہیں اور نہ سب کے سب قیس عبدالرشیدؒ کی اولاد ہیں۔ اور یہ روایت بعینہ
نوح کے تینوں بیٹوں سے کل انسانوں کا آباد ہونا جو مشہور ہے اس کے مطابق ہے
نہ وہ سچ ہے نہ یہ سچ ہے۔ آیت ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ سے ثابت ہے کہ ہمراہیان نوح
کی اولاد سے دنیا میں بڑے بڑے قبائل موجود ہیں جنہیں قرآن مخاطب کرتا ہے۔ ایسا ہی بنی
اسرائیل کے بڑے گروہوں میں بٹنی۔ سرنی اور غورغشت تین افغنہ کی نسل سے قیس کے عہد
میں ایسی جمعیتوں کے ساتھ موجود ہوں گے جن کو ساتھ لے کر قیس نے داخل اسلام کیا۔ جو
کی ماتحتی کی وجہ سے اس طرف منسوب ہو گئے۔ ورنہ افغانوں میں جو قبائل در قبائل بٹتے
موجود ہیں اور اس میں کی ہر ایک شاخ جو دو سو نفری کا مجموعہ ہے۔ وہ دو صدی سے کم
نہیں بنتے۔ اور ایسی شاخیں اوپر سے نیچے تک اگر غلط اندازے سے ہی شمار کریں تو بھی
پچاس صدی سے کم بٹنی اور غورغشت سے اب تک نہیں ہوں گی بلکہ اس سے زائد ہوں
گی تو کیوں کر علم درایت اور عقل فتویٰ دے سکتی ہے کہ یہ سب ساڑھے تیرہ صدیوں کی پیداوار
ہو۔ بلکہ میرے خیال میں ہے کہ افغان چونکہ بوجہ پیشوا پرست اور پیر نواز قوم ہے۔ لہٰذا قیس
عبدالرشیدؒ جو یقیناً اصحاب رسول صلعم میں سے تھے ان کے اس قدر مشکور بوجہ اسلام ہو گئے کہ
تمام افغان کا باپ ہی اس کو مان لیا۔ اور یہ رواج افغانوں میں ہمیشہ سے ہے۔ احمد شاہ ابدالی کو
تمام افغان احمد شاہ بابا حقیقی باپ کی طرح مانتے تھے۔ دور کیوں جاویں۔ مصطفےٰ کمال کو تمام قوم
ترک کا باپ تسلیم کر کے لقب اتاترک کر دیا ہے۔ کیا وہ تمام قوم کا نسباً بھی باپ ہے یا یہ کہ

اس نے قوم کو ایک نیا جنم دیا ہے۔ ایسا ہی حق تھا کہ قیس کو افغان دیں، اسلام سکھانے کی وجہ سے نیا جنم دینے والا اور باپ سب کا مانا ہوا سمجھیں۔ اور افغنہ کی اس وقت تینوں شاخیں بٹنی۔ سربنی۔ غور غشی نے متفقہ اس کو والدِ قوم کہا ہو جس کے اندر اس وقت متعدد شاخیں بصورتِ مندرجہ بالا پہلے سے موجود ہوں۔

اس نظریہ کو میں اس جگہ ایک مثال دے کر واضح ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے مثلاً اس وقت یوسف زئی قوم میں جو نواب دیر تمام یوسف زئی قوم کا سرکردہ موجود ہے اس کی ریاست کی بنیاد جس بزرگ سے شروع ہوئی ہے اسکا نام خواہ کچھ ہی ہو، مگر اس کو اخون اخون صاحب کہتے تھے۔ جو حضرت آدم بنور صاحب کے مرید رشید تھے۔ اور حضرت آدم صاحب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ماذون مرید تھے۔ امام ربانی شیخ احمد سرہندی نے مجددیت کا دعویٰ ۱۰۰۰ ہجری کے خاتمہ کے بعد قریب تر زمانہ میں کیا۔ جس کو شہنشاہ جہانگیر نے قلعہ گوالیار میں اسی دعویٰ پر قید کر دیا تھا۔ پھر ان کے مرید اخون بابا کو اگر تم حضرت صاحب کا پوتا بھی مان لو (حالانکہ مرید قریب العمر ہوا کرتے ہیں) تو بھی معاملہ ۱۰۰۰ کے بعد سے ۱۱۰۰ ہجری کے اندر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد اب تک اڑھائی سو یا پونے تین سو سال گزر چکے ہیں۔ اور اخون بابا کو قوم کی امارت مل گئی تو امرا لوگ اکثر کثیر الاولاد بسب کثیر الازدواج ہو کرتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اخون خیل اس وقت تک ہزارہا نفوس ہوتے، مگر تو برائے نام چند افراد اخون خیل ایک سو سے زائید ہوں گے۔ جو سو کی تعداد سے کم نہ ہوں تو زائد نہیں، مگر وہ منجملہ بے شمار قبائل ملیزئی کی شاخون کے صرف ایک شاخ ہیں۔ زرہ خیل پانچ خیلوں کو کہا ہی اس لئے جاتا ہے کہ وہ ہزار خیل اپنے آپ کو کہتے ہیں۔

پشتو میں ہزار کو زر کہتے ہیں۔ صرف قوم پائندہ خیل کے بننے پر بھی ہزار نہیں تو پانچ صدیاں صرف ہونا ضروری ہیں۔ اب وہ معہ سلطان خیل کے خواجوزئی قبیلہ کی آٹھ دس شاخوں میں ایک شاخ ہیں جو ایک لاکھ ہوں گے۔ خواجوزیوں کے اس قدر قبیلے جن کی نفری فی قبیلہ دو اڑھائی سو ہی بن سکے وہ بھی چار صدیوں سے کم عرصہ میں نہ بنے ہوں گے۔ اب خواجوزئی اکوزئی کے دو قبیلوں سے ایک قبیلہ ہے جو دو لاکھ سے کم نہیں اور اکوزئی یوسف کی متعدد اولاد سے ایک ہے۔ ہر ایک قبیلہ اور خیل اور زئی کا ایک دوسرے قبیلہ کی شکل میں بن کر بیخ قبیلہ

ہونے کے لئے بعض اقل مدت دو صدیاں اور اگر چار پانچ صدیاں صرف ہوتی ہیں، اب حساب سے نیچے سے اوپر کو شمار کیا جائے کہ کتنی صدیاں صرف سربنی تک ہو سکتی ہیں۔ ساتھ خیال بھی رہے کہ ہر باپ کے بیٹے کا نام افغانی خیلوں میں نہیں لیا جاتا، بلکہ کئی نسل بعد ایک، پوتا اور دور تر بنیرہ کے نام سے خیل جدا ہوتی ہے۔ لہٰذا خون خیل۔ جو ہزار خیل پائندہ سے ایک ہے۔ پائندہ خیل کل قوم بننے کی پانچ صدیاں کم تر حساب سے لیویں تو اکوزئی بننے کی بھی پانچ صدیاں ہو جاتی ہیں۔ یہ صرف ہزار سال کا حساب ہوا۔ مگر اکوزئی کی شاخ خواجوزئی ہے اس کی قومیت کی تعمیر کسی طرح مذکورہ حساب ادنیٰ سے بھی ہزار سال سے کم میں نہیں ہوئی ہو گی۔

دو ہزار سال تو صرف ایک اکوزئی قوم بننے کی ادنیٰ عمر ہے۔ پھر یہ کیوں کر قیس کی اولاد ادنیٰ ہے۔ پھر اکوزئی کل قوم یوسف زئی کی ایک شاخ ہے جس کی تعمیر مختلف قبائل کی شکل میں ادنیٰ حساب سے ہزار سال سے ہی لے لیویں تو معاملہ تین ہزار سال چلا جاتا ہے۔ یوسف زئی کی شاخ ہے گجی خیل برادر غوری خیل قبیلہ کی (اس وقت کل یوسف زئی مومندن کے بیس سے تیس لاکھ نفوس کم نہیں) اور اگر ہم گجی خیل قبیلہ بننے کی مدت پانچ صدیاں ہی لیویں اور ان کے اور درخت یعنی کند قبیلہ کی تیاری پر پانچ صدیاں صرف ہوں تو چار ہزار آج سے قبل سال ہو جاتے ہیں۔ جو کند قبیلہ شیریوں یا خرشیوں سے جدا ہوا ہے۔ اور وہ سربنی سے جدا ہوا ہے مگر کہا جا سکتا ہے کہ پہلے انساب کثرت نہ ہونے کی وجہ سے کم سالوں میں بنے ہوں گے، تو اب ان پانچ ہزار سالوں کو ہم فرضی طور پر تخفیف کر کے نصف سے بھی گھٹا کر صرف دو ہزار سال رہنے دیں تو بھی قیس عبد الرشید کی اولاد ہرگز کل افغان نہیں بن سکتے۔ اور میرے خیال میں یہی وہ بنیادی غلطی ہے جو افغانوں کی نسبت نسب نامہ میں غیر قوموں کو اور ان کے علماء کو افغانوں کی قومیت کی خیال آرائی پر آمادہ کرنے کو موجب ہوئی ہے۔

مذکورہ بالا شامر سے ایک اور فائدہ افغانوں کے صحتِ علم نسب کا یوں لیا جاتا ہے کہ نواب دیر کے بیٹے سے کوئی سوال کرے، تم کون ہو، وہ کہے گا میں اخون خیل ہوں۔ اسی سے سوال کرو اخوخیل کون ہیں جواب ہو گا پیندہ خیل کی بے شمار شاخوں سے ایک شاخ۔ پھر سوال ہو گا پیندہ خیل کون ہیں۔ جواب دے گا۔ ملیزئی۔ پھر کہا جاوے گا۔ ملیزئی کس شاخ سے ہیں تو

وہ بچہ ہی جواب دے گا خواجوزئی سے ہیں۔ پھر اس سے سوال ہو گا خواجوزئی کون ہیں
کہے گا آگے مجھے معلوم نہیں۔ میرا والد بتادے گا۔ تو نواب صاحب بتائیں گے کہ منجملہ سوا
قبائل اکوزئی کے خواجوزئی ایک قبیلہ ہے یعنی اکوزئی ہیں۔ پھر اکوزئی کون ہیں؟ وہ یوسف
ہیں۔

پھر یوسف زئی کون ہیں، جواب ہو گا وہ مندنخیل میں ہے۔ پھر مندی خیل کون ہیں
جواب ہو گا وہ گجی خیل برادران غوری خیل ہیں۔ اور گجی خیل فرقہ کون تھا۔ وہ فرقہ کند برادر
جند سے تھا۔ جو شیریوں یا خرشبون تھا۔ قبیلہ سربنی کی شاخ تھی اور سربنی جس کو قیس عبدالرشید
فرزند بشکلِ مذکورہ بالا بتلایا ہے وہ بیسیوں پشت قبیل افغنہ یا افغان ولد ارمیا ابن ملک طالوت
سے تھا۔ غرض نیچے سے اوپر تک کا یہ شمار جو دو تین ہزار سال تک قوم قوم قبیلہ قبیلہ کو پہچا
دنیا کی اور کسی قوم میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔ بجز بنی اسرائیل وافغان کے یا عرب کے جو کہ دونوں
قومیں یک جدی بنی اسرائیل و بنی اسماعیل ایک درخت کی دو شاخ ہیں۔ اور جب ابتداء
افغانوں کا دعویٰ اسرائیلیت کا ہے، تو وہ صحیح ہے یہ بحث باوجود اختصار طلبی کے بہت طویل ہو گئی
اور جس قوم میں ہمارے جدِ اعلیٰ نے قیام فرمایا تھا اس کی تاریخ لکھنا رہ گیا۔ لہٰذا قبیلہ یوسف
زئی کا احوال ذیل میں درج کیا جاتا ہے کہ وہ اس ملک میں کب اور کیوں کر آباد ہوئے۔

فصل پنجم

احوال قبیلہ یوسف زئی

یوسف زئی قبیلہ ساتویں یا آٹھویں صدی ہجری میں بتدریج آتے آتے ان ملکوں میں
ہیں۔ جہاں ان کا اب تک قیام پایا جاتا ہے۔ ان کے آنے کی روایات اس عہد کے لوگوں
لکھی ہیں۔ میں ایک کتاب الانساب سے جو نویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہے، یوسف زئی
کا احوال لکھ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ قرب زمانہ کی وجہ سے یہ حالات زیادہ صحیح ہوں
لکھا ہے کہ افغان قوم ہرگاہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سپہ سالار کی اولاد تھی اس لئے
ان کو افغنہ بھی اور سلیمانی بھی کہا گیا ہے ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب
ہونے کی وجہ سے انہیں سلیمانی کہا گیا ہو۔ افغانوں کو سلیمانی لقب دینے والے زیادہ تر عرب
مؤلفین ہیں۔ جب عربی فتوحات افغانوں تک پہنچیں تو عرب حکام نے اسرائیلی نسل انکو تحقیق
کر کے سلیمانی لقب دیا۔ اور پہاڑوں میں آکر وہ بسے ان ملکوں اور مقامات کے نام بھی شام
کے ملکوں کے ناموں پر انہوں نے رکھے (وزیرستان میں دو پرگنے اس نام سے موسوم ہیں: بالا
شام و پائیں شام)۔

ممکن ہے اس وقت کے ان کے سردار کا نام بھی سلیمان ہو۔ جس وقت کہ ان کو بخت
نصر بادشاہ بابل نے شام سے جلاوطن کر کے خراسان کے مشرقی پہاڑوں میں دھکیل دیا گیا تھا۔
جب عہدِ اسلام آیا تو افغانوں کی روایت ہے کہ ان میں سے معہ وفد قیس عبدالرشید خود مدینہ کو
ایک وفد لے کر گئے اسلام قبول کیا۔ جہاد میں شریک ہوئے اور واپس آکر قوم کو اسلام کا پیغام
پہنچایا۔

قرآن شریف میں جن قوم کے دو وفود کا جو مذہبا یہودی دوئم نصرانی تھے آنحضرت کے

پاس آکر اسلام لانے اور اپنی قوم کو تبلیغ اسلام کرنے کا ذکر بھی موجود ہے۔ ممکن ہے تاری[illegible]
کے علاوہ اس وفد کا تذکرہ بھی ان آیتوں میں ہو بہر حال یہ جزوی حال تھا، مگر حضرت [illegible]
ثالثؓ کے عہد میں کل افغان قوم بالاتفاق اسلام کے اندر آگئی کیوں کہ ان کی کتب مقدس[illegible]
نبی آخرالزمان کی جو جو پیش گوئی تھی، وہ ان کے ملک تک اسلام کی عظمت و شوکت کے [illegible]
میں پہنچی جس میں ان کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی اور اسی وجہ سے کل قوم نے قیس عبدا[illegible]
کے پیغام کو حیاتِ ملت سمجھا اور اسکو اب ملت تصور کرلیا۔ لیکن لکھ چکا ہوں کہ کابل پر [illegible]
شمالی و مضافات کے تیسری چوتھی صدی ہجری تک ہندو راجاؤں کا قبضہ رہا۔ جس کو سبکتگین [illegible]
فتح کرنا شروع کیا اور سلطان محمود غازی نے اختتام کو پہنچایا۔ سوات باجوڑ بونیر وغیرہ علاقوں [illegible]
فتح پا کر افغانوں یعنی اسرائیلیوں کو اس پر بسایا جو قومیں مسلمان ہوگئیں، وہ رہ گئیں۔ جو مقا[illegible]
ہوئیں وہ فنا یا ملک بدر ہوگئیں۔

اکثر انبیاء بنی اسرائیل کے نام افغانوں کے اباء اجداد ان کے قبائل کے مورثِ اعلیٰ [illegible]
ظاہر ثبوت ہیں کہ افغان نسل اسرائیل سے ہیں۔ ورنہ آریا اقوام کا انبیاء اسرائیل کے ناموں
سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔

جدول قبائل یوسف زمیان

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام
اقوام عرب کل بنی اسماعیل ہیں اور
خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اولاد
اسماعیل ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام
حضرت یعقوب اسرائیل اللہ علیہ السلام

[1] یہودہ۔ شمعون۔ نفتالی۔ لاوی۔ یوسف۔ بنیامین۔ راہن۔ روبیل۔ دان[9]۔ جاد۔ یشجر[11]۔ اشر[12]

ملک طالوت — برخیا — آصف وزیر سلیمانؑ

افغنہ یا افغان افسر فوجی حضرت سلیمانؑ

افغان کی کثیر اولاد شرخبون و خرشبون دو بھائی تھے

زرند یا جمند — کند یا گند

[illegible] امرین۔ تریچ۔ سیانہ وغیرہ [illegible] تفصیل سے گزر چکا ہے۔ مہمند زئی [illegible] قبائل سے ہیں۔

غورے — شیخے یا تخے

غوری خیل قبائل

[illegible] ۔ ترکلانی ۔ ککیانی ۔ یوسف ۔ عمر ۔ مندان ۔ مندے

ماموان ۔ خدرر ۔ رجبڑ ۔ مزد

اکو — موسیٰ — عیسیٰ — ملی — اور یابادی

بادی خیل گمنام

حسن زئی اکازئی

ایاس زئی
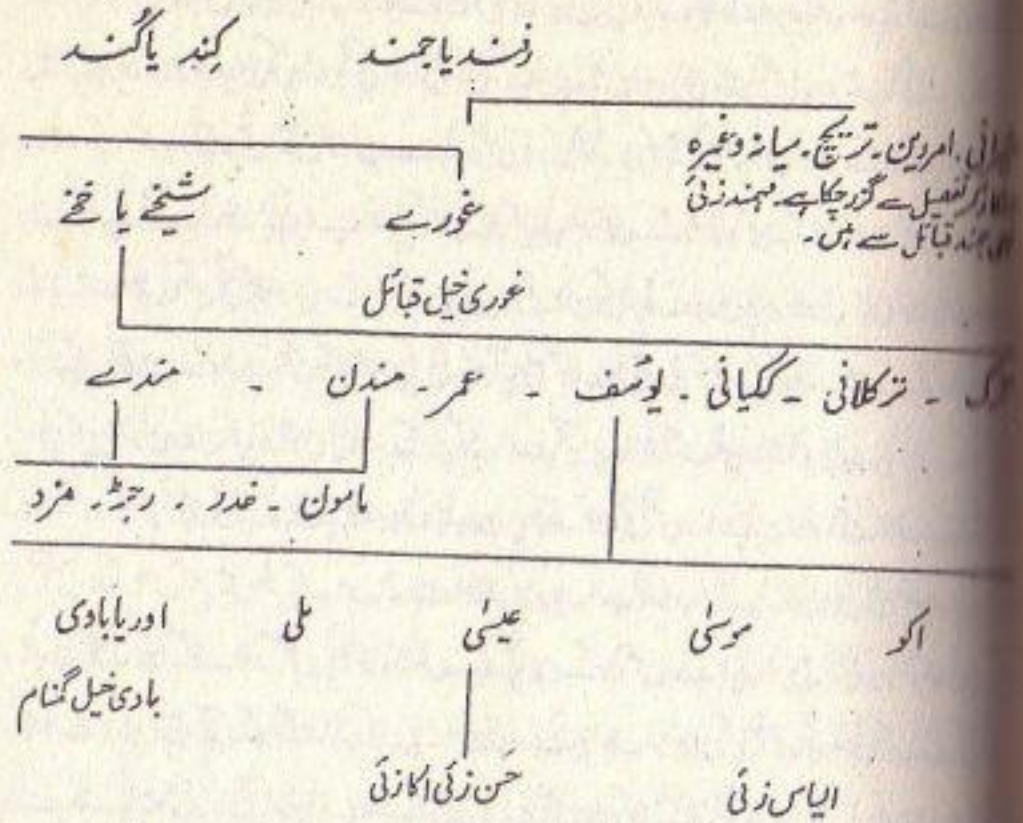
اس نقشہ سے جو دوسری کتاب میں پایا گیا ہے سابقہ اندراج پر اس طور سے روشنی پڑتی
ہے کہ بعض اجداد یا کئی پشتوں کے درمیان نام مذکور ایک جگہ ہیں۔ دوسری جگہ نہیں اور پایا جاتا
ہے کہ صرف ممتاز اباء کے نام درج ہیں۔ کئی پشتوں کی تشریح درمیان میں چھوٹ جانا ایک
[illegible] امر ہے۔ اس نقشہ کی تفصیل عبارت ذیل ہے:

کند کی اولاد کو شیخ خیل و غوری خیل دو شاخون میں شمار کیا جاتا ہے اور جمند کی اولاد
افغانستان میں اسی تعداد سے کثیر ہے جس قدر کند قبائل پشاور کے قریب پائے جاتے ہیں۔
غوری خیلوں میں سے فرقہ چمکنی کسی وجہ سے اپنی برادری سے ناراض ہوکر کوہ سفید میں جاکر مقیم
ہوگئے تھے جو وحشیانہ گزران کرتے ہیں۔ اور زیرانی بھی اپنے بھائیوں غوری خیلوں سے کٹ

کر جدا ہو گئے اور ننگر ہار میں جا کر تاجک قوم کے ساتھ جا سکونت اختیار کر لی تھی۔ بے خبر لوگ ان کو تاجک خیال کرتے ہیں۔ (تاجکوں کو اب درانیوں نے ہانک دیا ہے خود ننگر ہار پر قابض ہیں)

گجی خیلوں میں مندی اور ملکہ دونوں بھائیوں کی والدہ کا نام مرجا تھا اور ترک کی ماں کا نام بسو تھا۔ جو مرجان کی بہن تھی اور شیخ کی زوجیت میں دوسری بہن بھی بعد میں آئی۔

جس وقت گجی خیل کابل سے جلاوطن ہو کر ننگر ہار کو آئے تو اس قبیلہ کے زعیم ملک احمد نے اپنے آنے سے پہلے اپنے بھائی قبیلہ کا کیانی کو جن کے ہمراہ مہمند زئی بھی تھے جو دراصل نسباً جمند ہیں، مگر گجی خیلوں کے ساتھ شامل ہو کر ان کی جنبہ داری و برداری میں جلاوطن ہو کر آگئے تھے ان دونوں قبائل یعنی مہمند زئی و کاکیانی کو اپنے آنے سے پہلے ملک احمد نے دلازاک کی مہم پر اول روانہ کیا۔ شمالی پشاور کے پرگنہ ہشت نگر پر دلازاک قبیلہ قابض تھا۔

قوم ترکلانی نے جو پہلے علاقہ لغمان پر قبضہ کر چکی تھی۔ اپنے برادر ملک احمد کے ساتھ متفق ہو کر اس مہم میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اب لغمانی لوگ ترکلانیوں کی حکومت سے بہت تنگ ہو گئے۔ اور مغل بادشاہ کابل کے پاس گئے جس نے اپنی فوج بھیج کر ترکلانیوں کو تاخت و تاراج کر کے ملک بدر کر دیا۔ انہوں نے یوسف زئیوں کیساتھ بیوفائی کرنے کی وجہ سے ملک باجوڑ کا رخ کر لیا۔ یوسف زئیوں نے بھی ان کو اپنے مفتوحہ ممالک سے حصہ نہ دیا۔ وہاں سے انہوں نے چکان سرائے کا رخ کیا، مگر وہاں بھی ترکلانیوں کو شکست ہوئی۔ تب انہوں نے لگیانیوں کے مقبوضات پر حملہ کر دیا اور دو مرتبہ ایک ایک ہزار جوان لگیانیوں کے ترکلانیوں نے قتل کر کے باجوڑ کے خطہ پر قبضہ جما لیا۔

اس اس کتاب کی تحریر تک بدستور قابض ہیں۔ البتہ نصف صدی سے بھی کم عرصہ سے نواب دیر یوسف زئی نے علاقہ جندول ترکلانیوں سے چھین کر یوسف زئیوں کے قبضہ میں دے دیا ہے، مگر اس کا موجب اول عمرا خان سردار ترکلانیوں کا ہوا۔ جس نے یوسف زئی سردار خان دیر محمد شریف خان سے ملک چھین کر اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ جس کے ساتھ برطانوی حکومت کی مخالفت چترال میں مداخلت پر ہو گئی اور ۱۸۹۵ء میں برطانوی فوجوں نے عمرا خان ترکلانی کی حکومت ہٹا کر اس کے مقبوضات جندول پر بھی نواب محمد شریف خان وائی مویر کو قبضہ دلایا۔

درمیان جملہ زندہ اس زمانہ کا آ گیا تھا ورنہ ذکر تو ۷۰۰ھ سے ۸۰۰ ہجری کا ہے۔)

عمر بردار یوسف جو مرد صالح تھا کسی دور ملک میں اس نے ایک سید بی بی سے نکاح کا تھا۔ خوردسال مندن عمر کا بیٹا یتیم رہ گیا۔ پرورش اس کی چچا یوسف نے کی اور املاک سے حصہ بھی اس کو اپنے ساتھ نصف دیا۔ بادی یا اوریا جو یوسف کا بیٹا تھا۔ اپنی ماں کی بددعا کی وجہ سے اس نے بے ادب اور گستاخ لفظ ماں کو کہا تھا۔ قلیل اولاد ہے اور وہ گمنام دیگر برادریوں میں ضم اور جذب ہو کر معدوم ہو گئے ہیں۔ عیسیٰ زئیوں کے مورث، اعلیٰ عیسیٰ کے گیارہ بیٹے تھے۔ ان کی بھیڑوں کا گلہ مغل بھگا لے گئے۔ تب انہوں نے تعاقب کیا۔ مگر مخالف کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ عیسیٰ کے ۹ بیٹے ان کے مقابلہ میں شہید ہو گئے صرف دو بیٹے حسن اور یعقوب زندہ رہ گئے حسن کے نو بیٹے ہوئے جن کی اولاد نوخیل تن زئی ہیں، جو اب کوہ سیاہ میں رہتے ہیں اور یعقوب کا ایک بیٹا مدا جوان تھا، یعقوب مر گیا۔ مگر زوجہ اسکی حاملہ تھی۔ بعد اس کا بیٹا اکا پیدا ہوا۔ مداخیل و اکازئی دونوں یعقوب زئی کہلاتے اور کوہ سیاہ میں اس وقت یہ عیسیٰ زئی قبائل سکونت دار ہیں۔ اکازئیوں کو اب بھی مداخیل پس مرگی برادر کہتے ہیں۔

جس وقت یوسف زئی ان ممالک پر فتح یاب ہو کر قابض ہو گئے۔ تو ملک احمد یوسف زئیوں میں تھا اور ملک شیخ ملی جو مندن اور قبیلہ اوتمان زئی شاخ اکازئی فریق چارسدہ میں سے تھا۔ وہ اس قبیلہ یوسف زئی کا مقنن تھا۔ جس نے نہایت عجیب و غریب قوانین ایسے مرتب کئے ہیں جو کتابت اور تدوین کے محتاج نہیں، مگر ملکیت ہر فرقہ اور ہر خیل بلکہ ہر فرد کی مخفی ہو کر مغالطہ میں نہیں گم ہو سکتی۔ تب اس کو ضرورت مردم شماری کی ہوئی۔ افغان عورتوں کو حصہ موسوی شریعت کی رو سے نہیں دیتے۔ اس وقت اکوزئی قبیلہ کے مرد جن کی عیسیٰ زئی کے بغیر بچوں اور عورتوں کے چھ ہزار مرد قابل جنگ شمار کئے گئے۔ اور قبائل الیاس زئی و ملیزئی۔ و زئی چھ ہزار مرد جنگی شمار ہوئے شمار ہوئے اور مندن قبیلہ کے بھی جن کے مرد بارہ ہزار شمار ہوئے جن میں لغمانی کابلی ننگر ہاری وغیرہ جو خاندان ہمراہ آ گئے تھے، وہ بھی شمار کئے تھے۔ (کلیتاً بوڑھے بچے عورتیں سب ملک کر ایک لاکھ (اس وقت تخمیناً کل یوسف زئی کی تعداد بیس پچیس لاکھ تک ہے) نفری یوسف مندن کی اس وقت تھی۔

ملک مفتوحہ میں چند سال رہنے کے بعد از سرنو تقسیم املاک کا دستور ملک شیخ ملی کی ایجاد

ہے جس کی وجہ سے متعدد فائدے اس وقت مدِ نظر تھے:

اول یہ کہ افغان تیز مزاج لوگ ہیں۔ اور جہاں انسان رہتے ہیں وارداتیں بھی ہوتی ہیں اس کا نتیجہ خانہ جنگیاں ہو کر اقوام کی کمزوری پر ختم ہوتا ہے۔ اس کا واحد علاج یہ ہ کہ متخالف و متخاصم فریقوں کی سکونت اور املاک یکجا نہ رہنے دی جاویں اور ایسا نزاع پیدا ہوتے ہی فوراً ایک دوسرے کو دور دور تر مقامات میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔

دوئم اراضیات و خطہ جات میں عمدہ و معمولی اور بہتر و کم تر قطعات کا ہونا بھی لازم ہے دائمی حقداری کی صورت میں صرف ایک فریق بہتر جگہ پانے والا فائدہ مند او کم تر جگہ پانے والا نقصان اٹھاتا مگر ہر پانچ سال یا دس یا سات بعد تبدیلی ہونے سے سب قوم کو موقعہ عمدہ اور کمتر قطعات پر رہنے کا یکساں فائدہ ملتا رہتا ہے۔

سوئم فائدہ یہ تھا کہ کل قطعہ ملک مفتوحہ کل قوم کی مشترک جائیداد تھا۔ اگر تقسیم دائمی ہوتی تو جو قبیلہ کنارہ پر کسی دشمن قوم سے ملحق رہتا اور دشمن ان پر حملہ کرتا تو کل قوم کو ایسا مشترک درد نہ ہوتا، بلکہ ایک فریق کا زیادہ نقصان ہوتا۔ ہر فردِ قوم کا حصہ دشمن کے قبضے میں آجانے کا تیقن تھا۔ اس لئے ادنیٰ گوشہ سرحد پر بھی کل قوم کا جان بازانہ مدافعت کا حق رہنے دیا گیا تا کہ ہر فرد قوم کو مشترک درد پہنچے۔ اگر کوئی بیرونی دشمن نقصان رسانی یا املاک ربائی کرے تو قوم یک دل ہو کر انچ زمین چھوڑنے پر راضی نہ ہو سکے وغیرہ وغیرہ بہت فوائد اس وقت تھے جواب تک بعض جگہ رائج رہا ہے اور ہے اور بعض جگہ رواج اٹھ چکا ہے۔ ایک اور جدول لکھتا ہوں۔

تفصیل اقوام یوسف زئی جو اولاد مندی ہے کل یوسف مندن یوسف زئی ہے۔

اکو	عیسیٰ	ملی اولاد ملیزئی	موسیٰ		اوریا یعنی بادی
			الیاس اولاد الیاس زئی		اسکی اولاد قلیل و گمنام جس کا موجب والدہ کی دعا ہوئی۔

چغر	آیا	دولت
اقوام چغرزئی بنی خیل و نصرت خیل وغیرہ	الیسوزئی	دولت زئی
	پیچا پائے نورے زئی	

فتو	تاجے	سالار	سی
نسو	گدائی		
			[illegible]

حسن زئی	مداخیل	اکازئی

خواجے	بازید زئی	آبا	نسارکا خالک	حلیم
ان چاروں کی والدہ کا نام گوہر تھا			قبیلہ خالک زئی	[illegible]

دریائے سوات سے مشرق جانب اقوام بازی زئی کا شمار ذیل ہے:

جنگی خیل۔ عزی خیل۔ بشری خیل۔ متوڑزئی۔ بالوزئی۔ ابا خیل۔ موسے خیل۔ خاں

خیل۔ رانی زئی۔ حتمان خیل۔ یہ سب بائی زئی ہیں۔

دریائے سوات سے مغرب جانب قبائل خواجوزئی ہیں۔ دیر کی اقوام پائندہ خیل۔
دین خیل۔ سلطان خیل اوسا خیل۔ دلہ خیل یلزئی کہلاتے ہیں۔ باقی شاہزئی اوسا خیل۔
جوق خیل۔ نکپی خیل۔ شموزئی اوزئی ومرد مان تالاش اوسا خیل وغیرہ خواجوزئی ہیں۔

عمر ابن مندی

مندن بن عمر

مامور — خدر — رجر یا رزرہ — مزدیا موز

کمال زئی — امازئی — اوتمان نرئی

علی زئی — اکازئی — کنازئی — سدوزئی

ابو محمد اباخیل — عمر عمر خیل — مراحمد — مراحمد میراحمد خیل — بہزاد بہزاد خیل

خان کجو بادشاہ یوسفزئیاں	فراد ولد علی	علی ولد بہزاد

خدو خیل اباخیل۔ عمر خیل مراحمد خیل۔ ہزاد خیل سب سدوزئی اور اوتمان زئی ہیں۔

اولادِ مندن جو میدانی علاقہ سمہ میں اس وقت ہے اس کو بھی یوسف زئی کہا جاتا ہے۔
ضلع مردان میں یہی ایک قوم ہے۔ اس قوم نے قطعہ چملہ کا علاقہ جو بونیر کے مشرق
میں ہے۔ تمام مندن کے قبائل مندرجہ بالا کا ایک ایک گاؤں اس میں ہے۔ اس لئے
میدانی علاقوں پر بادشاہوں کی یورشیں ہونے کی صورت میں سمہ کے لوگ میدانی اپنا بال
مال ومتاع اس آزاد اور یاغستانی علاقہ میں محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ مگری۔ چروڑی جو امازئی
کا ملک ہے اس سے آگے کوہ مہابن کی طرف اور خدو خیل کا موجودہ علاقہ یوسف زئیوں
بادشاہ علی اصغر نے فتح کر کے قوم تنولی سے لے کر مندن علاقہ میں شامل کر لیا ہے۔ مندن
اقوام حسب ذیل ہے۔

امازئی جس کا مرکز صدوم ہے۔

کمال زئی جو ہوتی، مردان، تورو مایار میں ہیں۔

رزڑ جو شیورہ شیخ جانا ڈاگی، یار وسیں وغیرہ میں ہیں۔

اباخیل جو زیدہ کنڈہ پنج پیر وغیرہ میں ہیں جو صوابی، مانیر وغیرہ میں ہیں۔

میر احمد خیل کڈے مرغز، ٹنڈ کوئی وغیرہ میں ہیں اور

بہزاد خیل کھلابٹ میں ہیں۔

اوتمان زئی ٹوپی مینی کوٹہ وغیرہ۔ چچ، ہزارہ، تربیلہ، کیا۔ کبل میں ہیں۔ اس قوم میں قوم
گدون بھی شامل ہے جو اصلاً کاکڑ ہیں مگر یوسف زئیوں کے ہمراہ آئے۔ بونیرہ میں وہ خاکی
زئی موسارہ خیل نام سے موسوم ہیں۔ اور ایبٹ آباد کے حوالی میں بھی یہ قوم آباد ہے۔

ذکر واحوال جلاوطنی قبائل تخی خیل

از مرکز واصل وطن خود مضافات قندہار

یہ روایت ۹۰۰ ہجری کی ضبط تحریر میں آئی ہوئی نقل کر رہا ہوں کہ اطراف ونواحی قندہار میں افغانی قبائل نے جب مملکت واراضیات کو آپس میں تقسیم کی، تو وہ ولایات اس وقت خراساں کے نام سے موسوم تھی، تو قوم ترین کا حصہ اور قرعہ درمیان قبائل کند و جمند کے آگیا۔ (افغان ایسے امور میں قرعہ اندازی کے رواج پر اب تک قائم ہیں جو خصوصاً بنی اسرائیل کا مسلمہ رواج تھا۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں حضرت مریم کی کفالت کی نسبت قرعہ اندازی کے بارے میں بھی مذکور ہے۔ عبدالجبار) اور کند اور جمند قبیلوں کی اپنی برادری اور قرابت داری ان سے دور رہ گئی۔

ان میں سے بالخصوص قبائل کند میں سے تخی خیل، قبیلہ ترین قوم کے ساتھ متصل ملکیت پر از ہوئے قرعہ قابض ہوا۔ ان کے حصہ میں جورے ارغستان آیا تھا۔ بوجہ قربت واتصال ترین قبائل اور تخی خیلوں کے درمیان بتدریج سخت عداوت پیدا ہوگئی اور نوبت جنگ کی آگئی۔ تخی خیلوں کی برادری غوری خیل یا قبیلہ جمند سے کوئی امداد نہ دے سکا۔ اس لئے کہ وہ دور تھے۔ اور ترین قبائل کی تعداد کثیر تھی۔ اس وجہ سے ترین غالب ہوگئے۔ تخی خیل کے مرد جنگی اکثر قتل ہوگئے۔ جو بچ سکے وہ عورتوں کو ہمراہ لے کر ملک بدر ہوگئے۔

درہ ارغستان کو ترینوں نے آپس میں قبائل پر تقسیم کرلیا۔ اور جس وقت ارغستان سے (جس کو غوزہ مرغی بھی کہتے تھے اور اسی غوزہ مرغی یا ارغستان کا قدیم ترین نام غور ہے)۔ تخی خیل جلاوطن ہوگئے۔ تو اپنی برادری غوری خیلوں کے پاس گئے اور ان سے بطور التجا ایک قطعہ ملک مانگا جس میں ان کے یتیم اور بیوائیں اور بچے کھچے مرد گزارہ کرسکیں۔ اس وادی کا نام کارونیکی ہے۔ انہوں نے ایک جدا قطعہ ملک کا ان کو دے دیا۔ جس کا نام کارونیکی تھا۔

ان قبیلے اکثر دنبے اور بھیڑیں گلے گلے پالتے تھے، جو بنی اسرائیل قوم کی ابتدا سے عادت وہ قطعہ جوان کو دیا گیا وسعت میں کافی تھا۔ مگر کاشت وزراعت کے لئے ناکارہ، بنجر اور آب تھا، مگر تخی خیل مجبور تھے، اسی پر قانع ہورہے تھے۔ اس وطن کا قاعدہ ہے کہ جب موسم میں بارشیں ہوتی ہیں، تو تمام مرغزار اور علف زار سرسبز وشاداب ہوجاتے ہیں اور بنی اسرائیل قوم کے قدیم اصول کے مطابق افغانی اقوام بھیڑیں اور دنبے اور اس میں پالتے اور پالتے ہیں اور اکثر گزارہ ان قبائل کا مال مویشی پر ہوتا ہے۔

جب موسم گرما کی دھوپ گرم ہوکر تمام گھاس خشک کردیتی ہے۔ تب قبائل کے مویشی ان خشک گھاس کو کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔ اور آئندہ بہار تک وہی خشک شدہ گھاس ان کے کام آتی ہے۔ بشرطیکہ برسات کی بارشیں شدت سے نہ برسیں، کم تر بارش ہو تب تو بہار سے بھی بہتر ملک سرسبز ہوجاتا ہے، مگر گاہے گائے ایسا بھی ہوتا ہے کہ برسات کی جھڑیاں اس قدر زور برستی ہے کہ تمام خشک گھاس کو بہا کر لے جاتی ہے اور تازہ گھاس ملک سرد ہونے اور جلد آجنے کی وجہ سے نہیں اگنے پاتی۔ وہ سال مویشیوں کے لئے بربادی اور تباہی کا ہوتا ہے۔ غرض ایک سال ایسا ہی قبائل غورخیل پر آگیا۔ کہ سخت بارشوں نے ان کے قطعہ ملک سے گھاس کو سیلاب برد کردیا۔ اور شدید قحط سالی ان پر آگئی۔ مگر بدقسمتی سے جو قطعہ ملک تخی خیلوں کو غوری خیلوں نے دیا تھا، وہ سرسبز وشاداب اور پر علف تھا۔ اس لئے غوری خیلوں سے رعایت برداشت نہ ہوسکی۔ انہوں نے اپنے دیئے ہوئے علاقہ کو تخی خیلوں سے واپس مانگا۔ تخی خیل ملک خالی کرنے سے انکاری ہوئے کہ تم نے خواہ رعایت کی مگر ہم کو یہ قطعہ ملک بخش ہے، جو ہمارے ملک کا ہوچکا ہے۔ تب ان دونوں قبائل کے درمیان بھی جنگ واقعہ ہوئی۔ تخی خیل پہلے سے کم تعداد میں رہ گئے تھے اور جب ان کے بچے جوان ہوئے تو یہ دوسری جنگ پیش آئی اور ان کو مغلوب ہوکر یہ وطن بھی ترک کرنا پڑا اور ملک بدر ہوگئے۔ وہاں سے دور نکل آئے اور مضافات کابل میں آکر یہ قوم مقیم ہوگئی۔ (اب تک بھی افغانستان میں علاقے بنجر پڑے ہیں، اس وقت تو اکثر وطن خالی تھے)

کارونیکی کی وادی مذکورہ بالا سے نکل کر کابل تک آنے والے سفر میں ان تخی خیل قبائل کے ہمراہ راستہ میں قبیلہ ختمان خیل بھی شامل ہوکر یہ سب کابل کے مضافات میں آن بسے

تھے۔ اور قبیلہ مہمند زئی جو قبیلہ گند سے نہیں بلکہ جمند سے ہیں اور کسی ایسے ہی حادثہ کی وجہ
اپنے بڑے قبیلہ ژمند سے منقطع ہو کر قوم گجی خیل کے ساتھ آکر شامل ہو گئے اور طلب املاک
میں متفقہ طور پر یہ جمعیت روانہ ہو آئی۔ آگے چل کر مہمند زئیوں کو یہ اتحاد نہایت سود مند
کیونکہ نیا فتح شدہ بہترین ملک ہشت نگر یوسف زئیوں سے مہمند زئیوں کو پہلے دے دیا اور
لئے بہترین املاک اس کے بعد مدت دراز تک فتح کرتے کرتے حاصل کر لئے مگر مہمند زئی
یوسف زئی کی دوستی اور برادری اس زمانہ تک بدستور قائم ہے۔

الغرض جب مذکورہ بالا متحدہ قومیں کابل کے مضافات میں چند مدت مقیم رہیں او
بافراغت اموال و مویشی چراگاہوں اور مرغزاروں میں بڑھتی رہیں۔ اور پھیلتے پھیلتے وہ کافی
بھی ہو گئیں اور نئی نسلیں بھی پیدا ہو کر اور جوان ہو کر مردم شماری بھی ان کی زیادہ ہو گئی۔ اور
اولادیں اور کار آمد جوان ان کے پھر بڑھ کر پورے ہو گئے۔ خصوصاً تمام گجی خیلوں میں قبیلہ
یوسف زئی زیادہ کثرت و قوت و تعداد میں طاقت ور ہو گیا۔ اس مجموعہ قبائل متحدہ میں جو گجی خیل
قبائل شامل تھے، وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ یوسف زئی معہ مندن کے۔

۲۔ ترکلانی جو اس وقت مملکت باجوڑ پر قابض و متصرف ہیں۔

۳۔ گگیانی قوم جو اس وقت دوآبہ ہشت نگر میں قابض ہیں۔ یہ تو گجی خیل تھے۔ اور
جمند یا ژمند قوم سے ایک شاخ۔

۴۔ مہمند زئی بھی ان کے ہمراہ شامل ہو کر آئے۔

۵۔ حمان خیل بھی شامل ہو گئے جو اس وقت باجوڑ کے ایک قطعہ پر قابض ہیں۔

یوسف زئیوں میں سے مند اس وقت تمام ضلع مردان اور تربیلہ و ثلث ہزارہ و کیا کہل
ستانہ تک ملک پر قابض ہیں۔ چملہ کا خطہ معہ خدوخیل، گدون، امازئی کے مندن کے پاس ہے
اور یوسف زئی اس وقت حد چترال سے جنوب دیر کی ریاست کے قبائل ور ہر دو کنارہ سوات
تا حدِ کوہستان پر اور بونیر پر اور محوزئی، پورن، چکیسر، کانا غوربند تا کوہستان سندھ دریا تک
متصرف و قابض ہیں۔ یہ نقشہ اس وقت ان سرگشتہ قبائل کا ہے جن کو مملکتِ افغانستان میں جگہ
نہ ملی اور ملک بدر کر کے نکال دیئے گئے تھے۔ الغرض جب یہ متحدہ قومیں قوی و کثیر ہو گئیں تو

کابل کے مضافات میں انہوں نے فتنہ و فساد شروع کیا اور رعایائے کابل کو ستانے لگے۔ ساتھ
اہل الغان قبائل کی بھی پرواہ نہ کیا کرتے تھے۔ سب کو یکساں تکالیف پہنچانے لگے تھے اور
ناشائستہ حرکات اور وارداتوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ مغل شہزادہ میرزا قلی بیگ جو کابل کا
حاکم تھا۔ اس سے بالکل بے خوف ہو کر رعب سلطانی کو سخت صدمہ پہنچایا۔ آخر الامر مرزا قلی
حاکم کابل ان سے بے حد تنگ ہو گیا اور بذریعہ فوج ان پر حملہ کیا اکثر ان میں مقتول اور
تاراج ہوئے نواحِ کابل سے ان کو بدر کر دیا گیا۔

وہاں سے یہ لوگ ہٹ کر دور ایک درہ میں جس کے اندر انکی رہائش ممکن تھی مقیم ہو
گئے۔ ان لوگوں کے درمیان کبھی کبھی غیب جن کے درجہ تک پہنچے ہوئے فقیر بھی ہوا کرتے
تھے۔ اس وقت یوسف زئی قبیلہ میں دو حقیقی بھائی فقرا تھے۔ جن میں سے ایک نام مدا تھا۔ دویم
کا نام مدو تھا اور وہ قبیلہ عیسیٰ زئی میں سے تھے۔ تیسرا ایک فقیر شیخ عثمان نام بھی قبیلہ ملیزئی میں
تھا۔ یہ قومیں بالاتفاق مشائخ مذکورہ کے پاس گئیں اور اپنی ہست و بود کی نسبت ان سے
کہا کہ آئندہ ہمارا حال کیا ہو گا۔ اور ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور گذشتہ حادثہ کے متعلق بھی تم نے
کیوں پہلے متنبہ اور آگاہ نہ کر دیا تھا۔ جواباً مدا اور مدو نے کہا کہ تم نے شیخ عثمان سے کیوں نہ یہ
استفسار کیا۔ اس کو بھی ماخوذ کرو کہ پہلے حادثہ کی اطلاع اس نے تم کو کیوں نہ دی تھی۔ شیخ عثمان
نے جواب دیا کہ گو مجھے پہلے حالات کا بھی علم تھا۔ مگر مقدرات الٰہی کون بدل سکتا ہے۔ اب
آئندہ کی خبر میں دے دیتا ہوں۔ کہ تمہارے اور شہزادہ قلی بیگ کے درمیان پھر ایک سخت جنگ
ہو گی۔ فتح تمہارے نام ہو گی۔ مگر تمہاری پیدل فوج کا ایک سردار مارا جائے گا۔

تعجب ہے کہ مدا اور مدو نے جداگانہ اپنی ایسی ہی پیش گوئی کی تھی جو عثمان شیخ نے کی
تھی۔ چنانچہ جلد ہی مرزا کی فوج نے دوبارہ اس قوم پر حملہ کر دیا اور شدید جنگ کے بعد شاہی فوج کو
شکست ہوئی۔ اس کے بعد قبائل گجی خیلوں نے رعیت سلطانی اور مردمان مضافات کابل کو اس
قدر قتل و غارت اور تاخت و تاراج کیا اور شبخونوں سے اس قدر تنگ کیا کہ یہ قبیلے تو دوبارہ امیر
ہو گئے۔ اور قلی بیگ کو بجز تلطف و احسان و مروت ان سے کرنے کے اور کوئی چارہ ہی نہ رہا۔
اور بعد انعامات اکرامات اور عطیات سے ان کو مسخر کر لیا۔ میرزا نے ان کے تمام بزرگوں کو بلا
کر کہہ دیا کہ تم کو جس قدر مال و دولت غلہ اور پارچات جس کو ضرورت ہو وہ مجھ سے طلب

کرو۔ میں بخوشی تمہارے مطالبات پورے کرونگا۔ مگر غریب عوام کو ہرگز نہ ستاؤ۔ اور
ساتھ رابطہ رکھو۔ اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھو۔ چنانچہ اس کے بعد سے مدت تک
آمدورفت جاری رہا۔ عموماً کل بنی اسرائیل خصوصاً افغانوں میں حرص وحسد یہ دو
خصوصیات حد سے زیادہ ہیں۔ اور جس جگہ ان کو نقصان پہنچتا ہے، صرف حرص وحسد اور
کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ طریق پر گزران جاری ہی۔ ایک دن ان قبائل کے
تقریباً نوسو بطور جرگہ دربار شاہ میں حاضر ہوئے۔ مگر سب کے سب بغیر اسلحہ تھے۔ صرف ا
شخص محمود ولد محمد چغرزئی کے پاس ایک پیش قبض تھا جو شلوار کے نیفے میں میں چھپا رکھا تھا
لالل کی وجہ سے بادشاہ پر اعتبار کر بیٹھے تھے۔ جنگا نامی ایک شخص نے جو قبیلہ گگیانی سے
ازراہ شرارت وحسد قوم خود مرزا قلی بیگ کو یہ مشورہ دیا کہ ان قوموں کے شر سے عنایت
کے ساتھ خلاصی محال ہے۔ اور اس سے بہتر موقع کبھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ قبائل کے تمام سر
لوگ جو بغیر اسلحہ کے ہیں، ہاتھ آگئے ہیں۔ چنانچہ مرزا نے سب کو قید کرلیا اور ان کے قتل کا
دے دیا۔ ان کے ملکوں میں سے سب سے معزز ترین شخص ملک سلطان شاہ تھا۔ جو یوسف
زئیوں کا سرکردہ تھا۔ اس نے مرزا کے حضور عرض کی کہ میری دو معروضات ہیں اگر آپ منظور
کریں تو عرض کروں۔ میرزا نے قبول کیا۔ اس نے کہا کہ ایک میرا بھتیجا احمد نام ان قیدیوں
میں ہے، اسے رہا کردیں۔

دوسرا یہ کہ ہماری قوم کے زن ومرد کو گھروں میں قید وقتل نہ کیا جائے، بلکہ احمد کے سپرد
کرکے اپنی مملکت سے بدر کردیں تاکہ یہ شخص تمام قوم کی بیواؤں، یتیموں اور قوم کو ساتھ لے کر
بحفاظت کسی وطن میں لے جائے اور انہیں بودوباش کے قابل بنا سکے۔

میرزا نے کہا کہ میرا گمان تھا کہ تم دو تین سو جوان اور اپنی جان بخشوانا چاہتے ہو، ملک
موصوف نے کہا میں دو تین سو ملکوں سے جو دور اندیش نہ تھے، ایک احمد کو بہتر خیال کرتا
ہوں۔ اور میں اپنی جان کو اپنے مرنے والے عزیزوں سے زیادہ عزیز نہیں خیال کرتا۔ میرا
سب کے ساتھ مرنا ہی بہتر ہے۔

ملک سلطان شاہ کی فراست نے فی الواقعہ ملک احمد میں وہ صفات صحیح ثابت کردیں کہ
جب وہ سن بلوغ کو پہنچا تو اس نے ان تمام متحدہ اقوام کو عموماً اور یوسف زئی کو خصوصاً دنیا کے

علاقہ ہائے سوات وبنیر وہمواری سمہ (ضلع مردان) کے ممالک کا ابدی مالک بنادیا۔

القصہ نوسو سرداروں کے قتل کے بعد مرزا نے باقی قوم کے مرد وزن کو آزادی دے کر
کردیا جو کابل سے چل کر ننگرہار کے ضلع میں آگئے اور قوم ترکلانی اس وقت علاقہ لغمان
ہوگئی۔ کچھ مدت کے بعد یوسف زئیوں اور مہمند زئیوں کے درمیان نااتفاقی کی وجہ سے
جنگ حصارک کے مقام پر ہوئی۔ جس میں مہمند زئیوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ اور
زئیوں کو مکمل فتح ہوئی۔ مگر افغانی قدیم دستور کے مطابق اگر دو بھائیوں یا دوستوں کے
جنگ ہوجائے اور ایک فریق کے زیادہ افراد قتل ہوجائیں اور وہ مغلوب ہوجائیں۔ تو
فریق اپنی املاک اور متنازعہ فیہ دعویٰ بھی مغلوب کے لئے چھوڑ دیتا ہے لہٰذا یوسف زئیوں
ہار کا علاقہ مہمند زئیوں کے لئے چھوڑ دیا۔ گگیانی قبیلہ جو یوسف زئیوں کا بھائی تھا۔ اس
علاقہ باسول میں سکونت اختیار کرلی۔ اور ترکلانی پہلے ہی لغمان میں سکونت پذیر ہوچکے
یوسف زئیوں نے مملکت باجوڑ کی طرف رخ کیا۔ مگر سرحد پر پہنچ کر ان کو وہ وطن پسند
یا پھر اس پر فتحیابی کی طاقت نہ رکھتے ہوئے واپس پشاور کے میدانوں کا رخ کیا۔

ہشت نگر کے علاقہ پر افغانی قوم دلازک قابض تھی۔ مقام وموضع سفید سنگ پر
ان دلازک کا جرگہ یوسف زئیوں نے طلب کیا اور بنے رہنے کے لئے ملک کا کوئی قطعہ
اثنائے گفتگو میں سخت کلامی کے باعث جنگ کی نوبت آگئی۔ اس میدان میں یوسف
کے قتل زیادہ ہوئے اور کامیابی بھی نہ ہوسکی۔ اور قیام کے لئے جگہ نہ ملنے کے باعث وہ
واپس ہوکر تخترہ کے پہاڑوں اور شلمان کے کوہساروں میں چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر
کے ساتھ صلح جوئی کا طریقہ اختیار کیا۔ اور پھر پشاور کے میدان میں اتر آئے۔ بعض
خیبر کے راستے میدان پشاور میں آگئے۔ یوسف زئیوں نے چاہا تھا کہ رود بر کی وادی کو
کریں۔ مگر قبیلہ شالی نے ان کو اس ارادہ سے روک دیا۔ اس لئے کہ دلازاک اور شلمانی
کی آپس میں دوستی تھی۔ یہی دو قبیلے تمام قبیلوں سے پہلے اس وطن پر آکر قابض ہوئے تھے
آپس میں متفق ومتحد تھے سابق ساکنان مضافات پشاور کو اکثر قتل ومغلوب کرکے قابض
ہوئے تھے۔

آخر دلازاکوں نے یوسف زئیوں سے ہمدردی کرتے ہوئے ان کو دوآبہ دے دیا۔ مگر

جب دلازاک دوبارہ ناراض ہوئے تو یوسف زئی دوآبہ سے علیحدہ ہو گئے۔ اس وقت
شلمانی پرگنہ ہشت نگر پر متصرف تھا۔ یوسف زیوں سے بدعہدی کی وجہ سے جنگ کی نوبت
ہو گئی اور یوسف زئی فتح یاب ہو گئے۔ شلمانیوں کا کلانترین ملک مسمی جلو جنگ میں مارا گیا
شلمانی قوم کو وطن سے خارج ہونا پڑا۔

شلمانیوں نے یہاں سے ملک بدر ہو کر قدیم سواتی قبائل اور سوات کے سلطان کے
سایہ پناہ لی۔ (جس کتاب سے میں یہ مضمون اخذ کیا وہ نویں صد ہجری میں لکھی گئی۔ اغلب
کہ آٹھویں صدی کے آخری ثلث کے زمانہ کے یہ واقعات ہوں۔ کیونکہ میرے مضمون کا
لکھنے والا مورخ لکھتا ہے کہ مجھ سے خود مسمی توچغر زئی نے بیان کیا تھا۔ جب کہ دلو پیر سال
اور اس موقعہ پر جلو خورد سالہ تھا جب کہ اس نے ملک شلمانی کا مفصل حال دیکھا تھا۔ جب اس
کے سر کو تن سے جدا کیا تو جلو نے بہت بھنگ پی ہوئی تھی۔ اس کی گردن کٹی ہوئی جگہ سے
ساری بھنگ باہر نکلی ہوئی تھی۔ (اس عہد میں قبائل کی مذہبی حالت ایسی یہ تھی) جس کو دیکھ کر
یوسف زیوں کو اس کے قتل پر افسوس نہ ہوا۔

جب یوسف زئی ملک ہشتنگر میں کچھ مدت قیام پذیر رہے تو اس اثنا میں دلازاکوں کے
ساتھ دوبارہ ناچاقی پیدا ہو گئی۔ تب یوسف زیوں نے مصمم ارادہ کیا کہ دلازاکوں کی ہمسائگی
سے خلاصی حاصل کریں۔ اور اگرچہ قوم غوری خیل کے ہاتھ سے شیخی خیلوں پر اس قدر مصیبتیں
آئی تھی، مگر ملک احمد کی عقل مندی نے گوارا کر لیا کہ آخر ہم جد و ہم نسب ہیں اور یہ ممالک
نہایت عمدہ و زرخیز قطعات ہیں۔ ان پر اپنی ہمسائگی میں غوری خیل قبائل کو بطور امداد طلب کر
کے لایا جائے، جا کر آباد کیا جائے تب اس نے غوری خیل قبائل یعنی مہمند داؤد زئی اور خلیل
وزیران و چمکنی سے بھی امداد طلب کی اور ننگرہار میں رہتے ہوئے پرانے دوست مہمند زیوں کو
بھی دعوت دی اور اپنی برادری گگیانیوں کو بھی باسول کے علاقہ سے امداد میں طلب کیا، مگر
گگیانیوں نے پہلے یہ شرط مقرر کر لی کہ فتح کے بعد دوآبہ کا علاقہ ان کو دیا جاوے جو کہ ملک احمد
نے وعدہ ان کو دے دیا، لیکن یوسف زیوں اور ترکلانیوں کے لغمان چھوڑ کر ان کے ہمراہ آنے
سے انکاری ہو گئے۔ وہ غصہ اس زمانہ تک یوسف زیوں اور ترکلانیوں کے درمیان ہے۔ احمد
ملک بذاتِ خود قبائل مذکور کے پاس گیا اور مذکورہ سرشتہ اور مواعید کر کے ان کو معہ لشکروں کے

لایا۔ اور یہ تمام لشکر عیال اطفال ہمراہ لے کر رود کدر پر آ کر سب نے ڈیرے ڈال دیئے۔
دوسرے دن قوم دلازاک کا لشکر موضع لنگر کوٹ سے دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو
کر آگے بڑھا اور سخت جنگ ان لشکروں میں واقعہ ہوئی۔ اس جنگ میں یوسف زیوں کے لشکر
سے قبیلہ عثمان خیل کے جوانوں نے حد سے زیادہ جان بازی کی۔ اس وقت کی جنگوں میں
ایک چیز حملہ آور فریق استعمال کیا کرتے تھے۔ یعنی بیلوں کے چمڑے آپس میں ملا کر سی کر جن
کو پشتو میں اس وقت کروہ کہا کرتے تھے، ان کو اپنے سامنے بطور ڈھال کے چند نفر پکڑ کر اس
کی پناہ میں ایک جمیعت بہادروں کی تیروں سے بچاؤ کرتی ہوئی دشمن کی صف تک جا پہنچتی
تھی۔ اور پھر شمشیر کے جوہر کام کرتے تھے۔ تیروں اور پتھروں سے تو کردہ بچاؤ کر لیتے تھے۔
اس دن کے لئے یوسف زیوں کے لشکروں نے پچاس کردہ تیار کر لئے تھے۔ اس طور سے
دلازاک کے تیر اور سنگ باری بیکار ہو گئی۔ اور نوبت شمشیر و خنجر پر جا پہنچی۔ تب اس وقت سب
سے پہلا شخص جس نے کدر کے نالہ کو جست مار کر عبور کر کے زنگی خان دلازاک کے بیٹے کو جو
سردار تھا قتل کیا۔ وہ مسمی شیریں ولد علی اسماعیل زئی از قبیلہ دولت زئی و فریق یلزی (بونیر وال
ہالا) یوسف زئی تھا۔ اس کے بعد کل جوانان یوسف زئی نے اطراف و جوانب سے حملہ آور ہو
کر دلازاکوں کو شکست فاش دے دی اور مواضعات جلبی و جلسی تک ان کا تعاقب جاری رکھا۔
اور دہانہ درہ خیبر سے اٹک تک تمام میدان ضلع پشاور کو دلازاکوں سے پاک صاف کر دیا۔
چونکہ شلمانیوں کو تو پہلے سے ہی یوسف زئی اس وطن سے نکال چکے تھے۔ تب دلازاک
دریائے سندھ کو عبور کر کے ہزارہ میں جا بسے جو کہ اب کمتر رہ گئے تھے، مگر پھر بھی پہلے اس جگہ
رہنے والی قوم پر جو غیر افغان تھی۔ غالب ہو گئے اور اپنے لئے ایک خطہ ملک حاصل کر لیا۔

ملک احمد یوسف زئی نے تمام قبائل غوری خیل اور محی خیل کے ساتھ وعدہ پورا کیا۔ اور
تمام پشاور کے نواح کے بہترین املاک اس بدستِ خود تقسیم کر کے قبائل غوری خیل کو دے دیئے
اور آج ہم پشاور کے نواح میں اقوام مہمند و خلیل و داؤد زئی و مہمند زئی پھر معہ گگیانیوں کے جو دو
آبہ پر ہیں اس جگہ قابض دیکھ رہے ہیں۔ مہمند زیوں کو بہترین قطعہ ہشت نگر دے دیا۔ اور
اپنے لئے مشرق و شمال میں سمہ کا خشک علاقہ جس پر اس وقت مندن قبیلہ قابض ہے خود
بالاجت لے لیا۔ حالانکہ اس کا زیادہ حق تھا کہ عمدہ سے عمدہ خطہ اپنی قوم کے لئے لیتا، مگر اپنی

همت پر اس کو باور تھا کہ وہ مانند کشمیر خطہ سوات و بونیر و کوہسار تا حد چترال تک ممالک پر اپنی
زندگی میں ہی اپنی قوم کو قابض و مالک بنا کر رہے گا۔ اس نے اپنے مشورہ کے لئے اپنی برادری
مندن قبیلہ سے ملک شیخ ملی کو اپنی رازدار صلاح کار رکھا جو ایک عظیم الشان قانون ساز انسان
گزرا ہے جس کے قوانین و قواعد بلا اندراج کتاب تمام ملتِ افغانیہ میں رائج ہیں۔

الغرض ملک احمد نے موجودہ مندن علاقہ سمہ پر تصرف کر کے سوات کے متصل علاقہ
میں اپنے ڈیرے ڈالے جہاں سے سوات کی طرف راستے پہاڑ کو عبور کر کے جاتے ہیں۔ جس
جگہ اس وقت ضلع مردان کا تھانہ کاٹلنگ ہے وہاں کوتل شاہ کوٹ کے نیچے اپنی قوم کے لشکروں کو
جمع کیا اور سلطان سوات کو پیغام بھیجا کہ اس نے کیوں ان کے مجرم شلمانی قبیلہ کو پناہ دی
ان کو ان کے حوالہ کر دے اور یا آمادہ مقابلہ ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مقابلہ کی ٹھن گئی۔ سواتی فوجیں اور لشکر شاہ کوٹ کی گلی میں جمع ہوتے
رہے ایک دن مصلحتاً یوسف زئیوں کے لشکر نے سواتیوں کو دوسرے دن کے لئے فیصلہ کن جنگ
کا پیغام دے دیا۔ تمام دن بطور نمود تیاری جنگ میں ڈھول سرنا بجاتے رہے اور رات کو جا بجا
آگ جلا کر روشنی اور گانے بجانے اور آمادگی کرتے رہے۔ سواتیوں کی جس قدر جمعیت ممکن
تھی۔ اسی جگہ جمع ہوگئی، مگر شام کے بعد اندھیرا ہوتے ہی یوسف زئیوں کا کارآمد لشکر چند میل کا
چکر مغرب جانب کاٹ کر کوتل ملاکنڈ پر جا پہنچا اور اس کوتل کو جو مزاحمت عبور کر کے سوات کے
نچلے اور جنوبی حصہ میں جا داخل اور قابض ہوگیا۔ سواتی لشکر یوسف زئیوں کے کیمپ کے شور و غوغا
اور عورتوں کی رجز خوانی، اگلے روز اس جگہ جنگ کے انتظار و خواب خرگوش میں رہے تھے کہ
یوسف زئی ربع حصہ سوات پر داخل و قابض ہو چکے تھے۔

اس کے بعد جنوب کی طرف سے ہر روز یوسف زئیوں کی پیش قدمی جاری رہی۔ اور
بڑھتے بڑھتے ایک دو سال کے عرصہ میں تمام سوات و علاقہ جات دیر پر مکمل قبضہ یوسف زئیوں
کا ہوگیا۔ اور ان سب علاقوں سے قدیم سواتی قبائل کو جو قدیم بنی اسرائیل تھے ہانک کر نکال
باہر کیا۔ بالا سوات کے مشرق جانب درہ ہائے غوربند و کانا کے راستوں سے قدیم باشندوں کو
نکال دیا۔ اور بونیر چملہ و پورن چکیسر کانا غوربند پر قبضہ کر کے ایک عظیم الشان زرخیز اور وسیع
ترین خطہ ملک اپنی قوم کو احمد ملک نے اپنی زندگی میں ہی دلا دیا۔

یہ ملک بدر شدہ سواتی قدیم قبائل قریباً ڈیڑھ یا دو سو سال تک اطراف کے ممالک میں
نہایت کمبخت و فلاکت و بدحالی سے بسر اوقات کرتے اور مزدوریاں کر کے پیٹ پالتے رہے۔
آخر کار دسویں صدی ہجری کے خاتمہ کے قریب ایام میں اس ادارہ وطن اویس کو حضرت سید علی
کے پوتے سید عبدالوہاب علیہ الرحمتہ کے فرزند سید جلال نے اپنا لشکر بنا کر ہمراہ لے کر ضلع
ہزارہ کے شمالی حصہ قطعہ جات ملک یعنی تھاکوٹ۔ الائی۔ نکری۔ تندہاڑ۔ دیشی۔ کونش۔ بھکو
ملک۔ کاکان۔ پکھلی۔ اگرور وغیرہ پر لا کر پہلے آباد قوم قدیم ترک کو ہانک کر نکال دیا اور اس
قوم کو قابض بنا دیا۔ جو کہ سواتیوں سے چھینی ہوئی املاک سے یہ ملک وسعت میں بھی اور
زرخیزی میں بھی اگر زیادہ نہ ہو تو کم ہرگز نہیں ہے۔ ان ترکوں کا تھوڑا بقیہ بعض بعض گاؤں میں
ہزارہ میں باقی ہے۔ باقی گمنام ہو گئے۔ یہ واقعات آگے مفصل اپنے موقعہ آویں گے۔

اس قدیم سواتی قوم کی قومیت اسرائیلی نسل ہے۔ مگر ان کے فرمانروا قدیم یونانی تھے جو
بطرف سلطان محمود کے عہد سے مسلمان ہو کر اس ملک پر حکمران رہ گئے تھے۔ اب ان کی اولاد
[illegible] امرادوں کے لقب سے یاد ہوتی ہے۔

جب یوسف زئیوں کا لشکر سوات فتح کرتا ہوا پرگنہ تالاش میں کوتل کا ٹنگہ میں جنگ کر
رہا تھا تو ایک مندن سردار مسمی مزید نے اپنا گھوڑا دشمنوں کے تعاقب میں ڈالا اور بارہ گز
اونچے گھوڑے سے کرا کر دشمنوں کو پہنچا اور نیزہ سے مقابل کو قتل کیا۔ اس پہلی جنگ میں مقام
اوڈی پر یوسف زئیوں کی حد بندی ہوئی تھی۔ ملک احمد کی بلند حوصلگی نے اس کی قوم کو سوات
دیر وغیرہ بعض ایسے بے نظیر خطے دیئے جو مانندِ کشمیر ہیں۔ وہ عجب دور اندیش شخص تھا۔ ان
ممالک پر قابض ہو جانے کے بعد بھی از راہِ دور بینی سلاطین کابل کو ملنے جایا کرتا تھا۔ تا کہ عظیم
سلطنت کو ان قبائل کی فتوحات کا خطرہ پیدا ہو کر دل میں بدخواہی نہ پیدا ہو، بلکہ اس کا کابل جانا
اہل افغانستان کے ساتھ عملی تعلق قائم رکھنے کے علاوہ بادشاہِ وقت کی شکر گزاری، قوم اپنی کی
وفاداری کی ادا کر کے سلطنت کو مطمئن کرتا تھا اور یہ دکھلاتا تھا کہ وہ اب شورہ پشت و جاہل نہیں
رہے۔

ملک شیخ ملی کی تقسیم تمام فوائد دور اندیشانہ پر حاوی ہے۔ یوسف زئیوں کا مقبوضہ قطعہ
ملک کسی طرح بیس یا پچیس ہزار مربع میل سے کم نہیں جو سب آباد، نہایت زرخیز اور اکثر

قطعات آبی ہیں نہ بیحد سرد نہ زیادہ گرم نہایت عمدہ زمین ہے۔ اس تقسیم کی تدبیر میں اس
ملک کی حفاظت کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس وقت قوم اس قدر کثیر التعداد نہ تھی جس کی جنگی
پچیس تیس ہزار ہو۔ کل مردم شماری لاکھ سے زائد نہ ہوگی۔ اس لئے شیخ ملک ملی نے تمام
مقبوضات کو قومیت کی مشترک جائیداد مقرر کر دیا۔ جو یوسف مندن کے ہر فرد کا حصہ ہر قطعہ
ہر قریہ میں اصولاً تسلیم کیا تھا اور دائمی جاگیری و دائمی قیام کا کوئی فرقہ کسی خطہ ملک پر قابض
رہنے کا حقدار تصور نہیں کیا گیا، بلکہ ہر پانچ یا سات یا دس سال بعد از سر نو ٹولیاں بن کر حصص
شمار کر کے قرعہ اندازی کی جاتی ہے۔ مقامات سکونتی و املاک اراضیات سب تبدیل کر دی جاتی
ہیں۔ جو بہت دور دراز علاقوں میں تبدیلی ابتداء میں ہو جایا کرتی تھی۔ فائدہ اس کا یہ تھا کہ ہر
فرد کا ذاتی حق ہر ایک انچ مفتوحہ زمی سے وابستہ تھا۔ جو بیرونی اقوام یا حکومتوں کے حملے کی
صورت میں اتحادِ قوم کی ایک تدبیری دائمی ضمانت تھی۔ اگر تقسیم دائمی ہو تو دشمن جس گوشہ سے
حملہ کرے دو سو میل دور سے کب امداد اس قدر دل بندی سے پہنچائی جا سکتی تھی یہ بھی میں لکھ آیا
ہوں کہ ایک فائدہ اندرونی تنازعات کم کرنے کا بھی اس میں یہ تھا کہ دو دل رنج اشخاص اپنی
سکونت ایک دوسرے سے تبدیل کر کے دور ہو جاتے، خود تنازع کا خاتمہ ہو جاتا۔

اس کے علاوہ ملک شیخ ملی نے تمام تعزیرات و جرائم کی سزائیں مقرر و معین کی ہیں جس
میں قدیم اسرائیلی شریعت کی جھلک بھی موجود ہے اور شریعت اسلام کے ساتھ بھی توافق کی
کوشش کی گئی ہے مگر جب افغانی دماغوں سے اسرائیلی قوانین آٹھ صدیوں میں اسلام لا کر بھی
نہ نکلے تھے، تو ان کی رعایت مقنن کو کرنی پڑی مگر سعی یہ کی گئی ہے کہ ان کو شریعت اسلامی کے
قریب تر لایا جائے یا شریعت سے توافق کر دیا جاوے۔ البتہ نام قانون کا لار رکھا ہے۔ لار پشتو
میں راستے کو کہتے ہیں۔ شرع کا لفظ عربی اور لار لفظ پشتو ہم معنی ہیں۔ افغانوں میں قانون لار
ہی کہتے ہیں۔ بمعنی راستہ۔ قاعدہ یا رویہ کے مگر یہ قانون زبانوں پر ہر ایک کو یاد و معلوم ہے کسی
کتاب میں درج و مدون نہیں۔ ملک شیخ ملی نے پشتو میں ایک تاریخ اپنی قوم کے زوال و عروج
کی بھی لکھی ہے۔ میرے مضمون مندرجہ ہذا کتاب کا ماخذ بھی اکثر تاریخ شیخ ملی ہے۔ مگر افسوس
وہ کتاب اب دنیا سے معدوم و کمیاب ہے۔ سنا ہے کہ صرف ایک نسخہ لندن کے کتب خانہ میں
موجود ہے۔

اس جگہ ان قواعد کی تفصیل کا موقعہ نہیں، مگر ایسے عمدہ قوانین ضرور ہیں کہ برطانوی مقنن
سن کر انگشت بدندان رہ جاتے ہیں۔ بعد کو جب قومیں بڑھ گئیں تو تقسیم محدود ہوتی گئی۔ مگر
یوسف زئی کی الگ اور مندن کی الگ ہو گئی۔ ایسی ہی یوسف میں سے قوی قبیلہ اکوزئی نے
خطہ سوات وغیرہ کو دائمی اپنا لیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب صرف بطورِ نمونہ بعض قبائل میں یہ رواج تقسیم باقی ہے۔ اور اب تک یوسف مندن
میں اور ان کا ہر فرد اپنے ذاتی حصہ، ملکیت آبائی و حصہ رسدی کو اپنی شیخ ملی کہتا ہے۔ یعنی یہ
حصہ تقسیم شیخ ملی کی رو سے ذاتی ہے اور یہ میری شیخ ملی ہے اور اس بے علم قوم کو ہرگز تقسیم
مغالطہ نہیں لگتا۔ اس کو وہ دختر شیخ ملی کہتے ہیں جس وقت اس قوم یوسف زئی کی سرداری
خان کو سپرد ہوئی جو فرقہ بہزادخیل سدوزئی اوتمان زئی مندن میں سے تھا تو اقوام غوری خیل
کے ساتھ یوسف زئیوں کی ایک عظیم جنگ پھر واقع ہوئی اور غوری خیلوں نے علاوہ پیدل فوج
کے بارہ ہزار سوار فوج سے ان پر حملہ کیا۔ مگر یوسف زئیوں نے پامردی سے مدافعت کی اور
آخری فتح یوسف زئیوں کو ہوئی۔

اسکے بعد یوسف زئیوں کی املاک پختہ اور دائمی اختیاری سمجھی جانے لگی۔ اور یوسف و
مندن قبائل نے از باہم دیگر تقسیم کو منع اور دو قوموں کو جدا کر دیا اور مندن ہموار میدانی علاقہ
قطعہ حملہ کے دیا گیا جس کا سبب مذکور ہو چکا ہے۔ ہمواری کو پشتو میں سمہ کہتے ہیں اور وہ
مندن کا قرار پایا اور کوہساری یعنی سوات معہ مضافات تادیر و بونیر وغیرہ ممالک یوسف زئی
قبیلہ کے نام پر مستقل قرار پائے۔ اس قوم کی از ہم دیگر جدائی تقسیم کے باوجود غمی شادی ہمیشہ
مسلسل شریک رہی۔ شہنشاہ اکبر کے ساتھ سالوں تک مخالفت رہی۔ جس کا خمیازہ اکثر مندن
میدانی لوگ اُٹھاتے رہے اور شاہی فوج معہ بیربل وزیر کے بونیر میں یوسف زئیوں نے قتل کر
دی تھی۔ آخر بادشاہ کی قید سے رہائی پا کر پھر املاک پر قابض ہو گئے۔ جب چند دن یہ لوگ قید
ہوئے تھے تو سواتی قدیم ولغمانی پر جا بجا قابض ہو گئے تھے، مگر جب ان کی رہائی ہوئی تو ان
فرقوں کو بالکل اپنے وطن سے نکال دیا، ورنہ پہلے جا بجا بطور مزارعین مقیم رہتے تھے۔ تب
یوسف زئیوں نے علی اصغر کو اپنا بادشاہ بنایا۔ یہ سنہ ۱۰۰۰ ہجری کے بعد پہلی جو تہائی حصہ کے ایام کا
ذکر ہے۔ تب اس اصغر علی نے لغمانی و قدیم سواتی کا تخم چن کر ملک سے نکال دیا اور قدیم

باجوڑی اقوام کو بھی ان ممالک سے دور نکال دیا۔ اور احمد ملک اور خان کجو نے بھی کوہ تنول (کر
مہابن) پر قبضہ نہ کیا تھا۔ مگر علی اصغر نے کوہ تنول کو زیر قبضہ کر لیا۔ (یعنی اس وقت کا علاقہ
خدوخیل وگدون و امازئی بغیر نگری چوڑی و مدوخیل یہ سب تنولی قوم کے قبضہ میں اور ان کا قدیم
ملک تھا جس کو علی اصغر نے فتح کر کے الحاق کر لیا۔) اس مہم پہاڑی میں علی اصغر نے اپنے ہمراہ
تمام قبائل یوسف زئی کے زعیم اور صلاح کار ملکانان کا جرگہ ساتھ رکھا تھا۔ جن میں سے ملک
بندال اکوزئی و ملک ماما علی زئی و ملک متہ خان و ملا ابراہیم الیاس زئی و ملک ترکی مندن وغیرہ کو
ہمراہ شامل رکھ کر حالیہ علاقہ جات جملہ خدوخیل وگدون و امازئی و مبارک خیل و مداخیل و ...
زئی کو تنولیوں نے فتح کر لیا تھا۔ علی اصغر نے ہی مزید علاقہ جات جملہ وغیرہ کا الحاق ملک
یوسف زئی کے ساتھ کیا جن پر اس وقت تک یوسف مندن قابض ہیں۔

(ولوشاء اللہ لجعل الناس امۃ واحدۃ ولکن لایزالون مختلفین الا ما رحم ربک ولذالک خلقہم
وتمت کلمۃ ربک لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین۔)

افغان قبائل کے متعلق بڑا حصہ میری کتاب میں آ گیا ہے۔ لیکن چونکہ بزرگ اور اس
کی اولاد کی تاریخ میں لکھ رہا ہوں، ان کا واسطہ ہی قدرت نے ان ممالک اور ان اقوام و قبائل
سے ازل آورد مقدر بنا دیا تھا۔ لہٰذا اس قدر افغانون کی تفصیل بیان کرنا میرے لئے ضروری
امر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ مذکورہ تمام افغانی قبائل خواہ وہ مجی خیل ہیں، خواہ غوری
خیل اور خواہ وہ کند ہیں خواہ ژمند ہیں خواہ سربنی ہیں یا بٹنی یا غرغشی ہیں سب کو حضرت سید علی
ترمذیؒ کی تعلیم و تربیت سے یکساں طور پر فیض پہنچا ہے۔ اس وقت تک تمام قبائل مندرجہ حضرت
ممدوح کی عظمت اور اس کی اولاد کی حرمت ہر جگہ سادات دیگر سے ممتاز طور پر کرتے ہیں، بلکہ
سیادت کو از راہ کم علمی صرف اولاد سید علی ترمذیؒ قدس سرہ کے ساتھ مختص خیال کرتے ہیں۔
مغل سلاطین نے حضرت کی وفات کے معابعد حضرت کے اکلوتے فرزند خطہ کنڑ بطور ہبہ و عطیہ
دے دیا تھا۔ جہاں اسلام پور میں حضرت سید علیؒ کے اکلوتے فرزند کو سید مصطفےٰ مدفون ہیں۔ اس
لئے باوجود حضرت کے اپنے بونیر میں مرکزی اولاد ہونے کے کل افغانستان محروسہ والکیہ بھی
اس خاندان کے بزرگ کی بزرگداشت و احترام میں ملک یوسف زئی کے مانند وابستہ ہے۔
باوجود یہ کہ پچھلی نسلیں دنیا دار ہو گئیں۔ مگر امیر حبیب اللہ خاں تک نے اپنی دو بیٹیاں شاہ

... امیر صاحب جان کے دو بیٹوں کو دی تھیں۔ تمام سلاطین کابل مانند امیر دوست محمد خان کے
... اکثر اپنی لڑکیاں سادات کنڑ اولادِ حضرت غوثِ بونیر کو دیتے رہے۔
... دوست محمد خان کی ہمشیرہ یا لڑکی سیّد محمود بادشاہ سے بیاہی گئی تھی۔ سیّد جمال الدین افغانی
... کو امیر دوست محمد خان نے وزارت کے عہدہ پر رکھا اور امیر محمد افضل و امیر محمد اعظم والی
... کا وزیر اعظم رہا وہ اسی کنڑ کے سادات میں سے تھا۔ خواہ اس کی ولادت کو اسد آباد کا
... کیا جاوے یا شیر گڑھ کا یا کنٹر پشت کا محلہ سید آباد، مگر افغان سلاطین میں اس کی عظمت اور
... شرف اور اسی نسب و خاندان سے ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور یقیناً وہ سادات کنٹر کا
... تھا۔

باب ۴

فصل اوّل

دربیان مسلسل حالات اولاد حضرت سیّد علی ترمذیؒ

قبل ازیں کہ میں حضرت سیّد علی ترمذیؒ کی اولاد کے حالات لکھوں حضرت کے آباء
کرام کا شجرۂ نسب تحریر کرنا ضروری ہے۔اس بارے میں بھی میری کم مائیگی وعلمی کم استعدادی
کی وجہ سے مجھ کو بے حد پریشانی اٹھانی پڑی۔اور حضرت کے حالات کی طلب وتلاش میں
میں لکھ آیا ہوں کہ حضرت کی اپنی تصنیف مجھ کو باوجود تلاش بسیار ان ممالک میں کسی جگہ دستیاب
نہ ہوسکی تھی اور میں نے ارادہ کیا تھا کہ حضرت کے والدین کے وطن قندہار بدخشان ور ترکستان
میں جا کر وہاں کچھ مفید مواد حاصل کرسکوں اور ۱۹۰۵ء میں اسی خیال سے حاکم جلال آباد کے
پاس بمقام ماماخیل قریب گندلک پہنچا اور اس نے میرا معاملہ وزیرِ دولت اعتماد الدولہ سردار
عبدالقدوس خان کو لکھا۔لیکن میر حبیب اللہ خان صاحب چھ ماہ کے لئے دورۂ غزنی پر روانہ ہو
چکے تھے اور ان کی اجازت اور حکم خاص بغیر ایک پشاور سے گئے ہوئے شخص کو روسی سرحد تک
جانے کی اجازت دینے کا مجاز کوئی نہ تھا۔

یہ ضرورت جس وجہ سے قندوز جانے کی لاحق ہوئی تھی وہ سبب یہ تھا کہ حضرت کی اپنی
لکھی ہوئی کوئی کتاب مجھے نہ ملی اور اخوند درویزہ صاحب نے آپ کے حالات جو آپ سے
زبانی سن کر آپ کی روایت سے لکھے ہیں وہ باقی امور میں تو قابلِ اعتماد ہو سکتے ہیں۔مگر
حضرت کا شجرہ نسب جو اُس نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے۔وہ ایک خاص وجہ سے یا سہو کاتب
سے میرے ذہن میں مجھ کو ساقط الاعتبار نظر آیا۔اور مجھ کو بہت تعجب اس پر آیا کہ پونے چار صد
سال میں حضرت کی اولاد میں بڑے علماء اولیاء اور اُمراء گزرے ہیں حتیٰ کہ میرے والد کے ہم
عہد بلکہ ہم پشت سید جمال الدین افغانی صاحب اسی نسب میں ایک محقق جید جامع معقول و

منقول ،تصوف شخص گزرے ہیں۔جن کا انتقال ۱۸۹۷ء میں قسطنطنیہ میں ہوا،صاحب تصانیف
تھے۔تعجب ہے اس غلطی پر ان کی نظر بھی نہ پڑی جس کی تصحیح وہ ضرور کرتے کہ حضرت
بزرگوار کا نسب نامہ اپنی کسی تحریر سے ثابت نہیں ،بلکہ تذکرہ اخوند درویزہ صاحب سے نقل ہر
دور و دراز ملکوں تک آپ کی اولاد کے پاس موجود ہے۔اس کے علاوہ کسی جگہ بھی نقل باوجود
تلاش نہیں ملتی ،اور ان میں ایک ایسی فاش غلطی بنیادی طور پر موجود ہے جس کی صحت کئے بغیر
نسب نامہ بالکل مشکوک نا قابلِ اعتبار بلکہ مصنوع ثابت ہو جاتا ہے۔اور وہ غلطی بنیادی یہ ہے
کہ ملا درویزہ صاحب نے آپ کے نسب نامہ کو نیچے سے اوپر لے جاتے ہوئے ایک نام سیّد محمود
مکی تک پہنچا کر سیّد محمود مکی کو فرزند حضرت مُحمّد مہدی امام دوازدہم آئمہ اہلِ بیت سے لکھا ہے
حالانکہ ذات بابرکات حضرت محمد مہدی بن امام حسن عسکری امام دوازدہم مذہب اہل سُنّت و
اہل تشیع ہر دو گروہ مسلمانوں کی روایت سے خورد سالی میں یا غائب یا فوت ہو چکے ہیں۔جن کی
اولاد کا پیدا ہونا دونوں اسلامی فرقے تسلیم نہیں کرتے۔

فرقہ امامیہ آپ کو امامِ غائب اور عند قرب القیامہ ظہور کرنے والے موعود مہدی مانتے
ہیں اور اہلِ سنت آپ کو خورد سالی میں لاولد فوت شدہ مانتے ہیں۔بعقیدہ ہر دو گروہ آپ سے
اولاد و عقب میں رہنے سے دونوں انکاری ہیں۔جب حالت یہ ہے تو جو نسب نامہ جا کر آپ
کے ساتھ پیوند کیا جاویگا وہ یقیناً غلط ہوگا۔اور اس غلطی کی صحت کے تردد میں مجھے صرف یہ
خواہش تھی کہ میں حضرت کے مسکن اصلی میں جاؤں ،وہاں بھی سادات اس نسب کے ضرور ہوں
گے۔جن کے پاس شجرہ نسب ہوگا جس کے ذریعے تصیح کر لاؤں گا۔مگر مجھ کو آگے جانے کے
لئے کابل سے واگزاری نہ ملی ،تو میں کنٹر میں ۱۹۰۵ء میں گیا۔وہاں کے حاکم مرزا محمد اکبر
صاحب نے تمام سادات کو بلوا کر ان سے کتابیں منگوائیں اور بہت تحقیقات کی لیکن وہ غلطی
وہاں بھی بدستور پائی گئی۔میری مایوسی کی کوئی حد نہ رہی اور مجھے نسب کی غلطی میں اس قدر شبہ پڑ
گیا کہ میں نے بہت دعائیں اور استخارے اس بارے میں کئے۔حتیٰ کہ حضرت رسول مقبول
ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپؐ نے فرمایا کہ یہ بچہ ہمارا اپنا ہے اس کو ہمارے اصطبل سے
ایک گھوڑا دے دو اور اس تردد میں بہت غلطاں و پیچاں تھا۔اتفاقاً شجرہ نسب میں ایک دن غور کر
رہا تھا تو میری نظر حضرت سیّد جلال الدین گنج العلم بخاری کے نام پر جا لگی اور خیال آیا کہ

حضرت سید جلال تو اس قدر مشہور بزرگ ولی اللہ ہیں جن کی اولاد ترکستان ماور النہر میں بھی ان کے دو فرزندوں سیّد علی و سید جعفر کے عقب سے رہ گئی ہے اور سرحد و ہندوستان میں بھی اولاد ان کی بہت ہے اور شجرہ نسب ان کا طبع شدہ کتابوں میں اور شجرہ انساب سادات میں مل جاتا ہے۔ اور جو غلطی اس شجرہ میں ہے وہ سیّد جلال بخاری سے اوپر ہے جس کی صحت ان کے شجرہ نسب سے ہو سکتی ہے۔

چنانچہ مجھ کو سادات بخاری کے شجرۂ نسب سے بھی سیّد جلال بخاری کے نسب نامہ کا مل گیا۔ اور تاریخ فرشتہ میں بھی سید جلال بخاری کا صحیح نسب نامہ مل گیا جو دو چار پشت اوپر جا کر سید جعفر خلیل اللہ برادرم امام حسن عسکری و فرزند حضرت امام علی نقی امام دہم سے جا کر مل جاتا ہے۔ غرض یہ کہ بنیادی غلطی کا ازالہ مکمل طور سے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے خود ہی کرا دیا۔ مگر میری شکی طبیعت میں ایک اور شک یہ پیدا ہوا کہ سادات بخاری کے نسب ناموں اور دیگر تاریخوں میں اس سیّد جلال بخاری کا لقب مخدوم اعظم سید جلال سرُخ بخاری لکھا ہوا ہے۔ اور درویزہ صاحب کے منقول نسب نامہ میں سید جلال گنج العلم بخاری لکھا ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ سید جلال سرُخ مخدوم اوّل مخدوم جہانیان جہاں گشت کا دادا سید احمد کبیر کا والد دوسرا سید جلال ہو اور سید جلال گنج العلم بخاری اور ہو مگر یہ دیکھ کر دونوں نسب ناموں میں کہ اخون درویزہ صاحب والے میں بھی سید جلال گنج العلم کی ولدیت معہ کنیت والد بن ابو المو ئد امیر علی لکھی ہے۔ اور سید جلال اعظم کے نسب نامہ اور تاریخ فرشتہ والے نسب نامہ میں بھی سیّد جلال سرخ مخدوم اعظم کی ولدیت معہ کنیت والد کے بن ابو المو ئد حضرت امیر علی لکھی ہوئی ہے۔ اس توافق مل جانے سے دو گونہ تسلی ہو گئی۔ مگر اب یہ خیال آیا کہ درویزہ صاحب نے ابو المو ئد امیر علی کے والد کا نام عبد الرحیم بن سید محمود مکی بن امام محمد مہدی امام دواز دہم لکھا ہے۔ اور شجرہ نسب سادات بخاری ملتانی میں بھی اور تاریخ فرشتہ بھی جو نسب نامہ مخدوم اعظم سید جلال سرُخ بخاری یکساں لکھا ہے۔ اس میں سید ابو المو ئد امیر علی کے والد کا نام سید عبد الرحیم نہیں لکھا ہوا اور نہ سید عبد الرحیم کی بجائے محمود مکی لکھا ہوا ہے۔ بلکہ سید امیر علی کے والد کا نام سید جعفر لکھا ہے اور اس کے دادا کا نام سید محمود لکھا ہوا ہے۔ خالص محمود لفظ ہے ساتھ مکی لفظ نہیں۔ جو نبیرہ سید علی اشقر بن سید خلیل اللہ امام دہم علی نقی رحمتہ اللہ علیہ ہے۔

بہر دو حالات یعنی اگر یہی محمود مکی ہے تو بھی نسب نامہ صحیح اور بے خطا ثابت ہو گیا کہ سید جلال گنج العلم بخاری اور سیّد جلال مخدوم اعظم سرُخ بخاری دونوں ایک شخص ثابت ہو گئے اور اگر یہ دو سید جلال باوجود ولدیت واحد ہونے کے بھی جدُا جدُا اشخاص ہیں، تب بھی نسب نامہ دونوں کا جدُا جدُا مگر صحیح بے خطا اس لئے ثابت ہو گیا کہ تمام سادات کے نسب ناموں میں سید جلال ایک نمایاں حیثیت کا مشہو معلوم بزرگ ہے اس تک نسب کا پہنچنا صحت کی سند ہے اور یہ عظیم الشان غلطی خواہ سہوِ کاتب سے خواہ اخوند صاحب کے نسیان یا بے فکری کی وجہ سے نسب نامہ میں درج ہو چکی ہوئی تھی اس کی صحت کر دی گئی ہے۔ اب ایک امر تصحیح طلب باقی ہے اس کے لئے میں کتاب میں خالی جگہ چھوڑتا ہوں۔ یعنی یہ کہ سید جلال گنج العلم بخاری کی قبر والد کے موضع ابوہ میں ہے جن کی نعش کو چار صد سال قبل یوسف زئیوں کے قبضہ سوات میں اس جگہ سے نکالا گیا تھا اور نعش مبارک مانند مردہ یکساں امانت سلامت تھی جس کا چشم دید گواہ کا نام اخوند درویزہ صاحب نے تذکرہ میں لکھا ہے۔ اور سید جلال سرُخ و اعظم کی قبر موضع اُچ شریف ملتان میں ہے اور پرگنہ تالاش قبضہ شمسی خان میں اس کو دفن کیا گیا اور اس کے علاوہ متعدد مقامات میں بھی آپ کی مزار یا نشست گاہ بشکلِ مزار موجود ہے ایسا ہی آپ کے فرزند شاہ ناصر خسرو مشہور بہ حیات المیر صاحب کی نشست گاہیں بیشمار ہیں اور کہتے ہیں کہ اصلی مزار تبت میں ہے۔ اس کی تحقیقات انشاء اللہ بشرط زندگی انجام تک پہنچا کر اس خالی جگہ درج کروں گا یا بطور حاشیہ آگے ایک ورق لگا دوں گا۔ وباللہ التوفیق۔

(سر اقبال مرحوم نے ناصر خسرو علوی کسی بزرگ کو لکھا ہے)

بصُورت مذکورہ بالا حضرت کا شجرۂ نسب تصحیح شدہ حسب ذیل ہے،

۱ سید علی ترمذی غوث بونیر رحمتہ اللہ علیہ بن امیر نظر بہادر ۲ مرزا سیّد قمر علی
۳ سیّد احمدؒ نور علیہ الرحمتہ بن ۴ سیّد یُوسف نُور علیہ الرحمتہ بن ۵ سید مُحمّد نور بخش
قدس سرہ بن ۶ سید احمد بنعیم بن ۷ سیّد احمد بداق بن ۸ سیّد احمد مشتاق بن ۹
شاہ ابوتراب بن ۱۰ سید حامد بن ۱۱ سید محمود بن ۱۲ سید اسحاق بن ۱۳ سید عثمان
۱۴ سید جعفر بن ۱۵ سید عمر بن ۱۶ سید محمد بن ۱۷ سیّد حسام بن ۱۸ سیّد شاہ ناصر
بن سیّد حیات المیر ۱۹ سیّد جلال گنج العلم بخاری قدس سرہ العزیز بن ۲۰ سیّد امیر علی
سی ۲۱ دمحمود کہ بنیرۂ ۲۲ امام علی نقی بود بن ۲۳ امام محمد تقی بن ۲۴ امام رضا بن ۲۵
موسیٰ کاظم بن ۲۶ امام جعفر صادق بن ۲۷ امام محمد باقر بن ۲۸ امام زین العابدین
بن سیّد الشہدا ۲۹ امام ابوعبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ السلام بن امیر المومنین سیّد الاولیا
۳۰ علی المرتضےٰ وسیّدۃ انساء فاطمہ الزہرے بنت سید الانبیا احمد مُجتبےٰ محمد مُصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سید علی ترمذی کا فرزند جس سے آپ کی اولاد دُنیا میں پھیلی صرف ایک ہی
مصطفیٰ صاحب تھا، مگر آپ کی قبر کے ساتھ جوڑہ دوسری قبر آپ کے لاولد فرزند عبداللہ کی
جاتی ہے اور اکثر لوگوں کو ہر دو قبور کی شناخت میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ مغرب والی
والد کی ہے اور مشرق والی بیٹے کی ہے اور کوئی اس کے برعکس کہتا ہے۔ اس بارے میں خود
ایک واقعہ عالمِ رویا میں گزرا ہے جس کا لکھ دینا بے جانہ ہوگا۔

جب ماہ ذیعقد ۶ ۱۳۳۶ء ہجری مطابق یکم اکتوبر ۱۹۱۷ء میں حکومت سوات سے
کر کو ہساری علاقہ جات غوربند و پورن کے راستوں سے ہو کر مجھے اپنے گھر

...تو اس سفر میں بحالت خواب دیکھا کہ میں گویا جد بزرگوار حضرت سیّد علی ترمذیؒ کے مزار
...ہوں اور دل میں بہت غمگین ہوں اس طور سے مشرق جانب والی قبر کے ساتھ جا کر لیٹ
...ہوں جس طرح ایک بچہ بحالت غمگینی اپنے والدین کے ساتھ لیٹ جاتا ہے۔ مجھ پر اس
...ایک ہاتفی آواز ہوئی جس کے الفاظ صحیح یاد نہیں مفہوم یہ تھا کہ نہ بھولنا۔ یا یہ کہ یاد رکھنا
...کی قبر مغرب جانب والی ہے۔ تب میں مشرق والی قبر سے اُٹھا اور مغرب والی قبر کے
...والی سے آ کر بیٹھا اور پھر اس نے اس قبر کے ساتھ معانقہ کیا۔ اسی حالت میں قبر کے
...سے میری کیفیت مذکورہ کا اندازہ کرتے ہوئے، مجھے ایک اور آواز آئی۔ اس کے بھی صحیح
...مجھے یاد نہیں، مگر مفہوم انکا ایک والد کی طرف سے اولاد کی مصیبت پر ہمدردانہ پیار اور تسلی
...کے جملوں میں تھا جس کے اندر تسکین بخش ہمدردی بھی شامل تھی، جب یہ آواز قبر کے اندر
...میں نے سنی تو میں نے اپنے اردگرد نظر ڈالی کہ آیا کوئی اور بھی یہاں موجود ہے یا نہیں اور
...کسی دوسرے نے بھی اس آواز کو سُنا ہے یا نہیں۔ میں نے دیکھا کہ چاروں طرف، گنبد مزار
...دیوار کے ساتھ حلقہ کی صُورت میں اولیاء اللہ سب دست بستہ کھڑے ہیں جس طرح کسی
...بادشاہ کے درباری با ادب دست بستہ اور صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ میرے اس طرف
...ہی وہ سب باہمدیگر سوالات ایک دوسرے سے کرنے لگے کہ آیا تم نے یہ آواز سنی ہے
...اب ہر ایک نے ان میں سے یہی جواب دیا کہ بے شک ہم نے قبر کے اندر سے عبدالجبار
...کے لئے پُرشفقت پدرانہ تسلی دہی کے الفاظ سُنے ہیں، تب ان میں سے ایک نے کہا کہ تم
...اس شہادت نامہ پر دستخط کر دو اور اُسی نے ایک ہلکا زرد کاغذ کا پرچہ لے کر اُس پر مذکورہ
...الفاظ شہادت کے سب کی طرف سے لکھ کر ایک ایک سے اس پرچہ پر دستخط گواہی کے کرا کر
...وہ پرچہ مجھے لا کر دیا اور کہا۔ اس کو محفوظ کر لو اور میں نے اس کو اپنی جیب میں رکھ لیا اور رکھتے
...میں جاگ گیا۔

خواب کی تعبیر تو اللہ تعالیٰ علیم ہے جو آیندہ بہتر حالات پیش آئے وہ بھی یا اس سے بھی
آیندہ کوئی اور حالات کے متعلق ہو مگر حضرت کی قبر کی بابت تو ایک روحانی اور غائبانہ گواہی مل
گئی ہے کہ آپ کی قبران دو میں سے مغرب والی ہے۔

حضرت کی عمر قریباً نوے سال تھی جیسا حالات مذکورہ بالا سے پایا گیا ہے۔ اور پچاس

سال تخمیناً عمر میں آپ مستقل اس وطن میں مقیم رہے مگر موضع دوگدہ کے قریب آپ کے علاوہ
کا ایک غار ہے جو پہاڑ میں ایک کھوہ ہے، اکثر حصہ آپ کی عمر کا اس میں ریاضت اور مجاہدہ
اور مراقبہ مشاہدہ میں گزرا۔ اور آپ نے اپنی زندگی میں معمولی نذرانے قبول کئے ہیں مگر
تعلقات دنیوی اور حصول املاک و جائداد سے سخت متنفر و متوکل اللہ تھے آپ کے فیوضات ظاہر
و روشن ہو چکے تھے اور خلق خدا دور و نزدیک کا ہجوم اور میلہ لگا رہتا تھا، مگر آپ کی توجہ اللہ والوں
سے ملتفت رہتی، اور ایک عظیم الشان مملکت کے مسلمانوں کے اندر سے ہر قسم کے مفاسد کو مکمل
طور سے صاف مٹا دینے میں پورے کامیاب ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

البتہ آپ نے بطور وصیت و ہدایت اپنے جانشین اولاد اہل سجادہ کا فرض قرار دیا کہ وہ
اپنی عمر اور جان و مال امر معروف و نہی منکر کے اجرا میں صرف کریں گے اور کوہستانی کفار اقوام
کو دائرہ اسلام میں لانے کے لئے جان اور مال کی قربانی میں دریغ نہ کریں گے۔ اب تاریخ
کے مذکورہ سابقہ اور مندرجہ آئندہ حالات خود ظاہر کریں گے کہ کل افغان اقوام اور قبائل آپ
کے عہد سے بعد سب کے سب مجاہد اور غازی بن گئے۔ ایک افغان شاعر نے افغانی قوم کے
ترانہ میں ایک شعر اپنی ملت کی تعریف پشتو میں لکھتا ہے کہ یہ تو ہم افغان ہی ہیں کہ جب زندہ
ہوتے ہیں تو ہماری زندگی غازی کی گزرتی ہے اور جب مرتے ہیں تو ہم ہمیشہ شہید مرتے ہیں
اس زمانے میں ماقبل گذشتہ افغانی قبائل کے حالات ناظرین پڑھ چکے ہیں کہ ان کی جنگ
جدالوں میں بجز ذاتی اور نفسی اغراض کے دین مذہب اسلام اور احقاق حق و ابطال باطل کے
لئے جنگ جدال نہیں کرتے رہے مگر حضرت کے زمانہ کے بعد کی تاریخ کا حصہ تمام دینی اور
اسلامی کارناموں سے پُر ہے اور جن کا ایک حصہ ملحدوں اور فاسقوں کے خاتمہ کا تو گزر چکا اور
معاً اس کے بعد کوہستانات شمالی کے کفار قدیم اور مندنشینی کے عہد اختتام بہ فتح و قبول اسلام
لاکھوں ہا نفوس پر ہوا اور کشمیر چترال تک ملک داخل اسلام ہو گیا۔ سلسلہ جہاد افغانوں کی سرشت
کا جزو اعظم بن گیا جو اب تک مسلسل جاری ہے۔

حضرت سیّد مصطفیٰؒ بن حضرت سیّد علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت کے فرزند سید مصطفیٰ آپ کے حقیقی جانشین اور مرجع خلائق بزرگ تھے جن کو علاوہ بونیر
والے کے علاقوں میں ہزاروں املاک اور جائدادیں اقوام و قبائل کی طرف سے پیش کش
ہونے کے بعد سلطنت افغانستان میں جلال آباد سے پچیس میل کنڑ کی وادی شروع ہو کر
کافرستان چترال تک چلی گئی ہے جن میں سے دریائے کنڑ شمال کی طرف سے آ کر ننگرہار کے
ضلع میں دریائے کابل کے ساتھ مل جاتا ہے۔ یہ کنڑ کا علاقہ حضرت سید مصطفیٰ صاحب کو ہبۂ
دیا گیا، مغل حکومت کے قواعد کی رُو سے زمین ملکیت بادشاہ کی ہوئی تھی۔ لہٰذا خیال میں
نہیں آسکتا کہ بغیر شہنشاہ ہند کے عطیہ کی یہ اس قدر املاک کس نے حضرت سیّد مصطفیٰ کو
دی۔ ہمارے خاندانی کاغذات بار ہا حوادث میں تلف اور ضائع ہو چکے ہیں۔ اس لئے تحریری
سند مجھے نہیں ملی مگر تختہ بند بونیر میں حضرت سید مصطفیٰ کے بڑے اور جانشین فرزند سید
عبدالوہاب کا ایک صندوق تبرکات کا تختہ بند میں قدیم سے رکھا ہوا تھا۔ جس میں آپ کے
جامے اور دیگر تبرکات تھے اور اسناد عطائے املاک کے علاوہ چوبیس ہزار سالانہ کا وظیفہ مرکزی
جانشین کے لئے سلاطین دہلی کا بھی اس میں تھا۔ میرے والد صاحب نے خود ۱۸۶۳ء میں
جنگ امبیلہ کے ایام میں تختہ بند جا کر ان تبرکات کو نکلوا کر ملاحظہ کیا، بلکہ تبرک کا حضرت کے جامہ کو
بدن پر پہنا تھا۔ اور چونکہ والد صاحب اور ان کے بڑے بھائی شہزادہ مبارک شاہ دونوں اکٹھے
دیکھنے گئے تھے اور بے علم اور توہم پرست سادات جو والد و چچا کے یک جدی تھے۔ ان میں یہ
بات مشہور تھی کہ تبرکات کو ہاتھ لگانے سے نقصان پہنچتا ہے۔ مگر ان بزرگوں نے اس توہم کی
تردید کر کے تبرکات کو نکلوایا، دیکھا اور بدن پر ڈالا۔

کچھ مدت بعد یہ دونوں بھائی یکے بعد دیگرے جوانی ہی کی عمر میں تھے کہ حوادث
ناگہانی سے شہید و مقتول ہوئے۔ لہٰذا وہ تبرکات سادات مذکور نے دریائے سندھ میں لے جا کر
غرق کر کے تلف کر دیئے۔ اس لئے کوئی صحیح سند نہیں مل سکی، بلکہ مجھے شک ہے کہ ان تبرکات
میں حضرت غوث بونیر کی تصنیف اور کوئی تحریر بھی ضرور ہوگی جس کا اب ملنا محال ہے۔ مگر اب
قرائن سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ زمانہ شہنشاہ اکبر کا افغانستان و ہندوستان پر حکومت کا تھا

اور حضرت کے برکات وفیض باری کا علم دربار تک جا چکا تھا۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ۔۔۔ کی
سید مصطفیٰ صاحب کو حکومت ہند سے ہی عطا ہوئی ہو اور اسی وجہ سے آپ زیادہ عرصہ اس
گزارتے تھے اور اہل افغانستان کو فیوض باطن سے مستفید کرتے رہے اور یہ جائداد
آپ نے اپنے مسند نشین بڑے بیٹے سیّد عبدالوہاب کو حصہ میں دی تھی۔ جو ایک دلیل
سلطانی ہونے کی یہ بھی ہے اور حضرت سیّد مصطفیٰ صاحب کی وفات بھی کنڑ میں ہوئی اور آپ
مدفن بھی پشت کنڑ میں ہے۔ سادات کنڑ کی عزّت اور عظمت اور تقدس جس کا عہد اکبری
امیر حبیب اللہ خان کے زمانہ تک کابل کے سلاطین اس حد تک کرتے رہے ہیں کہ سلاطین اپنی
لڑکیاں تبرک جان کر ان سادات کو بیاہ کر دیتے رہے اور امیر کبیر دوست محمد خان باقی خاندان
محمد زئی کی بہنیں بیٹیاں ان سادات کے گھروں میں تھیں۔ اور سادات کنڑ یا اولاد سیّد علی ترمذی
قدس سرہ کے بغیر افغانستان و سرحدات میں اور کسی نسب کے سادات کو ازراہِ نادانی سیّد ہی نہیں
سمجھا جاتا، مگر ان سادات کے اندر امراء و کبرا ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ اور ان میں
شجاعت اور عظمت اور جلالت بعض افراد میں ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ سید جمال الدین افغانی
مقدس نسل و خاندان سے ہونے کی وجہ سے امیر دوست محمد خان کے درباریوں میں تھا اور امیر
محمد افضل خان و امیر محمد اعظم خان کا تو وزیر اعظم تھا اور جس قدر بے بہا خوبیوں کا وہ مالک تھا
اس کی تشریح کی مجھے ضرورت نہیں۔ تمام دنیائے اسلام اس کو جانتی ہے۔ سید جمال الدین
افغانی نے اپنے آپ کو سادات کنڑ و اولاد سیّد علی ترمذی سے بتلایا ہے جس کو غلطی سے اس کے
شاگردوں نے سید علی صاحب جامع ترمذی سمجھا اور لکھا ہے اور یہ ایک سخت مغالطہ ہے جامع
ترمذی مصنف بہت دُور گزرا ہے۔ یہ سید علی ترمذی غوث بونیر یہی بزرگ ہیں جن کا ذکر میں لکھ
رہا ہوں۔ اور ہمارے خاندانی حالات کل افغان ممالک میں اظہر من الشمس ہیں۔

حضرت سید مصطفیٰ نے سلسلہ مشیخیت و اشاعتِ دین و استحکام شریعت نبوی کو اپنے عہد
میں عمدگی سے قائم و برقرار رکھا آپ کے بڑے فرزند سید عبدالوہاب مادر زاد ولی اللہ تھے بلکہ
افغانوں میں روایت مشہور ہے کہ اخوند درویزہ صاحب کو ترقی کا بڑا حصّہ سیّد عبدالوہاب
صاحب سے حاصل ہوا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انوارِ باطنی کا کثیر حصّہ اخوند سالاک کو سید
عبدالوہاب سے ملا تھا۔ لفظ اخوند سے درویزہ سمجھا گیا جو غلط روایت ہے۔

حضرت سیّد الوہابؒ بن سیّد مصطفیٰ رحمتہ اللہ علیہ

مشائخ کا سلسلہ بھی حضرت کی اولاد اور ماذونان مریدان باصفا سے جاری رہا۔ حضرت
عبدالوہاب کو بوجہ جہاد و امارت وولایت صاحب تیغ و صاحب دیگ کہا کرتے تھے۔ سیّد
... کے بیٹے کے علاوہ سید عبدالوہاب کے دو فرزند اور تھے جو ولایت کرامت اور تمام
... آبائی سے معمور تھے۔ ایک سیّد حسن صاحب تھے۔ دوئم سید قاسم صاحب۔ سید
عبدالوہاب و سید قاسم تو زیادہ کثیر اولاد ہیں۔ مگر سید حسن صاحب کی اولاد بہت زیادہ نہیں پھر
... یہاں ہیں بابرکت ہیں۔ اور سیّد قاسم کی اولاد کثرت سے ہے۔ حضرت کے مزار پر
... بھی دے لیا کرتے تھے۔ ہمارے زمانے میں سیّد غلام شاہ کاکا نے اپنا حصہ ان سے
... کیا۔ میرا خیال ہے کہ اچھا نہ کیا کیونکہ بڑی طویل مدت سے ان کا حق ہو چکا تھا۔ سیّد
... نے جہادی مہم وادی سوات کے تمام کوہستانات کو مسلمان کر کے ختم کی تھی۔

مجھ کو باقاعدہ تحریری حالات ان بزرگوں کے تفصیل وار نہیں مل سکے، مگر میں اس قدر کہہ
... جس قدر سید جمال الدین افغانی نے اپنی تاریخ افغانستان میں اس خاندان کے
... کے بارے میں لکھے ہیں۔ جہاں سادات کنڑ کا ذکر آیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہ خاندان
... شاہ بابر سے لے کر اب تک عظماء سے خالی نہیں ہوا۔ یہ ایک ایسا جامع فقرہ وہ لکھ گئے
... تمام تشریحوں کی بجائے کفایت کرتا ہے۔

حضرت سیّد مصطفیٰ صاحب تین لائق فائق کامل اور مسند نشین فرزند چھوڑ کر دنیا سے
... ہوئے۔ کنڑ میں آپ کی وفات ہوئی۔ اور آپ وہاں ہی پشت میں مدفون ہیں اور آپ
... میں سے بڑے بیٹے کا حصّہ بنیر کے وسط میں تختہ بند جائے قیام رہا۔ اور کنارہ رود
... قریب تختہ بند آپ کی عبادت کی جگہ ایک پہاڑی ہے۔ جس کے متصل آب رود جاری ہے
... آپ کا ہی حصہ مملکت کنڑ کی جاگیر ہی تھی مگر آپ کا انتقال بنیر میں ہوا ہے اور قصبہ شل بانڈی
... قبرستان موسومہ قبرستان میاں عہدل بابا میں مدفن ہے۔ آپ کے بھائی سید حسن صاحب جو
... ولایت اور علم و دیانت سے آراستہ تھے، ان کا مدفن سوات میں سیدو کے قریب اسی درّہ میں
... جگہ ہے اور تیسرے فرزند سیّد قاسم صاحب کا مدفن بالا سوات میں وھانہ درّہ ارنوے پر

موضع پیر کلی ہے۔ ان بزرگوں کی اولاد کی تفصیل اگر لکھوں تو ایک جلد اور ہو جائے لہٰذا
بزرگوں اور مرکزی شاخ کے حالات پر اکتفا کروں گا۔

سید عبدالوہاب صاحب کے بھی تین فرزند تھے۔ جن میں سے بڑا اور مسند و مرکز
سید مسعود تھے۔ دوئم سید جمال الدین یا سید جمال تھے۔ تیسرا سید جلال الدین یا سید
تھے۔

سید جمال کو والد نے تمام املاک و جائداد کنڑ و افغانستان کی دے دی۔ اور جس طرح
سید مصطفےٰ کے تین فرزندوں میں سے صرف ایک بڑے سید عبدالوہاب کو وادی کنڑ کی جا
معہ بنیر والد نے دے کر اور دو بھائیوں یعنی سید حسن و سید قاسم کو کوئی حصہ ان میں نہ رکھا تھا
ہی سید عبدالوہاب نے بھی اپنے بیٹوں کا حق ملکیت وادی کنڑ میں سید جمال الدین کے
کوئی حصہ رہنے نہ دیا۔ نہ سیّد جلال کو بونیر میں ان کی املاک میں شریک کیا، معلوم یہ ہوتا
ایسا اس لئے کیا کہ بھائیوں کی اولاد کے درمیان نزاع پیدا نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سید
میں بڑا ہو جس کو جاگیر ...... کی دے دی مگر بنیر والی املاک بھی اس قدر زیادہ ہیں کہ آج
بے شمار اولاد اس جگہ رہتے ہوئے بھائیوں کی جا بجا املاک کثیر پر متصرف ہیں۔

تیسرے فرزند یعنی سید جلال کے لئے تو بنیر کے املاک سے بالکل بے دخلی
کی صورت پیدا ہو گئی اور وہاں اور ہی اس قدر جائداد پیدا ہو گئی جو ایک بڑی ریاست اس کو
واحد ملکیت مل گئی۔ جس کی تفصیل آگے موقعہ پر آوے گی۔ مگر میں نے تختہ بند ہی میں غلام
کاکا اور دیگر بزرگوں سے سنا ہے کہ سید عبدالوہاب کا بڑا فرزند سید مسعود تھا جو مرکز بنیر میں تمام
قبائل یوسف و مندان کا اپنے والد کی مانند جسمانی اور روحانی دونوں طرح پیشوا قائد اور حاکم
،جس کا ایک حقیقی بھائی وادی کنڑ افغانستان پر متصرف ہونے کی وجہ سے سید جمال
افغانستان کے قبائل کا پیشوائے دینی و دنیوی تھا۔ جس کے نام کے ساتھ شیخ الاسلام بھی اس کی
اولاد میں رائج اور جاری رہا۔ جس کے بیٹے سید عباس کی اولاد سے سید جمال الدین افغانی
دوسرا بھائی سید مسعود مرکز نشین تھا۔ سید جلال مورثِ اعلیٰ سادات کاغان و پکھلی کشمیر کے متصل
تک فرمانروا ہو گیا لہٰذا مرکز نشین بڑے بھائی کے دو بازو مشرق و مغرب ہر دو طرف دور تک
اس قدر پھیلے ہوئے تھے کہ مغرب میں بذریعہ سید جمال کابل و قندھار تک اقوام و امراء

جمال کے زیر اثر تھے۔ جو کنڑ پر مقیم تھے۔ اور مشرق میں کشمیر تک قبائل اور خوانین سید جلال خور
اور کی حکومت پکھلی وغیرہ پر ہونے سے سید مسعود کے زیر حکم تھے۔ اب خود اندازہ ہو سکتا ہے
کہ سید مسعود کے عہد میں حضرت سید علی ترمذیؒ کی اولاد کو قطع نظر روحانی برکات کے دنیوی اور
حکومتی شکل میں کس قدر شوکت و ثروت حکومت اور عظمت حاصل ہو چکی تھی اور ان پر سہ
بھائیوں کا باہم نہایت مخلصانہ اتفاق و اتحاد تھا، بلکہ کنڑ والے اپنی لڑکیاں بغیر تختہ بند اس طرف
جانب کو بیاہ کر نہ دیتے تھے۔ ایسا ہی اپنی شادیاں بنیر سے کیا کرتے تھے۔ مجھ کو اپنی بزرگ
مستورات کی زبانی کنڑ والی وادیوں کے بہت سے افسانے سنے ہوئے یاد ہیں جو بونیر سے بیاہ
کرائی گئی تھیں۔

ان بزرگوں کے اجرائے اسلام و قیام دین کے بارے میں یہ عمل سیّد علی علیہ الرحمہ کے
وقت سے مسلسل جاری تھا کہ علم دین کی تدریس لازمی قرار دے دی گئی اور ملک میں علماء بہت
پیدا ہو گئے اور ہر قسم کی بے دینی اور بدعت کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اس زمانہ تک ساڑھے تین بلکہ
چار صدیاں گزر چکی ہیں سرحدوں اور افغانستان میں دینداری دیگر ممالک سے بہت ممتاز اور
فضیلت ہے افغانوں کے قبائل میں حق کی حمایت میں جنگوں میں جان و مال قربان کرنا اس
خاندان نے مدام و قائم رکھا۔ سید جمال الدین کی اولاد کو وادی کنڑ کے متصل کتار اور کمبیر کے
قدیم کفار مل گئے تھے۔ انہوں نے ان سے سلسلہ جنگ جاری رکھا۔ اور مرکز بنیر نے تمام
کوہستانوں کو مسلمان از کشمیر تا چترال بنا کر آرام کر لیا۔

یہ کام ایسے تھے جو سلطنتوں سے نہ ہو سکتے تھے جن کو ان بزرگوں نے انجام کر دیا۔ کفار
کوہستان درندہ خصلت بہائم سیرت تھے۔ کوئی مذہب ان کا نہ تھا۔ اپنی بیٹی بہن کو بی بی بنانا
ان کا قدیم رواج تھا۔ ان کو اول مسلمان بنایا پھر دین آموزی کی پھر ملک میں علم و علماء کی
پیداوار کوئی۔ لہٰذا یہ خدمات اسلام کی ایسی نہ ہیں کہ اسے دیکھ کر کل افغان حضرت کے اولاد کے
عموماً اور مرکزی مسند کے خصوصاً بیدام غلام نہ بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سلاطین اسلام کے
دلوں تک بھی ان کی عظمت کا سکہ مرتسم ہو گیا۔

اس کے بعد جو اثر مترتب ہوا وہ یہ تھا کہ افغانی اقوام اور قبائل نے حضرت کی اولاد کے
ہر ایک فرد کو بطور تقسیم ان کے بزرگوں سے بہ ہزار منت مانگ کر اپنے ملکوں میں بانٹ کر

لے لیا۔اور ہر قبیلہ نے کفایت سے زیادہ املاک واراضیات زمین جائداد بطور ہبہ جس کو پشتو
میں سیری کہتے ہیں ۔ ہر فرد کو دے دیئے اور اپنے معاملات میں اپنے خطہ میں،ان کو پیشوا اور
حاکم تسلیم کرلیا، بلکہ اس عمل کو ہر جو حاصل کرلیتا وہ موجب سعادت خیال کرتا تھا۔یوسف زئی
وغیرہ قبائل مہمند زئی وترکلانی وباجوڑی نے یہ عمل نہایت عقیدت مندی سے عملاً کر دکھایا۔جس
کا ثبوت اب تک اولادِ سادات کا بے حساب املاک اور جائداد پر قبضہ ہے۔جو اب تک باقی
موجود ہے۔ساڑھے تین صد گزر چکی ہیں۔مگر سیّد حسن،سید قاسم،سید عبدالوہاب کی اولادوں کو
اب بھی ناظرین باوجود کثرت تعداد کے ہر جگہ کثیرالجائیداد باعزت واحترام پاویں گے۔بعد
اس کے کہ سید عبدالوہاب کا فرزند کبیر سید مسعود مرکز میں متصرف تھا اور دوسرا بھائی افغانستان
میں ایک طرف جہاد با کفار۔دوئم جانب اشاعت واجرائے شریعت وروحانیت میں کنڑ میں سید
جمال مصروف تھا۔مگر تیسرے بھائی کا واقعہ ان دو سے عجیب ہے جو ایک فصل میں درج کیا جاتا
ہے۔جہاد کوہستان کے لئے عبدالوہاب مسند نشین کا جنرل اخوند مالک تھا جس کی اولاد اخوند
خیل کہلاتی ہے۔

فصل دوئم

حالات سیّد جلال الدین بن

سیّد عبدالوہاب فاتح پکھلی واگردہ وغیرہ

جس زمانہ کا ذکر لکھ رہا ہوں۔اخوند درویزہؒ صاحب کے الفاظ بتا رہا ہوں کہ علم دینی اور
علما کی اس ملک میں بیحد کمی تھی،مگر حضرت سید علی ترمذیؒ نے یہ امر اپنی اولاد اور ماذونان
مریدوں پر واجب کردیا تھا کہ وہ علم وتعلیم علوم دینی کو ملک میں رائج کریں گے اور طلب علم کے
لئے اپنی اولاد اور اُمراء خوانین کی اولاد کو دُور و دراز ملکوں میں جس جگہ عالم ہوتا بھیج دینا واجب
ٹھہرایا تھا۔یہ رواج اہل اسلام میں قدیم سے تھا،مگر اس وطن میں متروک ہوچکا تھا جسے حضرت
نے اور آپ کی اولاد اور ماذونان طریقت نے از سر نو زندہ کیا۔یہ طریقہ زمانہ حال کے
کالجوں اور مدارس کی تعلیم سے زیادہ بہتر اس لئے میں کہتا ہوں کہ طالب علم خواہ امیرزادہ بھی
ہوتا۔اس کو اپنے سے بڑوں کی تعظیم انکی خدمت،استادوں کی خدمت اور اطاعت صبر ومشقت
برداشت کرنی اور رُوکھی سوکھی روٹی کھانا پڑتی اور تعلیم کے ساتھ تربیت اور دور دراز سفر کے فوائد
کا بھی تجربہ حاصل ہوتا تھا۔عملاً اپنے اوپر تکلیف اُٹھا کر ہمراہیوں،استادوں اور بڑوں کو آرام
پہنچانے کی اخلاق آموزی علاوہ تعلیم وسبق کے مزید مفید تربیت ہوا کرتی تھی جو طالب علم کم عمر
ہوتے وہ محلہ سے حسب قاعدہ مسجد کے لئے روٹیاں جمع کرلایا کرتے۔اور یہ فرض علماء اور
امراء کے فرزندوں کے قرار پا چکا تھا کہ وہ طلب علم میں مسافرت کی صعوبت اُٹھایا کرتے
تھے۔

چنانچہ حضرت سید عبدالوہاب نبیرہ حضرت سید علی ترمذی ومسند نشین نبیبہ وکنڑ افغانستان
کا ایک فرزند سید جلال الدین چھوٹی عمر میں طالب علمکے لئے گھر سے روانہ ہوکر علاقہ پکھلی

میں آگیا جو ضلع ہزارہ کے شمال میں عمدہ زرخیز خطہ ہے۔ اس جگہ قدیم ترکوں کی ایک ریاست وسیع و عریض عہد قدیم سے قائم تھی۔ غالباً تیموری ترکوں سے اس کا تعلق تھا، مگر اس ملک میں ہندوؤں کے ساتھ رہتے رہتے ہندوانہ رسوم ان میں رائج ہو چکی تھیں۔ اس ریاست فرمانروا ان دنوں میں ایک سُلطان محمود نام ترک تھا۔ قاعدہ ہے کہ جس جگہ علماء ہوں گے وہاں درس و تدریس ہوتی ہو گی، سید جلال نوعمر لڑکا تھا جو بہت حسین و جمیل تھا۔ اس کے دارالریاست میں آتے ہی شہرت ہو گئی کہ ایک طالب علم لڑکا نہایت حسین و جمیل و باوقار آیا ہے جس کی شکل شمائل سے کسی نہایت محترم و معزز خاندان کا معلوم ہوتا ہے۔ اکثر قاعدہ یہ بھی تھا کہ بڑے خاندانوں کے طالب علم اپنا نام نسب اس لئے بتلایا نہ کرتے تھے کہ پھر ان سے استاد اہل تدریس خدمت اور کام نہ کراتے تھے۔ لہٰذا ان کے کورس میں خدمت گزاری سب کی اور کپڑے دھونے سینے میں بھی داخل امور تھے۔ اس لئے اپنا نسب حسب اکثر چھپایا کرتے تھے۔

کچھ مدت تک تو سیّد جلال نے اپنے آپ کو چھپا رکھا، مگر سُلطان محمود رئیس والی ملک پکھلی و اگردہ وغیرہ نے اس کی زیادہ کھوج لگا کر معلوم کر لیا کہ یہ تو حضرت سیّد عبدالوہاب کا فرزند ہے۔ جو تمام افغان قبائل یوسف زئی مہمند زئی غوری خیل ترکلانی، بلکہ قبائل افغانستان کا بھی روحانی و جسمانی بادشاہ ہے اور جس کے حکم و سعی سے تمام کوہستان دریائے سوات داخل اسلام ہو چکا ہے۔ تب سُلطان محمود نے اس کو غنیمت سمجھا اور دربار میں بلا کر بہت احترام کیا اور اپنی لڑکی جو نہایت ہی لائق عقل مند بہ ہمہ صفات، موصوف خاتون تھی، اس کی شادی ان سے کر دی اور اپنے مقبوضات میں سے درّہ بھوگڑ منگ اس کو جاگیر ہبہ دے دیا۔

سیّد جلال صاحب سکونت کے لئے اپنی جاگیر میں رہنے لگے۔ اور اس پر ایک کافی زمانہ گزر گیا۔ یہاں تک کہ بنیر میں ان کے والد سید عبدالوہاب کی وفات کے بعد بڑا بھائی سید مسعود مسند نشین ہوا اور اس نے دوسرے بھائی سید جلال الدین کو خطہ کنٹر بطور تقسیم حصہ ملکیت قرار دے کر سپرد کر دیا تھا۔ اور سیّد جلال کی نسبت ان کو علم تھا کہ اس کو اس ریاست میں باعزت ایک قطعہ ملک مل چکا ہے۔ میرے پاس بنیادی اختلافات کے صحیح اسباب کا علم نہیں کہ کن وجوہات سے اس ریاست کے کارندوں میں اس کے بیٹوں اور اہلکاروں نے سید جلال

خلاف بہت کچھ شکایات کو طومار باندھ دیا۔ ان رئیسوں کا لقب بھی ہندوانہ اور راجہ نام یاد کیا جاتا تھا اور ان میں رسوم شادی وغیرہ بھی زیادہ ہندوانہ تھیں۔ اغلب ہے کہ قیس نسل سید جلال تھا۔ وہ لوگ بدعات سے سخت متنفر تھے، کسی رواجی یا مذہبی رسوم پر سید جلال نے سختی سے اعتراض کیا ہو گا جس کو اس کے حاسدوں نے سُلطان محمود کو نہایت بُرے رنگ میں بنا کر اس کو مشتعل کر دیا۔

اب اس زمانہ میں سید جلال صاحب اولاد اور پختہ عمر شخص ہو چکا تھا۔ سلطان نے پکھلی ایک جمعیت نوکروں کی روانہ کی کہ وہ جا کر سیّد جلال کو قتل کر دیویں۔ اس دن سید جلال جو سلطان کے اس بد ارادہ سے قطعاً بے خبر تھا۔ اپنے قلعہ بھوگڑ منگ سے روانہ ہو کر سُلطان کے دربار میں آ رہا تھا کہ درّہ بھوگڑ منگ مقام ڈک میں (یہ ڈک وہ مقام ہے جس میں ہمارا اس عہد اور ... کے ایام ڈاڈر ضلع مانسہرہ میں دق سل کا ہسپتال صوبہ سرحد کا بن گیا تھا) اس جمعیت کو سید جلال آگے سے آتا ہوا مل گیا جو گھوڑے پر سوار آ رہا تھا۔ جب یہ آپس میں ملے تو ان سلطان نے اس پر تلواروں سے وار کر دیئے اور نیزوں سے سخت زخمی کیا بلکہ ناقابل یقین کر لیا گیا، مگر اس نے گھوڑے کو تیز کر لیا اور اسی حالت میں واپس گھر پہنچا۔ اس کی عقل مند اور ہمدرد زوجہ دختر سلطان محمود نے خون آلود دیکھ کر خود گھوڑے سے اتار کر قلعہ اور گھر میں ایک الگ کمرہ میں لے جا کر لٹا دیا۔ اس جگہ آمد و رفت مرد و عورت کی بند کر دی اور خود اس مرہم پٹی اور تیمارداری میں مصروف ہو گئی اور قلعہ کے دروازے بند کرا دیئے۔ اور پہرہ کی حفاظت کا انتظام پختہ کر لیا اور اپنے شوہر کی صحت باشدت زخم کا حال بلکہ مُردہ زندہ کا حال بھی لوگوں سے چھپا دیا۔

ضلع ہزارہ پر جب برطانوی گورنمنٹ کا قبضہ ہوا ہے اور ضلع کا بندوبست جس انگریز حاکم نے پہلے کیا ہے اس کا نام میجر ویلس تھا۔ اس نے پہلا گزٹیئر ہزارہ کا جو لکھا ہے۔ اس میں ہزارہ کی اقوام و قبائل کے بنیادی حالات بھی لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس واقعہ کو اُس نے بھی تفصیل وار لکھا ہے۔ وہ بھی اس امر پر متعجب ہے کہ زوجہ سید جلال دختر سلطان محمود کا کیا مقصد تھا کہ اس نے زخمی سید جلال کے حالات کے انتہائی راز میں چھپا رکھا۔ واللہ اعلم اس اخفا سے اس کی حیات کو مخفی رکھنا مطلوب تھا یا موت کو مخفی رکھنا مقصود تھا، مگر چار مہینے تک معاملہ رکھا

گیا جب تک کہ سید جلال کے زخم صحت یاب اور قابل رفتار و سفر ہو گئے۔ تب وہ ایک دن را[illegible]
میں سوار ہو کر ایسے طریق سے اس ریاست کی حدود سے نکل گیا جس کا علم کسی کو نہ ہو سکا۔

اور وہ بونیر تختہ بند میں اپنے حقیقی بڑے بھائی سید مسعود کے پاس جا پہنچا اور ا[illegible]
مظلومیت کا مذکورہ دردناک واقعہ اس کو سنا کر اس کی غیرت اور ہاشمی غضب پر ایک تازیانہ [illegible]
سید مسعود کے دست و اختیار میں اس وقت نہ فقط تمام یوسف زئی و غوری خیل کا ہی لشکر تھا [illegible]
اُس کی آواز پر ترکستان اور بلخ سے قندہار تک وہاں سے لے کر دریائے سندھ کے کنارہ [illegible]
تمام افغان قبائل کا جمع کا ہو جانا ایک یقینی امر تھا، خصوصاً اس قدر ظالمانہ اور بے ادبانہ عمل کی [illegible]
کے لئے، مگر بہت دُور اندیشی سے اس نے ایسا کرنے سے احتراز کرتے ہوئے ایک خا[illegible]
ایسی سکیم تجویز کی جس کے نتیجہ میں بجائے سلطان محمود ترک کی ملکیت کے اس کے ریاست [illegible]
مالک ہی آپ کا بھائی سید جلال ٹھہر جائے اور اس کی طرح مغرب کی جانب اس کا ایک [illegible]
حقیقی برادر سید جلال کنڑ کی وادی کا مالک ہو کر تمام افغانستان اس کے روحانی اور جسمانی ا[illegible]
کے ماتحت ہے۔ ایسا ہی مشرق جانب اس بڑی ریاست کا واحد مالک اس کا دوسرا حقیقی بھائی
سید جلال بن کر اس کے بازو کشمیر تک پہنچیں۔

تب اس نے یوسف زئی یا دیگر قبائل کے لشکروں کو شامل نہ کیا۔ بلکہ اس مقصد [illegible]
حصول میں بھی حصول ثواب کی ایک اور راہ نکال لی کہ جو قدیم صواتی اقوام و قبائل سوات و [illegible]
بر و غیرہ علاقوں سے دو صدیوں سے یوسف زئیوں نے نکال کر بید خل اور در بدر کر دیے [illegible]
آٹھویں صدی ہجری سے یہ قوم ادارۂ وطن اور در بدر ہو چکی تھی۔ ان کے تمام املاک [illegible]
ممالک کے یوسف زئیوں نے باہم تقسیم کر کے قبضہ کر لئے تھے۔ وہ اقوام نہایت فلاکت [illegible]
مزدوریاں کرتے، بھیک مانگتے زمینوں پر سوتے، بڑی جمعیتیں ان کو غور بندو کانا کے پہاڑ[illegible]
میں ٹکریں مارتی پھرتی تھیں۔ اُن کے اُمراء اور شرفاء ارزاں سے بدتر حالت میں ہو چکے تھے۔
اور ارزاں شرفاء کے مساوات ہو چکے تھے۔ اور اسی حالت میں ان پر دو صدیاں اور چند نسلیں
گزر چکی تھیں۔ اُن قوموں کو دُور دراز سے سید مسعود نے جمع کیا۔ خصوصاً جہاں ان کی [illegible]
جمعیت چکیسر وغیرہ علاقوں میں تھیں۔ سب کے ساتھ مشورہ کر کے ان کو کہا گیا کہ مفتوحہ ملک [illegible]
واحد حقدار مانند سلطان محمود کے، تو سید جلال ہوگا، مگر یہ تمام ادارۂ وطن قوم تمام املاک ترک [illegible]

[illegible] جو حیثیت اس وقت ترک مالکان
[illegible] کار اور دائمی مالک اسی قاعدہ کے مطابق ٹھہریں گے۔
[illegible] کی اس ریاست میں ہے الغرض ایک دو صد سالہ مصیبت زدہ قوم کو یہ پیش کش گویا دنیا
[illegible] ہی جنت ملنے کی بشارت سے کم نہ تھی۔ مگر ان کی قوموں کی جمعیتیں اور اشراف ارزال کی
[illegible] دو صدیوں سے ٹوٹ چکی تھی۔ اب جدید تنظیم میں انہوں نے معیار حصول حقداری کا
[illegible] اور ذات کو نہ رکھا بلکہ سپاہی جانباز کا وجود حقداری کا موجب قرار دیا یعنی جولاہا، رنگ ریز
[illegible] وغیرہ اور افغان پیشہ ور بھی جو زراعت پیشہ اقوام میں شمار نہیں کرتے، ان کو بھی اراضیات کا
[illegible] دار مان لیا۔

بشرطیکہ وہ لڑنے والا سپاہی ہو۔ اور آپس میں انہوں نے اپنے قدیم سواتی رواج سے
[illegible] حساب کی نیمکئی متعدد بنا کر لشکر تیار ہوا اور چونکہ یہ لوگ اب آرام طلب اور سُست
[illegible] نہ رہے تھے، بلکہ محنت مزدوری کرتے کرتے محنت کش اور باپ دادا کی روایت نامردی
[illegible] ملک بازی سن کر غصہ ور ہو چکے تھے۔ اس لشکر نے دریائے سندھ کو تھاکوٹ (روایت ہے کہ
[illegible] کوٹ میں سلطان پکھلی کا جو نائب یا گورنر تھا، اس کا نام شمشیر خان تھا، سخت بدنام، بدکار
[illegible] مشہور تھا، وہ مقابلہ کے وقت لشکر ۱۳۲ حملہ آور کے ہاتھ سے مقتول ہو گیا اور ابتدائی مقابلہ میں
[illegible] دشمن کی شکست فاش نے جنگ کا نقشہ انجام تک بدل دیا) کے آگے سے عبور کر کے مشرقی
[illegible] کنارے پر سب بمعہ بال بچہ عورات اطفال کے پہنچ گئے یہی سرحد ترک سلطان کی قوم اور اس
[illegible] کی ریاست کی تھی۔ اسی جگہ سے جنگ شروع ہو گئی۔ اکثر تاریخی گواہی بھی یہی ہے۔ اور میرا
[illegible] ذاتی تجربہ بھی یہی ہے کہ فوج ہمیشہ سردار فوج کے خیال اور ارادہ کے مطابق عملاً ثابت ہوا
[illegible] کرتی ہے۔

جب ہمارے اس گئے زمانہ میں بھی خود میرے چشم دید متعدد مقدمات و لڑائیوں میں
جس جگہ اس بزرگوار خاندان کا فرد جنگ میں دشمن سے مقابل ہوا ہے خود نہایت کم تعداد اور شاذ
[illegible] اس کو چار چند بلکہ وہ چند مخالف جمعیت سے واسطہ پڑا رہا ہے، تو بھی اس خاندان کے ہر
[illegible] نے نہایت قلیل تعداد کے باوجود اپنی شجاعت کے جوہر سے ماتحتوں میں ہمت جرأت ڈال
[illegible] دشمن کو شکست دی ہے چہ جائیکہ اس زمانہ کے پاکیزہ نسل بزرگ کسی حد تک شجاعت اور غیر
معمولی دلیری کے مالک تھے۔ ترک قدم نہ جما سکے۔ اور شکست پر شکست ہونی شروع ہو گئی۔

یہ عمل صحیح تحریری مجھ کو نہیں مل سکا کہ کتنی مدت اس ملک کے مکمل طور پر فتح کرنے میں صرف ہوئی، مگر جو تجربہ میرا ذاتی ہے وہ یہی بتاتا ہے کہ مشکل ایک سال بلکہ چند ماہ صرف ہوگا اور صرف دو یا تین فیصلہ کن جنگوں میں جھاڑو دے کر ملک کا پہلے باشندوں سے صفایا کر دیا گیا۔ ترک تمام املاک اور حکومت و ریاست سے بیدخل ہو کر نکال دیئے گئے اور اقطاع دیگر جات ذیل سید جلال کے قبضہ میں آ گئے۔ تھاکوٹ کا حاکم شمشیر خان پہلی فتح میں مقتول ہوا۔

۱۔ پرگنہ تھاکوٹ

۲۔ درۂ پائمال

۳۔ الائی معہ جیر و بیچول و چوڑ وغیرہ

۴۔ پرگنہ دیشی

۵۔ پرگنہ نند پہاڑ

۶۔ پرگنہ ٹکری

۷۔ علاقہ پرپہاڑی

۸۔ پرگنہ کونش

۹۔ درۂ بھوگڑ منگ و شنکیاری

۱۰۔ پکھلی کا وسیع ترین قطعہ

۱۱۔ اگرور..... قطعہ کاگان کا ایک صد میل طویل درّہ وغیرہ مضافات

واقعہ دوم

دیگر حالات پریشانی مردمان قرب و جوار سے پتہ چلتا ہے کہ اس لشکر نے اس قدر شدت غضب سے حملے کیے اور اس قدر اقوامِ قرب و جوار کو خوفزدہ کر دیا کہ ترک قبائل کے قرب و جوار میں جو قومیں تھیں وہ ہیبت خوردہ اور لرزہ براندام ہو گئیں اور اپنی املاک بچانا ان پر سخت مشکل ہو گیا اور آخر کار ان کو بھی بجز اس کے کوئی علاج نہ سوجھا کہ وہ بھی اس بیماری کا نسخہ یا تعویز بُنیر کو ہی جا کر اور سید مسعود مسند نشین بنیر سے ہی حاصل کرا دیں چنانچہ تنولی قوم کی تجویز کا ذکر آگے اپنے موقعہ پر آتا ہے۔
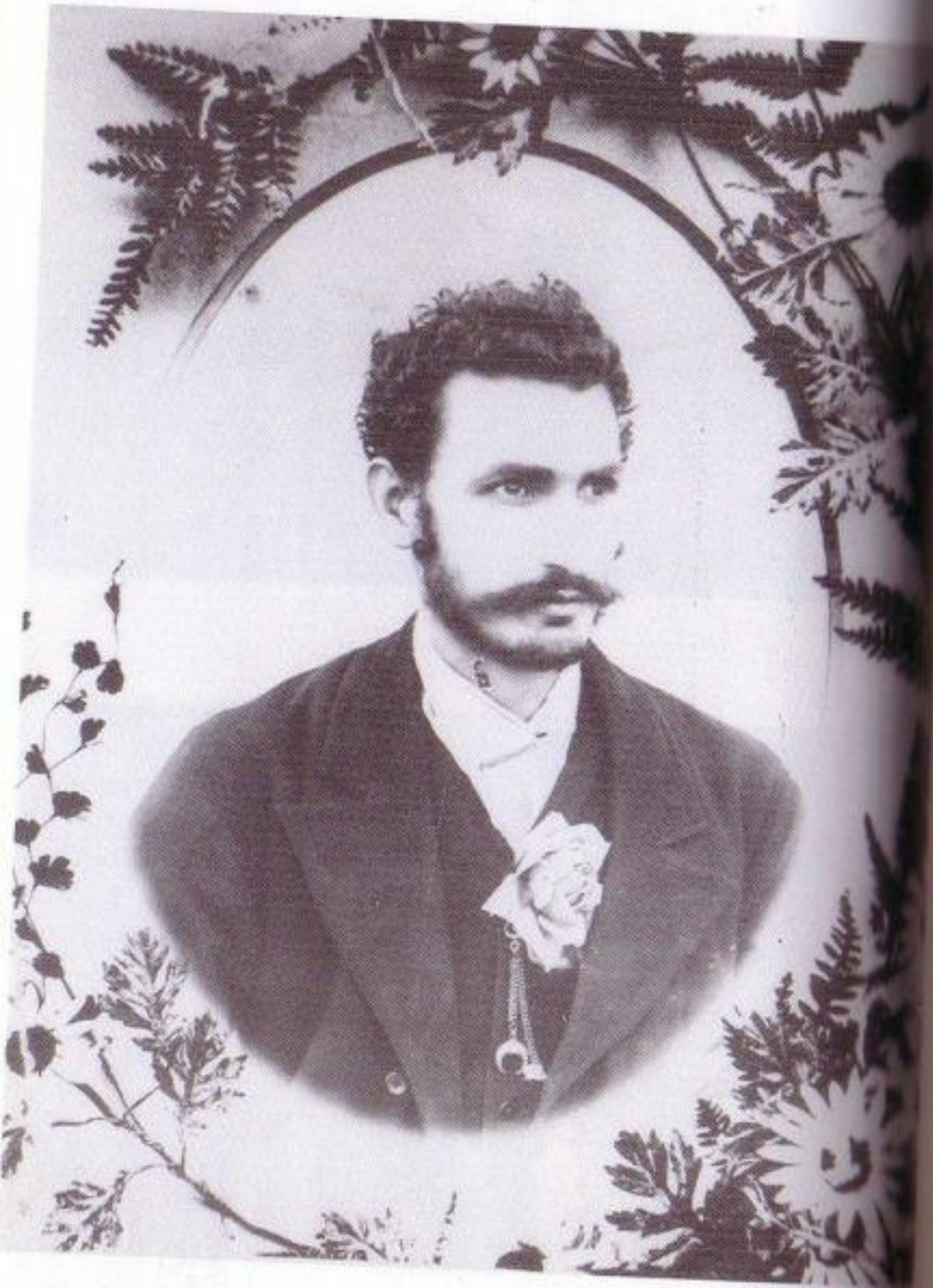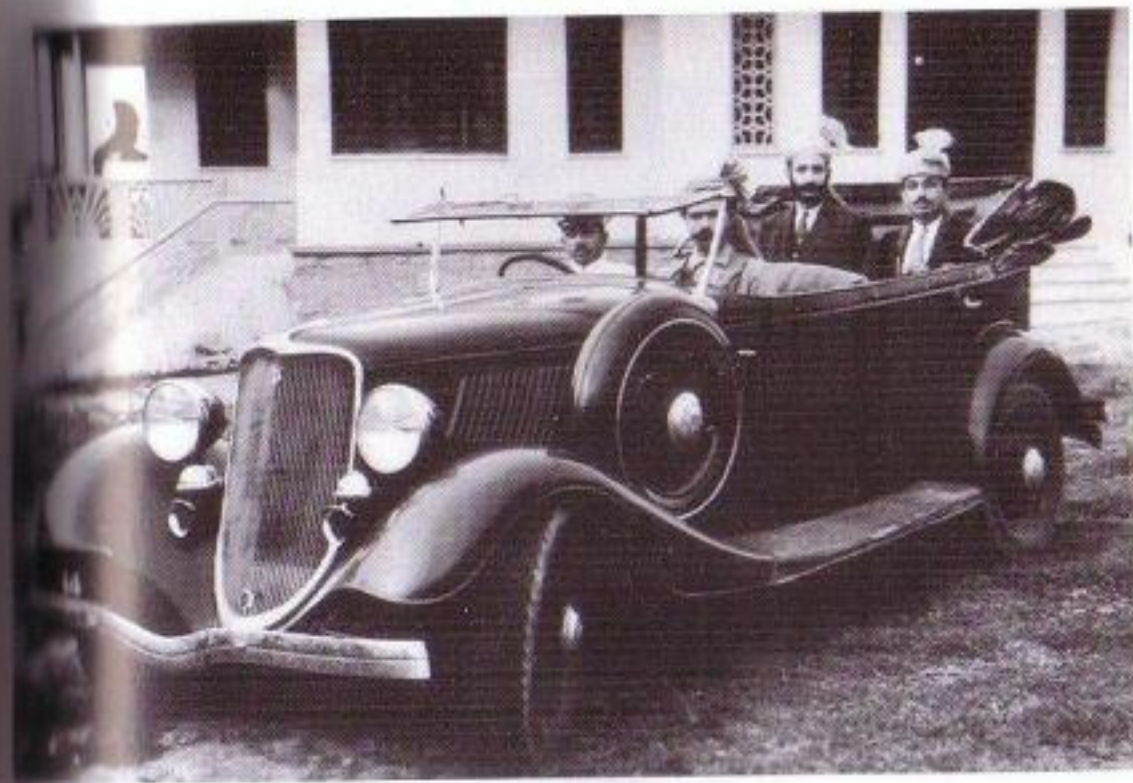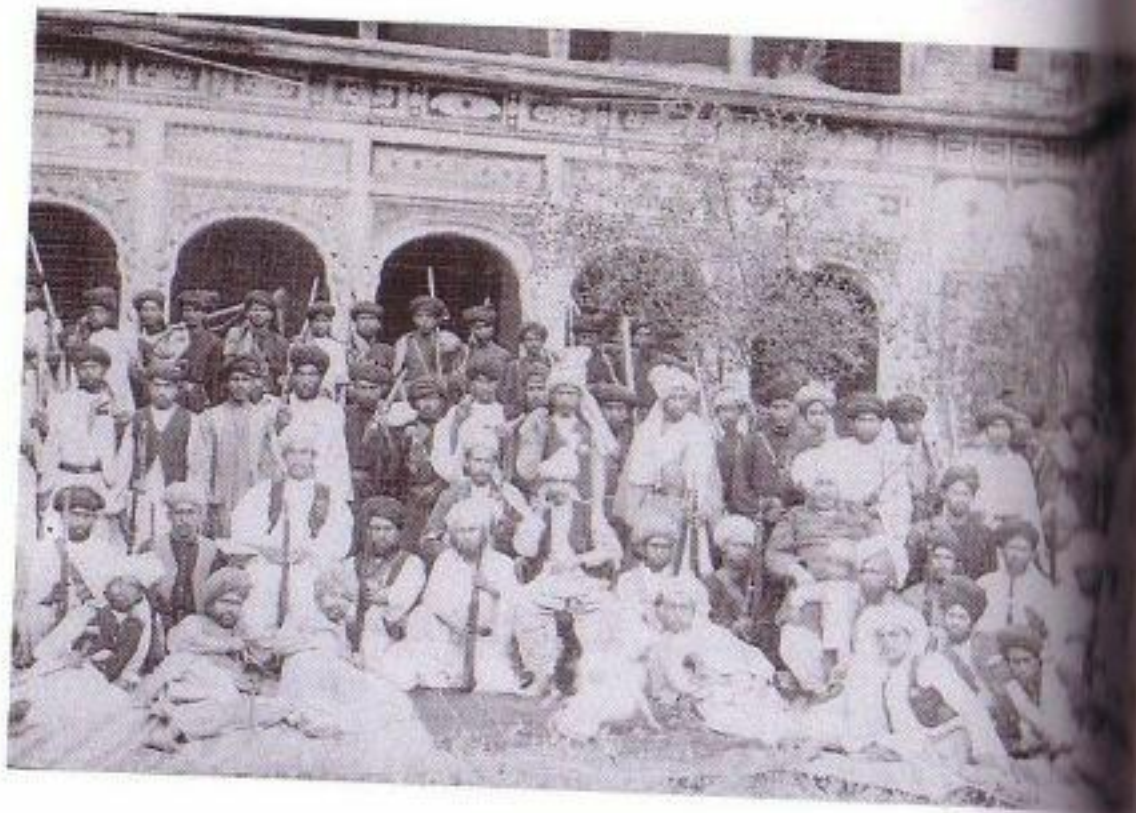
حضرت سید جلال نے اگر اپنی موت کا انتقام ترکوں سے لیا، خواہ یہ عمل اچھا تھا یا بُرا، مگر
مالاں مخلوقِ خدا کو سوات کے ہی مانند آبی اور شالی زار مالک پر لا کر قدیم سواتیوں کو
... بنا دیا، بعد قبضہ کے سابقہ رواج ترک والی ریاست کے مطابق بعض خاص خاص
... دیہات کو سید جلال نے اپنی ذات اور اولاد کی سکونت کے لئے چُن کو مختص کر لیا اور
... مویشیوں کی چراگاہ کے لئے تمام درّہ کاغان جو بالاکوٹ سے چیلاس کی حد تک ایک
... اپنے لئے مخصوص کر لیا، یہ امر معلوم ہے کہ درّہ کاغان ابتداء میں کل داخل ریاست
... انکار سے فتح کر کے شامل کیا گیا ہے۔ باقی، تمام اراضیات سواتیوں کی نمیکیوں میں
... کر دیا کہ اصل مالک بحیثیت بادشاہ زمین کا سید جلال اور اس کی اولاد ہو گی، مگر دخیل
... والی مالک و متصرف سواتی قبائل رہیں گے۔ اور ہر مزارع خرمن میں سید جلال اور اس
... اولاد کو پیداوار کا چوتھا حصہ دیوے گا۔

... تمام علاقہ ایک بڑے ضلع کے برابر ہے۔ اور سواتی قبائل جہاں جہاں دُور دراز
... تھے خبر ہوتے ہی اس ملک میں آ کر جمع ہو گئے اور ضلع ہزارہ کے شمال میں ایک بہت
... انقلاب دور شاہ جہاں بادشاہ ہندوستان کے عہد میں واقعہ ہوا جس کی وجہ سے اس
... سواتی اقوام ان ممالک پر تا حال قابض ہیں، قدیم سواتیوں نے ان علاقوں میں گاؤں
... کے نام بھی اپنے قدیم سوات کے قصبوں کے ناموں پر رکھے ہیں۔ اس قدر استحکام
... قوم اس ملک پر قابض ہوئی کہ سید جلال کی اولاد یا ان کی حکومت و حقوق تو بتدریج کمزور
... ہیں۔ مگر یہ قوم اب تک ان قطعات پر نہایت استحکام سے متصرف ہے بلکہ اس میں کئی
... طاقتور رئیس ہیں۔

سید جلال اور اس کے بیٹے کے وقت حالات بدستور مذکور قائم تھے، مگر اس کے پوتے
... نے اپنی واحد ملکیت کو اور اپنے حقوق کو ازسرِ نو تازہ کرنے کی خاطر باقاعدہ قبضہ
... رکھا اور اس طور سے حکومت کا رنگ جمایا، جیسا نواب محمد اکرم خان کے عہد سے
... اب وتنول کے اندر تمام زمینی املاک کا قبضہ اور تصرف اور تبدّل و تغیر نواب کے اپنے
... میں ہے، مگر اس کے بعد سے قبائل سواتی بھی بے وفا اور خود مختار ہوتے گئے، اور سادات
... کم ظرف یا نالائق اور غیر مآل اندیش ہوتے ہوتے اس وقت ایک افسانہ اور قصہ رہ گیا ہے

۔سادات کا وجود وعدم برابر ہے، مالکانہ حقوق اور چہارم حصّہ دینے سے تو اقوام زمانہ انکاری
گئیں، بلکہ اپنی مرضی سے انہوں نے کچھ حساب لگا کر اور درّہ کاغان کی وادی غیر
رقبہ اور چند گاؤں سادات کے حساب میں کر کے گویا علاقے کا چوتھا حصہ سادات کے
ہونا شمار کر کے باقی سے ان کا حق اُٹھا دیا جو کہ ان کو چالیسواں حصّہ کا بھی ہاتھ
سادات کی اپنی نالائقی اور کمزوری کا نتیجہ تھا۔

اس وقت سید جلال کی فتوحات مشرق میں کشمیر اور شمال میں چلاس و کوہستان اور
میں دریائے سندھ سے پار بنیر تک سید جلال کے بیٹے نے چلاس کے قدیم کفار
جہاد جاری رکھ کر ان کو نو مسلم بنانے تک جنگ جاری رکھی، اس کا نام بھی غازی بابا مشہور
ہے۔اس کی قبر سید جلال کے ہمراہ بھوگڑ منگ میں ہے۔جس پر میں خود بھی گیا ہوں۔

جنوب میں علاقہ مندن اور ملک تناول اور ہزارہ ضلع کے مرکز ایبٹ آباد کے قریب
علاقہ تھا جو ایک بڑے ضلع کے برابر ہے۔اب ناظرین اس عہد کے ان تین بھائی
پسران سید عبدالوہاب کی مالی اور مادی عزت اور طاقت کے علاوہ روحانی اثرات کا اندازہ
کرلیویں کہ کشمیر سے بونیر تک سید جلال کا تصرّف ہے اور بونیر سوات سمہ ہشت نگر وغیرہ
کوہستانات گلگت نومسلم اور اقوام افغانستان تک بڑا بھائی مسند نشین سید مسعود متصرف
وادی کنٹر و افغانستان کی تمام قلمرو پر روحانی اثر سید جمال تیسرے برادر کا ہے اور یہ ہر دو بھائی
اپنے بڑے بھائی سید مسعود کے حکم بردار اور اپنے آپ کو اس کا ماتحت خیال کرتے ہیں۔

ایک بات قابل ذکر رہ جائے گی کہ یہ سواتی قدیم قبائل کس نسل سے ہیں، میں پہلے
لکھ آیا ہوں کہ جس قدر میرا علم اور تجربہ اور اجتہاد ہے یہ قوم بھی بنی اسرائیل کے قبائل
ہے۔ان کی عادات اخلاق، رواج، طرزِ معاشرت، تعصب، ضدّی پن جنگ جوئی اور
اتفاقی وغیرہ رسوم کل افغانی ہیں، البتہ ان کی سوات میں آنے کی مدت بہت گزری اور ان
خیلوں کے نام آل کے لفظ سے ہیں جو عبرانی لفظ اور عربی لفظ ہے جو ثبوت ہے اسرائیلی
۔مثلاً دو دال پنج میرال و ملک وال یہ قومیں سلطان محمود کے لشکری خالی شدہ وطن لینے
سوات و بونیر میں آباد کئے گئے تھے۔وغیرہ اور خیل بھی قبائل کے نام ہیں مثلاً سر خیلی
اور جہانگیری لغمانی جو لشکری وغیرہ۔

الغرض تنولی قوم بھی جس کے قبائل ہندوال، پلال، ابدوال، جلووال، بنکریال وغیرہ
مذکورہ ہیں، یہ بھی قدیم اسرائیلی قوم ہیں جو ابتدائے عہد اسلام میں سلطان محمود نے اپنے لشکری
ہمراہ لا کر ساریاں، جمال، بدرہال وغیرہ اور کفار سے ملک صاف کر کے ان میں بسایا، آباد کرایا
تھا، چنانچہ تنولی اپنے نسب نامہ کو اولاد یوسف علیہ اسلام سے ملا کر بنی اسرائیل غیر افغان ثابت
کرتے ہیں۔افغان اولاد بنی یامین ہے۔

دوئم واقعہ صیانت وحفاظت تنول

مذکورہ بالا ایک بڑا انقلابی واقعہ ضلع ہزارہ میں اسی خاندان کے ایک فرد کے ہاتھ سے واقعہ ہو کر
اس کے اثرات اب تک بدستور باقی ہیں۔اب اس قدیم واقعہ کا اسی ضلع اور اسی ترک مقبوضہ
علاقہ کے متصل قبیلہ تنولی میں آنے کا ذکر لکھتا ہوں، جو قدیم سواتی لشکروں کی حملہ آوری اور
ترک ممالک کے اثرات سے خوف زدہ ہو کر قوم تنولی نے اپنے ایک ملک کی صیانت اور حفاظت
کی خاطر عقل مندانہ تجویز اختیار کی تھی وہ اس طرح ہوا کہ جس وقت کا حال میں لکھ رہا ہوں
اس زمانہ میں تنولی قوم ہر دو فرقہ یعنی ہندوال اور پلال کی سرداری صرف پلال قوم کے خوانین
کو حاصل تھی، جن میں نامور خان زبردست خان معروف بہ صوبہ خان تھا، مگر مذکورہ واقعات
صوبہ خان کے وقت زبردست خان ولد بہادر ولد قبول خان، قبول و بہادر خان زبردست خان
سے کچھ قدر پہلے کے ہیں، جن کی تفصیل آگے آئے گی، اور یقین کرتا ہوں کہ صوبہ خان کے
والد یا دادا خان کا زمانہ تھا، جن کی سکونت کا مرکز بیڑ پوہار بھی تھا اور علاقہ کولائی میں دیرہ بھی
تھا۔

جب مذکورہ بالا لشکروں کا خطرہ یقینی ہوتا گیا، تو تنولی قوم چونکہ اسرائیلی بیداری کی مالک
قوم تھی اور اس میں سرداری بھی موجود تھی، ان کی قوم اور سردار نے آپس میں مل کر اس مصیبت
کے بارے میں مشورہ کیونکہ اس ضلع ہزارہ پر، باہر سے ہمیشہ ایک صدی یا دو صدیاں کرنے پر
ایک نئی قوم حملہ آور ہوتی رہی اور قابض قوم کو ہمیشہ کے لئے ملک بدر کر کے خود قابض ہو جاتی
رہی، جن اقوام رانده شده کا کچھ کچھ بقیہ حصہ ایک ضلع میں جا بجا ایک یا دو تین گاؤں پر مختلف
اقوام کی اب تک باقی ہیں، مثلاً یہ ترک جو مذکورہ علاقوں سے نکال دیئے ان کا بقیہ بھی دو چار

گاؤں اس ضلع میں موجود ہیں۔جن کی حیثیت ہر فرقہ کی مالکانہ ہے اور اسی وجہ سے سا...
مورخوں نے بھی اور انگریز گزیٹرنویسیوں نے بھی ضلع ہزارہ کی وجہ تسمیہ ہزارہ کی ہی تعبیر کی
کہ اس کے اندر ہزاروں قبائل واقوام ہیں جو ہر ایک ان میں مالکانہ حیثیت کی مالک اور کسی
کسی جگہ گاؤں دو گاؤں آبادی پر قبیلہ کی موجود ہے۔جس کی وجہ سے نام ہی ہزارہ پڑ گیا
ہے۔مگر وہ تمام خطرے مشرق یا مغرب یا جنوب سے آتے رہے اور قوم تنولی نما ضلع کے شمال
میں تھی اور ایک غیم پہاڑ بنگرہ کے دامن میں تھی جو آٹھ ہزار فٹ بلند ہے۔لہٰذا تمام خطرات
سے بچی رہی ہگر یہ خطرہ تنولیوں پر شمال کی طرف سے زیادہ تر دشوار گزار علاقوں سے اور پشتو
بولنے والے افغانوں کے سیلاب سے آگیا ہے جس کے آگے قدیم ترک ریاست نہ ٹھہر سکی
لہٰذا اس خطرہ سے بچنے کے لئے تنولی قبیلوں اور خان کے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ سواتی
فوج کے قدیم سردار کی پناہ میں اپنے آپ کو دے دے اور جو حقوق سواتی قدیم قبائل فرمانروا
خاندان کو دے چکے ہیں وہ حقوق ہم خود اسی فرمانروا خاندان کے سپرد کر دیں تا کہ ملک بدری اور
دائمی جلاوطنی سے بچ جائیں جب اس پر غور کیا کہ سید جلال اپنی فوج کی دل شکنی ہرگز نہ کرے
اور ان کا فتوحات کا سلسلہ ہرگز نہ روکے گا۔تو سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ وہ بھی ایک بڑے
بھائی اور مرکزی طاقت کے ماتحت ہے اور یہ فوج وقوت بھی اسے مرکز ہی سے ملی ہے

فتح کوہستان اور جدید الاسلام ہونا اُن کا کوئی معمولی کام نہ تھا جس کی وجہ سے
عبدالوہاب کی جسمانی و روحانی طاقت وحکوت اس ملک کے لوگوں سے مخفی ہوتی۔(فتح
کوہستانات کے وقت متمدن قبائل میں سے خدوخیل فریق کا خان باگو خان قائد فوج تھا جس
نے قلعہ ڈوما کی فتح کی وقت اخوند سالاک ماذون کے لشکر میں کام دیا تھا۔ہوشیار خان تنول اور
اس کی برادر قبیلہ ہندوال نے جو اس سے دور شمال میں اگرور کے متصل املاک کا مالک تھا، اپنا
ایک وفد بر موقعہ بونیر کو سید مسعود کے پاس بھیج دیا، آگے تفصیل درج ہوگی کہ مسعود کے تیرہ
فرزند لائق تھے۔اس قبیلہ نے سید مسعود سے التجاء کی کہ آپ کا چھوٹا بھائی ترکوں سے املاک لیتا
ہوا اور ان کو بے دخل ہوا شمال کوہستانی حد سے لے کر چلا آرہا ہے جس کے سامنے جنوب
میں ہماری ملکیت واقعہ ہے آپ کا بھائی ایسے قبیلہ پر رحم نہیں کرسکتا جس نے اس کو اپنے خیال
میں قتل کر ڈالا تھا اور وہ اپنے جان نثار لشکر کو نہ روکے گا مگر وہ لشکری ہمارا ملک بے گناہ اور بلاوجہ

برباد کردیں گے۔آپ کا بھائی ملک کا چوتھائی حصہ حاصلات خود لیتا ہے اور باقی لشکریوں کو
دے دیتا ہے۔لہٰذا ہمارے خان نے از خود ملک سے چوتھائی حصہ دینا قبول کرلیا ہے۔مگر آپ
ایسا کریں کہ اپنے تیرہ بیٹوں میں سے دو بیٹے ہم کو دے دیں جو ہمارے ملک میں جا کر ہمارے
ملک کے شمال جانب بھی سرحدی گاؤں اپنے نام ہبہ پر قبول کر کے اس پر قابض ہو جاویں اور
...ب کی سرحد ہماری میدان ہزارہ سے ملی ہوئی ہے۔اس طرف سے بھی ہمیشہ افغانی قبائل
یکے بعد دیگرے حملہ آور ہوتے رہتے ہیں اور سابقہ قبائل کو بے دخل کر کے نکال دیتے ہیں
اس سرحد پر بھی آپ کی اولاد کے مقبوضات ہم دے دیویں اور ہمارا ملک اندرونی بیرونی حملہ
آوروں سے محفوظ ہو جائے۔

یہ درخواست سید مسعود صاحب نے قبول کرلی اور اپنے بیٹوں میں سے دو بیٹے جو ایک
ماں سے تھے۔بڑا سید پیر امام دوئیم سید نجم الدین، جن کی والدہ علاقہ چغرزئی وموضع جدباہ کے
مالک کالو خان کی بہن تھی اور ننھیالی ہونے کی وجہ سے یہ دونوں صاحبزادے ملک تنول کے
قریب آمدروفت کے عادی اور واقف تھے۔لہٰذا ان کو ہمراہ کردیا کہ تم سرحد تنول پر پہنچ کر اپنے
چچا سید جلال کو اطلاع دینا کہ وہ اس محکوم شدہ قوم تنولی کی حدود کی حد بندی فاتح سواتی فوج کے
ساتھ کردے اس لئے کہ یہ قوم بھی اپنے ملک کا چوتھائی حصہ ہم کو سپرد کر چکے ہیں۔

چنانچہ سید پیر امام وسید نجم الدین تنولی قوم کے ہمراہ ہو کر تنول کو آگئے اور تمام تنولی قوم
نے معہ خان کے اُن کی اطاعت اور مریدی تسلیم کر کے ان کو شمال آخری سرحد کے تمام گاؤں
اور اپنے ملک کے جنوب تمام گاؤں بطور ہبہ وسیری دے دی اور چوتھا حصہ دینا بھی منظور کرلیا۔
چنانچہ اگرور کے ساتھ جہاں قدیم سواتی کی سرحد ملی ہے یا تنولیوں کی حد جہاں مغرب کی جانب
افغانوں سے ملی ہے یا جنوب کی جانب ہزارہ سے ملی ہے ان تمام تنولی سرحد کے گاؤں سادات
پیر امامی واولاد نجم الدین کے قبضہ وسیری میں اور بعض کا قبضہ اب تک معلوم اور ظاہر موجود ہے
۔پیر امام بڑا اور سردار تھا۔اس کا حصہ بھی زیادہ اور پختہ کارانہ ہے۔اور سید نجم الدین کا حصہ اس
سے کم مگر ہر جگہ مشترک ومتصل اب بھی موجود ہے۔جو ترک سرحد اور اگرور کے اتصال پر
گاؤں ہیں۔وہ مواضعات:

۱۔ کھڑی

۲۔ بوتی

۳۔ گجربانڈی

۴۔ ملوارہ

۵۔ پبل ہرسہ

۶۔اور شیر گڑھ کے متصل سیرمان اور دلماڑی وغیرہ

وغیرہ حد فاصل گویا سید امام کو دے دی گئی اور اس نے اپنے چچا سید جلال فاتح کو معروضہ لکھ کر خود چچا بھتیجے یکجا ہوئے اور فاتح سواتی قوم وتنولی کی حد فاصل وہی مقرر کر دی جو سرحد اس سے پہلے ترک وتنولی کے درمیان قدیم سے قائم تھی اور تنولی کے شمال مشرقی سرحد پر ترکوں سے پڑہنہ اور خاکی کے درمیان حد ملتی ہے۔ وہاں تنولیوں نے مصر اور ماڑی دو گاؤں سید نجم الدین کے نام پر کر دیئے جہاں سید نجم الدین کا مدفن اب بھی وہاں موجود ہے اور ملک کے اندر تک پالی اولاد نجم الدین اور ترنبی وغیرہ وغیرہ بہت املاک اولاد پیر امام کو اور تیر بٹ، پچھی لکوال، بٹ پانڈی، شلدار سرینی تنولیوں نے نجم الدین کو دے دیئے اور گندف، ماڑی اور تربیلہ میں سیر یات کے اور منڈی شنگی سرینی تنولیوں نے نجم الدین کو دے دیئے اور جنوب میں قوم پلال لے کلنجر۔ میرہ۔ صوابی۔ گندریالہ۔ چھبلہ۔ کریٹریاں جنگ، گھوڑا، لنگر، نواز گاہ، وغیرہ سید پیر امام کو خان تنولی نے اپنے قبیلہ بلال کی طرف سے دے دیئے۔ اور تنول کے خطہ کو گویا سادات کی حصار گرداگرد پھر آکر تنولیوں نے محصور ومحفوظ کر لیا۔ پیر امام نے اپنے شمالی حصہ کے ساتھ عیسیٰ زئی قوم کی املاک سے متصل موضع ملی کچھ سیری لیا اور کچھ قدیم قوم تراوڑہ سے قیمتاً اس لئے لے لیا کہ یاغستانی امداد بھی شامل رہے۔ پیر امام کو سید جلال فاتح سواتی قوم نے بھی اپنے ملک سے کچھ حصہ کافی دیا ہے۔ جس میں اس کی اولاد سادات بستی ہے۔ اور حد بندی جو تنولی سواتی کی دو بھتیجوں اور چچا سید جلال نے مقام دومیل موسومہ دوگائے قریب اوگی کی ہے اب تک قائم ہے۔

سید جلال فاتح پکھلی نے آئندہ ہم نسبی آئندہ نسل میں قائم رہنے کے خیال سے اپنی ایک لڑکی کی شادی چھوٹے بھتیجے سید نجم الدین کے ساتھ کر دی۔ اور آگے چل کر تنول کے خان جو صوبہ خان کا باپ تھا اپنی بیٹی صوبہ خان کی ہمشیرہ سید پیر امام کے بڑے بیٹے سید سعد الدین

سید احمد شاہ کو بیاہ کر دے دی۔ مذکورہ حالات کے ماتحت گویا ترکوں کا مفتوحہ علاقہ بھی ل کا علاقہ بھی اسی ایک خاندان کے بزرگوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس جگہ ایک امر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جس قدر حالات ناظرین دیکھ چکے ہیں، جو ہزارہ کے اندر واقعہ شدہ ہیں۔ یہ سب انگریز مورخ میجر ویس نے بھی اوّل گزیٹر ہزارہ میں تسلیم کر کے لکھے ہیں ان حالات کی رُو سے اس خاندان کے بزرگ سادات بطور گداگر وسائل و پیر شکرانہ ہزارہ میں اور تنول وأگرور د پکھلی میں آئے یا بطور فاتح و حاکم ومحسن وقابض ملک اور ان کو سواتی نے دیا یا تنولی نے دیا یا اورش کے جدون نے دیا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ وہ صدقہ و وظیفہ ہے اور شکرانہ اور عنایت اور سیری عطیہ ہے یا مالکانہ وفاتحانہ قابضانہ حصہ سیادت وحکومت ہے۔

اب کہ ہمارے اس زمانہ کے عوام اقوام کے خیال میں یہ سادات گویا خیرات خوارو خوار تھے، جنہوں نے نمک حرامی کر کے اپنے محسن قبائل پر حکومتیں بنائیں۔

واقعہ سویم

دو بالا ہر دو واقعات یکجا وپیہم ہوئے جس کی وجہ سے بطور نتیجہ کل مملکت مفتوحہ پکھلی و پرگنہ خطہ مذکورہ اس خاندان گرامی کے ایک فرد سید جلال صاحب اور اس کی اولاد کی واحد قرار پاچکی اور خطہ تناول اسی مذکورہ فوج آوری کے اثرات کی وجہ سے مملکت تناول پر اثرات سید پیر امام وسید نجم الدین کا قائم ہونے اور ربع حصہ ملک کا حق مملکت ان کو ملنے کا موجب ہوگیا اور اس کے علاوہ ان ہی ایام میں بعد از واقعات مذکورہ اسی اولاد سید علی علیہ الرحمتہ میں سے ایک شخص سید شاہ مرتضیٰ ابن الا بن سید قاسم بن سید مصطفےٰ بن سید علی نے اس ضلع ہزارہ کے اندر بونیر سے ایک لشکر اپنے ہمراہ لا کر تیسرا تبدل وتغیر ملک کرالا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

غالباً اس وقت بھی شاہ شہنشاہ شاہ جہاں بادشاہ دہلی کے زمانہ کا آخری حصہ تھا، جب سید شاہ مرتضیٰ کے اپنے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ واللہ اعلم قدیم سواتیوں کی غیر معمول کامیابی اندازہ دیکھ کر بونیر کے مرکز میں اور الیاس زئی فرقہ میں سے عائشہ خیل شاخ میں ایک قبیلہ

ہے جس کو خاکی زئی موسازہ خیل کہتے ہیں اور وہ لوگ دراصل نسلاً یوسف زئی
قبیلہ میں ژودنی افغان ہیں۔ اصلی وطن قندہار سے جلاوطنی کے وقت قبیلہ یوسف زئی
آگئے ہیں اور جدید حاصل شدہ ملک میں سے برابر کے حصّہ دار ہو گئے ہیں۔ ممکن
کے اپنے دل سے یہ خیال اُٹھا ہو کہ ہم بھی یوسف زئیوں سے جدا ہو کر کوئی جدا
حاصل کر لیویں۔ اس قبیلہ کو علاوہ مذکورہ ناموں کے گدون اور جدون یا جدون
ہیں۔ انہوں نے اپنے املاک بنیر پر بھی قبضہ رکھا اور کچھ نفری اپنی قوم کی نئی مجوزہ
زائد نکال کر اور سید شاہ مرتضٰی کو اپنا سردار بنا کر اور یہ وعدہ کر کے مفتوحہ مملکت
وہ بھی سید شاہ مرتضٰی کو دیویں گے اور یہ جمعیت معہ بال بچہ کے وطن سے ہزارہ کی طرف
ہو آئی جب یہ لشکر دریائے سندھ کو عبور کرنے کی جگہ کھبل و تربیلہ کے درمیان گزر
اور دو کشتیاں لشکر سے بھری ہوئی دریا سے پار تربیلہ کی جانب جا چکیں۔ صرف ایک
لوگ رہ گئے تو اس وقت قوم اوتمان زئی ٹوپی و منی کوٹھ سے ان کے پاس پہنچے
جدونوں کو اپنا پہاڑی وطن جو قصبہ جات سے شمال کی طرف کوہ ماہ بن کی چوٹی تک
چالیس میل لمبا اور اس قدر چوڑا قطعہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اس قوم کو دے دیا کہ یہ ملک
ہے اور تمہاری قوم ضرورت کے وقت ہمارا لشکر ہو یہ قطعہ ملک کوہ مہابن تک جس کو پہلے
کہتے تھے تنولیوں سے یوسف زئیوں نے فتح کر کے لے لیا تھا اور حق ملکیت قوم اوتمان زئی
قرار پا گیا تھا اور خالی پڑا تھا اس لئے قوم جدون کو انہوں نے دے دیا۔

جدونوں کی جمعیت نے اپنی دریا سے پار گئی ہوئی جمعیت کے ساتھ مشورہ کر کے
بعد سالار و منصور دو قبیلے تھے ان کے نصف پار نصف اس جانب رہ گئے تھے۔ جدید مفتوحہ
ممالک کی تقسیم میں ہر دو جگہ رہنے والوں کا حق ملکیت مساوات تسلیم و مقرر کیا اور تیسرا
زئی سارے دریا سے پار اُتر چکے تھے۔ شائد ان میں سے ایک یا دو کہیں اس پار تھے انہوں
اپنی قسمت کو آگے حاصلات پر منحصر رکھا اور مغربی کنارے والے گدون سالار و منصور قبیلوں
تو اوتمان زئیوں کی دی ہوئی املاک پر تسلط کر لیا جو اب تک کافی طاقتور ہو کر یہاں متصرف
اور دریا سے پار شدہ لشکر ہزارہ میں داخل ہو کر جن جن علاقوں پر پہلے سے افغان قبائل
تھے، ان کو نہ چھیڑا مثلاً اوتمان کے حد سے آگے ترینی یا شلمانی اور ولازک قبیلوں کی حد

گزر کر حویلیاں ریلوے لائن کنارہ سے قدیم باشندوں سے جنگ شروع کر دی اور ٹھونڈ
کرڑاں کھکھے، ہبیے وغیرہ قدیم قوموں کو ہانک کر ملک سے نکال دیا اور یہ لشکر اس تمام پرگنہ پر
جس کو کانڈی کہتے ہیں۔ حویلیاں ریلوے کی وادی ہے اور رجوعیہ اور دھموڑ، بگڑہ بال
شیر نواں شہر ملہڈ جنگی، کاکوکل، نواں شہر، میر پور تا حد بانڈہ پیر خان تمام اورش پر قابض ہو گئے
، جو مانسہرہ کے قریب تک ہے یعنی قدیم سواتی کی مفتوحہ ملک کے ساتھ سرحد جا کر ملا دی۔ اسی
علاقہ کے وسط میں ایبٹ آباد کی چھاؤنی ہمارے زمانہ میں ہے اور یہ قطعہ ملک ساڑھے چار ہزار
فٹ سطح سمندر سے بلندی کی وجہ سے گرما معتدل اور سرد ملک ہے اور پہاڑوں کے
درمیاں فراخ میدان نہایت خوب صورت خطہ ہے۔

ملک پر قبضہ ہو چکا تو جدونوں کے مطابق وعدہ چوتھا حصہ ملک کا تو حق سرداری و
بہادری سیّد شاہ مرتضٰی کو سپرد کر دیا جس نے حسب پسند جو جو مقامات پسند کئے جو سب مفتوحہ
ملک کا چوتھا حصہ ہوتا تھا، لے لیا مگر جدون قوم نے اس کے علاوہ حضرت سید علی ترمذی کا حصہ
بطور شکرانہ اپنی تمام اولادوں پر ہر خرمن کے پیداوار سے اولاد سید شاہ مرتضٰے کے لئے کوئی معین
مقدار غلہ دینا بھی اپنے اوپر واجب ٹھہرایا ہے اور اس حد تک وہ غلہ ان کا دائمی پختہ حق تسلیم کیا
ہے کہ جو انگریزی سلطنت کے آنے کے وقت بھی اس وفادار قوم جدون نے پہلے بندوبست
میں متفقہ طور پر میجر ویس کو تحریری بیان دے کر اندراج جمع بندی میں کرا لیا ہے کہ سید شاہ مرتضٰی
کو ہم نے اس کی شمشیر کی قوت و امداد سرداری کو چوتھائی حصہ مفتوحہ ملک سے دے چکے ہیں مگر
یہ کہ ہر خرمن سے غلہ دینا یہ بھی ہمارے بزرگوں نے بطور شکرانہ پیر بابا (سید علی علیہ الرحمہ
) قبول و تسلیم کیا ہے۔ جب تک اس ملک پر ہم قابض ہیں یہ دیتے رہیں گے، چنانچہ نہ فقط اب
تک جاری ہے بلکہ سادات کو اپنا حق رہن و بیع بھی کر سکتے ہیں۔

افسوس سادات یہاں بھی بہت نا قابل ثابت ہوئے اور املاک فروخت کر چکے ہیں مگر
جدون قوم نے وفاداری صداقت و ایمانداری قائم رکھی ہے برخلاف اس کے قدیم سواتی قبائل
جن میں بڑے بڑے رئیس ہیں۔ اپنے محسن خاندان سادات کی حیثیت کو پر کاہ برابر بھی نہیں
جانتے بلکہ ان کو پائمال کر چکے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس مفتوحہ ملک میں اشراف قبائل کے
علاوہ مردم شماری جنگی پوری کرنے کے لئے ارذال بھی بہت حقداران ملکیت بنائے گئے تھے۔

جواب خط ملط ہو چکے ہیں۔ ان میں بعض شرفا بہت اچھے لوگ بھی ہیں مگر اس ارزال طبقہ کو اکثریت نے اس سواتی قوم کے اخلاق اور عہد معاہدہ اور صدق ایمانداری کو بہت بدنام کر دیا ہے۔ جس کا ذکر میجر ویلس نے گزیٹر ہزارہ میں قوم سواتی کو مجہول النسل اور غیر شرفا اور بد اخلاقی کے نتیجہ سے سب کو یکساں بُرا لکھا ہے۔

جب کہ پہلے مہتمم بندوبست ہزارہ میجر ویلس نے ان کی اخلاقی بدعہدی کو زور دار لفظوں میں ذکر کر کے ان کی نسب و نسل پر بھی اعتراض کئے ہیں، مگر میری تحقیق یہ ہے کہ یہ لوگ بھی پاک صاف بنی اسرائیل نسب سے ہیں۔ زبان تو ہر قوم جس ملک میں جائے فوراً دوسری نسل اس ملک کی زبان سے لیتی ہے، مگر یہاں یہ ہوا کہ یہ قوم ساری کی ساری آ کر آباد ہوگئی۔ ساری کی ساری قوم ملک بدر کر دی گئی۔ اس لئے ان کی زبان اپنی اور سوات کی پشتو قائم رہی مگر پکھلی کی پشتو بھی ہندکو سے مخلوط ہے انگریز میجر ویلس لکھتا ہے کہ جدون قوم کے متفقہ کبراء خوانین نے مجھ کو بتلایا کہ یہ ملک ہم کو خدا تعالےٰ نے سید شاہ مرتضیٰ کی برکت اور شمشیر کی طاقت سے حاصل کرایا ہے۔ اس کی سرداری کا حصّہ ملک سے ہم چوتھا حصّہ ان کو دے چکے ہیں ۔ پھر بھی وہ ہمارے زعیم اور قائد اور پیشوا ہیں اور لہٰذا غلہ خرمن سے بھی ان کو کچھ حصّہ ہمیشہ دیتے رہیں گے۔

جس زمانہ میں سکھ حکومت نے ضلع ہزارہ پر تسلط جما لیا۔ اس وقت اولاد سید علی علیہ الرحمتہ میں سے مرکزی خاندان اور مسلمہ پیشوائے خاندان سید ضامن شاہ بنیرہ سید بنیر سے مسکن تبدیل کر کے دریائے سندھ کر مغربی کنارے پر کیا۔ وکبل کی سرحد میں، بمقام ستھانہ سکونت اختیار کر کے یہ خاندان ہزارہ کے متصل قیام پذیر ہو چکا ہے۔ اور سکھ حکومت کے مقابلہ پر بھی یہی خاندان سینہ سپر ہوا تھا۔ تمام ضلع ہزارہ میں تین مرتبہ اس کے خوانین کو جلاوطنی اور خانہ کوچی کی مصیبت پیش آئی اور سب کے سب قبائل و اقوام کے خوانین کے لئے دار الہجرت صرف ستھانہ اور سادات ستھانہ ہی رہے۔ جس کا ذکر مفصل آگے آتا ہے، مگر یہاں چونکہ جدون قوم سکنائے اورش ضلع ہزارہ کا ذکر آ گیا ہے اس ضمن میں لکھا گیا کہ ستھانہ ایسی جگہ واقعہ ہے جہاں ان جدونوں کے بھائی مذکورہ بالا گدون جو اوتمان زئیوں نے آباد کئے تھے، ان کا لشکر اس زمانہ میں بارہ ہزار نفری شمار ہوتا تھا، اور وہ ہر وقت اور ہر حال میں ستھانہ کا پشتی بان اور فوج

والوں بھی، مگر جب بھی قائد اور زعیم ستھانہ نے سکھ حکومت کے مقابلہ کا ارادہ کیا اور اورش کے والوں کو اشارہ کیا۔ ان لوگوں نے نہایت سخت جنگیں سکھوں سے کی ہیں۔ جن کی تفصیل آگے آوے گی اور یہ قوم جدون اورش کے اب تک مسلمانی وضع کے پابند اور افغانی رواجوں پر قائم ہیں۔ باوجودیکہ ایک سو سال سے انگریزی چھاؤنی ایبٹ آباد بہت بڑی ان میں ہے انہوں نے وضع نہیں بدلی۔ انسانوں کے ساتھ روحانی کے وہ دشمن نفس و شیطان جب لگے ہوئے ہیں تو خواہ کوئی عمل کتنا ہی نیک نیتی اور نیک ارادہ پر ابتداء سے شروع کیا جائے۔ آگے پھر نفس و شیطان کی مداخلت اس کام میں افراط تفریط پیدا کر کے بدعات کے رنگ اور رنگوا دیتی ہے اور ایسا ہی احوال اس بزرگ اور مسلم راہنما اور فاتح اسلام خاندان کے پس ماندگان میں ہوا، سادات اولاد سید جلال الدین فاتح املاک پکھلی و متروکات اتراک کی اولاد میں سادات کاغان میں سے سید ضامن شاہ نے بشمول سرشتہ سادات ستھانہ خاندان غازی و مجاہدین ہندی سکھوں سے جنگ کا سلسلہ جاری رکھا تھا جس کا ذکر آگے آوے گا۔ اور سادات اولاد سید شاہ مرتضیٰ میں بھی صرف ایک صفت مہمان نوازی و سخاوت کی مشہور تھی، جس پس ماندگان نے جائدادیں فروخت کر کے بے نام و نشان ہو بیٹھے، مگر وہ خاندان یعنی سید مسعود مسند نشین مرکزی بنیر کی اولاد اکبرء اور عظماء سے اب تک بفضلہٖ تعالےٰ خالی نہیں رہی اور اس بابرکت نسل کے اندر ایسے باخدا لوگ ہو گزرے ہیں جنہوں نے قبضہ شدہ ریاستیں اور زمینیں کفار سلاطین کی حکومت قبول نہ کر کے چھوڑ دیں۔ اور اپنی موروثی امارت و ریاستیں جہاد فی سبیل اللہ میں قربان کر دیں جن کا ذکر اس کتاب میں مفصل انشاء اللہ تعالےٰ آئے گا۔

دوئم خاندان سادات کوتر اولاد سید جمال الدین بن سید عبدالوہاب بھی علماء اولیاء کبراء امراء سے خالی نہ رہا۔ جن میں سے سید جمال الدین افغانی ایک عالم حال ہی میں گزرے ہیں، مگر اولاد سید جلال وغیرہ میں بجز سید ضامن شاہ کاغان کے، افسوس ہے اب وہ جوہر بالکل نہیں رہے۔ مجھ کو جو صحیح حالات ملے میں نے لکھ دیئے۔ اگرچہ میری تشنگی مکمل حالات نہ ملنے سے بجھ نہ سکی، مگر ایک خاکہ جس کے نشانات و اثرات اس زمانہ تک موجود ہیں پیش کر دیا ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ حضرت سید علی ترمذی علیہ الرحمتہ کے وقت سے مرکزی خاندان کو اور ہر ایک صاحب حوصلہ اس خاندان کے فرد کو جس جگہ بھی تھا، اُس نے اپنے آبائی پیشہ اور فرض کو ہاتھ

میں لیا ہے۔اگر ایک طرف قبائل افغانیہ کی متفقہ طور پر اس کے ساتھ اطاعت اور تعاون سلسلہ اور فوجی قربانیوں میں جان نثاری قائم رہی ہے، تو دوسری جانب خداوند کریم کی نصرت نے ان کو آسمان عظمت کے ستارے بنا کر دنیا میں روشن کئے رکھا ہے۔اسی بزرگ نسل میں ہونے کا فخر خود حقیر انسان کو بھی حاصل ہے اور اپنی پُر انقلاب زندگی میں بہت مدو جزر دیکھ چکا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور ایک خاص امداد اور حفاظت بھی شامل حال پاتا رہا ہوں۔قرآن مجید میں ایک وعدہ خداوندی ہے کہ جو خالص میرے لئے صداقت سے ایمان کے اعمال ضائع نہیں جاتے یعنی نیکوں کی اولاد پر آباء کے انعام کے اثرات مرتب ہوا کرتے ہیں۔

سیّد جمال الدین افغانی علیہ الرحمتہ کے آباء سلسلہ کا ذکر

اولادِ سیّد مسعود صاحب کا ذکر تو خود موضوع کتاب ہے۔کسی قدر ذکر اولادِ سیّد جمال الدین عبدالوہاب کا ضروری ہے۔جو وادی کنڑ کے مالک ہوئے اور جن میں ہمیشہ سلاطین کابل لڑکیاں بطور تبرک ان کو بیاہ کر دیتے رہے تھے اور دولت شریک رہنے کی وجہ سے تمام افغان کے اقوام وقبائل پر ان کو ایسا ہی اثر اور اقتدار حاصل رہا ہے جیسا اولادِ سید مسعود کو یوسف زئی اوطان میں اور جیسا اولادِ سیّد حسن وسید قاسم علیہم الرحمہ کے اپنے اپنے دائرۂ ہائے اقتدار میں حاصل تھا، مگر سادات کنڑ کا اقتدار اس وجہ سے کہ ایک اسلامی سلطنت ان کی قدر و منزلت بڑھاتی رہی، سوات میں بہت زیادہ رفیع قائم رہا۔ان میں حدود چترال سے لے کر ضلع ننگرہار تک تمام وادی کنڑ پر خود مختارانہ فرمانروائی حاصل رہی اور بادشاہ کابل کے ساتھ کبھی دوستی رشتہ داری اور کبھی ہمسری کا رنگ قائم رہا اور ان میں بڑے عالم لائق اور عقل مند اور بزرگ مشائخ مانندِ حضرت سید عباس اور مانندِ سید جلال الدین شیخ الاسلام گزرے ہیں اور میرے اجداد کے عہد میں بابو خان جن کا نام غالباً سید علاؤ الدین تھا۔بادشاہ کنڑ کا فرمانروا تھا۔پھر امیر عبدالرحمٰن کی مخالفت کے وقت سید محمود شاہ بادشاہ حکومت برطانیہ کے زیر اثر آ گیا جس کو ماہوار دو ہزار وظیفہ برٹش گورنمنٹ سے ملتا رہا۔امیر حبیب اللہ خان نے مسند نشین ہو کر سید محمود شاہ بادشاہ کو جن کا قیام حسن ابدال میں تھا، نہایت سے واپس بلا کر سُرخ روز مین میں قلعہ اور

دیئے تھے اور سید غلام بادشاہ ایک بڑا محترم حاکم کنڑ سلام پور میں عہد عبدالرحمان میں تھا اور بادشاہ میر صاحب جان جواخون زادہ صاحب ہڈا کا سجادہ نشین بھی تھا اور سادات کنڑ کا اور اس کا عہد امان اللہ خانی میں بعد از حج شیخ پاچا کا انتقال ہوا ہے۔الغرض سادات کنڑ عزت واکرام اہلِ افغانستان سے مخفی نہیں اور اگرچہ بوجہ سلطنت ہونے کے ان سادات کنڑ ذوالفقار علی کے جوہر دکھانے کا موقعہ اور فتوحات اور مقابلہ با کفار اور توسیع مملکت کا موقعہ افغانستان کی طرف نہیں ملا مگر آبائی ورثہ کا جہاد انہوں نے لال کافران گمبیر وکٹار کے ساتھ مسلسل جاری رکھا اور طبعاً ان کے اندر جس قدر جرات اور بسالت اور جلالیت ہے، وہ ان کے افراد کے اندر بطور نشان امتیازی شامل ہے۔

جب میں نے بعض مورخین ایران وعرب کی تصانیف میں سیّد جلال الدین افغانی علیہ الرحمہ کے اخلاق و عادات کا خلیہ اور تصویر دیکھی تو ہر ایک نے یہ لکھا تھا کہ تبحر علم اور وسعت معلومات اور غیر معمولی ذکاوت اور حُب اسلام و اصلاح مسلمین کے جذبہ سے لبریز مزاج کے ہاں اور خاص خاص موقعوں پر ان پر جلال غالب ہو کر رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور دشمنان اسلام و مخالفان اصلاح کو موت کے گھاٹ اتارنے کی تدبیر میں بھی کمی اور پروانہ کرتے تھے۔تو مجھ کو احساس تمام نسل کی عادات واخلاق کا پورا نقشہ ان کے اندر نظر آ جاتا ہے۔

یہی وہ جوہر ہے جو سید علی کرم اللہ وجہہ کے لئے اسد اللہ الغالب لقب حاصل ہونے کا موجب ہوا ہے اور حضرت سید الشہداء شہید کربلا کو ایک فاسق کے آگے سر جھکا کر اسلامی اصول توڑنے کے ارتکاب سے مانع ہو کر اپنا سب کچھ قربان اور فنا کر دینا آسان معلوم ہو گیا اور اس کو پسند کر کے لومڑی کی پنجاہ سالہ زندگی پر چند ساعت کی شیرانہ زندگی اور مردانہ موت کو ترجیح دی تھی۔

سید جمال الدین افغانی کی نسبت اہلِ ایران کا دعویٰ ہے کہ وہ ایرانی تھا، خواہ اس قدر بھی ہو کہ وہ ایران میں ہی شاید اور اسد آباد میں تولد ہوا، تب بھی اس کا اپنے آپ کو افغانی کے لقب سے ملقب کرنا اور افغانستان کی سلطنت میں بحیثیت رکن اور وزیر سلطنت ہو کر سالہا قائم رہنا ایرانیت سے اس کو باہر کر دیتا ہے۔اس لئے کہ اس کا فخر جن اجداد کرام پر تھا وہ سب افغانستان محکوم وافغانستان آزاد کے مسلمہ قائد اور زعیم اور حکام روحانی وجسمانی رہے تھے اور

خواہ وہ ایران میں تولد ہوا ہو، جیسا سید جلال فاتح پکھلی کے بیٹے حدود کشمیر میں دختر سلطان ترک سے تولد ہوئے تھے۔ مگر ان کی نُصرت اور پشتی بانی بونیر وسوات میں تھی، جو خاندان کا مرکز تھا۔ ایسا ہی ممکن ہے کہ سید جلال الدین کا باپ یا دادا اسد آباد گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ، دولتِ ایران میں ان کو بڑے مراتب حاصل ہوں، مگر سید جلال الدین جس عہد میں پیدا ہوا وہ حریت کا طلبگار اور حریت کا علم بردار تھا جس کو اپنی طبیعت کے موافق آب وہوا اور آزادی اور آزاد پسندی افغانی ملکوں میں ہی اندر نظر آئی ہو، جو اس کے آبائے کرام کی مساعی جمیلہ اصلاح یافتہ اور تازہ ایمان مملکت تھی کُل شے یرجع الی اصلہ اس نے اپنے اصل کے نام پر اپنی نسل کے وظیفہ حیات اپنے پیشواؤں کا عمل احیاء ملت واستیصال کفر وفسق کے اعمال کے لئے وظیفہ حیات مقرر کر لیا۔ وہ خوش نصیب تھا کہ دنیا کے وسیع میدان عمل میں نکل کر ہوا۔ گو زمانہ نے اس کی مساعدت نہ کی اور وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہی نہ ہوا پھر بھی اس کے جوہر دنیائے اسلام پر کُھل گئے۔

میں بلا مبالغہ و بلا قوم ستائی کے کہتا ہوں اور اس کتاب میں آئندہ حالات جو انگریز مخالف مصنفوں نے اس خاندان گرامی کے بزرگوں کے بارے میں لکھے ہیں ناظرین ملاحظہ کریں گے کہ سینکڑوں اور بیسوں جمال الدین اس نسل میں ہو گزرے ہیں جو ایک گوشہ نامعلوم میں مانند قیمتی الماس اور لعلوں کے جو پہاڑی پتھروں کے نیچے دبے پڑے رہے اور ایسے ہی گمنام اور نامعلوم حالت میں دنیا سے چلے گئے۔

دوئم یہ ملک کی تربیت اور فضا کا اثر بھی ہر باشندہ ملک پر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب افغانوں میں خانہ جنگی برادر کشی اور قتالی داخلی تھی تو اس نسل کے افراد نے بھی وہی بُرے اعمال اکثر اختیار کر لئے۔ لیکن یہ امتیاز ابتداء سے آج تک قائم ہے کہ افغانوں سے ان سادات میں ہر قسم بہادری، دیانت، سخاوت اور جان نثاری ارتقائی سفا کی وغیرہ کے جوہر اگر دہ چند نہ ہوں نمایاں طور پر دو چند سے کم ہر گز نہیں، مگر ان میں سے ایک آدھ دیندارانہ عالی اخلاق میں کبھی کبھی نمودار ہو جایا کرتا ہے۔ میں نے ایک ایرانی آقائے میرزا لطف اللہ خان اسد آبادی کی تالیف اور اس کے فرزند میرزا صفات اللہ اسد آبادی کی جمع کردہ کتاب مقالاتِ جمالی نام رسالہ کو دیکھا جس میں مولف کا دعویٰ ہے کہ میرزا لطف اللہ اسد آبادی حقیقی خواہرزادہ

جمال الدین افغانی کا تھا، اور وہ لکھتا ہے کہ میرا ماموں موصوف اسد آباد میں ماہ شعبان ۱۲۵۴ھ میں تولد ہوا۔ والد کا نام سید صفدر تھا، جس کا والد سید علی بن سید رضی الدین جس کا لقب شیخ الاسلام تھا۔ بن سید زین الدین۔ ہر نام کے ساتھ لقب حسینی لکھا ہے۔ (جو اس خاندان گرامی والوں کا شعار ہے) اور قاضی بھی ساتھ لکھا ہے۔ بن سید ظہیر الدین شیخ الاسلام بن سید اصیل الدین شیخ الاسلام اور ان کے جدِ اکبر کا نام سید جلال الدین جس کو جلالۃ الدولۃ والدین کر کے لکھا ہے۔ اس سے آگے نسب نامہ بند کر دیا ہے۔ مگر دعویٰ یہ گیا ہے کہ یہ نسب نامہ فرضی ہے اور یہ بزرگوار ۶۷۳ھ سے اسد آباد کے رہنے والے محلہ سیّداں میں رہتے تھے۔ یہ تاویل بدیہیات اغلاط میں سے اس لئے ہے کہ سید سے آٹھ یا نو پشت ہر گز ۶۷۲ ہجری کو نہیں پہنچ سکتیں، بلکہ صرف ۱۰۰۰ھ یا ۱۰۲۰ ہجری جو زمانہ سید مسعود جلال سید جمال پسران سید عبدالوہاب کا تھا اور لکھا ہوا نسب نامہ بھی فرضی ہے اور والدۂ سید جلال الدین کا سکینہ بنت سید شریف الدین حسینی جو اسی نسل سے تھی بتلایا ہے، مگر با ایں ہمہ مصنف موصوف نہایت تعجب سے لکھتا ہے کہ وجہ اور اصلیت معلوم نہ ہو سکی کہ اس نے کیوں اپنے آپ کو افغانی ہونا مشہور کیا پھر غلط تاویلیں کرتا ہے۔ اور جب وہ پہلے سفر عراق و مقامات مقدسہ سے واپس آیا تو اسد آباد صرف تین دن رہ کر افغانستان چلا گیا ہر چند والد و والدہ روکتے تھے مگر وہ نہ رکا۔ اپنے متعلق لکھا ہے کہ میں بچہ تھا کہ گود میں بٹھا کر پیار کیا وغیرہ

سید جمال الدین کا سادات کنڑ اولاد پیر بابا ان کی اپنی تصنیف اور قاضی محمد عبداللہ کی تشریح ایسی ہے جو محتاج تاویل نہیں اور نا قابل تردید ہیں اور اول انکا لقب افغانی دوئم از اولاد سید علی ترمذی۔ افغانستان میں سید علی ترمذی ہی غوث بونیر ہے اور جامع ترمذی کا مصنف نہ علی نام ہے نہ حسینی سید ہے۔ تیسری دلیل میری ہے کہ آگے شجرہ نسب میں اس کے آباء کی پوری پوری میرے والد اور چچا شہزادہ مبارک شاہ سے برابر ہے۔ کیا ضرورت ہے کہ ہم اس جھگڑے میں پڑیں کہ ولادت ممدوح کی ایرانی ہے یا افغانی۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ جس طرح سادات کاغان کی ولادت سرحد کشمیر میں ہو کر بھی اگر انکا کوئی معروف قابل فرد بونیر سوات میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو افغانی کہے تو وہ فی الحقیقت افغانی ہے اور تسلیم کیا جائیگا میں نے بذات خود ضلع ہزارہ کے متصل پیدا ہو کر ہندوستان میں نشوونما پایا اور ریاست امب میں جو ضلع ہزارہ کی ہند کو

زبان بولتے اور خود کو غیر افغانی تنول کہتے ہیں اور ان میں پرورش پائی ۔ مگر مجھ کو کیوں بونیر اور سوات کے تمام قبائل نے اپنا پیشوا فرمانروا اور افغانوں کا اسی قدیم نسل کی وراثت پر بادشاہ تسلیم کیا تھا ۔ مجھ کو سید جمال الدین علیہ الرحمہ کے ایرانیت اور افغانیت کے بحث پر تعجب اس لئے نہیں تھا کہ ہمیشہ ایسی شخصیتیں جو بین الاقوامی حیثیت حاصل کر لیتی ہیں انکی نسبت بمصداق آیۂ کریم: سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۔ط۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا کرتا ہے اور اقوام و قبائل ان کو اپنی طرف کھینچتے اور اپنانے کی کوشش کرتے ہیں سلاطین ان کو اپنی نسب شریکی کے طریقوں سے اپنے خاندان میں ضم کرنا چاہتے ۔ جیسا سید افغانی علیہ الرحمہ کے نسبت ان کے حالات میں لکھا ہے کہ سلطان روم عبدالمجید خان ثانی نے بھی یہی خواہش کی تھی کہ قصر سلطانی و خاندان شاہی میں سے کسی مستورہ معصومہ کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا جائے لیکن آپ نے متاہل ہونے سے احتراز و انکار کا اظہار اس لئے کیا کہ آپ کی زندگی جہانیاں جہاں گشت کی تھی ۔ ملت اسلامی کی خیر جوئی میں آپ ہمیشہ دنیا کے ربع سکون میں پھرتے رہے اور حکم شرعی سے یہ امر متجاوز ہوتا کہ نکاح کی بی بی کو پابند کر کے خود اس کی خبر گیری سے بے نیاز جہاں گردی میں مصروف ہو جاتے ۔ ایسا ہی سید علی ترمذی کو یوسف زئیوں نے نکاح کرا کر اپنے ملک کا باشندہ بنا لیا، مگر سید کا نسبی معاملہ اس قدر روشن اور واضح ہے کہ جس کا چھپانا مغالطہ اس میں پڑنا ناممکن ہے ۔ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ان کی وفات کو صرف ۴۰ سال گزرے ہیں کہ اور عظیم المرتبت ان کا خاندان اب بھی وادی کونڑ اور بونیر و سوات میں ہزارہا نفوس پر مشتمل موجود ہے جو سلاطین کابل کے تعلقدار ان رشتہ شریک مانند سید محمود شاہ پاشا مذکور کے اور میر صاحب جان شیخ پاشا مذکور کے ہوئے ہیں اور وادی کونڑ میں سادات کی آبادی دو جگہ ہے ایک گاؤں سادات کا موضع پشت ہے جو سید مصطفےٰ بن سید علی ترمذی کا مدفن گاؤں ہے جس کے متصل دوسرا محلہ سادات کا سید آباد نام اب بھی موجود ہے جس کو ایران کا اسد آباد بنا لیا گیا ہے ۔ دوسرا مستقر سادات کا کونڑ کے جنوب مغرب میں سلام پور نام ہے جس میں میر صاحب خان شیخ پاشا کے خاندان کی شاخ مقیم ہے چونکہ پشت والا خاندان فرمانروائے ملک تھا صافی قبیلہ نہایت زبردست افغان کا لشکر ان کا ماتحت تھا امرائے کابل کے زیر حکومت یہ لوگ پورے محکوم نہ تھے بلکہ برابری کا درجہ رکھتے تھے جب ہی تو سید محمود پاشا کے ساتھ امیر دوست محمد خان نے رشتہ دی

عداوت پیدا کی تھی، سید محمود پاشا کا ویران شدہ قلعہ اب بھی پشت میں موجود ہے جس کو اس کے لوگ عقلِ تمام قلعہ کہتے ہیں اور اسی پشت کے مرکز کے داخلی کا ایک محلہ کا نام سید آباد ہے اس میں سید افغانی کی ولادت ہوئی مگر ان کے والد کو سید محمود پاشا کی طرح امرائے کابل کو زبر جلا وطن کر کے کابل لے گئے ۔ اب یہ امر نہ تو ناممکن ہے نہ بعید العقل کو جب اپنے املاک ضبط ہو جائیں اور شاہی کے مورد ہوئے تو سید صفدر ایران نہ گئے ہوں یا وہاں کے سادات سے رشتے نہ کئے ہوں بہت ممکن ہے کہ سید افغانی کی بہن اسد آباد و ایران میں بیاہ دی ہو اس سے میرزا لطف اللہ پیدا ہوئے ہوں مگر لطف اللہ کو ایک ضد ہے کہ وہ سید کو خواہ مخواہ ایرانی الاصل بنانے میں بڑی بڑی تاریخی اور واضح غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں ۔ اس کی غلطیوں کی وضاحت میری اس کتاب کا شجرہ نسب نہایت خوبی سے کر دیتا ہے ۔ مثلاً لطف اللہ لکھتا ہے کہ سید جمال الدین کا والد سید صفدر، اس کا والد سید علی اور اس کا والد سید رضی الدین اس کا لقب شیخ الاسلام لکھا ہے اور یہ لقب بھی سید علی ترمذی یا اس کی والاد کے علماء مشائخ کا شعار ہے) اور اس کا والد سید زین الدین چشتی اس کا والد ظہیر الدین اس کا والد اصیل الدین یہاں تک سات پشت مسلسل لکھ کر آگے مجملاً کہ ان سب کا دور پشت جد اکبر سید جلال الدین ہے جس کو جلال الدولہ والدین کر کے لکھا ہے اور اس قدر لکھ کر نسب نامہ بند کر دیا ہے مگر سید جلال الدین کے نسبت اصل کے نام پر اپنی نسل کے وظیفہ حیات اپنے پیشواؤں کا عمل احیاء ملت و استیصال کفر و فسق کے اعمال کو اپنے لئے وظیفہ حیات مقرر کر لیا اور وہ خوش نصیب تھا کہ دنیا کے وسیع میدان عمل میں نکل کھڑا ہوا گو کہ زمانہ نے ساتھ نہ دیا اور وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا مگر اس کے جوہر دنیائے اسلام پر کھل گئے ہیں ۔ بلا مبالغہ و بلا قوم پرستی کہتا ہوں اور اس کتاب میں آئندہ حالات جو انگریزوں اور مخالف مصنفوں نے اس خاندان گرامی کے بزرگوں کے بارے میں لکھے ہیں ناظرین خود ملاحظہ کریں گے کہ سینکڑوں اور بیسوں جمال الدین اس نسل میں ہو گزرے ہیں جو ایک گوشہ نا معلوم میں مانند قیمتی الماس اور لعلوں کے جو پہاڑی پتھروں کے نیچے دبے پڑے رہے ہوں ایسے ہی گمنام اور نا معلوم ہی اس دنیا سے چلے گئے ۔ دوئم یہ کہ ملک کی تربیت اور فضا کا اثر بھی ہر باشندۂ ملک پر ہوتا ہے لہٰذا جب افغانوں میں خانہ جنگی برادر کشی اور قبائلی داخل تھی تو اس نسل کے افراد نے بھی وہی بڑے

اعمال کیثر اختیار کر لیے لیکن یہ امتیاز ابتدا سے آج تک قائم ہے کہ افغانوں سے ان سادات
میں ہر قسم بہادری دیانت، سخاوت اور جان نثاری اور سخا وغیرہ کے جو ہر اگر دیکھے جائیں
ہوں تو نمایاں طور پر دو چند سے ہرگز کم نہیں۔ میں ایک ایرانی آقائے میرزا لطف اللہ خان اسد
آبادی کی تالیف اور اس کے فرزند میرزا صفات اللہ اسد آبادی کی جمع کردہ کتاب مقالات
جمالی نام رسالہ کو دیکھا جس میں مولف کا دعویٰ ہے کہ میرزا لطف اللہ اسد آبادی تھی حقیقی ہمشیر
زادہ سید جمال الدین۔

الغرض بوجہ بعد مملکت دور کے لوگ اس سلسلہ سے تو بے خبر ہیں، مگر افغانستان میں اہل
اہل علم اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔ ایسا ہی جو مغالطہ قاضی محمد عبدہ کو سید علی ترمذیؒ کے نام سے ہوا
ہے کہ وہ صاحب مصنف جامع ترمذیؒ ہے اور اس بارے میں نہ تو سید افغانیؒ کی طرف ایسی
فاش بے علمی منسوب کی جا سکتی ہے اور نہ ہی قاضی عبدہ کی طرف کہ وہ علم حدیث کے ان امام
مصنفین کے نام تک اور نسب تک سے بے خبر تھے کہ مصنف جامع ترمذی کو جس کا نام محمد بن
عیسیٰ ہے۔ جس کو ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ حافظ لکھا ہوا ہے۔

اس کا نام اپنے آپ سے صرف لفظ ترمذی کتاب کا نام سن کر ترمذی کا مصنف اور سید
اور علی حسینی لکھ ماریں۔ حالانکہ نہ وہ حسینی ہے نہ سید ہے نہ علی نام ہے نہ اس کے بیٹے کا نام علی نہ
باپ کا نام علی کوئی مناسبت ہی مصنف ترمذی کو سید علی ترمذی کے ساتھ ہرگز نہیں، مگر بے خبری
میں کسی نے میرزا لطف اللہ کے مانند یہ غلطی ہی کر دی۔ میں نے ایک جید عالم سے سنا ہے کہ
یہ غلطی جرجی زیدان ایک مسیحی عالم سے ہوئی ہے اور قرین قیاس ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوا کیونکہ
مسلمان عالم تو ایسی غلطی ایک درسی کتاب کے مصنف کے نسبت میں نہیں کر سکتا۔

ثابت یہ ہوتا ہے کہ لطف اللہ سات پشت سادات کنٹر کی باقاعدہ شمار کر کے جو ۱۰۰۰
ہجری تک پھر سید علی ترمذی کی روایت سے چھلانگ لگا کر ایک دم ۶۰۰ ہجری میں سید جلال گنج
العلم کو جو اسی نسل کے بزرگ تھے، جا پہنچتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سید افغانی کا ساتواں جد سید
جلال گنج العلم سید جمال الدین ان کا بیٹا تھا، تو سید عبدالوہاب بن سید مصطفیٰ بن سید علی ترمذی کا
فرزند ہو گا۔ اور سید افغانی کا مذہباً سنی ہونا اور امیر افغانستان کی وہ نسل میں وزیر ہونا، بجز
اعاظمین وطن سے ہونے کے کوئی اور توجیہ نہیں ہو سکتی۔

مرزا لطف اللہ نے مقالات جمالی میں مذکورہ غلطیوں سے بڑھ کر ایک غلطی کا ارتکاب
کیا گیا ہے کہ سید صاحب کے خط کا عکس ایک جگہ دیا ہے۔ جس کی طرز تحریر کابلی طرز تحریر ہے، مگر
ایک عربی شعر لکھ کر دستخط کے علاوہ لکھا ہے کہ یہ شعر خود سید کا تصنیف کردہ ہے حالانکہ وہ ایک
عربی شعر یزید بن معاویہ قاتل اہل بیت کا ہے جو حسب ذیل ہے۔

انا المسموم ماعندی بتریاق ولاراق
ادر کاسا و ناولہا الا یا ایہا الساقی

لطف اللہ کے بیان کا اعتماد اسی شعر سے صاف ظاہر ہے یہی احوال سید جمال الدین کے متعلق
ممکن ہے کہ اس کا خود والد ایام جلاوطنی میں کونٹر سے اسد آباد جا کر سکونت اختیار کر لی ہو، مگر
اپنے خاندان سادات کنٹر سے اس کا سلسلہ منقطع نہ ہوا ہو اور سلاطین افغانستان بھی ان کو اکابر
سادات کنٹر میں سے ہی یقیناً جانتے پہچانتے ہوں، مگر سید کی ولادت ایران میں ہوئی ہو، بعد
او لوٹ وفہم داری اپنے ملک میں آ گیا ہو اور افغانی بننا اور ہنا اس کو پسند آیا، سید کا مذہب اہل
سنت تھا، مگر ایسا ہی جس طرح میرے اجداد کا گزرا کہ اندرونی اختلاف مذاہب اسلامی کے
موقعہ پر وہ صرف اسلام کے نام سے ہر ایک کے ساتھ یک دل درست رہے، اختلاف میں خود
پڑے نہ اختلاف اندرونی میں کوئی حصہ لیا۔ ہر ایک کے دوست رہے۔

اب ذرا شجرہ نسب پر بھی غور لازم ہے کہ مصنف مقالات جمالیہ آپ کے شجرہ نسب کو
صرف سید جلال الدین تک جس کو شیخ الاسلام وغیرہ کے ساتھ لکھ کر آگے نہیں بڑھتا، حالانکہ اسی
کے بھائی حضرت سید جلال الدین کا حقیقی بھائی سید جمال الدین شیخ الاسلام الحسینی ہے جو سید
عبدالوہاب کا فرزند، سید مصطفیٰ کا پوتا سید علی ترمذی کا پڑپوتا تقسیم میں وادی کونٹر کا مالک بنایا
گیا تھا، پھر سید جلال فاتح پکھلی وغیرہ ذی القاب العدیدہ اور چھوٹا سید جمال الدین جس کے
نام پر اولاد در اولاد کے ممبر تک نام ہم ردیف نام چلے گئے ہیں۔ اور خواہ سید جمال الدین کا نام
ہی کنٹر کے سادات کے مورث اعلیٰ سید جمال الدین کے نام رکھا گیا ہو اس کے علاوہ قاضی محمد
عبدہ پیشوائے اہل مصر جو سید جمال الدین کی شاگردی اور مریدی پر مفتخر تھا آپ کی کتاب
تاریخ اوائل افغانستان کے دیباچہ میں آپ کو افغانستان کا اور سادات کنٹر سے ہونے کا اور اولاد
سید علی ترمذیؒ سے ہونے کا یقین دلاتا ہے، مگر ایک غلطی ان سے پھر اور درمیان میں یہ ہو جاتی

ہے کہ سید علی ترمذی کو وہ لوگ نہیں پہچان سکتے، جس کا تصویر میں نے اس کتاب کے پہلے باب
میں لکھ دی ہے اور وہ اس نام سے ہی ملحقہ ملکوں کے اولیاء مشائخ میں اور علماء وسلاطین میں اور
قبائل واقوام وحکومتوں میں مشہور گزرے ہیں اور کوئی سید علی ترمذی نہیں بجز اس امیر نظر بہادر
مرزا سید قمر علی کے بیٹے سید علی ترمذیؒ کے مگر اس کے غلطی سے صاحب اور مصنف جامع ترمذی
سید علی لکھا ہے۔

دوسری کا مصنف نہ علی ہے اور نہ وہ ہی سید ہے، نہ وہ حسینی ہے، اگر ہم یہ بھی مان لیں
کہ یہ سید جلال بڑے سید جلال الدین کا بھتیجا اور فرزند سید جمال کا ہو گا تو کیا الزام
ہے۔ مگر میری تحقیق یہ ہے کہ سید جمال الدین افغانی میرے بڑے چچا شہزادہ سید مبارک شاہ کا
عمر اور میرے والد سے دو چار سال بڑا تھا، جس کی ولادت ۱۸۳۸ء یا ۱۸۳۹ء بتلائی جاتی ہے
اور والد صاحب کی ولادت ۱۸۴۲ء میں ہوئی اور چچا شہزادہ مبارک شاہ کی ولادت اندازاً
۱۸۳۵ء میں ہوئی تو سید صاحب اسی پشت کے ہمسر تھے اور میرا چچا اور والد سید علی ترمذیؒ کے
بعد، ان سے لے کر گیارہویں شخص تھے، اور سید جمال الدین بھی اسی شجرہ نسب کی رُو سے
گیارہویں شخص ہیں، جو سید علی ترمذی کے بعد بشمول جد گیارہویں پورے ہوتے ہیں۔ جو ایک
شجرۂ نسب سے مدلل ہو جائے گا، اگر بارہویں شخص ثابت ہو جائیں اور سید جلال شیخ الاسلام بہر
حال نام لکھ کر جس کا والد سید جمال فرزند سید عبدالوہاب ثابت ہو تو بھی بعید نہیں۔ ایک بھائی
کے بیٹے دوسرے کے پوتوں سے عمر میں کم ہو جایا کرتے ہیں۔ بارہ اور گیارہ پشت کا فاصلہ
ایک نسل کا بڑھ جانا بعید نہیں۔ دراصل سید جلال جدّ اعظم کا نام لطف اللہ نے ۶۷۳ ہجری میں
ہونا لکھا ہے، وہ سید جلال گنج العلم کا اشارہ کرتا ہے۔ اس طور سے وہ اصیل الدین کا والد جمال
الدین ہے۔

فصل سوئم

شجرۂ انساب حضرت سید علی ترمذیؒ

کی اولاد کا مذکورہ ہے اور تطبیق ہر ایک کے عہد کی سلاطین ہند کے ایام کے ساتھ دی گئی ہے
حضرت علی ترمذی قدس سرہٗ کے عہد مبارک سے لے کر اس وقت تک کا نسب نامہ صحیح اس
کتاب میں درج ہے۔ مگر افسوس اس پر ہے کہ بزرگانِ سلسلہ کے حالات کا مفصل ذخیرہ مجھ کو
دستیاب نہ ہو سکا۔ جس کی متعدد وجوہات میں سے سکونت گاہوں کی تبدیلیاں اور خصوصاً
ہمارے خاندان کے تمام تبرکات وتمسکات وخزائین ودفائین کی سیلاب بُرد کرنے والا حادثہ
۱۸۴۱ء میں دریائے سندھ کا سیلاب عظیم تھا جو شہر ستھانہ کی زمین بنیاد سے تیرہ گز بلند اُٹھا کر
بہا لے گیا اور ایک تنکا بھی گھر کے اموال سے نہ نکالا جا سکا، مجھے گھر کی مستورات اور اپنی
دادی سے روایت پہنچی کہ میرے دادا کی والدہ ماجدہ جدّہ اعظمہ کے پاس دیگر خزائین کے علاوہ
سات سیر وزن شدہ جواہرات اور مروارید بھی تھے، جن کو ملک کی بے امینوں کی وجہ سے زمین
میں مدفون رکھا ہوا تھا۔ دریا کا سیلاب ایسا ناگہانی آیا کہ وہ جواہرات اور مروارید نہ نکالے جا
سکے۔ دادی نکالنا چاہتی تھی مگر اُن کے فرزند سید اکبر بادشاہ سوات نے نہ ٹھہرنے دیا کہ دریا پہنچ
آیا تھا۔ اس طرح خاندانی معلومات کے کاغذات اور اسناد سلاطین ہند وکابل سب کچھ دریا بُرد
ہو گیا۔

پھر بدقسمتی سے خانہ جنگی واقعہ ہونے سے مجھ کو خاندانی مرد بزرگوں سے ملنے کا اتفاق
بھی نہ ہوا جو زبانی روایات اخذ کر لیتا۔ البتہ افغانی ممالک میں روایات کا صحیح یاد رکھا جانا ایک
ملکی اور رواج ہے۔ اس طور سے جو حال مجھ تک پہنچ سکا وہ بھی اور بزرگانِ سلسلہ کے زمانہ
حیات اور اندازاً تعین عمر وہم عہدی بازمانہ سلاطین دہلی کا ایک گوشوارہ اس جگہ شامل کر دینا بہتر
خیال کرتا ہوں اور میرا وہ مورث اعلیٰ جو مرکز بونیر سے مرکزیت کو تبدیل کر کے ستھانہ میں لے
آیا اور سلاطین دہلی نے ہزارہ وپکھلی وغیرہ اس کو جاگیر دے دیا اور سلاطین افغانستان نے اس

جاگیر کو بہر حال رکھا۔اس کے بعد جو اعظم امور اور واقعات و مہمات پیش آئے ان کی معلومات قریباً مکمل مجھے حاصل ہیں جو آگے درج ہوں گی چونکہ جد بزرگوار حضرت سید علی ترمذیؒ نے میدان پانی پت میں شہنشاہ بابر کی سلطان ابراہیم لودھی پر فتح یابی کے بعد ان ہی دنوں میں ترک تعلقات دنیوی کر کے طلب راہ مولا میں مجاہدات اختیار کئے تھے اور یہ واقعہ فتح سنہ ماہ اپریل ۱۵۲۶ء بمطابق ۹۳۲ھ میں ہوا تھا اور اس وقت حضرت جوان قوی ایک فوجی سپاہی پچیس یا اٹھائیس سال کی عمر کے قریب تھے ۔اس حساب سے آپ کی ولادت تخمیناً ۱۵۰۰ء یا ۹۰۰ ہجری کے درمیان یعنی ہر دو صدیوں کے ابتدائی دو چار سالوں میں ہوئی تھی۔ آپ کا مولد شہر قندز ملک ترکمان و بدخشان تھا ۔ اور ۹۹۳ء ہجری میں آپ نے بعمر ۹۳ سال میں وفات پائی ۔اس حساب سے حضرت کی عمر کل دسویں صدی ہجری اور سولہویں صدی عیسوی پر حاوی تھی اور جو صدی سے چھ سات سال کم عمر تھی اس طرح ابتداء ان حالات کی جن تاریخوں سے ہوئی وہ بھی معلوم ہے اور قریب ایام کی تاریخیں خود بوجہ قرب زمانہ معلوم ہیں ۔ان کے مابین زمانہ کا حساب تخمینی اور قیاسی ہے جو ذیل میں درج ہے:

نام مورث	اندازاً سال پیدائش	اندازاً سال وفات	اندازاً عمر	مختصر حالات ہر ایک کے اور اس زمانہ کے سلاطین دہلی کے عہد کے ساتھ ان کی زندگی کے ایام کی مطابقت کا ذکر
قطب الاقطاب حضرت سید علی ترمذی قدس سرہٗ بن سید قمر علی سید احمد نور بن سید یوسف نور بن سید محمد نور بخش ترمذی قدس سرہٗ	۹۰۰ھ کے درمیان ۱۵۰۰ء میں چھ سال کا فرق ہے اسی عہد درمیانی میں ولادت حضرت ہوئی	۹۹۳ھ	۹۲ سال یا ۹۳ سال	حضرت نے نوعمری میں اپنے جدّ بزرگوار سید احمد نور بن سید یوسف نور سے قندز کے شہر میں سلسلہ کبرویہ وسلسلہ قادریہ کا اذن وارشاد حاصل کیا۔آپ کا والد امیر نظر بہادر مرزا سید قمر علی شہنشاہ بابر کے ساتھ نسبت خواہرزادگی کی رکھتا تھا اور سلطانی اُمراء میں سے دنیا دار شخص تھا۔حضرت سید علی نے شہنشاہ بابر کے ہندوستان پر حملہ اور فتح پانی پت کے بعد فوج سلطانی سے علیحدگی اختیار کرلی اور مناصب واعزازات دنیا کو چھوڑ کر عبادات و مجاہدات اختیار کئے اور پچیس اٹھائیس سال کی عمر کے بعد سے زہد وعبادت وریاضت سے خالی نہ تھی۔تمام عمر عبادات واستغراق میں صرف کردی اور ظاہر شریعت کی نہایت پابندی پر اقوام وقبائل تمام سرحدات و افغانستان کو قائم کر دینے میں کامیاب ہوئے۔آپ حضرت شیخ سالار عطاء اللہ رومی اجمیری کے ماذون ومرید تھے،آپ کو اذن وارشاد ۱۴ خانوادوں سے حاصل تھا۔ آپ کے فیض سے شمالی پنجاب اور افغانی قبائل اور کل کوہستانات کے کفار قدیم نے بڑا حصہ حاصل کیا۔آپ کے جنازہ پر ایک صاحب والا کا صاحب شیخ رحکار رہبر پہنچے تھے ۔آپ پچاس ساٹھ سالہ عمر میں بلکہ زائد میں یوسف زئی علاقوں میں آئے۔ پیران بے علم بے دانش و بے دین کے فریبانہ جالوں سے مسلمانوں کو خلاص کر کے شریعت کی پابندی اور اتباع سنّت نبوی کی سلوک و عبادت میں مصروف کر دیا۔ چالیس سال اس ملک میں رہ کر شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت کے مطابق سے اس کے اہل بزرگوں کو آگاہ کیا اور تمام عوام الناس کو مرید شریعت وپابند شریعت بنایا۔آپ کی اولاد صرف ایک فرزند سید مصطفےٰ سے بہت کثیر تعداد پھیل گئی جو امراء واولیاء اور

نمبر	نام	پیدائش	وفات	عمر	کیفیت
					حکام وقت ہوئے ہیں۔ آپ کا زمانہ عہد بابری سے لے کر ھمایوں و شیر شاہ وغیرہ عہد اکبری تک تھا۔ شہنشاہ اکبر کے عہد میں انتقال فرمایا۔ آپ کا صحیح نسب حسینی اور اولاد سید جلال گنج العلم بخاری و سید شاہ ناصر خسرو عرف حیات المیر سے ملتا ہے۔ جن کا نسب امام دہم علی نقی ہے، رضی اللہ عنہ
۲	سید مصطفیٰ بن سید علی ترمذی قدس سرہ	۹۷۳ھ ۱۵۶۳ء	۱۰۲۴ھ ۱۶۱۵ء	۵۰ سال	آپ حضرت سید علی قدس سرہٗ کے اکلوتے فرزند تھے۔ آپ سے پہلے سید عبداللہ پیدا شدہ بھائی فوت ہو چکے تھے۔ صرف آپ سے زیادہ اولاد ملکوں میں پھیلی ہے۔ آپ کے والد نے بڑھاپے کی عمر میں قریب کی عمر میں شادی کی تھی، وہ بھی تمام قبیلہ یوسف زئی کے کرنے سے ملک دولت برکازئی کی ہمشیرہ بی بی مریم کو آپ کے عقد میں لایا گیا تھا۔ ان کے عہد میں وادی کنڑ افغانستان میں تملیکا آپ کو دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہان وقت نے دیا تھا۔ سید مصطفیٰ زیادہ اس جگہ رہا کرتے تھے۔ بلکہ آپ کا مدفن پشت میں ہی کنڑ میں ہے۔ آپ کی زندگی میں ہی بڑا فرزند سید عبدالوہاب جو مادر زاد ولی اللہ تھا اور علم فراست اور کلام محاسن اسلامی کا جامع تھا۔ بنیر میں سوات کو ہستان میں امور جہاد کو ہستانات میں قبائل کو مصروف کرا چکا تھا۔ اور حضرت سید مصطفیٰ اپنے والد کے مسند سجادہ اور کشف و کرامات کا صحیح وارث۔ آپ کے تین فرزند ایک سے ایک علمی اور فضیلت کے زیور سے ایک آراستہ تھا۔ بڑے فرزند کو مرکز بنیر میں املاک تختہ بند اور وادی حصہ میں دی تھی اور سید قاسم کو جد بزرگوار یعنی اپنے والد کی مزار کی حفاظت اور مزار کے قُرب و جوار اور صوات کے املاک دیے۔ آخری عمر کی ہمراہ سکونت دار اولاد ہوتا تھا اس پر محبت شفقت کر کے ترکہ چھوٹے فرزند کو دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ باپ کی بھی والدین کی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ تینوں بھائی خدا رسیدہ اور علم و تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر دادا کے صحیح جانشین تھے۔ بڑے بیٹے کا مدفن وسط بنیر میں موضع شلبانڈی ہے۔ منجھلے سید قاسم کا اور سید حسن تیسرے فرزند کو بموجب رواج افغانی کہ باپ کا مدفن بالا سوات موضع پیر کلی میں ہے اور سید

نمبر	نام	پیدائش	وفات	عمر	کیفیت
					حسن کا مدفن سوات میں سیدو کے قریب ہے۔ سید قاسم کی اولاد سوات میں اور مزار جد بزرگوار پر اور سر سرداری کے سادات اور پرگنہ اورش ایبٹ آباد میں سید شاہ مرتضیٰ کی اولاد ہے جو سید قاسم کا پوتا تھا اور بالا سوات کی متعدد آبادیاں ان کی اولاد کی ہیں۔ بر ہشت نگر و بونیر و ہزارہ میں جا بجا ان کی اولاد صاحب املاک عزت ہے۔ سادات کیا رو چک میرہ و ہشت نگر وغیرہ سید قاسم کی اولاد میں کوہستانات سوات کی اقوام کفار کو آپ نے مسلمان کیا۔ سید حسن کی اولاد سوات میں اور سمہ اسماعیلیہ میں وزیدہ میں ہے مگر دیگر برادران سے اس کی اولاد کم ہے لیکن ممتاز صاحب عزت اور شرافت میں اور سید عبدالوہاب کی اولاد کا آگے ذکر آتا ہے۔ ان کی حیات کا زمانہ جوانی تک کا قصہ شہنشاہ اکبر کے عہد میں باقی عہد جہانگیری کا تمام زمانہ ان کی زندگی کا زمانہ تھا۔ آپ نے کنڑ میں انتقال کیا۔ اپنے والد سے ماذون تھے رضی اللہ عنہ۔ سید مصطفےٰ کے بڑے فرزند سید عبدالوہاب کے علاوہ جس کو منصب سجادہ امارت ہر دو حاصل تھے۔ حضرت سیّد قاسم و سید حسن دو فرزندان دیگر کی اولاد بھی اسی طرح صفات حسنہ اور برکات دینی و صفات شجاعت و سخاوت و حسن و دیانت سے متصف و مزین تھے اور ہر جگہ مالک املاک اور کثیر التعداد ہیں جنکا ذکر ضمناً گزر بھی ... کوہستانات سوات ہو شو کالام وغیرہ وغیرہ آپ کی جہادی مہم کے تحت داخل اسلام ہوئے ہیں جن کے آگے پیشرو جنرل اخوند ویزہ صاحب کا فرزند اخوند شہید تھا جس کا مزار موضع کانجو پرگنہ نکپی خیل صوات میں ہے۔
۳	سید عبد الوہاب بن سید مصطفےٰ بن سید علی ترمذی قدس سرہٗ	۹۹۹ ھ ۱۵۹۲ء حضرت کا زمانہ	۱۰۶۲ھ ۱۶۵۲ء حضرت کا زمانہ اور	۶۳ سال	سید عبدالوہاب مادر زاد ولی اللہ تھے۔ کہتے ہیں کہ اخوند سالاک صاحب کو آپ سے طفلی میں حصول فیض باطنی میں امداد ملی تھی اور ان صاحب کو تیغ و صاحب دیگ اصلی کہتے تھے کہ جہاد کفار قدیم کو ہستانیان آپ کے عہد میں شیخ اخوند سالاک اور آپ کے متعین کردہ ماذون نے فتح کیا اور کل کوہستان سندھ کے لوگ بطیب خاطر دائرہ اسلام میں آگئے۔ کوہستانات اور سوات میں یہ کام دادا نے شروع کرایا اور پوتے نے اختتام کرایا۔ تمام ممالک اور سلطنتوں میں بلکہ کل دنیائے اسلام میں سید علی ترمذیؒ کی اولاد کا خلف الرشید ہونا اور ناشر السلام و قاطع کفر و بدعت

			خوشحال خان خٹک شاعر رئیس و شاعر کا زمانہ اور کاکا صاحب کا زمانہ ایک تھا بلکہ کاکا صاحب کا سال وفات ۱۰۶۳ھ اور آپ کا سال برابر ہے		ہونا عملاً ثابت کر دیا اور تمام اہل اسلام کے قلوب اُن کی طرف عقیدت مندانہ مائل اور مغلوب و مرہون ہو گئے ۔ یوسف زئی قبائل نے لشکروں سے جان و مال کی قربانیاں دیں اور علماء صلحا خوانین نے اس جہاد سوات و بونیر میں ہر ایک نے بیحد زور لگایا اور ان حضرات کا زمانہ عہد اکبری سے عہد جہانگیری و عہد شاہجہانی تک تھا ۔ اور آپ کے بھی تین فرزند ایک سے ایک بہ ہمہ صفات حسنہ موصوف تھے ان میں سے سید جلال الدین و سید جمال الدین و سید مسعود تینوں کا ذکر ہو چکا ہے ۔ آگے آپ کے مرکزی جانشین بڑے فرزند سید مسعود کی اولاد کی تفصیل آئے گی ۔ مگر سید جمال جس کے حصے ملک کونڑ دے کر آپ نے افغانستان کے اندر احکامِ شریعت کی اشاعت کا کام سپرد کر دیا ۔ اس بزرگ سید جمال الدین نے اس سلسلہ کی فیض رسانی تمام افغانستان میں پہنچائی ۔ افسوس ہے کہ مجھ کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ سادات کونڑ سے حسب عادت شاخیں کہاں گئیں اور اس وقت سید جمال الدین کی اولاد ملک افغانستان میں کہاں کہاں موجود ہے البتہ اس قدر معلوم ہے کہ سلاطین کابل نے ہمیشہ ان سادات کو لڑکیوں کے رشتے دیے اور کنڑ میں بھی ان کا فرمانروایانہ رنگ تھا ۔ اور امور سلطنت میں بھی شریک ہے چنانچہ ایک فرد ان میں سے اپنے جد کا ہمنام یعنی سید جمال الدین افغانی ہو گزرا ہے جس کو اسلامی دنیا سجانتی ہے اس سید جمال الدین کی یادگار تصنیفات حسب ذیل ہیں: ۱۔ الحقائق العربی ۲۔ تاریخ افغانستان عربی ۳۔ خطبات سید عربی ۴۔ ۱۸ شمارہ عروۃ الوثقیٰ عربی مطبوعہ پیرس ۵۔ فلسفۂ شہادت سید الشہداء ۶۔ مباحثہ ۷۔ قباء الافغانین عربی وغیرہ ۸۔ رسالہ اونیچریہ وغیرہ

	سید مسعود بن سید عبدالوہاب اس کے ۱۳ فرزند صاحب اولاد کثیر مقامات [illegible]	۱۰۲۲ھ ۱۶۱۳ء	۱۰۸۹ھ ۱۶۷۸ء	۵۶ سال	سید مسعود اپنے والد ماجد کے منصب سجادہ و مسند امارت کے مالک تھے اور تمام قبائل افغانیہ کے مرجع اور روحانی جسمانی قائد و پیشوا تھے ۔ آپ ہی تائید امداد و تدبیر سے سید جلال آپ کے بھائی نے ممالک شمالی ضلع ہزارہ کا خطہ فتح کیا اور آپ نے ہی اپنے دو فرزند قبیلہ تنولی اور خان تناول کی درخواست پر ان کو دیے ۔ آپ کے تیرہ فرزندوں میں سے ریاست دیر و چترال سے لے کر ضلع ہزارہ تک ہر ایک فرزند بڑی بڑی املاک کا مالک ہے جن کا خلاصہ مشمولہ شجرہ نسب میں آگے درج ہے آپ کا فرزند مسند نشین اور صاحب دستار سجادہ سید خواجہ احمد نور تھا جو علامۂ زمان اور صاحب عقل و فراست و قیادت تھا اس زمانہ تک اولاد سید علی ترمذی ہے جو ممالک میں بہت پھیل چکی تھی اس مرکزی خاندان کو اپنی قوم اور اولاد حضرت کا مسلمہ صاحب دستار خاندان مانا ہوا تھا اور سید مسعود کے تیرہ ۱۳ فرزندوں کی اولاد جو مختلف ممالک میں منتشر تھی ان سب کا قائد یا سرپرست سید خواجہ نور احمد تھا اور سید مسعود کا زمانہ حیات عہد شاہجہان اور عہد عالمگیری میں تھا۔
	سید خواجہ نور بن سید مسعود	۱۰۴۲ھ ۱۶۳۳ء	۱۱۰۳ھ ۱۶۹۱ء	۶۰ سال	یہ بزرگ علماء اجل میں سے صاحب سجادہ و مسند حکومت تھے ۔ علمبردار شریعت اور صاحب کشف و حال تھے ۔ آپ کی اولاد کثیر ہے اور زمانہ حیات عہد شاہجہان و عالمگیری تھا ۔ آپ کے سات فرزندوں کی اولاد کثیر یوسف زئیوں میں موجود ہے۔
	سید محمد شاہ بن سید خواجہ نور	۱۰۶۶ھ ۱۶۵۵ء	۱۱۱۱ھ ۱۶۹۹ء	۴۱ سال	ان کی پیدائش تو عہد شاہجہانی میں ہوئی مگر باقی زمانہ عہد عالمگیری میں گزرا اور اپنے والد کی مسند اور سجادہ کے ذمہ دار منصب دار تھے ۔ ان کی اولاد سادات تختہ بند ہیں جو بونیر میں مرکز مسند کا مقام ہے اور سمہ کے علاقہ میں اور موضع غلاما میں بھی ان کی اولاد موجود ہے ۔ اس خاندان کو شاہان دہلی سے ۲۴ ہزار کا سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔
	سید مرزا شاہ بن سید محمد شاہ	۱۰۸۶ھ ۱۶۷۵ء	۱۱۵۲ھ ۱۷۳۹ء	۶۴ سال	یہ بزرگ صاحب اولاد کثیر اور مسند امارت و سجادہ تھے اور آباء اجداد کے قدم بقدم قبائل کے مسلم قائد و زعیم تھے ۔ حکومتِ عالمگیری میں جوان ہوئے اور محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد تک زندہ تھے ۔ ان کے ہاں سات فرزند ہوئے اور ہر ایک صاحب اولاد ہوا۔

۸	سید ضامن شاہ بن سید مرزا شاہ	۱۱۱۷ھ / ۱۷۰۵ء	۱۱۷۰ھ / ۱۷۵۶ء	۶۱ سال	یہی وہ بزرگ ہیں جو دلیر بہادر یوسف زئی قبائل کے قائد اور … تھے جس نے مرکزی خاندان کو بونیر کے گوشہ سے ہستانہ میں … ۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی سے ہزارہ و پکھلی جاگیرات دہلی جا … کرنے کے بعد ضلع ہزارہ میں برنگ حکومتی سہ بار اپنے خاندان … بحال کیا۔ ولادت عہد عالمگیری کے آخری سالوں میں ہوئی ضلع … میں شمالی حصہ اس نسل کی ملکیت تھا۔ سید ضامن شاہ نے حکومتی … جاگیر میں لیا تھا۔ یعنی علاقہ پکھلی محمد شاہ بادشاہ دہلی نے ان کو … جاگیر دیا تھا۔ وفات بعد ضلع ہزارہ میں عہد محمد شاہ بادشاہ میں ہوئی … پکھلی سے ہستانہ لا کر دفن کیا۔
۹	سید شاہ گل عرف شاہ جی بن سید ضامن شاہ ہے	۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء	۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء	۶۲ سال	ان کے عہد میں بلکہ اُن کی والد کی آخری حیات میں بھی سکونت … پنجاب و ہزارہ وغیرہ ممالک پر متصرف ہوئے۔ احمد شاہ درانی بادشاہ سے لے کر اکبر ثانی کا زمانہ ان کا تھا۔ مگر … تعلقات اس خاندان کے دولت افغانیہ درانیہ سے وابستہ ہو چکے تھے۔ آپ عابد زاہد با خدا صلح پسند تھے۔ مگر خان تنول کو شکست فاش دی تھی۔ آپ کے چھ بیٹے تھے جو بادشاہ اور امیر تھے، غازی مجاہد تھے اہل اسلام کے غم خوار کفار کے دشمن تھے۔ جس نے آپ کے مسکن ستھانہ پر حملہ کر کے محاصرہ کیا تھا اور احمد علی خان کو سخت زک دی تھی۔
۱۰	سید اکبر شاہ بادشاہ ہزارہ صوات	۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۳ء	۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء	۶۵ سال	بڑا متقی ولی اللہ علیم جواد، حسین وجمیل بُردبار با حوصلہ باہمت حامی اسلام دشمن کفار، ناصر قبائل اسلام انصار سید احمد صاحب بریلوی علیہ الرحمہ میں سے تھا۔ بادشاہ ہزارہ بادشاہ شرعی صوات موصوف بہ صفات حسنہ
۱۱	امیر صاحب کلاں بن سید شاہ جی صاحب	۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء	۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء	۶۳ سال	یہ امیر نہایت بہادر قوی المزاج مجاہد اور حکومت برطانیہ کا سخت مخالف تھا۔ برطانوی ریاست نے اس کی رعایا سے بغاوت کرادی اور اپنی فوج بھی بھیجی مگر ابھی کیمپ فوج نہ پہنچی تھی کہ باغی رعایا سے مقابلہ کرتا ہوا ان کے مورچہ پر حملہ کر کے شہید ہوا۔ بڑا متقی رہا۔

	شہزادہ مبارک شاہ بن سید اکبر شاہ	۱۲۳۵ھ / ۱۸۳۳ء	۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء	۳۹ سال	۱۲۵۷ھ میں صوات کی بادشاہی نصف سال تک کی، پیر اخوند صاحب صوات کی ناپسندیدگی سے معزول ہوا۔ انگریزوں سے ۱۸۶۳ء میں سخت مقابلہ اس نے کیا اور عمر بھر مخالف رہا جنگ امبیلہ کا ہیرو بھی شہزادہ تھا۔ نہایت جمیل عقیل ذی حوصلہ نہایت بہادر اور سخی تھا۔ اپنے ہاتھ سے تفنگ خلاص ہونے سے موضع نادہ گی حملہ میں انتقال ہوا۔ قسمت یاور نہ تھی، ورنہ کوئی ایسا بہتر ہنر نہ تھا جو اس میں موجود نہ تھا۔
	شہزادہ محمود شاہ بن امیر صاحب	۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء	۳۴ سال	بہت عابد زاہد متقی نہایت جمیل حسین و ذکی ذہین بہادر غیور، تفصیل کتاب میں درج ہے۔ سید عبدالجبار شاہ مولف کتاب کے والد تھے۔ ۳۴ سال کی عمر میں پرگنہ حسن زئی قریہ نانگیوی میں جاہل سُندر خیلوں کے ہاتھوں سے بے خبرانہ شہید ہوئے۔
	سید فیروز شاہ بن شہزادہ مبارک شاہ	۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء	۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء	۴۶ سال	بہادر دلیر تھا مگر خوردسالی میں برادر کشی کا ارتکاب بہ نیت صلاح کا روں نے اس سے کرایا کہ اولاد امیر صاحب سید عمر کے تین اشخاص کو معہ سات نوکروں کے رمضان اور نماز میں قتل کر دیا جن میں سے صرف دو سالہ عبدالجبار شاہ بچ رہا تھا۔ فیروز شاہ کی آخری عمر میں عبدالجبار شاہ نے ان پر غلبہ پایا، مگر برادر کشی اس نے نہ کی۔ قبل از صلح خاندانی فیروز شاہ ۱۹۰۸ء میں خونی اسہال سے ملکا میں فوت ہوا بعد ازاں کل خاندان کی ۱۹۱۳ء میں باہم صلح ہو گئی اور اس کتاب ۱۹۳۱ء کی تحریک تک سب خاندان متفق تھے۔ جس قدر اشخاص کے نام اس جدول میں ۱۲ پشت تک لکھے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مسند آبائی اور اپنی قوم اور ملحقہ قبائل کا پیشوا اور صاحب مسند و دستار اور قائد اور زعیم ملک وملت رہا ہے۔
	سید عبدالجبار شاہ شاہ محمود بن امیر سید عمر	۱۸۷۸ء			دو سالہ یتیم معرکہ مقاتلہ سے معجزانہ طور پر بچایا جا سکا خوردسالی میں ہندستان بنارس وغیرہ میں جا کر تعلیم پائی۔ ۱۸۹۹ء میں نواب امب محمد اکبر خان نے سید فیروز شاہ سے مخالفت پیدا ہونے پر بلا کر اپنا مصاحب و مشیر رکھا۔ ۱۹۰۷ء میں نواب خان زمان خان نے وزیر سیاسی مقرر کیا۔ ریاست امب کی سرحدوں میں توسیع کی اپنے دشمنوں

					کو مغلوب کیا۔ مگر قتل نہ کیا۔ ۱۹۱۵ء میں سوات پر خود مختار بادشاہ رہا۔ کچھ سال بعد معزول ہو کر امب پر دوبارہ وزیر رہا۔ ۱۹۳۶ء میں نواب امب کی وفات پر امب سے جدا ہو گیا۔ ۱۹۳۸ء میں حیدر آباد آیا اور کتاب تصنیف کی۔

پہلے شجرہ نسب حضرت سید علی ترمذیؒ کا درج کر آیا ہوں، مگر چونکہ وہ جدا جدا شجرہ سے ادا ہے۔ لہٰذا اس جگہ یکجا لکھ دیتا ہوں۔

سید عبدالجبار شاہ بن سید محمود شاہ بن امیر سید عمر شاہ بن سیّد شاہ گل شاہ جی بن سیّد امن شاہ بن سیّد میرزا شاہ بن سیّد محمد شاہ بن سیّد خواجہ نُور بن سیّد مسعود بن سیّد عبدالوہاب بن سیّد مصطفےٰ بن سیّد علی ترمذی قدس سرہٗ بن سیّد میر نظر بہادر سیّد قمر علی بن سیّد احمد نُور بن سیّد یوسف نُور بن سیّد محمد نُور بخش ترمذی بن سیّد احمد ضیغم بن سیّد احمد بداق بن سیّد احمد مشاق بن سیّد شاہ ابوتراب بن سیّد حامد بن سیّد محمود بن سیّد اسحاق بن سیّد عثمان بن سیّد جعفر بن سیّد عمر بن سیّد محمد بن سیّد حسام بن سیّد شاہ ناصر خسرو بن سیّد جلال گنج العلم بخاری قدس سرہٗ بن سیدؔ امیر علی بن سیّد محمود بن سیّد جعفر خلیل اللہ بن امام علی نقی علیہ السلام امام دہم بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ علیہ السّلام بن حضرت امام جعفر صادق علیہ اسلام بن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن حضرت امام ابو عبداللہ الحسین سید الشہداء علیہ السّلام

امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی کرم اللہ وجہہٗ

و بن

سیّدۃ النساء فاطمہ الزہرٰی

بنت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
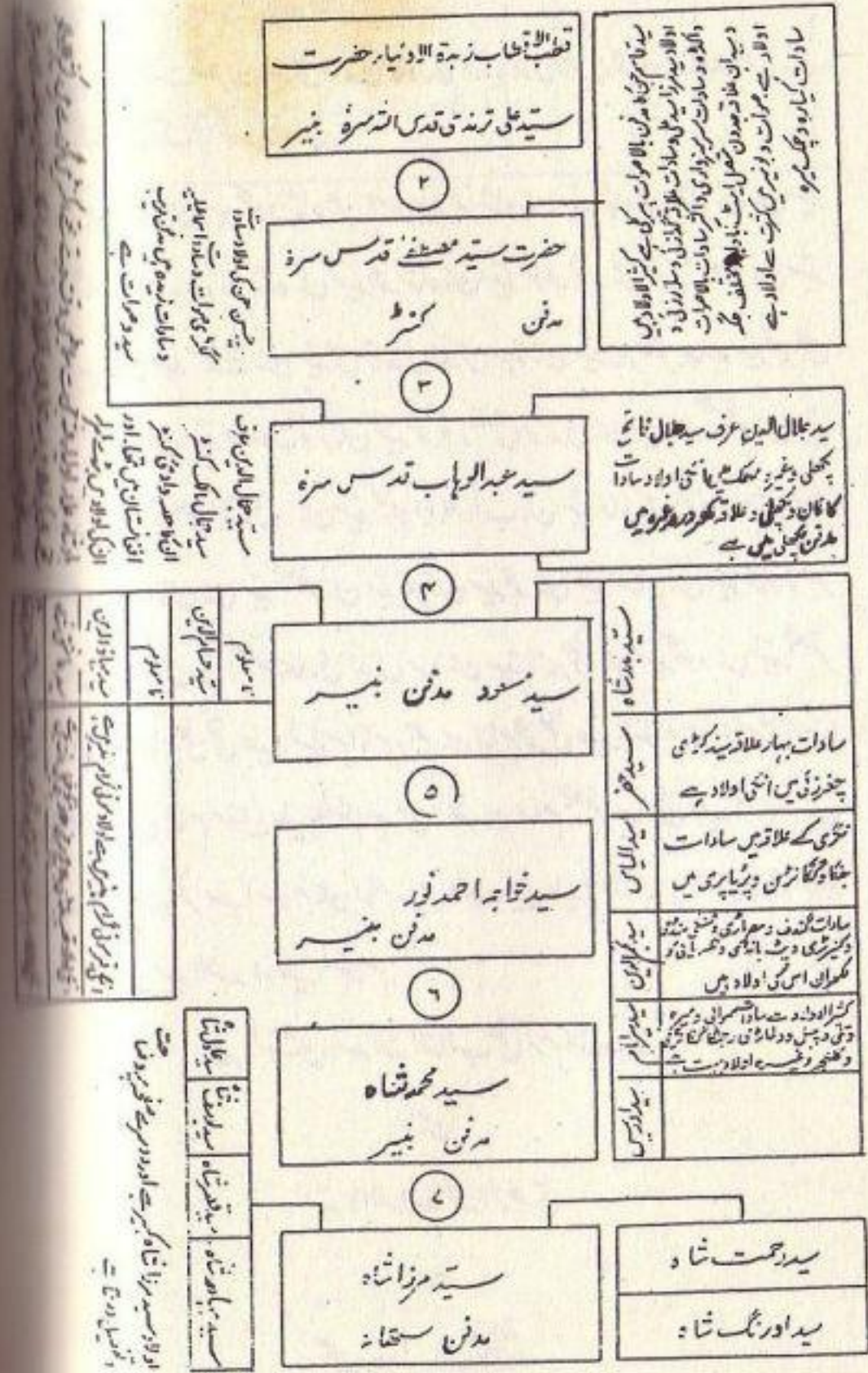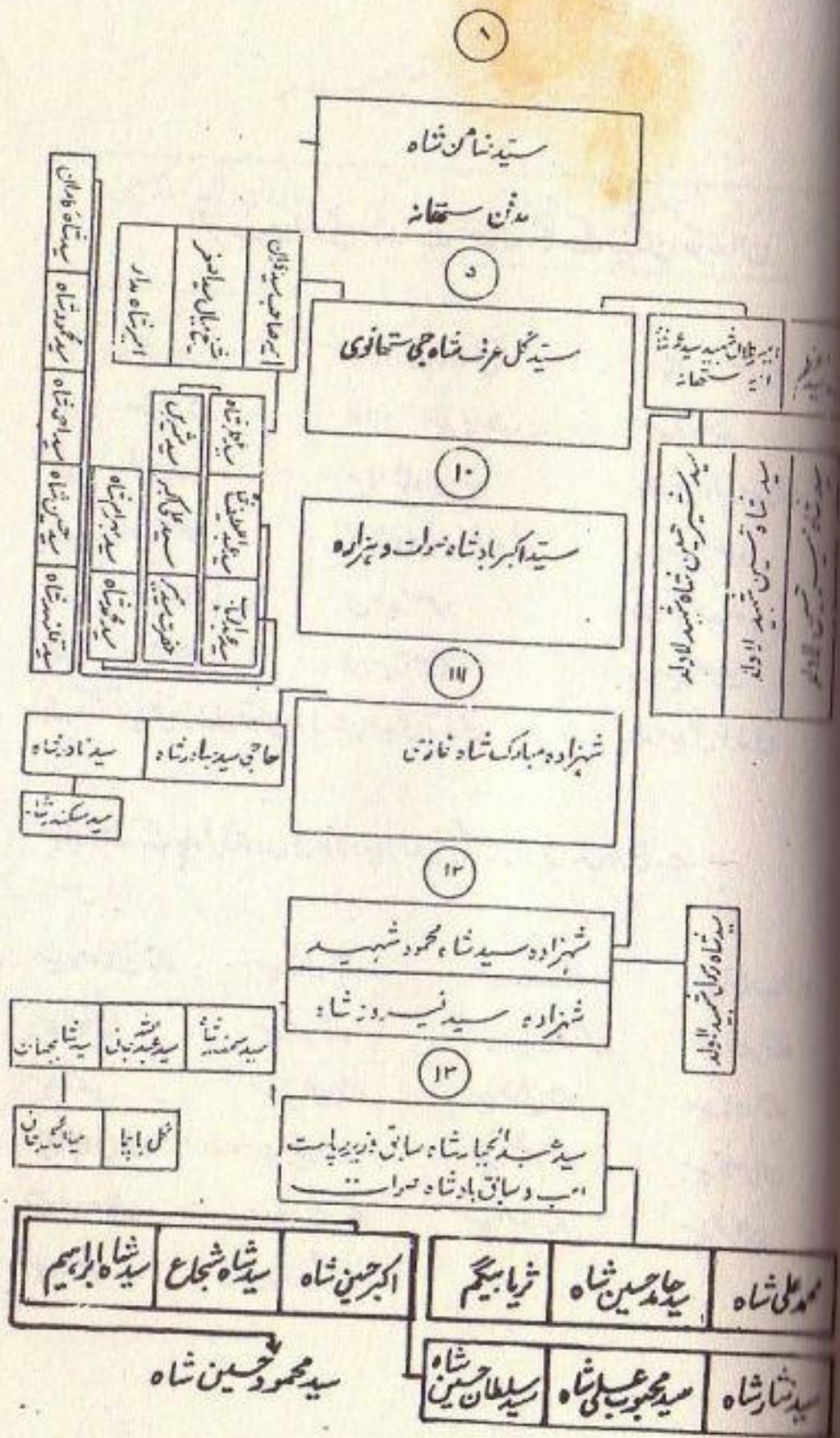
اقرب برادری سادات ستھانہ ملکا کے یہ تین خاندان

سادات تختہ بند	وسادات ناوہ گئی	وسادات منگل تھانہ
اولاد سید محمد شاہ	اولاد سید یوسف	سید نور اللہ
ولد خواجہ نور	مرزا شاہ بن سید	ولد پیر اولید سید خواجہ نور
ولد سید مسعود	محمد شاہ بن سید خواجہ نور	ولد سید مسعود
ولد سید عبدالوہاب	بن سید مسعود	ولد سید عبدالوہاب
ولد سید مصطفیٰ	بن سید مصطفیٰ	ولد سید مصطفیٰ
ولد سید علی ترمذی قدس سرہٗ	بن سید علی ترمذیؒ	ولد سید علی ترمذیؒ

سید نور اللہ کے چار فرزندوں کی اولاد چار شاخ بہ تفصیل ذیل میں درج ہے:

سید رمضان شاہ	سید تیمور شاہ	سید زینور شاہ	سید تراب شاہ
سید عباس	سید عمر شاہ	سید میاں عباس	سید امیر شاہ
سید احمد	سید زمان شاہ	سید طوطی شاہ	سید نادر شاہ
سید سجاول شاہ	سید عبید شاہ	سید اعظم شاہ	سید کامران
شاہ سید میاں	سید نور احمد شاہ	سید اصغر شاہ	سید عمران
سید جوہر	سید محمد ایوب		

حسن شاہ — قدرت شاہ — سید یوسف — سید شاہ

قطب شاہ — مرزا شاہ، عبداللہ شاہ

بکندر شاہ — احمد شاہ — مزمل شاہ، حکمت شاہ — دلاور شاہ، لائق شاہ

ہودی شاہ — محمود شاہ

علی شاہ — برہان شاہ — لقمان شاہ، فرمان شاہ، میران شاہ

دوران شاہ — حیدر شاہ — پیر سلطان، جمروز شاہ

پیر شاہ — رحیم شاہ

تفصیل اولاد سید عبدالوہاب فرزند صاحب سجادہ و دستار و کبیر سید مصطفٰی بن سید علی قدس سرہٗ

سید جلال الدین عرف سید جلال فاتح پرگنہ	سید مسعود صاحب سجادہ و دستار مقیم تختہ بند علاقہ مرکز بنیر مورث خاندان مرکزی	سید جمال الدین اوّل جدِ اعظم سادات کنڑ افغانستان جد سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ
موضع بھوگڑمنگ علاقہ پکھلی اولاد ... سادات سید جلالی مالکان وادی ... ہیں اور پکھلی واگرور میں مختلف جگہ ... کے مالک کثیر التعداد ہیں۔ انکے ... سید غازی شاہ نے سلسلہ جہاد کفار ... کے ساتھ جاری رکھ کر وزہ کا غان دس ... مسافت ان سے فتح کر کے چلاس کو ... اسلام کیا اور شاہ زمان فرزند سید جلال ... اس ریاست کو جو املاک ترکہ ٹرک کی ... منظم باقاعدہ واحد ملکیت بنایا تھا اور ... اس کی وفات کے بعد ان سادات کا ... خاندان کمزور ہوتا گیا اور صواتی قدیم کے ... وارثین نے ان پرگنہ جات کو جدا جدا ... خانوں میں تقسیم کر کے جدا جدا رئیس ... خانان ہوئے۔ یعنی پرگنہ اگرور جد قطعہ قرار پایا۔ پکھلی جدا قطعہ محسوب ہوا۔ درہ بھوگڑمنگ جو سید جلال کی ابتدائی جاگیر تھا۔ جدا خان کے قبضے میں ہوا علاقہ بٹل و درہ کونش جدا قطعہ قرار پایا اور خاقان نے لے لیا۔ تند پہاڑ جدا اگری جدا دیشی تھا۔ کوٹ الائی جدا خانوں میں بٹ گئے۔ اُن کی اولاد حسب ذیل قریہ جات میں قابض قلیل املاک اس وقت موجود ہے۔ برکہ پکھلی میں نوکوٹ وباڑی مترب شاہ	مدفن قبرستان سید عبدالوہاب مقام شلبا نڈی بونیر سکونت تختہ بند اولاد مرکزی سادات تختہ بند و سادات شلباںڈی و سادات سوئی گرام و کلپانڑ مین وتوروہ چینہ و سادات نجہ و غلاما و سادات نادہ گئی و ڈیری جملہ و سلیم خان سادات ستھانہ و ملکا و سادات منگل تھانہ و سادات بڑباںڈی سرخی گلی خیل سوات و سادات کو میرو گنوزی علاقہ دیر اور ان کے تیرہ فرزند تھے۔ ہر فرزند کی اولاد کثرت سے ہے۔ مثلاً سید خضر کی اولاد و سادات بہار علاقہ چغرزئی میں ہے اور سید الیاس کی اولاد بھی علاقہ چغرزئی شرقی کنارہ سندھ پر ہے۔ اور سید پیر امام کی اولاد جنگا اور گگاڑ میں علاقہ سواتی قدیم میں تلی اور بلوارہ نہ گجر باںڈی و بوئی و کبھڑی و چپل و دولماڑی تنول میں وزنی و گلنجر و صواتی ڈیرہ تنول میں وکر بڈیاں و گندریالہ و سادات چور کلاں اگرور و ہیرہ، باںڈی و چھتیر دیچھی بنگ بابا کی اولاد جو پیر امام کا پوتا تھا۔ اس کی قبر بھی وہاں ہے۔ اور بلند کوٹ و پریاڑی و سادات سیدڑہ و دوڑمیرہ میراو بٹلہ و وزاری و جھنگیر بٹلیلہ و چھتے و سر دگلونہ یہ کثیر اولاد پیر امام کی ہے	جملہ سادات کنڑ جو سلطنت افغانستان میں مشہور و معروف مسلم اور سادات با بزرگی و کرامت و حکومت و جلال و جمال مشہور ہیں۔ یہ سب اولاد سید جمال الدین اوّل کی ہے اس نسل میں سید عباسؒ و بابوخان بادشاہ و سید محمود شاہ پاشا و سید جمال الدین افغانی اور سید غلام بادشاہ و سید میر صاحب جان پاشا عرف شیخ پاشاہ وغیرہ عظمٰی و گمرا کثیر ہو گزرے ہیں۔ جن کے نسلی شجرۂ نسب کی تفصیل مجھ کو سادات میسّر نہیں ہو سکی۔ مگر سادات کنڑ ایسی مشہور و معروف نسل ہے جو افغانستان و ہندوستان سے باہر کل دنیا میں سید جمال الدین افغانی کے وجود سے متعارف ہو چکی ہے۔

واگرور میں معہ داخلی ہاما گڑیاں۔ کونش میں شیریان اوراور شہرہ و ہائی نچلی وبیلو نہ بھوگرمنگ میں دیولی معہ داخلی بادور گلاگاؤں میں بطلہ ڈل دشیان میں میدان میں ۳ گاؤں۔ اگرور میں کھیل بالا ربتیان و گڑنگ نگری و نند ہاڑ میں نوشہرہ دیشی میں لنڈی کسی ودرہ ہر بارگل کوٹ وغیرہ میں سادات سید جلالی مالک و صاحب جائیداد رہے ہیں۔ الائی میں کنشر، بل کوٹ لنڈی کسی ودرہ بر بارگل کوٹ وغیرہ اور کل املاک درہ کاغان سادات سید جلال کی ملکیت ہے۔	اور مدفن اس کا عبد باہ میں ہے اور اولاد نجم الدین یعنی سادات مصر باڑی جہاں مدفن ہے وسادات گندف وتربیلہ ودھگی ومنڈی وارو پٹ باندی وکیان ونکہ پانی پتی وغیرہ میں ہے اولاد سید حسام الدین فرزند سید مسعود ہیر میں ہے۔ اور اولاد سید بہاء الدین جو ہیر میں ہے۔ اور اولاد پیر سید عاشق سوات اُن کی خیل میں اور اولاد سید بدرشاہ جوگیا سی وفروسہ میں بابا خیل نام سے موسوم ہیں اور اولاد سید خوانہ نور گیاسی وگبائی میں علاوہ ملکا وستھانہ کے ناواگئی و منگل تھانہ وتاجہ وغلامہ میں موجود ہے۔ کثرت سے ہے الغرض سید مسعود بہت کثیر الاولاد ہے۔ اس کی سکونت تختہ بند میں تھی۔ اس نے اپنے بھائی سید جلال الدین کوظلم سلطانی محمود ترک پکھلی والے کے کرنے پر قدیم سواتی کے لشکروں کی امداد دے کر کل شمالی ممالک ضلع ہزارہ کا بادشاہ بنوادیا تھا جو اب تک قدیم سواتی اس ملک پر قابض ہیں اور سید جلال کی اولاد اس میں شامل ہے۔	

مذکورہ بالا سادات کنشر کے زمانہ حال تک باعظمت شخصیتوں میں سے سید محمود شاہ بادشاہ کنشر کا تھا۔ جن کا ذکر جابجا تحریر ہے۔ اس تک حضرت غوث بونیر کا سلسلۂ نسب اس طرح سے یوں ملتا ہے:

سیّد فرید اللہ شاہ بن سیّد عیسیٰ خان بن سیّد زکریا جان بن سیّد محمود شاہ بادشاہ سابق حکمران کنشر بن سیّد بہاؤ الدین بن سیّد محمد نظیف بن سیّد عبداللہ معروف بہ صاحب میر بن سیّد عباس بن سیّد جمال الدین اوّل بن سیّد عبدالوہاب بن سیّد مُصطفٰے بن سیّد علی

[قدس] سرہٗ غوث بونیر ونور اللہ مرقدہٗ بن میرزا امیر نظر بہادر بن سیّد احمد بن نور بن سیّد [نور] بن سید احمد نور بخش ترمذی۔

مختصر ذکر وتفصیل اولاد سید قاسم بن سید مصطفٰے بن سیّد علی ترمذی غوث بونیر رحمتہ اللہ علیہ [ان کا] مدفن موضع پر کلی بالا سوات میں ہے اور اولاد کثیر ان کی گیارہ فرزندوں سے ہے۔ اس [اولاد] نے کوہستان اور سوات کے کفار کو فتح کر کے مُسلمان کیا۔

[۱۱۔ سید] مومن [عرف] لیونے بابا [و] دیوانہ خان	ان کا مدفن بالمقابل قصبۂ ایلی بونیر بالا میں ایلی کے خوانین میں سے ہے اور اولاد ان کی تین فرزندوں سے باقی ہے۔ ان میں سے علی نور شاہ جی کی اولاد سادات، جور باندی وہڑاؤ، نیل کوٹ وشیو خدزہ و چپڑیل و گرڑی، و اولاد شاہ حسن اقت شاہ وغلام شاہ وطریقت شاہ ۹ فرزند ہے۔ برکت شاہ جان بابا سید اکرم وقدرت شاہ وسرور شاہ، سید عرفان اور تیسرے بیٹے کی اولاد سادات درہ لس خیلہ خیلہ بالا ومیرہ کی وپیرادری وڈیری وگڑہ وسپوڑہ واشیاڑے پائیں وور شخیلہ وگام سیرو غیرہ ملک بالا سوات میں ہیں۔ ان کے تین فرزندوں کے لقب زیڑے بابا وتور جے بابا وشاہ جی علی نور بابا ہے۔
۱۰۔ سید شیخ فرید الدین	شیخ فرید الدین کا مدفن چم سمبٹ بالا سولت میں ہے۔ اولاد سادات شاگرام و بہاء علاقہ اورش ایبٹ آباد پکھلی وغیرہ شاید سادات گیارہ چک میرہ میں ہیں۔
۹۔ سید کبیر الدین	سید کبیر الدین کا مدفن پیر کلی بالا سوات وسادات پیو چار وسادات پیر کلی وکوٹی کرام وجنگو وتازہ گرام وتندوڈاک ملک سوات بالا وادنزئی وغیرہ میں کثیر تعداد میں ہیں۔
۸۔ سید پیر منڈہ	سید پیر منڈہ کا مدفن چم شاگوائی بالا سوت انزرے قریب موضع جرہ میں ہے۔ ان کی کثیر اولاد سوات اور ملک مشقر واورش میں ہے۔
۷۔ جد سادات [س]رداری سرد	مدفن انکا موضع مشین کڈ علاقہ کوہی قبیلہ متوڑوی سوات مشرقی میں اور اولاد اس کی سرد سرادری و تمام کوہ سیارہ میں بونیر وسوات پر متصرف وقابض ہے گل شہزادہ والیٔ سوات نے ان کی طاقت کو توڑ دیا۔ اور جمعیت کو منتشر کر دیا۔ اب وہ ملازمت حکومت سوات پر گزر اوقات کرتے ہیں۔
۶۔ اسم نامعلوم ۵۔ اسم نامعلوم ۴۔ اسم نامعلوم ۳۔ اسم نامعلوم ۲۔ اسم نامعلوم ۱۔ اسم نامعلوم	سادات موضع کیارہ داخلی توپی اوتمان زیان وسادات چک میرہ ضلع ہزارہ بھی اولاد سیّد قاسم سے ہے۔ اور پرگزہشت نگر میں ان نامعلوم الاسم فرزندوں کی کثیر اولاد پڑانگ۔ چارسدہ میں ہیں اور سادات باچا کلے یعنی خاص زیارت پیر بابا بونیر میں بھی سید قاسم کثیر اور مالک املاک قبیلہ گدائی زئی میں درکڈہ دیئی میں اور قبیلہ سالارزئی کے مواضوات میرہ وسادات وگوڑ دبا پہوخدا کثر مالکان املاک سادات اولاد سید قاسم بہت ہیں۔

بیانِ اولاد سید حسن بن سید مصطفےٰ بن سید علی ترمذی رحمتہ اللہ علیہ مدفن سید حسن کا قریہ سیدو شریف ملک سوات مواضعات گگڑی وغیرہ کے قرب وجوار میں ہے۔

اس بزرگ سید حسن کی اولاد بہ نسبت دیگر برادران سید قاسم و سید عبدالوہاب کے اولاد قلیل اولاد مشہور ہے جو سوات سیدو کے قریب موضع گگڑئی میں ہیں اور ضلع مردان کی مواضعات اسماعیلیہ واماز وگڑھی وسن صدوم میں اور موضع زیدہ میں مالکان املاک ہیں۔

تفصیل بیان اولاد سید خواجہ نُور صاحب دستار وسجادہ مالک تیغ و دیگ خاندان مرکزی اولاد سید علی ترمذی مقیم تختہ بند وسط بونیر مدفن در مقبرہ سید عبدالوہاب قبرستان شلبانڈی۔

[سید] محمد شاہ کی تفصیل سابق صفحات میں درج ہو چکی ہے۔ سادات میانہ بالا وقریہ گبائی وسادات [ا]کروشل بانڈی وسط بنیر میں ہے۔

سادات گباسی پرگنہ قبیلہ گدون منصور اس جگہ گاؤں گبائی اور گباسی معہ داخلی ہا ملکیت سادات اولاد خواجہ نور اولاد سید بدر شاہ بن مسعود ہیں۔

شجرہ نسب سادات گباسی وگبائی

[اس] میں شجرہ نسب سادات کونڑ کا سید محمود بادشاہ کی اولاد تک دیا ہے جو صرف ایک شاخ [ب]الفصل ہے۔

[ن]وٹ بونیر سید علی ترمذی ۲۔ سید مصطفےٰ مدفون در کونڑ ۳۔ سید عبدالوہاب مدفون در بونیر ۴۔ سید جمال الدین بن عبدالوہاب ۵۔ سید عباس بن سید جمال الدین ۶۔ سید عبداللہ بن سید عباس معروف بہ سید میر ۷۔ سید محمد لطیف بن سید عبداللہ ۸۔ سید محمد نظیف بن سید محمد لطیف ۹۔ سید بہاؤ الدین بن سید محمد نظیف ۱۰۔ سید محمود شاہ بادشاہ بن سید بہاؤ الدین ۱۱۔ سید زکریا جان بن سید محمود شاہ ۱۲۔ سید عیسیٰ جان بن سید زکریا ۱۳۔ سید فرید اللہ بن سید عیسیٰ

مندرجہ بالا شاخ کی ۹ یا ۱۰ پشت میں سید جمال الدین افغانی ہے۔ جن کی پوری شاخ کے نام مجھے اب تک نہیں مل سکے۔

سید بدر شاہ بن سید مسعود سیمہ میں نادر شاہی فوج کے ہاتھوں سے شہید ہو کر کوہشہ میں دفن ہوا اور ان کی اولاد گباسی وفروسہ میں ہے۔

بیان اولاد و املاک سید بدر شاہ بن سید مسعود۔ مدفن کوہنہ مالک گباسی و فردسہ

سید قطب شاہ

سید لذت شاہ		سید کریم شاہ	سید سلطان شاہ	سید غازی شاہ
سید جلال شاہ	سید جمال شاہ	سید دین شاہ	سید نظام شاہ	سید شاہ مردان
سید افشان شاہ	سید غفار شاہ	سید گل	سید شیر شاہ	سید طوطی شاہ
سید غلام شاہ	سید سلطان شاہ	بہادر شاہ	سید علی اصغر	سید شاہ امیر
سید جعفر شاہ	سید احمد شاہ	محمد شاہ		

سید شاہ نورؒ

انور شاہ — سید مہر شاہ

سید فتح شاہ — سید عظیم شاہ — سید نادر شاہ

شاہ مردان — نورنگ شاہ — بہادر شاہ — نور جمال — سید جلال

شاہ بنوال — زمان شاہ

قابل شاہ — شاہ رمضان — منصور — صاحب شاہ

عزت شاہ — عطر شاہ

صوبت شاہ — سردار شاہ

عزیز شاہ

سردار شاہ

گلاب شاہ

سید جلال — سید جلال — فقیر شاہ — شاہ [illegible] — دوران شاہ — فقیر [illegible]

حسن شاہ — دوران شاہ

قدرت شاہ — حیدر شاہ — محمد شاہ۔ احمد شاہ

قطب شاہ — سکندر شاہ — سید یوسف — پیر شاہ — سلطان شاہ۔ عطر شاہ

احمد شاہ

مرزا شاہ — حکمت شاہ — محمود شاہ — محمد اکبر برطار۔ غفور شاہ

ہوذی شاہ — علی شاہ

محمود شاہ — برہان شاہ

سید عباس — سید الیاس — سید اسحاق

سید غلام — سید علی — سید عبدالعزیز

سید امان شاہ

سید ایوب — سید ہارون — سید رحمان — نام نامعلوم

یہ شجرہ نسب سادات منڈتی و پٹ بانڈی و شلماد و کنبرڑی کا ہے جو اولاد سید نجم الدین سے ہیں اور مذکورہ مقامات کی املاک پر قابض ہیں۔

سید احمد شاہ

سید [illegible] شاہ — سید مبارک شاہ — سید حضرت نور شاہ — سید بہادر شاہ — سید عبدالغفور — سید عبدالسبحان

سید غلام حسین شاہ

سید غلام شاہ

سید حضرت میر — سید مصطفیٰ

چمن شاہ — سید حضرت نورؒ

بہادر شاہ — با پیر

سید قطب الدین شاہ	سید فخرالدین — سید عمران شاہ — سید سیف اللہ — سید امانت شاہ — سید انجن شاہ — سید عظیم شاہ — سید جلال شاہ
سید [illegible] شاہ	سادات منگل تھانہ
سید [illegible]	سادات ساکنان ڈیری چملہ قریب ناواگئی
سید حاجی [illegible]	سادات پلوسہ حسن زبان و بانگڑی اولاد حاجی میاں رحیم صاحب
سید علی اکبر	سادات گباسی و گبائی اولاد شس جن کی تفصیل دوسری جگہ درج ہے۔
سید [illegible] شاہ	سادات میانہ قریہ و بالاگبائی و سادات شلبانڈی بنیر کی اولاد ہیں
سید [illegible] شاہ	سادات تختہ بند و ناواگئی و سادات ستھانہ و سادات ملکا ان کی اولاد ہیں۔

شجرۂ نسب سادات صوابی ومیرہ کریڑیان وچیل وتلی وبوتی کہوی گجر بانڈی بلوارہ و...

سادات پیر امامی سید پیر امام بن سید مسعود بن سید عبدالوہاب بن سید مصطفٰے بن سید علی ترمذی پیر بابا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی اصحابہ اجمعین

سید الانبیاء احمد اجتبیٰ محمد مصطفٰے ﷺ کی دختر نیک اختر سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا بنت محمد رسول ﷺ اور شوہرش علی مرتضیٰ عمزادۂ رسول اللہ ﷺ کا فرزند امام ابو عبداللہ الحسین شہید کربلا۔امام علی زین العابدین۔سید امام محمد باقر۔امام جعفر صادق۔امام موسیٰ کاظم۔امام علی رضا۔امام محمد تقی۔امام علی نقی۔سید جعفر خلیل اللہ۔سید علی اشقر سید عبداللہ۔سید احمد ابو یوسف۔سید محمود۔سیّد محمد۔سید جعفر۔سیّد ابو المؤید حضرت امیر علی مخدوم اعظم حضرت سید جلال گنج العلم بخاری۔سید شاہ ناصر خسرو۔سید حسام۔سیّد محمد۔سید عمر۔سید جعفر۔سید عثمان۔سید اسحاق۔سید محمود۔سید حامد ۔سید شاہ ابو تراب۔سید احمد مشتاق۔سید احمد براق۔سید احمد ہیثم۔سید محمد نور بخش ترمذی۔سید یوسف نُور۔سیّد احمد نُور۔امیر نظر بہادر سید قمیر علی میرزا۔سید علی ترمذی غوث بونیر قدس سرہٗ۔معروف پیر بابا سید مصطفٰے۔سید عبدالوہاب۔سید مسعود۔سید پیر امام سید سعد الدین۔سید احمد سید یوسف جد سادات صوابی۔سید جمال شاہ۔سید غلام شاہ۔سید پیر مبارک شاہ۔سید پیر سرور شاہ

سیدان میرہ اولاد سید حسین بن سید احمد			سیدان صوابی اولاد سید یوسف بن سید احمد		
سید حضرت شاہ نُور	سید قاسم شاہ	سید مصطفٰی	سید جمال شاہ	سید جلال شاہ	سید صدر علی ...
سید شاہ دوران	سید عارب شاہ	سید قطب شاہ	سید عمر شاہ	سید غلام شاہ	سید شیر ...
سید معصوم	سید امیر شاہ	سید محمد شاہ	اسد اکبر شاہ	سید گوہر شاہ	سید پیر مبارک...
سید محمود شاہ	سید سجاول شاہ	سید سلطان	شاہ سید احمد شاہ	سید رسول شاہ	سید اسلم شاہ
سید حسین شاہ	امیر سکندر	سید فرمان شاہ	سید پیر سرور شاہ	سلطان شاہ	

سید سعد الدین

سید احمد شاہ

سید یوسف شاہ

سید حضرت نور

سید جمال شاہ

سید غلام شاہ

پیر مبارک شاہ

پیر سرور شاہ

دوران شاہ

نظام شاہ

عمر شاہ

جمال شاہ

شاہ مدار

لطیف شاہ

عطر شاہ

زمان شاہ

شاہ گل

شاہ گل

فرید شاہ

خاندانِ سادات ناواگئی چملہ

سید رسول — سید جلال — سید اعظم — سیدان شاہ — سید حسن

علی اصغر — قطب شاہ — نور صاحب بابا — سید عمر

شاہ سید — میر صاحب

صاحب گل — بوڑی شاہ

سید جبار — پیر جمال — نور جمال

سید فیروز — سید علی حیدر

حضرت علی

محمد عمر — علی مقتدر

سید حضرت جمال — سید شاہجہان

باچا گل — میراجان

حضرت داؤد — حضرت عثمان — حضرت عبداللہ جان

محمد اکبر — عبدالاکبر

ہر دو لاولد اور مقتول ہوئے

الغرض حضرتؒ کی اولاد جس قدر کثرت سے پھیلی اور اسی قدر وہ جد امجد اپر گنوں اور ممالک میں بڑی بڑی جاگیروں اور جائدادوں کے مالک بھی ہوئے۔ اور ان میں ایک سے ایک صفاتِ حسنہ سادات سے متصف رہا۔ چار علامات سیادت ہر جگہ اس نسل میں نمایاں پائی

پائی گئیں،

۱۔ وجاہت ۲۔ شجاعت ۳۔ سخاوت ۴۔ دیانت

ان میں اُمراء و علماء و حکام و اولیا اللہ ہو گزرے ہیں۔ حضرت سید عبدالوہاب تک بلکہ اس کی اولاد سید مسعود سید جلال فاتح پکھلی و سید جمال مسند نشین افغانستان کے حالات اب تک لکھے جا چکے ہیں۔ اس کے آگے چونکہ مرکزی خاندان بنیر میں رہ گیا تھا۔ اس کے حالات علیحدہ ہیں اور خاکسار مولف کا تعلق انہی کے ساتھ ہے۔ اس وجہ سے اسی حصہ کے کسی قدر معلومات بھی حاصل ہیں اور اس کے بعد وہی تحریر کروں گا۔ اور حضرت قاسم برادر سید عبدالوہاب کی اولاد کے مزید حالات سے بہت کم آگاہی ہے۔ اس لئے وہ حصہ کم آئے گا۔ سید قاسم کی اولاد فوج در فوج سوات میں خصوصاً بالاسوات میں ہے۔ ایسا ہی سید حسن برادر سید عبدالوہاب کی اولاد کی تفصیل اور اس نسل کے نام آور بزرگوں کے حالات سے بے خبر ہوں۔ بلکہ خود اولاد سید عبدالوہاب کی جو نسل سید جلال فاتح پکھلی و شمال ہزارہ کی اولاد سے چلی ہے۔ ان کی تفصیلات سے بے خبر ہوں۔ ایسا ہی سید جمال بن عبدالوہاب کی اولاد کی تفصیلات سے جو وادی کنٹر افغانستان میں بڑے کبراء و اُمراء و علماء و اولیا اللہ گزرے ہیں۔ مکمل تفصیل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں ان کے حالات لکھنے سے بھی معذور ہوں۔ صرف اسی قدر جانتا ہوں کہ ہمارے اپنے زمانہ تک سید محمود شاہ بادشاہ اور میر صاحب جان باچا بڑے اشخاص گزرے ہیں۔ تمام عالم اسلام کے داعی اتحاد اسلام سید جمال الدین افغانی جس کی وفات ۱۸۹۷ء میں میری بلوغت کے عہد میں قسطنطنیہ میں ہوئی وہ سادات کنٹر میں سے ہی تھے۔ اور بعد ازیں مرکزی شاخ میں مسند نشین سید مسعود کی کثیر اولاد میں سے سید خواجہ نور تھے جس کی اولاد کو بھی اپنی تمام برادری میں خاص امتیاز حاصل ہے۔

سید خواجہ نور قطع نظر علم و فضل و ولایت کے بڑے مدبر اور تمام قبائل و اقوام میں مرجع وجود تھے۔ پشتو زبان کا ایک شعران کے زمانہ کا زبان زدان کی تاثیرات کی ترجمانی میں ایک واضح ثبوت ہے جو اس کی نسبت کہا گیا ہے۔

چہ یو عالم او بل بادشاہ شوے
نو ستالہ بختہ خوک سیالی کا خواجہ نورہ

یعنی جب کہ ایک تو عالم ہو اور دوئم بادشاہ ٹھہرے تو تمہارے بخت اور خوش قسمتی کی ہمسری کون کرسکتا ہے۔ اے خواجہ نور بہت سارے اہم مہمات ان کے عہد میں قابل ذکر و اندراج گزرہوں گے، مگر میں بوجہ کمیابی حالات اولاد کی تفصیل لکھنے سے بھی معذور ہوں کہ کتنے بیٹے تھے ان کی اولاد سادات منگل تھانہ و سادات گباسنی و گبائی میں بہت ہے۔ مگر ان کے اجداد کے نام یاد نہیں۔ صرف آپ کی مسند اور سجادہ و مارت کے وارث اپنے جد سید محمد شاہ کا نام یاد ہے جو ایک گوشہ گزیں اور زاویہ نشین بزرگ تھے۔ اور ان کی اولاد کی دیگر تفصیل سے بے بہرہ ہوں بجز صاحب مسند و صاحب نام و عزت سید مرزا شاہ اپنے جد کے بغیر جو جس قدر کثیر الاولاد ہیں۔ اسی قدر ان ممالک میں نامور اور مشہور صاحب تمکنت و جاہ ہے۔ البتہ ان نزدیک ممالک بنیر وجملہ وسمہ علاقہ صدوم ضلع مردان وغیرہ سمہ میں اور بُنیر میں ان سب کی اولاد بھی کثیر اور خوشحال فارغ بال بہت ہیں۔ جن کے بزرگوں کے معلوم نہ ہونے سے ان کا ذکر نہ لکھا جاسکا۔

سید مرزا شاہ کی اولاد کی تفصیل اس جگہ واضح شجرہ میں درج ہے۔ اس لئے کہ میرے چچا والد کے وقت تک اس کل خاندان کو واحد خاندان شمار کیا جاتا تھا۔ باوجود یکہ مرکزیت اور منصب امارت تختہ بند بونیر سے سید ضامن شاہ فرزند اکبر و مسند نشین حضرت سید مرزا شاہ نے قدیم مرکزیت تبدیل کر کے ستھانہ میں منتقل کر دیا تھا۔ مگر با ایں ہمہ کل اولاد و سید مرزا شاہ کو واحد خاندان سمجھا جاتا رہا۔

فصل چہارم

سید ضامن شاہ مورث سادات و اُمرائے ستھانہ

سید ضامن شاہ فرزندِ اوّل و صاحب منصب و امارت سید مرزا شاہ کے تھے۔ بنیر تختہ بند میں قریباً ۱۱۱۱ھ و ۱۷۰۵ء میں تولد ہوئے۔ ان کی والدہ افغانیہ تھی۔ فرقہ شیر پائے دولت زئی کے خان کی لڑکی تھی۔ جب کہ آپ مادرِ شکم میں تھے والدہ نے خواب دیکھا کہ سُورج اور چاند دونوں آسمان سے اُتر کر میری گود میں آپڑے ہیں۔ معزز بزرگوں نے کہا مولود مسعود چاند کے مانند ضوفشاں و فیض رساں پیدا ہوگا۔ جب آپ تولد ہو کر ہوشیار ہوئے، تو عجیب قسم کی سخاوت اختیار کی۔ والدہ کی زندگی میں ہی سخاوت کا چرچا ہو گیا تھا۔ مگر ان کی مسند پر متمکن ہونے کے بعد تو املاکی اور قصبے بخشے جانے لگے اور گھوڑا ہتھیار، گاؤں زمین اور نقد و زیور جو کچھ ہاتھ آتا وہ سائلوں کو دے دیتے تھے۔ ایسا ہی دوبارہ وطن میں ہوا ہے کہ جائداد آبائی جو سات بھائیوں میں مشترک تھی۔ جب آپ نے اکثر حصہ جائداد کا لوگوں کو بخش بخش کر دیا تو یوسف زئیوں کے کبراء کا جرگہ جمع ہوا۔ (کانفرس ہوئی) اور ان عطیات کو ناجائز قرار دے کر جن جن کے زمینی املاک تھی، وہ دو مرتبہ قومی جرگہ نے واپس لے لی۔ آپ کے خیالات بہت بلند ہمت اور اولوالعزمانہ تھے۔ آپ سخت مزاج اور انتہائی بہادر، بے خوف، دلیر اور بیحد جواد اور قوی تن نہایت حسین و جمیل شخص تھے۔ آپ کا عزم مصمم یہ تھا کہ اجداد کے کارناموں کو زندہ کیا جائے اور مزید فتوحات کی جائیں۔ اور اس ارادے سے بادشاہ دہلی کے پاس جانے کا عزم مصمم کر چکے تھے اور اپنے ہمراہ چند سو سپاہی جری بُنیر وال ہمراہ لے لئے۔ اسی اثنا میں کہ وہ ترک وطن پر آمادہ ہو گئے۔ ممکن ہے جائدادوں کو واپسی کے جرگوں میں بُنیر کے ایک بڑے خان کی زبان سے کوئی لفظ ہتک آمیز ان کے نسبت نکلا تھا، مگر یہ پہلے بے خبر تھے جب ان کو وہ بات پہنچی تو نوجوانی کی عمر تھی اور آپ شادی شدہ نہ تھے۔

اس خان کے ساتھ کسی جگہ مقابل ہوئے تو اس نے پوچھا کہ تم نے ایسی باتیں کہی ہیں۔ اُس نے اقرار کیا اور مغرورانہ جواب دیا تو اُس نے اس کو مقابلہ کے لئے بلایا وہ بھی مقابل ہوگیا، مگر ان کے ہاتھ سے وہ قتل ہوگیا۔ اب انہوں نے اپنی روانگی چند مہینے ملتوی کر دی کہ مبادا یہ نہ کہا جاوے کہ ضامن شاہ ایک خان کے قتل کی وجہ سے ملک بدر ہوگیا ہے۔ مگر جب وہ معاملہ ختم اور معدوم ہو چکا تب چند صد سپاہی ساتھ لے کر اول پشاور کو گئے اور بادشاہ دہلی کے گورنر سے ملے۔ جس نے ان کو بطور جاگیر نوشہرہ کلاں جس میں اب چھاؤنی ہے، بطور ہدیہ دے دیا اور مراسلات تعارفی بھی دہلی کے وزارت کے نام دیئے۔

میں نے سنا ہے کہ وہ ان معمولی عطیوں کو اپنی بخشش کا ناشتہ سمجھتے تھے، نوشہرہ کو آئے اور فرمایا مجھے یہاں رہ کر کیا کرنا ہے، جو کوئی خرید لے میں فروخت کرتا ہوں۔ یہ معلوم مجھے نہ ہو سکا کہ خریدار کون تھا، مگر سکہ مروجہ کے آٹھ سو روپیہ نوشہرہ کا قصبہ معہ اراضیات فروخت کر دیا اور دریائے اٹک سے پار لشکر کشی میں اُتار تو یہ روپیہ ملاحوں کو دے دیا۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ دریا میں آٹھ سو روپیہ پھینک دیا، مگر یہ روایت ان کے ہمدردوں کے الفاظ سے بنی ہے کہ گویا آٹھ سو روپیہ صرف دریا پر اُترتے ہی پھینک دیا گیا۔ دریا سے پار اتر کر علاقہ چھچھ کے علاقے سرکانی قبیلہ کا ایک افغان نواب یار خان تھا جس کا نام مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ اس کو علم ہوگیا کہ حضرت علی ترمذی کی مسند خاص کا وارث معہ لشکر کے ملک میں داخل ہوا ہے۔ وہ استقبال کے لئے آگے گیا۔ اور آپ کو بمنت اپنا مہمان بنا کر اپنے گاؤں موضع جلالیہ میں لے گیا اور ارد گرد کے خوانین کو بھی خبردار کر کے ایک گونہ جلسہ خوشنودی کا مرتب کیا۔ تب اُس نے آپ سے عرض کی کہ میں بھی اپنی استعداد کے مطابق ہدیہ آپ کو دینا چاہتا ہوں، مگر آپ وعدہ کریں کہ مسترد نہ کریں گے۔ سید ضامن شاہ نے خان کی بے حد عقیدت مندی اور محبت بھری مہمان نوازی محسوس کر کے قبول کیا کہ آپ کی پیش کش مسترد نہ کروں گا۔ تب اس نے آپ سے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ آزادانہ طبیعت کی وجہ سے جس سفر پر جا رہے ہیں۔ یہ عام علائق و تعلقات یکسو چھوڑ کر آپ نے اختیار کیا ہے اور وطن میں بھی متاہل نہیں ہوئے مگر میری دلی آرزو ہے کہ آپ میری بیٹی کو اپنے حبالۂ نکاح میں قبول کر لیں۔ اور اپنے عقد میں کر کے پھر چاہے یہاں چھوڑ جائیں یا ہمراہ لے جائیں۔ یوں بھی آپ کا ایک قافلہ ہے۔ آپ اگرچہ اس وقت

متاہل ہونا نہ چاہتے تھے، مگر سب لشکریوں اور ہمراہیوں نے بھی صلاح دی کہ اس میں حرج نہیں ہے اور ایک سوتیلا بھائی آپ کی سید علی شاہ شریک سفر تھا۔ اُس نے بھی صلاح دیدی اور خان موصوف کی بیٹی اس نے زر و جواہر اور گھوڑے غلام کنیزوں کے ساتھ آپ کو بیاہ کر دی۔ (اس بی بی کے ہمراہ ایک غلام و کنیز جتا و جنئ نام آئے تھے جن کی اولاد حکومت بادشاہت کے زمانہ میں خانہ زاد غلام معتمد خاص بہ مسمیان میر و فجیر اور وزیر وغیرہ بڑا خاندان تھا اور مشہور معتمدان حکومت تھے) آپ کی شادی اس سے پہلے نہ ہوئی تھی۔ آپ نے یہ پسند کیا کہ اس بی بی کے لئے اپنے والد سے جُدا ایک مکان آباد کرا کر اس میں اس کو ملازموں کے حوالہ چھوڑ کر اپنا سفر جاری رکھیں۔ آبادی کا ذمہ تو سب خان نے لیا، مگر اس زمانہ میں چوب عمارتی اس کے لئے دریائے سندھ کے پار سے لائی جاتی تھی۔ اس نے آپ نے قبیلہ اوتمان زئی کے پاس اپنے آدمی موضع ٹوپی گوٹھ کو روانہ کئے کہ چوب عمارتی کا بندوبست وہ کرا دیں۔ اب اس جرگہ کو اصلیت معلوم ہوئی کہ یہ تو مرکز بنیر کا سب سے بڑا نامی سردار چھچھ میں آباد ہے۔ اور وطن سے نکل کر دہلی جا رہا ہے اور چھچھ میں مکان بنواتا ہے تو اوتمان کا پورا ایک وفد چھچھ میں آپ کے پاس جا پہنچا۔ اور سب نے بہ منت آپ کو آمادہ کیا کہ اسی قبیلہ کی طرف سے آپ کے والد سید مرزا شاہ کو چملہ میں بہت بڑی سیری نادا گئی میں ہبہ اور ملکیت اراضی دی ہوئی ہے۔ تو آپ اس میں آبادی نہ کریں، بلکہ ٹوپی میں جو اوتمان زئیوں کا مرکز ہے، وہاں آبادی سکونت رکھ کر پھر دہلی جاویں چونکہ یہ امر صحیح تھا کہ اس قوم کا عطیہ نادہ گئی کی اراضیات پر ان کا حقیقی بھائی سید یوسف اسی کو متمکن کر کے چھوڑ آیا تھا۔ اب اپنے عیال کا بجائے چھچھ میں باپ کے گھر چھوڑ جانا پسند نہ آیا بلکہ بجائے اس کے اوتمان زئی زمین کے اندر ٹوپی میں مکانات بنوانا اور عیال کا قیام پسند کر کے یہاں آ گیا اور حویلیوں کے واسطے اوتمان زئیوں نے اس وقت جو محلہ اکازئیوں کا ہے اس میں وسیع رقبہ اور مکانات آپ کو ہبہ دے دی ہو کہ اس ہمارے وقت میں بھی ہمارے خاندان کے نام سے وہ حویلیاں سیر موسوم اور اہلِ قریہ کو معلوم ہیں اب اوتمان زئیوں کو ایک غائبانہ طاقت ہاتھ آ گئی اور انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے پسند کر لیا کہ جس طرح جلالیہ چھچھ کے خان نے بہ ہر عذر اپنے رشتہ کا پیوند اس خاندان سے وابستہ کر کے اپنے لئے ایک قومی طاقت کے ساتھ وابستگی پیدا کر لی ہے اسی طرح ہماری

قوم اوتمان زئی یوسف زئی قبائل سے کونے اور کنارہ پر واقع ہے جس کی سرحد تنول کے
کی ریاست سے بھی ملی ہوئی ہے جو کیا وکبل ہے اور خدوخیل قبیلہ سے بھی ان دنوں ان
زئیوں کی مخالفت تھی۔ وہاں کے لئے بھی طاقت درکار ہے۔ اور ہزارہ تربیلہ میں بھی
مالکانہ دخل اور سکونت رکھتی ہے۔ اور یہ شخص بذات خود اس خاندان کی مرکزی طاقت
کے ایک ایک فرد کو قبائل نے اپنی حفاظت ملک کا تعویذ جان کر باہم بانٹ لیا ہے اور
بڑے املاک دے کر بھی اپنے قبائل کے اندر سکونت پر راضی کیا ہے۔ لہٰذا اس نعمتِ عظمیٰ کو
سے ہرگز جانے نہ دیا جاوے۔ لہٰذا مکانات تو محلہ اکازیاں شہر ٹوپی میں آپ کے لئے
دیئے اور آپ کے لئے قصبہ جھنڈہ وقصبہ بو کر بطور ہبہ وسیری جدید آپ کو دے دیئے گئے
جب عیال آپ کے ٹوپی میں ہوں گے تو حاصلات اِن دو گاؤں کے ان کے کام آویں گے۔
آپ اب تک اپنے ارادہ سفر دہلی سے رُکے نہ تھے۔ اور عیال بھی ابھی ٹوپی کو لائے نہ تھے
اتنے میں کبل اور کیا کہ اوتمان کا جرگہ اپنی برادری قوم ٹوپی کے پاس جا پہنچا۔ انہوں نے
مسئلہ پیش کیا کہ خدوخیل قوم کا مقابلہ اس لئے قوم کو آسان ہے کہ مرکز کل قوم کا نزدیک
اور اگر یہ قوم خدوخیل کی املاک نہ چھین لیوے تو خدوخیل ملک ان سے چھین نہیں سکتے۔ مگر
کبل کی طرف ایک وقت تو اوتمان زئیوں نے پیش قدمی کر لی اور قوم تنولی سے وہ ملک
وقتوں میں لے لیا گیا، مگر اس وقت یوسف زئیوں میں علی اصغر بادشاہ تھا۔ اب ان میں کوئی
حکومت نہیں۔ اور اب تنولی قوم میں ایک بڑی طاقت اور ریاست موجود ہے جس کی وجہ
تنولی غالب اور اوتمان زئی مغلوب وکمزور ہیں۔

تنول و اوتمان سرحد پر اگرچہ منڈی۔ گلی۔ گہائی۔ گہباسنی۔ چنی برگ وغیرہ اوتمانزیوں کی
دی ہوئی سیریاں ہیں۔ کثیر اولاد حضرت پیر بابا کے پاس ہیں، مگر ریاست وخاقان اولاد صو
خان کی طاقت بڑھ گئی ہے اور طاقت کو صرف طاقت ہی روک سکتی ہے۔ لہٰذا وہ ملک ای
صاحب طاقت شخص کو دیا جانا لازم ہے اور سرحدی گاؤں ستھانہ ہے جو زمین آبی زرخیز ہے کہ
تربیلہ زیر آب زمین ہے یا ستھانہ مگر اس میں اوتمان زئیوں کا ایک فرقہ یارہ خیل تنولی کو لشکر لے
رات میں شب خون و حملہ کر کے قتل کر دیا ہے۔ اس لئے ملک کی حفاظت کے عین دروازہ کو
ضامن شاہ کو دیا جائے۔ اور اس کی سکونت اس جگہ مقرر کی جائے تا کہ مُدّت العُمر اوتمان کا

ملک تنولی خطرات سے محفوظ ہو جاوے۔
جب یہ بات متفقہ کونسل اوتمان زیان نے پسند کر لی تو یہ معاملہ سنایا ساتھ ہی یہ بھی کہا
کہ جملہ میں ناواگئی کا رقبہ ناواگئی کی املاک ان کے حقیقی بھائی سید یوسف کے قبضہ
میں ہے۔ البتہ ناواگئی میں ایک خاص رقبہ زرعی اراضی کا ضامن شاہ کا ذاتی حصّہ ہے۔ جس کا
نام میر خانے کی وِنڈ ہے، آپ کو دے کر اور کوہ مہابن میں ملکا کا گاؤں دے کر ہم اوتمان زئی
آپ کے خاندان سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اب ہمارا ایک گونہ حق حفاظت کا آپ پر عائد
اور واجب ہے کہ اس مرض کا علاج ہم سب قوم سے ناممکن ہے۔ ایک بڑی حکومت اور
ریاست کے ساتھ مقابلہ آن پڑا ہے کہ ہم سے یہ قطعۂ ملک ضرور چلا جاوے گا، اگر آپ سینہ
سپر نہ ہوں، چونکہ یہ ایک سوال آ گیا جس میں ایک قدیم احسان کنندہ قبیلہ کی جگہ ایثار وقربانی کا
معاملہ تھا اور یہ بھی کہ ہمت اور بہادری اور ایک بڑی طاقت کے ساتھ ٹکرانے کا کام تھا۔
حضرت نے اس کو قبول کر لیا اور دہلی جانے کے ارادہ کو چندے ملتوی کر دیا، مگر آپ نے اُس
قوم کو یہ کہا کہ بے شک تمہاری جگہ سینہ سپر ہو کر انشاء اللہ تمہارے دشمن کو ایک دفعہ میں کچل
دوں گا۔ مگر میری اولاد ممکن ہے قبائل تنولی کو دشمنی کا مقابلہ ہمیشہ نہ کر سکے اس لئے میں تم سے
ہبہ وسیری کے طور پر ستھانہ کی زمین نہیں لیتا، بلکہ تمہارا ملکیت شریک برادر بن کر برادرانہ حصہ
اور دختر افغانیت کا بنا کر لیتا ہوں۔
اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ملکیت قومی کا حصّہ ہو کر جب ستھانہ لیا گیا تو اس کی حفاظت
کی ذمہ داری کیا کبل کے علاوہ تمام قوم اوتمان زئی پر یکساں عائد ہوتی ہے۔ مقامی طاقت تو
خود سادات کی ہو گی، مگر جب ایک طاقت در حکومت اور قوم سے دائمی مقابلہ ہوا تو اُس صورت
میں ساری قوم کے تعاون اور افغانیت کا ذمہ دارانہ فرض ہو گا کہ ستھانہ کو امداد دیں۔ سیری جس
کو کہتے ہیں، وہ آباء اجداد کی دینی حُرمت وعزت کے لحاظ سے بیچ بچاؤ کراتی ہے، مگر یہاں
معاملہ جنگ ومقابلہ کا ناگزیر ہے۔ لہٰذا کل قوم بطور لشکر امدادی ہو گی اور سید ضامن شاہ خود سینہ
سپر ہو گا، تب حفاظت ممکن ہے، مگر سید نے ایک سخت شرط اس قوم سے اپنے حوصلہ اور بلند ہمت
کی وجہ سے یہ ہی مقرر کر لی کہ میں جو ستھانہ کی سیری نہیں لیتا، بلکہ برادرانہ حصہ افغانیت کا بنا کر
لیتا ہوں اور تم کو ستھانہ کی امداد پر مجبورانہ ذمہ داری میں شریک کرتا ہوں۔ یہ اپنی زندگی اور

موجودگی کے لئے ہرگز نہیں بلکہ اپنی زندگی میں ہرگز ہرگز ضرورت پڑے تو ہی اوتمان زیوں
سے لشکری امداد نہ لوں گا، بلکہ میرا خیال ہے کہ میں زندگی میں ہی تنول کی قوم اور ملک کو مطلوب
کر کے چھوڑوں گا۔ اگر میں نہ رہا اور میری اولاد میں اس قدر ہمت اور حوصلہ نہ ہوا تو تنول
میرے ہاتھ سے ضرب کھا چکے ہوں گے۔ وہ میری اولاد سے انتقام لینے کے لئے ستھانہ پر حملہ
کریں گے تمہاری قوم کا مرکز ستھانہ سے ۲۵ میل دور ہے اور تنول ملحق و متصل ہے یہ پیش بندی
میں آئندہ کے لئے کرتا ہوں۔

چنانچہ اسی پر فیصلہ ختم ہوا کہ موضع کیا کی املاک کے دو حصے قرار پائے اور ستھانہ ہر دو گا
کی املاک کو سویم حصہ مساوی بنا کر بطور ہبہ و سیری بلکہ بطور ملکیت قومیت و افغانیت دو ختر سید
ضامن شاہ کو سپرد کر دیا۔ بلکہ موسیٰ خیل میں سے بہرام ملک نے کہا کہ میں نے اپنا حصہ سیری
دیتا ہوں۔ ملکیت کے طور پر نہیں دیتا۔ تو آپ نے کہا تم قیمت لے لو کہ تمہارا حق ملکیت میں
نے خرید لیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بہرام ملک ہسو خیل نے اپنا روپیہ لے کر حق فروخت کیا۔
دراصل یہ عمل اسی غرض کے استحکام کے لئے کیا گیا کہ ستھانہ سیری نہیں برادرانہ حصہ ملکیت ہے
اور آپ ستھانہ میں آ گئے چونکہ سید صاحب کو اباء نامداد کے کارنامے اسی تنول اور سواتی ملکوں
کے متعلق معلوم اور یاد ہے۔ اس لئے ستھانہ کی سکونت کو آپ نے اسی وجہ سے بہت پسند کیا کہ
تنول و ہزارہ کا اس جگہ اتصال ہے اور آپ کی نظر ہزارہ پر قبضہ کی تھی۔ اس لئے سکونت ستھانہ
کو لے آئی ہنیر وال سپاہی ہمراہ تھے۔ جب آپ کے حرم محترم اختر خاں جلالیہ کو ڈولی میں ڈال
کر ستھانہ کو لے جا رہے تھے۔ ہنیر وال سپاہیوں نے ڈولی کے اوپر اعلیٰ قسم سرخ بنات کا پوش
دیکھ کر کہا کہ اس قدر بنات کلابتوں دوز کو بے کار چیز میں ہم نہیں دیکھ سکتے ہو تو آپ نے پوچھا
کہ تم کیا کرو گے سب نے کہا آپ ہم کو اس غلاف کے ٹکڑے کر کے ہم کو بانٹ دیویں کہ ہم
اپنی ڈھالوں کے اندر طرف گدیوں پر یہ بنانات کلابتوں دوز لگا دیں گے، چنانچہ آپ نے
سپاہیوں کا دل جوئی کی خاطر اور فطری سخاوت کے جذبہ میں اس ڈولی کے اوپر اور کپڑا لپیٹ دیا
اور بانات سرخ معہ جھالر طلا کاری وغیرہ سپاہیوں کو ٹکڑے کر کے بانٹ دی۔

یہ ایک قدیم روایت چلی آئی تھی کہ آپ کی سخاوت کے قصوں میں یہ بھی لکھ دی گئی۔
غرض ستھانہ میں قیام پذیر ہو کر آپ نے اس جگہ سے خان تنول کے ساتھ پیغام روی جاری کی

اور اس کو یاد دلایا کہ جب ان کے ملک کو قدیم سواتی قوم کے سیلاب سے خطرہ یقینی ہوا اور
حضرت سید جلال فاتح پکھلی کے لشکر کی وجہ سے ملک کو اور املاک کو معرض ہلاکت نہیں دیکھا اور
ہمارے جد بزرگوار سیّد مسعود سے تدبیر و امداد دو فرزند طلب کر کے مانگی تو اس نے منظور کر کے
تمہارے املاک محفوظ کرائے گئے۔ اب تمہارے تنول کے ملک میں ہماری برادری سادات پیر
بابی اور اولاد نجم الدین جا بجا بہت ہیں اور اندریں صورت ہمارے تمہارے درمیان اختلاف
اور مخالفت کی کوئی صورت نہیں اور مجھ کو چونکہ اوتمان زیوں نے ستھانہ بطور حصہ برادری دے کر
تمہارے سرحد سے متصل بٹھا دیا ہے۔ لہٰذا ہم آپس میں دوست اور نیک ہمسایہ ہو کر رہیں نہ یہ
کہ مخالف ہوں۔

میں اس بات میں جدائی نہ کر سکا کہ اس وقت خان تنول کا گل شیر خان تھا یا اس کا والد
سرفرزا خان تھا جو صوبہ خانی خانوادہ کی مسند پر کل تنولی قوم کے سردار اور طاقت ور خان
تھے۔ اغلب قرینہ یہ ہے کہ اس وقت سرفرزا خان والیِ تنول تھا۔ وہ ان دنوں اپنے املاک
دریائے سندھ کے مغربی کنارہ پر اشرواشیر بستی وغیرہ کی حدود کوہ مہابن سے ملا چکا تھا۔ اور
کیا کبل گویا وہ اپنے ہاتھ میں فتح شدہ سمجھ چکا ہوا تھا۔ پچھلے واقعات اس سے اس لئے فراموش
تھے کہ وہ ہر دو قبائل پلال و ہندوال قوم تنولی کا متحدہ سردار اور بڑی طاقت کا مالک تھا لہٰذا اس
نے صلح جوئی پسند نہ کی۔ نہ معلوم کیا جواب روانہ کیا کہ مخالفت کا اعلان ہو گیا۔ دراصل ستھانہ کی
املاک کے اندر ایک مختصر رقبہ موضع منڈی کا سیری اولادِ سید نجم الدین کی تھی۔ اور جب ستھانہ
ویران پڑا تھا افغان قبضہ نہ رکھ سکتے تھے تو وہ تمام پہاڑ میدان ان ساداتِ منڈی ہی کے زیر
کاشت وزیر اثر تھا۔ اس قومی طاقت کے آ جانے سے طبعاً ان کو نقصان تھا۔ وہ بمنزلہ غلام و
ماتحت کے ہو گئے، مگر ادھر یہ بڑا ذی احترام عالی خیال بزرگ تھا۔ اور یہ غریب سادات اس
کے پڑدادا سید خواجہ نور کے حقیقی بھائی سید نجم الدین کی اولاد تھے۔ اس نے کب ان سے بدسلو
کی کرنی تھی بلکہ اس کے مشورہ کار ہی ہر کام میں یہ سادات منڈی ٹھہر گئے اس نے تو ان کو
صرف دو پشت سے پہلے جدا شدہ اپنے جان اور دل کے ٹکڑے بھائی سمجھا اور ہر امر میں ان
سے صلاح مشورہ برادرانہ لینا اور ان کو معزز رکھا اختیار کیا ہوا تھا۔ اس کی نظر بہت بلند تھی مگر وہ
کم حوصلہ کوتاہ نظر تھے۔ اس کے ساتھ ظاہرداری تھی۔ اور دل سے خواہاں تھے کہ اس کے پاؤں

نہ جمنے پائیں تا کہ یہ ملک بے سرپرست اور بے مالک ان کے لئے اراضیات و چراگاہیں مطو
ان کے قبضہ میں رہیں، نیز یہ خاندان اولادِ نجم الدین بنیر جوان کا لایا ہوا تنول کے اندر
گاؤں سیریان ان کے مقبوضی تھے۔ لہٰذا خان تنول اس کا مربی اور دوست تھا یہ خاندان
خان کا ہی تھا۔ سید ضامن شاہ نے اس حقیقت کو نہ سمجھا اور نہ معلوم کیا ہوا تھا۔

ان میں سے ایک سید نادر شاہ نام خان تنول کا صلاح کار تھا، ادھر خان کو مخالفت پر آمادہ
کیا۔ اور ہر اس کو خان کی بد نیتی اور ٹھگی کی خفیہ اطلاعیں دے کر گویا عمداً تدبیر اپنے
دونوں کو رکھ لیا اور خان تنول و سید ضامن شاہ کی صلح کا پیوند ہرگز ہونے نہ دیا گیا۔ اغلب یہ
کہ خانی اس وقت سرفراز خان والد گل شیر خان کی تھی۔ اور ان کا آپس میں اعلان مخالفت کا
گیا مگر سید کا رعب اور دباؤ اس قدر تھا کہ اس پر حملہ آوری کچھ تو قدرتی روک تھی۔ دریا
سندھ پہاڑ سے ٹکرایا ہوا درمیان حائل تھا۔ جس کو کھٹری کہتے ہیں۔ اس سے گزار کر لشکر کا
لانا بھی مشکل تھا اور کچھ خطرہ بھی تھا، مگر خان نے اپنے شیر بستی کے نوکروں کے ذریعے
شب خون اور دھاڑے وغیرہ ایک دو مرتبہ ستھانہ پر کرائے۔ اب سید ضامن شاہ چونکہ اوتمان
زئیوں سے لشکر نہ منگوانے کا وعدہ بھی کر چکا تھا۔ اور اس کے خیال میں یہ بھی تھا کہ وہ اس مہم کو
ضرور فتح خود کر سکے گا۔ لہٰذا شہر ستھانہ کو برجوں اور فصیل سے مضبوط کر کے خود تنول سے شمال کی
طرف کوہ سیاہ کے قبائل عیسیٰ زئی یعنی حسن زئی مداخیل اکازئی چغرزئی وغیرہ کے ملک میں چلا
گیا۔ اور ان لوگوں کو لشکر تیار کرنے کا کہا جو فی الفور آمادہ و کمر بستہ ہو کر ملک تنول اور دربند کی
کلائی پر حملہ آور ہو گئے۔ قبائل افغانی کا لشکر نہایت غُرور و تمکنت سے تنول میں آداخل ہوا اور
مواضعات تیربٹ و گرمٹی ومیرہ کے قریب تنولی قبیلوں اور خان کے لشکر کے ساتھ نہایت سخت
مقابلہ واقعہ ہوا، مگر آخری فتح تنول کے لشکر کو ہوئی۔ اور افغان لشکر نے شکست کھائی۔ بلکہ بعض
لشکر پٹھانوں کے دریا کی طرف روک لئے گئے۔ جو بعض دریا میں ڈوبے اور بعض تنولیوں نے
قتل کر دیئے۔

جب یہ شکست خوردہ لشکر واپس ہوا تو دوبارہ وہ لوگ اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ سید
ضامن شاہ کے آگے لشکر کشی کے بارہ میں انکار ہی نہ کر سکتے تھے، مگر عذر بہانے کرتے ہوئے
ٹالتے رہے اور اس پر ایک سال کا عرصہ گزر گیا اور اس علاقہ جات میں آپ کی ذاتی املاک

... زیادہ تھیں یعنی مداخیل علاقہ میں مہابرہ کا گاؤں سیری آپ کی ذاتی ملکیت تھا اور حسن زئی
... میں نانکیڑے کا گاؤں جس کے ساتھ قریباً چودہ پندرہ داخلیاں چھوٹے دیہات میں آپ
... مداخیلوں کو املاک مہابرہ کے حاصلات چند سال تک بخش دیئے اور حسن زئی فرقہ کو
... کے حاصلات چند سال کے لئے عطا کر دیئے، مگر لشکر پر آمادگی نہ ہو سکتی تھی، جب
... سال قریب ہو گیا تو آپ ان دنوں حسن زئی علاقہ کے موضع گڑھی حسن زئی میں تھے اور وہاں
... اس قوم کا صد سالہ بڈھا ضعیف العمر افغان رہتا تھا جو بوجہ ضعیف پیری گھر سے باہر آنے
... قابل نہ تھا۔ وہ اپنے پڑوتے پوتے مددگار بنا کر گاؤں کی مسجد میں سید صاحب کے پاس
... اور اس دن مسجد میں ملک کے تمام اہلِ مشورہ بھی جمع تھے۔ بڈھے نے اہل جرگہ سے بے
... ہو کر سید صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔ بادشاہ میں اس حالت میں مشکل سے آپ تک دو
... باتیں کرنے کے لئے آیا ہوں۔ میرا کوئی سروکار ان بے غیرت بے حمیت عیسیٰ زئیوں سے
... ہے۔ میں تم کو سمجھتا ہوں کہ تم نے آسمان کے برابر بلند اور قدر دان و قابل قدر اپنے
... وجود کو کیوں بے قدر بنا دیا ہے۔ تم ان بے حمیت لوگوں سے لشکر طلب کرتے ہو حالانکہ لشکر کی
طلب کے لئے شکست کے دن سے بعد طلب تلاش کا فرض اس قوم کا اپنا ہو چکا تھا۔ چاہیے تھا
کہ ان کے اہل جرگہ تمہاری منت داری کرتے اور تمام یوسف زئی قبائل سوات اور دیر تک کو یہ
... جمع کر کے لاتے اور تنولیوں کو اس ملک سے صاف نکال باہر کر دیتے۔ آدمی قتل ان کی قوم
کے ہوئے بدنامی اور ذلت ان کی ہوئی جب ان کو اپنے مردوں پر غیرت نہیں تو آپ اپنے
اموال کا کیوں نقصان کرتے ہیں اور اپنی جان کیوں مصیبت میں مبتلا کر رکھی ہے۔ مارے بھی
ان کے لوگ گئے اور جو زندہ ہیں پیٹوں اور چوتڑوں پر تنولیوں کے زخم موجود ہیں۔ جب ان کو
... حیا در آئی نہیں تو آپ ان سے امید قطع کر لیں۔ ہماری خورد سالی کے زمانہ میں عورتوں کی
آستین تنگ ہوا کرتی تھیں۔ جب وہ پانی کا گھڑا اٹھاتیں یا اور بوجھ اُٹھاتیں تو ان کے بازو ننگے
نہ ہوا کرتے تھے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ عورتوں میں کشادہ آستینوں کا رواج ہے اور جب وہ
گھڑا پانی کا اُٹھاتی ہیں تو ان کی بانہیں بیچ تک ننگی نظر آ جاتی ہیں۔ ان عورتوں کو اس پر شرم نہیں
آتی۔ تو ایسی عورتوں سے پیدا شدہ اولاد بے غیرت بے حمیت نہ ہو تو کون ہو (پردہ کی رسم افغانی
قبائل میں نہیں ہے) شکست ان بے حیاؤں کو ہوئی اور اس کا انتظام کا اپنا فرض ہے، مگر

انعامات بھی آپ سے لیتے ہیں ۔لحاظ بھی آپ پر رکھتے ہیں اور لشکر کی ہمت بھی نہیں کر سکتے ۔آپ تو تمام اسلامی قبائل کے بادشاہ ہیں تنولی بھی آپ کو اپنا سرتاج مانتے ہیں ۔صرف خان ذرہ مغرور ہے جس کو سیدھا کرنا کل یوسف زئیوں کا فرض تھا مگر ان سے نہ ہو سکا لہٰذا آپ چپ چاپ اٹھ کر ان لوگوں سے الگ ہو جاویں ۔پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے بڈھا بابا کہہ کر اپنے آپ کو اٹھوا کر گھر چلا گیا ۔مگر بڈھے کی تقریر اسی دن چغرزئیوں کے ملک تک جا پہنچی ۔اور اسی دن یا دوسری شام تک عیسیٰ زئی قبائل کی عورتوں نے قاصد عورتیں بھیج کر آپس میں مشورہ کر کے اپنے شوہروں بیٹوں باپوں سے بالکل بے خبرانہ حالت میں اسلحہ بند ہو کر تلواریں بندوقیں لے کر لڑائی کے نشان لگا کر ایک میدان میں جمع ہو گئیں ۔سید صاحب بڈھے کی تقریر سے واقعی دل آزردہ ہو کر آمادہ ہو چکے تھے کہ واپس ستھانہ کو چلے جائیں کہ دوسرے دن تمام قبائل کوہ سیاہ کی عورتوں کے لشکر قبیلہ قبیلہ سے جمع ہو کر آ گئے ۔ان کے مرد احوال دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے اور انہوں نے جب عورتوں سے پوچھا کہ تم کیا کر رہی ہو عورتوں نے کہا کہ بے غیرت اور بے حمیت بزدل تم مرد ہو گئے ہو اور گالیاں فلاں بابا نے ہم عورتوں کو دی ہیں کہ تم ہم جیسی بے غیرت عورتوں سے پیدا ہوئے ۔اس لئے تم بے غیرت ہو بابا بھی مرد تھا اس لئے مردوں کی طرف داری کر گیا ۔اور واقعی تم تو بے حمیت ہو، مگر ہماری وجہ سے نہیں ۔ہم میں غیرت موجود ہے ۔اور ہم تنولیوں سے اپنے مقتولوں کا انتقام لے کر دنیا کو بتا دیں گی اور قسمیں اٹھائیں کہ ہم کو تنول پر حملہ ضرور کرنا ہے ۔

مرد ہر قبیلہ کے ہر چند منت بار تھے کہ اب بھی تمہارا گھروں سے لشکر پر نکل آنا ہماری روانگی ہے مگر تم گھروں کو جاؤ ۔ہتھیار ہم کو دے دو ۔مگر عورتوں نے نہ مانا اور کہا کہ اگر لشکر پر آمادہ ہو تو ہتھیار لے لو، مگر ہم سب لشکر پر جائیں گی ۔اگر تم نے انتقام لیا، ملک فتح کیا تو ہم ساتھ ہوں گے ۔اگر شکست کھائی تو ہم واپس نہ آویں گی ، بلکہ تنولیوں کو اپنے خاوند بنا لیں گی ہم بزدلوں کی اولاد نہیں ، نہ بزدلوں کی بیبیاں رہ سکتی ہیں اوتمان زئی بے غیرت ہو گئے ۔تم عیسیٰ زئی چغرزئی بے حیا ہو گئے تو آخر ذمہ غیرت کا اگر ہم نہ اُٹھادیں تو کیا تمام یوسف مندان بے حیا و بزدل ہو گیا ۔مرد حیران تھے مگر کسی طرح عورتیں واپس نہ گئیں ، اور لشکر اس جوش غیرت سے چغرزئی تک اٹھ آیا کہ کسی کو ہمت دلانے کی ضرورت نہ رہی ۔اور ایک سیلاب تھا ہو

[تنو]لیوں کے روکے نہ رک سکا بلکہ بہاؤ کی طرح تمام تنولی لشکر کو مقابلہ سے بہاتا ہوا، اُن کے [گاؤں] شہروں پر قبضہ کرتا ہوا اور بند سے گزرتا ہوا کلائی کے شہروں میں پہنچا جس شہر میں لشکر [پہنچ]ا ۔لوٹ مار کر کے لوگ اسباب اُٹھا کر واپس لے جاتے پھر واپس آ جاتے ۔اور یہ سلسلہ [ہف]توں جاری رہا ۔

اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق کا خود محافظ ہے ۔اگر یہ لشکر لوٹ کا مال لے کر واپس نہ جاتا اور آگے ہی بڑھتا جاتا تو تنولی قوم کا صفایا ہو گیا ہوتا ، مگر اس میں بچت آ جاتی کہ لشکر واپس اسباب پہنچانے چلے جاتے پھر جمع ہوتے تو آگے اور چند گاؤں خالی مل جاتے جن کو لوٹ کر پھر توقف بڑھ جاتا ۔اس طور سے یہ لشکر خان کے مرکز سکونت یعنی بیڑ پوہار کی طرف سے چند [...]اس قاصد آ پہنچے اور سید ضامن شاہ کو انہوں نے بہت باعزت طور پر طلب کیا تھا، مراسلات ان کو دیئے ۔اب سید صاحب اپنے لشکروں کو بھی فاتح اور خوشنود بنا چکے تھے ۔خود ہی فاتح ہو چکے تھے اور تنولی قبائل کو بھی کامل شکست دے کر کامل مغلوب کر چکے تھے ۔مگر جابجا تنول کے اندر ان کی برادری سادات پیرامامی و اولاد نجم الدین جو قریب تر برادری تھی ،ان سے تنولیوں کی سفارش کرتے تھے کہ ہرگاہ یہ ملک ہمارے جد اعظم نے افغانوں سے بچانے کے لئے ہم کو دلا دیا ہے اور آپ ہمارے بھائی اور سب کے سرپرست بزرگ ہیں تو ہمارا لحاظ یا عزت کیا ہوئی کہ اب یہ ملک ہی ان سے لے کر یوسف زئیوں کو دے دیویں ۔غرض اپنی برادری کے سادات نے آپ کو اس پر راضی کر لیا تھا کہ ملک تو تنولیوں کا نہ لیا جائے گا ۔البتہ خان کو گوشمالی کرنا مطلوب تھا، مگر یہ ریاست صوبہ خان کے عہد سے بذریعہ راجہ گان خانپور مغل حکومت سے اپنی وابستگی بنا چکے تھے ۔معلوم ہوتا ہے کہ اس چند ہفتے کی جنگ سیلاب میں خان نے اپنی عرضداشت اعلیٰ افسر سرحد کو پشاور پہنچا دی ۔جس نے سید کو طلب کیا ۔اب سید صاحب کے لئے ہر طرف سے بہتر عذر بن گیا کہ لشکر کوہ سیاہ کو گھروں کو رخصت کر دیا ۔ملک مفتوحہ پر قبضہ سے منع کر دیا اپنی برادری کی منت قبول کر لی اور خود ہی اپنی دلی تمنا دہلی جانے کا موقعہ بھی ایک باعزت اور بارعب صورت میں حاصل ہو گیا ۔پس آپ افسر سلطنت کے پاس چلے گئے اور اس کے مراسلات و خطوط ہمراہ لے کر معہ اپنی کافی جمعیت کے دہلی چلے گئے ۔اغلب تو یہ ہے کہ زمانہ سلطنت عالمگیر کے بعد کسی بادشاہ شاہ محمد شاہ کا تھا اور کمزور حکومت تھی ، مگر ممکن ہے اس

سے پہلے کوئی بادشاہ ہو، مجھ کو تحریرات نہ ملنے سے نام معلوم نہیں۔ایک سال کامل آپ کو دربار
شاہی میں بڑی عزت سے آمدورفت اور باعزت جائے نشست حاصل رہی۔اور اس قدر آپ
کو ہر دل عزیزی اور اثر اندازی حاصل ہوگئی کہ بعض امراء کو اس پر حسد ہوا یا واقعی خطرہ ہوا
کیونکہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد بارہ سادات ہی اس تخت دہلی پر تبدل وتغیر کا موجب
ہوئے تھے۔جن سیدوں کو بادشاہ کہا گیا ہے ان میں ایک تو یہی سید تھے۔میں نے سنا ہے کہ
بادشاہ نے آپ کو اس قدر زرو جواہر ہمیشہ دیتے دیتے مالا مال کر دیا تھا کہ اگر سنبھالے تو
خزانے بھر جاتے۔خود مجھ سے معراجدین اخوند ملک برک والان نے امب میں ذکر کیا تھا کہ
اس کے باپ خادی اخوند نے یہ روایت اسی کو سنائی کہ خادی اخوند کا والد منہاج الدین اخوند وہ
اس یک سالہ سفر دہلی میں سید صاحب کا مشیر اور ہمراہی معتمد تھا۔وہ کہتا تھا کہ آخر میں لوگوں
نے سید کی حیثیت اور شخصیت اور استعداد اور قابلیت کا اندازہ جب کر لیا تو مغل بادشاہ کو اس
سے خودفزدہ کر دیا اور کہا کہ بادشاہ گر سادات بارہ جنہوں نے مغل بادشاہوں کا عزل نصب کیا
کیا وہ تو چالاک اور بدمعاملہ شخص اور بددیانت ملازم ہیں۔مگر یہ شخص تو کل افغان قبائل اور
نسلوں کا دینی دنیوی اور جسمانی روحانی بادشاہ ہے۔محبوب ،لوگوں میں اس قدر ہے کہ جو
خزائن آپ اس کو دیتے ہیں بلا تامل لوگوں میں بانٹ دیتا ہے۔اس کا تو فقط اشارہ ہی تخت
لینے کا ہو جائے تو چند لمحوں کی دیر نہ ہوگی بلکہ بادشاہ کو کہا گیا کہ وہ امتحان کر لے سیروشکار کے
لئے تمام امراء کو اول لے کر جنگل میں یا باہر جائے۔اور پھر اُمراء کو آزادانہ اجازت دے کر خود
علیحدہ جگہ پر بیٹھ رہے یا کسی مقام سے نظارہ۔سب کو کہا جاوے جدھر جس کو جانا پسند ہو آزادی
ہے۔پھر دیکھے کہ امراء اور فوجی افسر خود کس جگہ کس افسر پر جمع ہو جاتے ہیں۔چنانچہ میں نے سنا
ہے کہ یہ تجربہ کیا گیا کہ تمام لوگ بادشاہ کی پابندی سے آزاد ہوتے ہی سید کے گرد آکر جمع
ہوگئے۔

بہر حال بادشاہ دہلی نے اس کی دیانت وشرافت کو جانچ کر لینے کے باوجود بجائے اس
سے ملک مغلوب وماتحت کرانے کا کام لینے کے حاسدوں کے کہنے سے خطرہ محسوس کیا مگر
نہایت اکرام واعزاز کے ساتھ آٹھ لاکھ کے زرو جواہرات آپ کو دیئے اور جواہرات سیروں
کے حساب سے دیئے اور ہزارہ میں کل پکھلی کے کل ممالک کی جاگیروں کا فرمان لکھ کر دے کر

آپ کو رخصت کیا۔منہاج الدین بابا کی زبانی روایت مجھے پہنچی ہے کہ وہ اشرفیاں اکثر ستھانہ
آنے تک آپ لوگوں کو بخشش کرتے آئے تھے، بجز جواہرات اور کچھ اسی قدر اشرفیوں کے جو
منہاج الدین بابا نے آپ سے چھپا کر بچائیں، باقی سب رستے میں صرف کر آئے تھے۔مگر
آپ خوش اس پر تھے کہ تعلق تخت دہلی سے تازہ وابستہ کر آئے تھے اور ہزارہ میں پکھلی کا علاقہ
بھی جاگیر لے چکے تھے، جس کی نسبت ان کا پہلے سے خیال پیدا ہوا تھا کہ وہ اس خاندان کا
اولاً ملک ہے۔جب واپس آئے تب تک خان تنولی بھی آپ کا مشکور تھا کہ اس کی املاک
اس کو صوابی تیرہ وگندف کی سفارش سے واپس مل چکی تھی۔اس کے بعد کوئی مخالفت وغیرہ نہیں
ہوئی۔مگر حضرت ستھانہ میں اور ہزارہ وپکھلی میں زیادہ رہا کرتے تھے۔اور آپ کی ذاتی املاک
کے علاوہ جاگیر سرکاری کے بفہ شہر معہ چھ دیگر قصبوں کے پکھلی میں تھا اور ہزارہ میں سنگرائی و
بھرائی اور موضع توی دریا سے پار ستھانہ۔مہابن کے پیچھے ملکا خدوخیلوں میں درہ کن گلی اور
مداخیلوں میں مہابرہ اور حسن زئیوں میں نانگیوی معہ ۱۴ اور خیلوں کے وغیرہ بہت املاک تھے۔
جن دنوں آپ لشکر لائے تھے۔عیسیٰ زئیوں کی عورتیں یہ گانا گایا کرتی تھیں۔

وہ ضامن شاہ یہ لشکر مہ زہ
ضامن شاہ میاشتے یادوی تیر کی کالونہ

یعنی کوئی معشوقہ اپنے عاشق سے کہتی ہے کہ:
ضامن شاہ کے لشکر میں اے محبوب مت جاؤ۔ضامن شاہ تو مہینے لشکر میں صرف ہونے کے لئے
بتلاتا ہے۔مگر سالہا سال لشکروں میں گزار دیتا ہے۔
یعنی اس قدر لمبی جدائی ناقابل برداشت ہے۔

حضرت سید کی زوجہ جو چھچھ کے خان جلالیہ کی دختر تھی۔ایسی قابل اور لائق ثابت ہوئی جو
استعداد اس کے شوہر میں تھی کہ اس نے اپنے شہر کو محفوظ رکھنے سپاہیوں کو خوش رکھنے اور قبائل
کے جرگوں کو راضی رکھنے میں ویسا ہی عمل اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں ظاہر کیا جو سید کی
موجودگی میں حالات ہوتے تھے۔اس بی بی کی دوسری حقیقی بہن طاہر خیلی قوم کے اس خان کی
زوجہ تھی جس کا فرزند ظفر خان دادا کل طاہر خیلی قوم کا نامور سردار تھا۔یعنی ظفر خان اس بی بی کا
حقیقی خواہر زادہ تھا جو علاقہ کھری وگنگر پر رئیس صاحب اثر تھا۔اوتمان زئی قبائل بھی حضرت

کے زیرِ حفاظت تھے۔ ان کو اپنا وعدہ آپ نے پورا کر دکھایا کہ تنولی قوم کو طویل مدت کے لئے
اسی طرف بُرا دیکھنے سے بھی مجبور کر دیا۔ اور ان کے لشکری طلب نہ کئے اور کوئی بار برادرانہ
پر ہی نہ ڈالا۔ جس کے لئے وہ حسبِ قاعدہ افغانیت مجبور تھے۔

سید ممدوح کی استعداد فوجی صورت میں اس وقت فی الواقعہ سرحد کونٹر سے ہزارہ تک
اس قدر تھی کہ وہ جب چاہتا جون سا ملک لے سکتا تھا۔ اگر کشمیر کا رخ کرتا تو اس کے لئے کوئی
مشکل نہ تھی، مگر عہد کا حد سے زیادہ پابند اور وفاداری کا بہترین شکور طبیعت بزرگ تھا۔ مغل
حکومت کا تعلق آبائی تعلقات کی وجہ سے اپنا دائمی وظیفہ، حیات رکھا۔ اوتمان زئیوں کی بے حد
مدارات کیا کرتا تھا۔ برادری جس جگہ بھی پھیلی ہوئی تھی ان کے زیرِ سایہ قبائل کا اکرام اپنا فرض
جانتا تھا اور ہر جگہ سادات کی غم خواری اور سرپرستی کیا کرتا اور اپنی اولاد میں بھی ایسی ہی عالی
ظرفی کی وصیّت اور عادت ڈال گیا کہ اولاد نے بھی اُن کے قدم پر قدم رکھا۔

جہاں تک معلوم ہوا ہے دہلی سے واپسی کے بعد اپنی املاک اور جاگیر ہزارہ و پکھلی
میں دورہ کرنے اور مہمان نوازی کرنے میں اور قبائل کے جرگوں کو بلا کر رضامند رکھنے میں باقی
عمر کا حصّہ گزارا۔ کسی قبیلہ یا کسی ریاست کے ساتھ آپ کا مقابلہ نہیں ہوا اور آپ علاقہ پکھلی
شہر بفہ میں گئے ہوئے تھے۔ آپ کے ہمراہ ملازموں کے علاوہ آپ کا ایک نوجوان فرزند موجود
تھا کہ ناگاہ آپ نے بفہ میں ہی انتقال فرمایا اور نعش وہاں سے اُٹھوا کر ستھانہ کو لایا اور یہاں
دفن کئے گئے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی موت کی خبر پہلے نہ تھی۔ ناگہانی طور پر جب آپ کی نعش گھر
میں پہنچائی گئی تو آپ کی ایک ہمشیرہ مادر زاد ولیہ تھی، جو عمر بھر کنواری رہی تھی۔ انہوں نے جب
اس ناگہانی واقعہ کی اطلاع سنی تو مانند ماہی بے آب ہمشیرہ بھی اور زوجہ بھی تڑپ گئیں اور جس
وقت نعش کو لا کر رکھا، تو آپ کا نوجوان نہایت جمیل و حسین بیٹا ساتھ تھا۔ اس کی والدہ نے جب
بیٹے کی طرف سے نظر بھر کر دیکھا، تو ایک طبعی امر تھا کہ اس کے دل پر ایسے حسین جمیل جوان
بیٹے کے دیکھ لینے سے اس انتہائی کرب والم میں ایک تسکین کی لہر دوڑ گئی اور سید کی ہمشیرہ نے
اس کو محسوس کر لیا۔ یہ معلوم کر کے نہایت جلال اور غصہ میں کہا میرے بھائی کی وفات کی بے
تابی کو تو نے اپنے بیٹے کے دیکھ لینے سے ہلکا کر دیا۔ اور تیرے دل پر بیٹے کی موجودگی کی خوشی
اس غم پر غالب آ گئی۔ خدا تعالیٰ تجھے یہ خوشی نصیب نہ کرے۔ چنانچہ آٹھویں دن اس فرزند کی

موت بھی ناگاہ واقعہ ہو گئی۔ (ہمارے خاندان میں ابتدا سے اب تک ایسی لڑکیاں ہوتی آئی
ہیں۔ جو شادی سے انکاری ہو کر طاعت عبادت میں عمر بسر کرتی ہیں اور صاحبِ کشف و حال
ہوتی رہی اور خود میری ایک پھوپھی ایسی ہی عابدہ زاہدہ اور مجیب الدعوات تھی اور میری ایک
ہمشیرہ تو مادر زاد ولیہ ہے۔ عبدالجبار۔)

اس وقت آپ کی موجودہ اولاد میں سے بڑا لائق قابل فرزند سیّد شاہ مردان نام تھا۔
اب وہ ایام آگئے تھے کہ دہلی انتہائی کمزور ہو چکا تھا مرہٹوں نے اودھم مچا رکھی تھی اور سلطنت پر
احمد شاہ درانی کا زمانہ اور قبضہ اس ملک پر آچکا تھا۔ اور سلطنت درانیہ نے شمالی ہند پر قبضہ و
تصرف کر لیا تھا۔ اور ضلع ہزارہ ایک کونے میں ہونے کی وجہ سے سرداران و خوانین ملک آزاد و
خودسر ہوتے گئے۔ اتفاقاً یہی شاہ مردان مہمانی پر علاقہ کنگر و کہٹری میں اپنے خالہ زاد بھائی
ظفر خان سردار طاہر خیلی کے پاس گیا ہوا تھا۔ اس کی منگنی بھی ظفر خان کی ہمشیرہ کے ساتھ طے
ہو چکی تھی کہ ناگاہ کابلی افغانی حکومت کی فوج ظفر خان کو تادیب دینے کے لئے آگئی۔ یہ معلوم
مجھے نہیں ہو سکا کہ ان کے درمیان کیا واقعات گزرے تھے۔ جس کی وجہ سے درانی فوج ظفر
خان کی تادیب پر مامور ہو کر آگئی تھی۔ مگر ظفر خان مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ اور اپنے طرف
سے اپنے خالہ زاد سید شاہ مردان کو معافی خواہ بنا کر سردار فوج کے پاس اس لئے روانہ کیا کہ
اولادِ پیر بابا کا سرتاج جانشین اسی وقت یہی نوجوان تھا جس کو ظفر خان نے شفیع بنا کر اپنی مخلصی
کی درخواست کی تھی اور جس کو دولتِ درانیہ نہ فقط جانتی ہی تھی بلکہ سالانہ بڑی رقم وظائف ان
کے مقرر تھے۔ مگر افسر فوج کو یہ حکم ملا ہوا تھا کہ وہ ظفر خان کو پاتے ہی قتل کر ڈالے۔

عجیب دردمندانہ واقعہ یہ ہوا کہ سید شاہ مردان اور ظفر خان آپس میں بوجہ خالہ زادگی
کے بہت زیادہ ہم شکل تھے۔ اور جامہ بھی اکثر ہم رنگ پہنا کرتے تھے، بلکہ ممکن ہے کہ اس
وقت شاہ مردان ظفر خان ہی کے گھوڑے پر سوار نکلا ہو، لشکر شاہی محاصرہ کے ہونے کا تھا۔ جب
یہ سوار بہت قریب پہنچا تو سردار لشکر نے واقف ہمسایوں خوانین سے پوچھا کیا یہی ظفر خان
ہے۔ سردار لشکر نے اپنے اردلیوں کو گولیوں کی باڑھ مارنے کا حکم دیا اور سید کا لائق فرزند اس
طور سے بے گناہ شہید ہو گیا۔ مگر اس کے گرتے ہی نوکروں نے آواز دی کہ سید ضامن شاہ
بادشاہ کا فرزند شفاعت کے لئے آیا ہو مار ڈالا گیا۔ اب اور تو کچھ ممکن نہ تھا۔ سخت ندامت اور

شرمساری سردار درانی کو ہوئی۔ ظفر خان کو طویل مدت کی سند جاگیر کل املاک اور آزادی کا
کی لکھ کر دے دی۔ مگر مردے زندہ نہیں ہو سکتے۔ یہ جاگیر ایسی پختہ قوم طاہر خیلی کو ملی کہ
شاہی میں بھی بچہ بچہ قوم طاہر خیلی کا معافی دار و جاگیر دار رہا۔ اور انگریزی بادشاہی میں بھی
معافی داری اس قوم کو بدستور باقی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ جب عہد اکبری میں یوسف زئی
قبیلوں کو مخالفت کی وجہ سے شہنشاہ اکبر گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ تو اس زمانہ کے اوتمان زئی
موضع کوہٹہ میں سے قوم علی زئی سے ایک شخص طاہر خان نام بہت عقل مند اور سنجیدہ فہمیدہ کو قوم
یوسف زئی کی طرف سے بادشاہ کے دربار میں آمد و رفت اور سفارت کا کام ذمہ کیا گیا۔ جس
نے قوم کی طرف سے تو نہایت خوبی سے سفارت کو انجام دیا، مگر وزارت بادشاہ کو بھی اس قدر
رضامند کر لیا کہ اس کی اولاد کے لئے دائمی طور پر جاگیر اور معافی اس کو لکھ دی گئی۔ جس پر باقی
اوتمان زئیوں کو حسب دستور بہت حسد ہوا۔ یہ جاگیر املاک وحدود قوم یوسف زئی سے باہر علاقہ
سلطان بن پرگنہ کہٹری و میر میں دی گئی تھی جو دریا سے مشرق کی جانب ہے۔ انہوں نے آپس
میں ازراہِ حسد یہ گفتگو جاری رکھی کہ قاصد تو افغانوں میں قاعدہ ہے کہ حجام یا ڈوم میراثی ہوا کرتا
ہے یہ حجام کا ذمہ دارانہ کام کرنے والا تو جاگیر دار بن جائے اور بڑے بڑے سردار قوم کے
جرمانے ادا کریں اور قید میں گزاریں۔

میں نے خود حاسدوں سے اس زمانہ میں بھی سنا ہے کہ طاہر خیلی دراصل علی زئی نہیں
بلکہ طاہر خان علی زئیوں کا حجام تھا، مگر یہ ایک بے اصل اور ازراہِ حسد افغانی حاسدانہ بکواس ہے
اور یہی عادتیں افغانوں کو بار بار بنی اسرائیل ثابت کرتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں قصہ ہے
کہ بنی سرائیل نے اپنے نبی کی معرفت اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے بادشاہ مانگا اور اللہ نے حکم دیا
کہ تمہارے لئے میں نے طالوت کو بادشاہ بنایا ہے۔ تب سارے انکاری ہو گئے کہ وہ تو ہم
سے بے دولت اور معمولی انسان ہے۔ اس سے بہتر سردار ہم میں موجود ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے
فرمایا کہ اس کو میں نے جسمی اور علمی استعداد اور طاقت زیادہ تم سب سے دی ہے اور وہی بادشاہ
بن گیا۔ ایسا ہی طاہر خان بے دولت علی زئی تھا، لیکن اس میں اس قدر فراست اور عقل مندی
تھی کہ وہ بادشاہ دہلی کے جابر و قاہر بارگاہ میں قوم کا سفیر بن کر پہنچ بھی گیا کام بھی نکال لایا
اور اپنی ذات کے لئے تا بہ اولاد بڑا قطعہ جاگیر حاصل کر لایا۔ جس پر قوم کے حاسد اس وقت

یہی بکنے لگے کہ یہ تو ایک حجام کی بجائے قاصد بن کر گیا تھا۔ اس کو جاگیر ملنے کا کیا حق تھا۔
دراصل طاہر خیلی قوم میں زمانہ تک یہی نسلی شرافت اور حسن صورت و حسن و اخلاق اور تمام
افغانوں میں سے ممتاز ذہانت اور عقل مندی موجود ہے۔

میرا خیال ہے کہ علم نہیں کہ ظفر خان کا تنازعہ ہی درانی حکومت کے ساتھ اپنے قطعہ
ملک کا مالیہ نہ دینے اور سب کا حسب سابق جاگیر رہنے کا ہو گا جس کو درانی حکومت اس کی
شرارت اور مخالفت پر محمول کر کے قبول نہ کرتی ہو گی۔ اس پر مخالفت بڑھ کر ممکن ہے کوئی شاہی
فوجی مقتول ہوئے ہوں گے جس کے عوض میں سردار فوج تو ظفر خان کو قتل کر ارہا تھا، مگر اس
متبرک وجود کے بے گناہ قتل نے اور پھر ظفر خان کا خالہ زاد ہونے سے مرکز ہی سفارش کا حق
ادا کر دیا اور دائمی جاگیر و معافی نسل طاہر خیلی کو ان سے بھی مل گئی۔ جس طرح مغل حکومت میں
ان کو حاصل تھی۔ درانی حکومت احمد شاہ غازی کی سلطنت کو کہا جاتا ہے جو نہایت ہی نیک
طبیعت اور حمیدہ خصلت بادشاہ تھا۔ جب سید شاہ مردان کو ستھانہ میں لا کر دفن کر دیا تو اُس کی
والدہ کو غم سے دِق کی مرض ہو گئی۔ اور وہ اپنے بونیر وال سپاہیوں کو قلعہ ستھانہ سپُرد کر کے اور
اپنے غلام کنیزوں کو خورد سال بچہ سید شاہ گل عرف شاہ جی کو سپُرد کر کے خود علاج کے لئے اپنے
والد کے گھر پرگنہ چھچھ میں چلی گئی۔ خورد سال شاہ جی جتا غلام اور جتی کنیز نے اپنی پھوپھی کی
نگرانی میں خوب پیار سے سنبھالا۔ بی بی کے والد نے نہایت سعی سے علاج کر دیا۔ ایک سال
کے عرصہ میں بی بی کو کامل صحت ہو گئی۔ یہ واقعات گیارہویں صدی ہجری کے آخری تیس
سالوں۔ اور اٹھارویں صدی عیسوی کے آخری تیس سالوں میں ہوئے۔ اور صحت کے بعد
بی بی نے واپس ستھانہ میں آ کر اپنی حکومت اور کاروبار کو نہایت بیداری سے خود سنبھال لیا اور
فرزند کی تربیت میں مشغول رہی۔

فصل پنجم

سید شاہ گل عرف شاہ جی فرزند سید ضامن شاہ

کے حالات ومقاتلات خانانِ صوبہ خانی پلال تنولی وہندوالی ہیبت خانی کے ساتھ

سید شاہ گل اگرچہ خورد سال رہ گیا تھا، اور ایک بڑی ریاست کے مقابلے کے لئے
ستھانہ کی موجودہ طاقت کافی نہ تھی، لیکن خان سرفراز خان یا خان تنول گل شیر خان عقل مند خان
تھا اور ابتدائی غلطی اس خاندان کی مخالفت میں جو وہ کر چکا تھا۔ وہ واقعات آئندہ نے ایک عظیم
خطرہ کی شکل اختیار کرنے کے بعد پھر اسی خاندان کے سادات سکنائے تنول کی کوشش اور سید
ضامن شاہ کی عالی ظرفی سے وہ خطرہ بالکل ٹل گیا تو خان نے آئندہ کے لئے قطعی طور پر اس
خیال کو بالکل ہی ترک کر دیا۔ اور جب تک خان زندہ رہا اس نے پھر اس مخالفت کو ہرگز پیدا نہ
ہونے دیا۔ یہاں تک کہ سید ضامن شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سید شاہ گل جوان ہو گیا،
اور اس کی شادی گندف کے سید شیر شاہ کی ہمشیرہ سے نوعمری میں ہی کی۔ اور ابھی سید شاہ گل جی
کی پہلی شادی اوتمان کے ایک رئیسِ قوم پابندہ خیلی ساکن کالوگے کی دختر سے ہوئی تھی اور وہ
بی بی بے اولاد فوت ہو گئی۔ اس کے بعد گندف کے سید شیر شاہ کی ہمشیرہ سے شادی ہوئی۔
سرفراز خان کے بعد گل شیر خان زندہ ہی تھا کہ سیّد شاہ گل کے دو فرزند سید اعظم عرف خان
میاں اور سید اکبر یکے بعد دیگرے تولد ہو چکے تھے۔ تب گل شیر خان کا انتقال ۱۸۰۳ء میں ہو گیا
اور اس کی جگہ اُس کا فرزند احمد علی خان سندِ ریاست پر متمکن ہو گیا۔ جو زبردست شخصیت
اور سخت طبیعت کا مالک تھا۔

چونکہ گل شیر خان رئیس اعظم فرقہ پلال جو قدیم سے کل تنولی قوم کے سردار تھے۔ اس
کے عہد میں اس کے مدمقابل فرقہ وال وتنولی میں ہیبت خان نے ریاست محکم بنا کر گلی بدربال
میں اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ اور پہلے سے دونوں فرقوں کی سرداری صوبہ خان پلال کی اولاد کے ہاتھ
میں تھی۔ تقسیم ہندوال پلال کی البتہ جدا جدا تھی کہ اگرور سے لے کر دربند سے دو تین میل
اوپر تک ہندوال فرقہ قابض تھا اور میاں سے ہزارہ تک پلال فرقہ کا ملک تھا۔ ہندوالیوں
کے اندر پرگنہ کہن میں اور موضع کل میں شاخ جمال میں سے ایک شخص چاڑہ خان نیک کردار
نماز گزار مہمان نواز پیدا ہوا جس نے قومی بہبودی کے کاموں میں بہت حصہ لیا۔ وہ اپنی قوم
کے اندر ایک بڑا معتبر ومعتمد انسان ہوا۔ پھر اس کا بیٹا گجر خان تھا جس نے والد کے زمانہ سے
اپنی خاندانی عزت کو بہت بڑھایا۔ اور اس کو ہندوال فرقہ نے اپنا خان تسلیم کر لیا۔ اس نے اپنا
وقت ایسی اچھی نیک نامی سے گزارا کہ تمام ہندوالی اس کے پورے تابع اور محکوم ہو گئے۔ اس
پر تھوڑا تھوڑا صوبہ خانی خوانین کو رشک آنے لگا۔ اور وہ اس خاندان کو ستانے لگے۔ مگر یہ ستانا
گویا ہندوالی قبیلہ کو اور جگانا تھا۔ بلکہ تازیانہ تھا کہ کل قومیت دوسرے قبیلہ کی سرداری اور اپنی
اس کے آگے ماتحتی ماننے سے انکاری ہو گئے۔ جب گجر خان فوت ہوا تو خوش نصیبی سے اس کو
خدا نے جو فرزند ہیبت خان نام دیا وہ نہایت قومی دل اور بہادر مضبوط انسان تھا۔ ہندوالیوں کی
خانی ہی اس نے نہ صرف مضبوطی سے سنبھال لی، بلکہ صوبہ خانی خان کے ساتھ وہ برابری اور
ہمسری کا دم مارنے لگا۔ اور صوبہ خانی اور ہیبت خان کے درمیان مدتوں تک معرکے اور
لڑائیاں ہوتی رہیں اور صوبہ خانی خان نے ہندوالیوں سے دربند اور اس کے متصلہ علاقے بزور
چھین لئے تھے، جن کو دربند کی کلائی کہتے ہیں جس وقت سید ضامن شاہ کو ستھانہ سپرد ہوا ہے۔
ان دنوں صوبہ خانی خان ایک طرف دربند کی کلائی پر قبضہ جما چکا تھا۔ دوسرے جانب یاغستانی
علاقہ میں دریائے سندھ سے پاراشرا اور شید بستی کا علاقہ جن میں اب نواب شاہ کا قلعہ دیوی
سے صوبہ خانی خان کے ماتحت تھا۔ وہ اس پر قادر ہو چکا تھا کہ کیا وکبل کی املاک کو اوتمان زیول
سے دوبارہ چھین لے۔ ادھر دربند کی کلائی ہندوالیوں سے لے چکا تھا۔ تب اس وقت ناگاہ سید
ضامن شاہ درمیان آگیا اور خان نے اس کے ساتھ مخالفت مول لے لی۔ اس کا جو نتیجہ ہوا لکھا
جا چکا ہے۔ تب سید صاحب نے بعد فتح ملک دوبارہ خان کو واگزار چھوڑ دیا، تو اس صورت میں

خانانِ ہندوال خانان پالال دونوں فرقوں کے درمیان مدت بعد خیر خواہوں نے بیچ بچاؤ کر کے
پختہ صلح کرادی۔ اس صلح کے بعد ہیبت خان کی بیٹی کی شادی گل شیر خان کے بیٹے احمد علی خان
کے ساتھ کردی اور گل شیر خان کی بیٹی کی شادی ہیبت خان خان گل کے بڑے بیٹے ہاشم علی خان
کے ساتھ کردی اور دونوں ریاستیں ہم قوم تو تھے ہی، مگر ہم رشتہ بھی ہوگئے۔ اور اس صلح مطابق
کے بعد ہیبت خان بھی فوت ہوگیا اور گل شیر خان بھی ۱۸۰۳ء میں فوت ہوگیا۔ صوبہ خان پالال
جس کا نام زبردست خان تھا اور جس نے دولتِ مغلیہ سے بھی نقارہ وعلم حاصل کر کے صوبہ
خطاب پایا تھا اور مسلمہ طور پر دوشاخ تنولی کی سرداری اس پر مسلم تھی۔ جس نے غمی شادی کے
آسان رواج مقرر کردیئے تھے جو افغانوں سے مختلف تھے وہ رواج اَب تک ہر دوشاخ تنولی
میں رائج ہیں کہ منگنی کے وقت صرف پانچ روپیہ رائج الوقت دُولہا کی طرف سے معہ دو تین
دودھ کے جو کسی برتن میں لایا جاتا ہے جو افغانوں کے رواج شربت پلانے کا بدل ہے تاکہ
غریب شخص شربت کے لئے مصری پر بھی پیسہ صَرف کرنے بلکہ دودھ بجائے شربت مجلس کو
گھونٹ گھونٹ پلادیا جائے اور پانچ روپیہ میں سے نکاح خواں کا امام کا ایک روپیہ ایک روپیہ
حجام کا ایک درزی ومیراثی یعنی ڈوم وغیرہ کا۔ اس طرح کنڈوں پر صرف اس قدر صرف ہو کر
لڑکی کر کپڑے یا جو کچھ میسر ہو، پہنا کر دُولہا کے گھر سے جاتے تھے۔ یہ رواج تنولیوں میں اب
تک ہے۔

زیرِ بحث ایام میں ایسے مقنن کی اولاد کی حکومت موجود ہوتے ہوئے، جب نصف قوم
ہندوالیوں نے اپنا خان اپنے فرقہ میں سے پسند ومقرر کر کے صوبہ خانیوں کا جُوا اتار پھینکا تو
دوسری طرف صوبہ خانی خان نے حملہ کر کے دربند اور اس کے ساتھ کا میدانی علاقہ ہندوالیوں
سے چھین لیا۔ اور جب سید ضامن شاہ صاحب کے حملہ سے صوبہ خانی خان کو کمزوری محسوس
ہوئی، تو اس نے باقی کلاں کا علاقہ ہیبت خان کو واپس دے دیا۔ صرف دربند اپنے پاس رہنے
دیا۔ پھر جب خوانین کے رشتے آپس میں ہوگئے تو گل شیر خان نے کُھلی طور پر ہندوالیوں کا
ملک آزاد کردیا مگر تھوڑے دن وہ زندہ رہا پھر گل شیر خان بھی فوت ہوگیا اور ہیبت خان کا بھی
انتقال ہوگیا۔ تو گل شیر خان کا بیٹا احمد علی خان مسند نشین ہوا۔ اور ہیبت خان کا بیٹا ہاشم علی خان
مسند نشین ہوا۔ چونکہ احمد علی خان زبردست اولوالعزم تھا۔ اس نے برداشت نہ کیا کہ ست پُشت

ادھر جنوب کی طرف
کی سرداری صوبہ خان کی تقسیم ہو کر نصف کا مالک ہیبت خان بن جائے۔ ادھر جنوب کی طرف
ستھانہ کی جس طاقت سے ان کی ریاست کو زک پہنچی تھی یعنی سید ضامن شاہ فوت ہو چکا تھا۔ اور
اس کا اکلوتا فرزند سید شاہ کل بے شر، بے ضرر عابد زاہد نیک طینت انسان تھا۔ اگر خود احمد علی
خان اس کو نقصان پہنچاتا تو اس کی طرف تو اس کو یقین کامل حاصل تھا کہ وہ اب رقیب یا
مخالفت میں آرہا۔ لہٰذا اُس نے موقع مناسب سمجھا کہ ہیبت خان بھی مر چکا ہے تو رقیب پر حملہ
کردیا اور دربند کا قلعہ معہ دربند کے میدانی علاقہ کے جس کو دربند کی کلائی کہتے ہیں، وہ بھی
قبضہ میں کرلیا۔

اب ہاشم علی خان اس علاقہ سے بے دخل ہو کر کوہ مہابن کے قبائل امازئی مداخیل حسن
زئی سے طالب امداد ہو کر ان کا لشکر اُٹھالایا اور معرکہ سخت معلوم ہوا۔ اور درمیان میں صلح جو
لوگوں نے گفتگوئے صلح کا سلسلہ چلایا۔ دراصل افغانوں کا لشکر ہاشم علی خان کے لئے ملک میں
داخل ہو کر کلائی اور میدانی علاقہ فتح کرچکا تھا۔ صرف دربند کا قلعہ باقی تھا۔ جس کو گڑھی کہتے
تھے۔ اس درمیان میں احمد علی خان نے اور ہی منصوبہ سوچ لیا۔ اور چونکہ قلعہ کا فتح کرنا افغانی
لشکر کے لئے بھی مشکل تھا، لہٰذا آئندہ صلح کی گفتگو پر وہ بھی راضی ہوگئے اور خوانین بھی جانبین
سے راضی ہوگئے کہ دراصل خاندان صوبہ خانی ابتداء سے بڑا ہے۔ اس کو نہ چاہیے کہ ہندوالیوں
کی املاک چھینے اور ہندوالی خوانین کو ان سے گستاخی اور بڑائی نازیبا ہے اور چونکہ خود ہاشم علی
خان احمد علی خان کا سالا بھی ہے، بہنوئی بھی ہے عمر میں بھی چھوٹا ہے۔ لہٰذا احمد علی خان کی ہمشیرہ
بطور مہمان بھائی کے گھر جائے تو احمد علی خان بطور جہیز دربند کا قلعہ اپنی ہمشیرہ کو سُپرد کردے گا۔
اس قرارداد پر اتفاق ہو کر صلح ہوگئی۔

احمد علی خان کی سکونت دو جگہ تھی۔ ایک موضع دیرہ میں دوئم بیٹر پوہار میں جہاں صوبہ
خان کی قبر ہے۔ دیرہ وہ مقام ہے جب سب سے پہلے تنولی قوم افغانستان سے نکل کر درہ خیبر
کے قریب شلمان کے پہاڑوں سے ہو کر اس ملک میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر
موضع اشراج پر مقیم ہو کر دریا کو عبور کر کے ان سے دیرہ لگایا اور پھر قدیم باشندگان تنول ترکون
سے جنگ جاری کر کے ملک فتح کیا۔ اس دیرہ والی جگہ کا نام ڈیرہ ہوگیا۔ جو والیٔ ریاست کا
مستقر ہوا کرتا تھا۔ ان دنوں میں علی خان موضع دیرہ میں تھا کہ اس کی ہمشیرہ زوجہ ہاشم علی خان

بڑے تزک احتشام سے بطور مہمانی لائی گئی اور کچھ مدت رہ کر خود ہاشم علی خان بھی حسب قرار
ایک صد چیدہ بہادر خان نثار سپاہی بطور باڈی گارڈ ہمراہ لے کر دیرہ کو آیا اور احمد علی خان نے
چند روز نہایت عزت وتپاک سے مہمان نوازی کی اور جب رُخصت کا دن مقرر کیا تو احمد علی
خان نے ہاشم کے ایک سو سپاہیوں کو صابون دلوایا کہ وہ دریا کے کنارے اور چشموں پر جا کر
اپنے کپڑے خود صاف کرلیں اور دھولیں۔ سپاہیوں میں یہی دستور جاری تھا۔ وہ حفاظتی سپاہی
سب دریا کنارے اور چشموں پر کپڑے دھونے چلے گئے۔ ادھر احمد علی خان نے اپنے فوجیوں کا
مکمل خفیہ انتظام کر رکھا تھا۔ ہاشم علی خان کو تو موضع دیرہ قتل کر دیا اور آپ کے ایک صد سپاہیوں
کو دریا اور پانیوں کے کنارے قتل کرا دیا۔

پیر ہاشم علی خان کی نعش کے ہمراہ اپنی ہمشیرہ اس کی زوجہ کو نواب خان برادر ہاشم علی
خان کے پاس موضع کلی بدرہال میں بھیج دیا، کچھ مدت بعد نواب خان نے اپنی بھاوج مذکورہ
بیوہ ہاشم علی خان کے ساتھ حسب رواج نکاح کرلیا۔ اور قوم ہندوال کی سرداری اب نواب خان
ولد ہیبت خان کے تصرف میں آگئی۔ اس زمانہ میں حکومت دورانیہ کشمیر پر قابض ہو چکی تھی۔ ضلع
ہزارہ بھی درانی حکومت کے ماتحت تھا اور جس غرض کے لیے احمد علی خان نے یہ قتل کیا تھا۔ وہ یہ
تھی کہ ہندوالیوں میں دوسری ریاست اور سرداری قائم نہ ہونے پائے۔ مگر نواب خان نے فی
الحال درانی سردار محمد عظیم خان برادر کلاں امیر دوست محمد خان کی طرف دادخواہانہ رجوع کیا۔ اور
سردار موصوف نے نواب خان کی سرداری قوم ہندوال پر حکومتی طور تسلیم کر کے نواب خان کو مسلم
خان بنوادیا۔ نواب خان اولوالعزمی میں والد سے کم نہ تھا۔ بڑا دلیر جری اور بے حد باحوصلہ
سردار تھا۔ مگر دربند کا قلعہ اور میدانی املاک پر احمد علی خان قابض ومتصرف رہا۔ اور اس پر کچھ
عرصہ گزر چکا تو اس کے دل میں اب اپنے جنوبی حریف سید شاہ گل سے انتقام لینے کا خیال پیدا
ہوگیا۔ اس کے پاس وہی سابقہ سید نادر شاہ نام ایک منڈی کے سردار میں سے باپ کے وقت کا
صلاح کار موجود تھا جس نے اس خیال کو مدنظر رکھا کہ ستھانہ سے یہ طاقتور خاندان اُٹھ جائے تو
پھر حسب سابق ستھانہ کے تمام املاک اراضیات اور چراگاہیں سیدان منڈی کے لیے
بلامزاحمت وقف رہ جائے گی۔ اس نے خان صوبہ خانی کی کامیابی کی نہایت کارآمد تجویزیں
اس کو بھی بتلائیں اور خود بھی بہت کوشش کر کے خان کی طرف سے بخشائس اور عطیات خان

خوانین وملکانان اوتمان زئی کی پہنچا کر ان میں طرف داری اور جنبہ داری خان کے لیے کر
دی۔ یہ بہت بڑا کام اس کے لیے تھا کہ اگر ستھانہ کی پشت پناہی و امداد اوتمان زئی قوم نہ کرے
تو اس قدر طاقت وریاست کے لیے صرف دو میل کے فاصلہ پر جو اس ریاست کی سرحد ملی ہوئی
ہے اور خان کا مسکن دیرہ بھی ستھانہ سے پانچ میل سے زیادہ نہ تھا، فتح کرنا کیا مشکل تھا۔ موضع
کیا میں غلام خیلان سیاہ میں سے عزیز خان سید خان کا باپ جو نامور ملک تھا خان کا دوست بن
گیا اور باقی ملکوں کو روپیہ پیسہ کے تحفے دیئے۔ اسی منڈی کے درپردہ بہت کچھ خان کے طرف
سے پہنچا دی۔ اب خان کو یہ اطمینان تو کامل ہوگیا کہ کیا وکبل کے اوتمان زئیوں کا لشکر ستھانہ کی
امداد میں ہرگز نہ آئے گا۔ اور خان کے مقابلے کے لئے یہ لوگ کمربندی نہ کریں گے۔

تب ناگاہ خان تنول نے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ ستھانہ پر حملہ کر دیا۔ راستہ مشکل
تھا جس سے لشکر کا گزرنا مشکل تھا۔ رات کے کسی حصہ میں عبور کرلیا۔ اور صرف ستھانہ کا ایک
گاؤں تھا جس میں مشکل سے دو صد لڑاکا جوان ہوں گے۔ مقابلہ پر تھا اور خان کا لشکر بہت کم
سے کم تر بھی ہو تو بھی چار پانچ ہزار سے کم نفری نہ ہوگی۔ مگر یہ لوگ ہمیشہ سے جنگ جو تھے۔
قصبہ کو سید ضامن شاہ نے قلعہ کی دیوار شہر پناہ پر آ کر قلعہ بند بنا لیا تھا۔ چار کونوں پر بُرج چار
تھے اور شہر کے وسط میں بازار تھا۔ جس میں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کی بھی پچاس دوکانیں
تھیں۔ یاغستانی علاقہ میں ہندو دکاندار جہاں پچاس ہوں کافی بڑا بازار ہوگا۔ سید شاہ گل
اگرچہ دیندار عابد زاہد انسان تھا۔ مگر نسلی جوہر شجاعت سے خالی نہ تھا۔ دو بڑے بیٹے بھی اُس
کے ہتھیار اُٹھانے کے قابل ہو چکے تھے۔ اور بونیر وال جان باز سپاہی بھی قریباً دو صد اُن کے
پاس تھے۔ انہوں نے مدافعانہ جنگ ایسی کی کہ دشمن کا لشکر ایک ہی حملہ سے شہر فتح نہ کرسکا۔ اور
محاصرہ کر کے گھیرا ڈال دیا۔ سید کو اُمید کامل تھی کہ اوتمان کا امدادی لشکر ابھی آتا ہے کیا کے دو
گاؤں جن میں سے جنگی نفری ہزار بارہ سو تین میل کے فاصلہ پر تھی ایک گھنٹہ میں پہنچ سکتی تھی،
مگر کوئی نہ آیا، اور کبل کا گاؤں ستھانہ سے چھ میل دُور تھا۔ جہاں سے دو گھنٹہ میں دو ہزار جنگی
نفری کی امداد آسکتی تھی۔ مگر تین دن تک دشمن نے شہر کا محاصرہ قائم رکھا اور اس عرصہ میں ٹوپی
کوٹھہ مینی وغیرہ اوتمان کے مرکزی گاؤں سے دس ہزار نفری سے زائد لشکر پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ
بھی صرف بیس تا پچیس میل ہی دُور تھے، مگر وہاں کی امداد کیا کبل کی امداد رُکنے کی وجہ سے رُکی

رہی کہ واللہ اعلم کیا حقیقت ہے؟ کیا کبل والے امداد کو نہ گئے۔ اور ادھر خان تنول کے لشکر میں
ہر گھڑی اضافہ ہو رہا تھا، کیونکہ اس کی رعایا دس میل کے اندر اندر بھی دس پندرہ ہزار سے
لشکری موجود تھے۔ خان نہایت زور ڈال رہا تھا کہ دو چار سو قلعہ نشینوں کی ہستی ہی کیا ہے۔
تھانہ کو فتح کر لو۔ میرا گمان ہے کہ خان نے اوتمان زئیوں کو وعدہ اور اعتبار دیا ہوگا کہ ملک اور
زمین سے میرا کوئی سروکار نہیں یہ سب کچھ تمہارا رہے گا، مگر میں نے صرف اپنے باپ کی
شکست کا انتقام جب اپنی برادری سے لیا ہے، چھوڑا نہیں، تو سید ضامن شاہ کے بیٹے سے بھی
ضرور لیتا ہوں۔

اسی منڈی کے سید نے در پردہ اوتمان زیان کیا کبل کو ڈرا اور اُمید دلا کر اس پر راضی
کر لیا ہوگا کہ سید ضامن شاہ فوت ہو چکا ہے۔ اگر سید شاہ گل میں ہمت ہوئی سرحدی قلعہ ٹھہرا
رہے گا۔ اگر وہ نہ ٹھہرا سکے تو تم خان کی دوستی اور مواعید کو نہ ٹھہراؤ۔ وہ زبردست طاقت
سے تمام لے لے گا۔ غرض یہ سب قیاسات ہیں۔ واللہ اعلم کیا کچھ سمجھوتہ اوتمان اور خان کے
درمیان ہوا۔ مگر واقعات علانیہ اس وقت کے یہی ہیں جس پر تمام قیاس آرائی کی بنیاد ہے کہ
صوبہ خان جو اپنے حریف سے بھی بڑا قطعہ ملک دبا کر اس کو قتل کر بیٹھا تھا۔ ادھر اس کی مشورہ
کاری میں نادر شاہ سید منڈی کا اس کا ملازم تھا، جو اوتمان زئیوں میں پرہ جنبہ بنا چکا تھا۔ ادھر
خان کا عظیم الشان لشکر اوتمان کی حدود میں داخل ہو کر تین دن محاصرہ کئے رہا۔ مگر تین اور چار
میل سے کبل و کیا کے اوتمان زئی امداد کو نہ گئے اور بیس پچیس میل سے مرکز کے اوتمان زئی بھی
امداد کو نہ آئے۔ اور خان کا لشکر مسلسل پیچھے آتا رہا۔ مگر باوجود یہ کہ متعدد بار محاصرین نے بار بار
حملے کئے۔ مگر محصورین نے ان کے حملوں کو کامیاب نہ ہونے دیا اور لشکر شہر فتح کرنے کی اُمید
سے نومید ہو رہا تھا۔ کہ ایک معمولی سا واقعہ رونما ہوا جس نے تنولی لشکر میں ہیبت اور افراتفری
ڈال دی۔

واقعہ یہ ہوا کہ تمام کیا و کبل کے لوگوں میں سے ایک شخص افغان اکازئی فرقہ کا جو فرقہ
سابی خیل سے تھا۔ جس کا نام حمزہ تھا اور ایک پاؤں سے لنگڑا بھی تھا۔ وہ سید شاہ گل کا ذاتی
ہمدرد غمخوار تھا۔ اُس بیچارے نے ایک ایک افغان کو ٹٹولا۔ غیرت دلائی۔ منت و نصیحت کی خان
سے ڈرایا کہ اگر دروازہ ہی ٹوٹ گیا تو تمہارا ملک ہی چلا جائے گا۔ مگر تین چار دن کے عرصہ

کوئی کامیابی اس کو نہ ہوئی اب ان سے اکیلا ہی یہ ارادہ کیا کہ کسی صورت سے اپنے آپ کو
تھانہ کے اندر پہنچا کر ان کے شاملِ حال ہو جائے۔ اس کی سواری کی سفید گھوڑی تھی اس
سوار ہو گیا اور ایک جنگی نشان لکڑی کے نیزہ سے اُتار کر کمر سے لپیٹ لیا۔ ایک ڈوم ڈھول
بجانے والا اپنا نوکر ساتھ لے لیا۔ اور کیا سے نکل کر دامن کوہ میں تھانہ سے میل بھر فاصلہ پر
ڈھیری کی پہاڑی کے پاس آیا۔ جہاں کہ تمام قرب و جوار کے لوگ تماشائی سینکڑوں بے
کھڑے تھے۔ کوئی ان میں گدون بھی تھے۔ کوئی برگ وال بھی تھے۔ اور اکثر اوتمان زئی
تھے۔ مگر عملاً تماشائیوں میں کوئی لیڈر یا اہل جرگہ میں سے نہ تھا۔ یہ موقعہ حمزہ کو بہت پسند آیا۔
اس نے تماشائیوں میں آ کر ایک دردمندانہ تقریر کی اور کہا یہ سادات تمام قبائل کے بادشاہ ہیں،
ان کا کوئی دشمن نہیں، بلکہ ہر کوئی ان تابعدار ہے۔ مگر اوتمان زئیوں کی دشمنی انہوں نے اپنے
گلے میں ڈال کر طویل مدت کے لئے تمہارا خطرہ تنولیوں سے ختم کر دیا ہے۔ آج تنولی صرف
ان کو تم سے جدا کر کے ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اصل انتقام تو تم سے لینا ہوگا کہ تم کو املاک سے
بے دخل کر کے اپنی ملکیت میں اضافہ کرے گا۔ اور تمہاری غیرت و حمیت کا دنیا کا دیوالیہ نکلتا دکھلا
کر تم سے انتقام کب چھوڑتا ہے، مگر آفرین ہے سید پر کہ اس نے مقابلہ میں دشمن کی ساری
تدبیر ضائع کر دی اور اب چارہ ہی بجز واپسی کے خان کے لشکر کے لئے نہیں مگر میں تم لوگوں
سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ یوسف زئی سارے اس بے حمیتی سے برہنہ و بدنام ہو جائیں
گے۔ اب کوئی ہمارا مقابلہ کرنے والا نہیں، بلکہ لشکر دور سے ہمارا نشان اور ہلّہ بولنے والے کی
آواز سن کر خود راہ فرار اختیار کرے گا اور نیک نامی اوتمان کی ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر حمزہ نے
نشان جنگی جو کمر سے لپٹا ہوا تھا۔ کھول کر سواری کے نیزہ پر لگا لیا اور ڈوم کو کہا ڈھول بجاؤ اور
تماشائیوں کو کہا یہ تماشا بھی دیکھو کہ تم ہلّہ بولنے کی آواز نکالو اور تھانہ کے رُخ پر دوڑو دیکھو کیا
ہوتا ہے۔ چنانچہ حمزہ کی تو تقریر کارگر ہو گئی۔ بے اسلحہ خالی ہاتھ تماشائی اللہ اکبر علی علی کے نعرے
لگاتے ہوئے بال ڈھیر اور گلی سے دوڑ پڑے۔ چونکہ تین دن کے محاصرہ سے زیادہ ہو کر
کامیابی سے تنولی لشکر مایوس ہو چکا تھا۔ اس لئے تماشائیوں کے لشکر کو دیکھ کر افسران لشکر سمجھ گئے
کہ آخر سادات کی طرفدار قوموں کی کیا کمی ہے۔ کسی طرف سے امدادی لشکر آ گیا ہے۔ اب
محاصرہ بھی مشکل ہے اور مقابلہ بھی بیگانے ملک میں لاحاصل ہے۔ پیچھے راستہ کی تنگی کا خطرہ

دامن گیر تھا۔ لہٰذا تنولی لشکر محاصرہ اُٹھا کر واپس چل دیا۔ مگر ستھانہ وال بہادر کب ان کو آرام سے نکلنے دیتے تھے۔ وہ تلواریں سونت کر تعاقب میں نکل پڑے۔ دو بیٹے سید شاہ گل کے مقابلہ کے قابل ہو چکے تھے۔ اگرچہ بے ریش اور کم عمر ہی تھے مگر تنولیوں کو پہنچ گئے اور لشکر بُری طرح شکست کھا بھاگا۔ مگر کہوڑی کی تنگنا میں راستہ ہی بند تھا صرف ایک آدمی مشکل گزر سکتا تھا، وہاں سب لشکر کو رُکنا پڑ گیا۔ مگر اب شکست کو دیکھ کر واقعی تماشائی بھی پتھر سوٹی اور درانتی وغیرہ گھاس لکڑی کے اوزاروں اور تیروں سے ہی لشکریوں کو قتل کر رہے تھے۔ لشکر سخت نقصان اٹھا کر بمشکل کڑی سے گزرا۔ مُردوں کے ڈھیر لگ گئے۔ اور فتح کامل شاہ جی صاحب کو ہوئی۔

مگر سید شاہ گل نے مرکزی اوتمان زئیوں سے اب باز پُرس کی۔ اور ان کے خالہ زاد ظفر خان رئیس طاہر خیلی نے ٹوپی کوٹھہ میں پہنچ کر یہ سوال اُٹھایا کہ کبل والوں کا اور تمہارا چار دن تک امداد نہ دینا یہ تو اعلانیہ دھوکہ اور بے ایمانی ہے۔ یا تو اس کی تحقیقات ہو کہ جس نے خان سے رشوت لی ہے، اس کو سزا دی جائے۔ اور اگر اس میں سُستی ہو تو سید شاہ گل کو حق حاصل ہے کہ خان تنول کو دوستی اختیار کر کے اوتمان زئیوں سے اپنے نقصان کا انتقام لے دے۔ اور کبل کے اوتمان زئیوں کی بہ عہدی یقیناً ثابت ہو چکی ہے، اس میں شُبہ ہی نہ رہا۔ لہٰذا اس کا فیصلہ جلد ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ یہ سوال اس قدر سختی سے اُٹھا کہ کیا کبل والوں سے اس کا جواب بجز اس کے کچھ نہ بن سکا کہ اب چھچھ سمہ تربیلا کے تمام قوم اوتمان زئی کا لشکر اُٹھ کر آئے جن کے پیشرو ہم کیا کبل وال ہو کر خان کے ملک پر ایسا حملہ کریں جیسا سید ضامن شاہ عیسٰی زئیوں کے لشکر کے ذریعے تمام تنول کو فتح ہی کر لیا تھا۔ صرف قبضہ افغانوں کو اس پر بوجہ سفارش سادات پیر امامی اولاد نجم الدین نہ ہونے دیا تھا۔ اب اس لشکر کی تدبیر یقینی ٹھہر گئی۔

منڈی کے نادر شاہ دلال کا بھی دم خوف سے گھٹنے لگا۔ اور خان کو بھی نہایت سخت خطرہ اس وجہ سے ہو گیا کہ اس کا اپنا لشکر تو گھاس لکڑی کرنے والے تماشائیوں سے بھاگ چکا تھا۔ اب اس طوفان عظیم چالیس پچاس ہزار نفری کو تجویز کردہ لشکر کا مقابلہ اس سے ناممکن تھا دوئم اس پر دو مصیبتیں اور وارد تھیں کہ ایک تو بے گناہ ہاشم علی خان اپنے بہنوئی اور سالے کو قتل کر کے اس کے املاک دربند وکلائی دبائے ہوئے تھا۔ جو کل تنول کا نصف قوم ہندوال شمال میں اس کے خون کی پیاسی بیٹھی تھی اور جنوب میں اس کا اپنا چچا اور چچازاد بھائی جن کو اُس نے

حقوق حصہ داری سے محروم کر دیا ہوا تھا۔ یعنی سربلند خان پلال صوبہ خانی اور اس کا اپنا خواہر زادہ اکبر علی خان کشمیر میں سردار عطاء محمد خان بارک زئی گورنر کشمیر کے پاس اس کی شکایات لے کر جا پہنچا۔ اور ان کو ہندوالی خان ہاشم علی خان ہیبت خانی کے قتل پر اس سے دلی رنج تھا۔ اس لئے عطاء محمد خان نے احمد علی خان کی گوشمالی کے لئے اکبر علی خان کے ہمراہ کشمیر سے فوج بھیجنی مقرر کر دی تھی۔

لہٰذا احمد علی خان تین اطراف سے اپنے پیدا کردہ مصائب میں محصور ہو گیا۔ اور بغیر اس کے چارہ ہی نہ رہا کہ اسی منافق نادر شاہ لال کو اب سید شاہ جی کے پاس بھیج کر اس کے ساتھ صلح کر کے اپنے آپ کو فارغ کرے۔ اگرچہ سید شاہ جی کو اوتمان زئیوں کے بے حمیتی اور بے ایمانی پر سخت غصہ تھا۔ اور ہونا بھی چاہیے تھا، مگر اس وجہ سے اس کا غصہ خان کی طرف سے کم نہ ہوا تھا۔ اس لئے کہ شاہ جی کا والد اگر خان پر احسان نہ کرتا تو آج وہ اس قابل ہی نہ ہوتا کہ خان کہلاتا، بلکہ اس کے املاک اسی وقت عیسٰی زئیوں کے قبضہ میں ہوتے اور وہ ترکوں اور کرڑالوں کی مانند خدا جانے کس وطن میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا۔

سید نے اپنے بیٹوں سے یہ صلاح کی کہ باوجود نیک طینی اور صلح پسندی کے بھی اگر میں اس خان سے انتقام نہ لوں تو وقار و عظمت خاندانی زائل ہو جائے گی اور بہتر صورت انتقام کی یہ ہے کہ ہم اس کو صلح کی اُمید دلا کر ستھانہ اور تنول کی درمیانی سرحد پر جمع ہوں۔ عین اُس وقت ستھانہ کے سپاہی خان کو قتل کر دیں۔ جیسا بغیر دشمنی کے صلح میں اس نے دھوکہ دے کر رات رات میں لشکر ہم پر لا کر سب کو یکجا قتل کرنا چاہا۔ ایسا ہی ہمارا بھی حق ہے کہ اس بے خبری میں انتقام لیں۔

پیغام رساں کو شاہ صاحب نے جواب دیا کہ میرے ساتھ بھی اوتمان زئیوں نے بے ایمانی کی ہے، مگر وہ میری قوم ہے اس کا ترک کرنا مجھے زیبا نہیں، البتہ اگر خان کی ملاقات اور صلح کے وقت میرا اعتبار اس پر جم گیا۔ جس نے سخت احسان فراموشی کر کے ہم پر ہلاکت آفرین حملہ کیا ہے، تو ممکن ہے ہمارا آپس میں اعتباری دوستانہ تعلق ہو جائے۔ تب اس وقت خوفناک مشورہ کار نے بھی خان کو مشورہ دیا کہ اب سید شاہ جی کو اپنا ہی بنا لو۔ اور یہ گفتگو بھی ہوئی کہ خان اپنی لڑکی شاہ جی کے بڑے بیٹے سید اعظم کو دے دیگا۔ باوجود اس قدر مخلصانہ ہدیہ

بتلانے کے بھی سید کو اپنے وقار کا سخت نقصان نظر آتا تھا۔ جب تک کہ خان کے ارادہ قتل کا انتقام حملہ قتل سے نہ لے لیا جائے۔

چنانچہ ان درمیانی گفتگو پر خان دلیر ہو کر جگہ مقرر کر کے جو آخری سرحد ستھانہ اور ایک تنول کی تھی۔ اس جگہ موضع اڑگڑی کا دیہہ آباد ہے۔ فریقین اس جگہ بیک وقت پہنچے۔ خان احمد علی خان کشتی میں سوار ہو کر دیرہ سے اس جگہ آ پہنچا اور مشورہ پر بیٹھتے ہی گفتگو سادات نے ختم کر لی اور شمشیر بدست ہو گئے۔ خان کے جان نثار نوکروں نے اس کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور چند نوکر تنولی مارے گئے۔ مگر خان کو بھی شانے پر تلوار کا سخت زخم لگ چکا تھا۔ بمشکل نوکروں نے خان کو کشتی میں بٹھا دیا اور ملاحوں نے کشتی دریا میں تیرالی اور سادات نے آواز دے کر کہا کہ یہ تیری پر امن حال میں دھوکہ بازی ہمارے نسبت ارادہ قتل کا بدلہ ہے۔ ان کا خیال تھا کہ خان کو کافی زخم لگ چکے ہیں۔ مگر درحقیقت صرف ایک زخم شانہ پر تو گہرا پڑا تھا۔ باقی وار اس کے نوکروں نے اپنے اوپر لے لئے تھے۔ خان کی جمعیت تو شکست کھا کر واپس گئی۔ مگر سید شاہ گل معہ ہر دو فرزندان و نوکران بونیر وال کے فاتحا و سالما ٹھہر کر واپس گھر آئے۔ اور یہ خبر اوتمان زئیوں میں سنی جا کر سید شاہ جی کے نسبت کمزوری کا خیال بدل کر اب تجویز لشکر کشی کی یقینی کر لی گئی۔ چونکہ قریباً اٹک خیر آباد کی حدود سے لے کر ہزارہ تک کل اوتمان کا لشکر آنے والا تھا۔ لہٰذا اس میں وقفہ کا ہونا ضروری تھا، لیکن سید کی غیوری نے نہ مانا کہ اپنے اوپر حملہ کا انتقام وہ افغانوں کے لشکر بغیر نہ لے سکے۔ لہٰذا اپنا بدلہ ذاتی تو اس نے پہلے ہی پورا کر لیا۔ اب لشکر کی آمد کا آوازہ بھی ایک طرف زوردار تھا۔ دوسری جانب کشمیر کی بھیجی ہوئی فوج بھی قریب تر آ گئی اور خان کو بجز اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ سید شاہ گل کو اس نے کہلا بھیجا کہ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو بہتر ہوتا۔ اور اگر کر لیا اور اپنا عوض و حق قصاص پورا کر لیا تو اچھا ہوا کہ کوئی دل میں کدورت باقی نہ رہی۔ اب باوجود زخمی ہونے کے بھی میں تم سے صلح کی التجا کرتا ہوں اور جو لڑکی میں تمہارے بیٹے کے لئے نامزد کر چکا وہ رشتہ واپس اور منقطع کرنا نہیں چاہتا۔ چونکہ بڑی لڑکی میں نے اپنی ہمشیرہ کو اس کے بڑے بیٹے پایندہ خان کے لئے کہی ہوئی ہے۔ باوجود عداوتوں کے میں اس ہمشیرہ کا کہنا نہ ٹال سکا۔ مگر چھوٹی لڑکی نادرہ بیگم میں تیرے بیٹے سید اعظم کو دے چکا ہوں۔

یہ پیغام ایسا تھا کہ جس نے تمام سلسلہ لشکر کو ملتوی کرا دیا اور یہ رشتہ علانیہ خان احمد علی [خ]ان اور سید شاہ گل کے مابین فیصل ہو گیا۔ مگر جو لشکر کشمیر سے آنے والا تھا، وہ آ ہی رہا تھا۔ اب [...]یک سے معلوم نہیں کہ ان واقعات کے ساتھ متصل حسب ذیل واقعہ یکجا پیش آیا یا اس کے [...] ہوا کہ احمد علی خان کے پاس جو قلعہ ہندوال خان کے املاک قبضہ میں تھے ان کا حشر اس طور [...] ہوا کہ ایک دن دربند کا قلعہ دار مسمی شادیا پوجال خان کے ساتھ دیرہ میں آیا اور عرض کیا کہ [...] نے خبر سنی ہے کہ نواب خان بھی گلی بدرہال سے راتوں رات حملہ کر کے دربند کے قلعہ پر [...] خون کا قصد رکھتا ہے۔ کیونکہ ہستانہ سے لشکر کی شکست خوردہ واپسی کا ایک لازمی نتیجہ یہی [ہ]ونا چاہیے تھا۔ خان نے قلعہ دار شادیا کو غصہ سے کہا کہ گلی بدرہال دربند سے تیس میل دور ہے [...] پہاڑی اور سنگلاخ راستہ ہے۔ گھوڑا تمام راستہ میں تیز قدم نہیں رکھ سکتا۔ اور دیرہ و دربند [...] صرف پانچ میل کا فاصلہ ہے، مگر میدان اور گھوڑے کی دوڑ کا راستہ ہے صرف چند دقیقہ کا سفر [...]ہ نواب خان وہاں سے دربند پہنچ آئے گا۔ اور ہماری امداد تم کو اس قدر قرب سے نہ پہنچ سکے [...]گی؟ ان سے عرض کی کہ گولی بارود کا ذخیرہ کم ہے، وہ تو ضرور دے دیجیے۔

معلوم نہیں خان کے دل میں اس وقت کیا بدگمانی تھی جواباً کہا تیری دو عورتیں ہیں ایک کو فروخت کر کے دربند کے بازار سے بارود خرید لینا۔ دوسری کو بیچ کر گولی اور سکہ لے لینا۔ وہ [...]عض شادیا اپنا سا منہ لے کر چلا گیا۔ مگر اسی دن خان نواب خان کو اطلاع دی جس نے راتوں رات حملہ آور ہو کر دربند کا قلعہ باقی کلائی کے املاک اپنے قبضے میں کر لئے۔

تیسرا حملہ احمد علی خان پر کابلی فوج کا بھی پہنچ آیا۔ اور خان دریا سے اپنی جانب سندھ کو عبور کر کے اپنے مقبوضات اشراد شیر بستی میں آ گیا۔ اور سات کشتیوں میں تمام اسباب اسلحہ اور کہتے ہیں کہ نقد سونا وغیرہ ایک لاکھ بھر کر ستھانہ بھجوا دیا۔

انگریزی گورنمنٹ سادات ستھانہ کی سخت دشمن رہی ہے اور جہاں بھی کسی انگریز مورخ نے ان کا ذکر لکھا ہے وہ معاندانہ چوٹ سے کہیں بھی خالی نہیں۔ چنانچہ میجر ویلس پہلے مہتمم بندوبست ہزارہ نے گزٹیر ہزارہ میں لکھا ہے کہ خان نے تمام اثاث البیت معہ ایک لاکھ نقد یا بصورت طلا کے سادات ستھانہ کے گھر اس جلاوطنی میں بھیج دیا جو ان کے کام آیا۔

حقیقت مجھ کو صحیح معلوم نہیں کہ ستھانہ میں تو شاہ جی کے بڑے فرزند کے گھر خان کی لڑکی

سید اعظم کی بی بی تھی (یہ معلوم نہیں کہ شادی ہو چکی تھی یا نہیں) ممکن ہے اس وقت تک شادی نہ
ہوئی ہو۔ مگر پھر بھی قیاس سے بعید ہے کہ اس قدر مخالفت کے بعد جس شکل میں خان نے رشتہ
دیا تھا، وہ دوبارہ انتقام گیری کے قابل تعلق نہ رہا تھا۔ حالانکہ سید شاہ گل کے لئے جو واقعہ انتقام
اور رشتہ دُختر خان کا ہو چکا بے حد نیک نامی اور عزت افزائی کا موجب تھا۔ اور اوتمان زئیوں
سے بھی امداد لئے بغیر اپنی ذاتی طاقت سے دشمن کو مغلوب کر کے اپنا بنا لینا ایک گونہ اوتمان
زئیوں پر بھی رُعب اندازی تھی۔ الغرض فوج درانی نے ملک کو خان کی فوج سے خالی پایا۔ اور
بلا مزاحمت خانی کے مراکز یعنی بیڑ پوہار و دیرہ کلابی پر اکبر علی خان کو قبضہ دلا دیا۔ اور خان کے
اموال اسباب اور ایک لاکھ نقدی سے بھری ہوئی کشتیاں تھانہ کو پہنچ گئیں۔

احمد علی خان پر جب انقلاب آئے تو پے درپے آتے ہی رہے اور وہ تنول کی سرزمین
سے ہی جلاوطن کر دیا گیا۔ وہ قدیم سواتی کے ملک میں ٹکری ونند پہاڑ میں چلا گیا تھا، مگر وہاں
بھی آرام نہ ملا کہ اس کے چچا سربلند خان نے اس کو اس جگہ قتل کرا دیا اور خود اس کی تمام
ریاست اور املاک پر آ کر قابض ہو گیا۔

احمد علی خان کے اہل حرم بیڑ پوہار میں مقیم تھے اور سربلند کی سکونت گاہ شنگلوی پسرالی
تھی۔ سربلند خان نے احمد علی خان کی اہلیہ کو معہ بڑی دُختر کے بیڑ پوہار سے قید کر کے شنگلوی کو
لے گیا۔ اور خود تمام ریاست کا والی بن گیا۔ چھوٹی بیٹی تھانہ میں بیاہی جا چکی تھی۔ اور چند سال
میں یہ واقعات بتدریج تکمیل پذیر ہوتے رہے۔ ان دنوں سید شاہ گل کا انتقال بھی ہو چکا تھا۔
اور اس کا بڑا بیٹا سید اعظم گل قوم اوتمان وغیرہ قبائل کے اتفاق سے صاحب دستار تسلیم ہو کر اس
کی دستار بندی کی گئی تھی جس کے بعد اس کو خان میاں کہا کرتے تھے اور سید شاہ گل کا زمانہ
مذکورہ حالات میں نہایت نیک نامی سے ختم ہوا۔

باب پنجم

فصل اوّل

والیان ہر دو ریاست تنول

یعنی خانان صوبہ خانی و خانان ہیبت خانی

جن ایام کا ذکر ہم لکھ رہے ہیں۔ ان ایام میں سیاسی حیثیت سے بھی تھانہ نہایت
عزت اور ترقی کی حالت میں تھا۔ اس کی زمین درّہ کے پانی کٹھوں سے تمام سیراب ہوئی تھی
اور شہر عین دریا کے کنارے پر تھا۔ کھانے پر بیٹھے ہوئے مہمانوں کو برفانی سرد و سفید پانی برتن
میں نزدیک دریا سے لے کر پلایا جاتا تھا۔ ایک مہمان نوازی کا مرکز تھا۔ شہر قلعہ بند فصیل سے
محصور تھا۔ چار کونوں پر چار بروج تھے۔ مشرق جانب دریا اور مغرب جانب باغات و میدان
تھے۔ سایہ دار بڑے بڑے تناور درخت بہت تھے۔ اٹھارہ پانی کی چکیاں کھٹے کے پانی سے شہر
سے متصل تھیں۔ اور شہر کے مشرقی جانب پانی سے پار بیلہ تھا جس میں بڑے بڑے سایہ دار
درختوں کا ذخیرہ تھا۔ موسم گرما میں وہ جگہ لوگوں کے دن گزارنے کی تھی۔
سیاسی حیثیت سے بھی ہر دو ریاست ہائے تنول کا مرجع ہو چکا تھا۔ جنگی طاقت کے
ذریعے سے فتح یابی کی عزت بھی ایک عجیب سی حالت ہوتی ہے۔ جو صدیوں کی برکت عزت
اگر ایک فریق سے چھین لیتی ہے تو فاتح فریق کو صدیوں کی عزت حاصل ہو جایا کرتی ہے۔ اس
وقت قبائل کی سرداری بھی صحیح معنوں میں فرزندان شاہ جی کو حاصل تھی۔ اور ہر دو ریاست ہائے
تنول کی عزت بھی ان کو حاصل تھی۔ مگر ان سب سے بڑھ کر ایک اور عزت تھی جس کی فوقیت کا
اثر سب پر غالب تھا، وہ یہ تھی کہ سلطنت درانیہ کے خود شاہی خاندان کے سرداران کا ہزارہ و کشمیر
پر تصرف ہو چکا تھا۔ اور علاقہ پکھلی دولتِ دُرّانیہ کی طرف سے دوبارہ بطور جاگیر سادات
تھانہ کو دیا گیا تھا۔ جس پر سید شاہ گل کے فرزند سید اعظم کے برادران میں سے سید عمران

بھائیوں کی طرف سے انتظام اور قبضہ و وصولیات کیلئے مسلسل ڈھائی سال مقرر رہیں مقیم
جو سردار گورنر کشمیر مقرر ہو کر آیا کرتا تھا۔ کابل اور کشمیر کے درمیان سلطنت کی دلی دوستی
واحترام کا مقام ستھانہ تھا۔ ہر امیر وہاں قیام کیا کرتا تھا۔ اور ان سادات کا درجہ دولت
وابستگان سلطنت کا تھا۔ البتہ ہزارہ پر یا ان مذکورہ ریاستوں پر حکومتِ دُرّانیہ کا قبضہ
برائے نام ہی بطورِ فوقیت کے تھا کہ گاہے گاہے ان کے اعاظم امور میں مداخلت ہو جاتی
زیادہ دخل اندازی نہ تھی۔

یہ حالات میں جہاں تک پہنچا چکا ہوں اٹھارہوں صدی عیسوی کے خاتمہ کے
اُنیسویں صدی عیسوی کے پندرہ اور اٹھارہ سال کے درمیان کے ہیں۔ الغرض احمد علی
صوبہ خانی ایک زبردست شخصیت کا مالک تھا۔ جب اس کو جلاوطنی کے ایام میں اس کے
بلند خان نے قتل کر دیا اور اس کی نہ صرف کل ریاست ہی لے لی، بلکہ بی بی اور لڑکی کو بھی
کے شنگوی کو لے گیا تو چونکہ احمد علی خان کی بی بی نواب خان ہیبت خانی کی ہمشیرہ تھی۔ نیز احمد علی
خان کی بہن نواب خان کی زوجہ تھی۔ جس سے نواب خان کے تین فرزند تھے جن میں سے
سے بڑا پائندہ خان تھا جو بعد میں نہایت بہادر شیر دل مشہور ہوا۔ دوئم مدت خان تھا۔ سوئم امیر
خان تھا۔

اس ہیبت خانی خان اور اس کے تمام خاندان پر یہ بات نہایت بُری اور ناگوار گزری
کیونکہ احمد علی خان نے اس خاندان کے ساتھ ظاہری صلح بھی کر لی تھی۔ لہٰذا سردار نواب خان
نے اپنا فرض جان کر اپنی ہمشیرہ کی مخلصی کے لئے اپنے مستقر گلی بدر ہال سے ایک فوجی مہم اپنے
بڑے فرزند پائندہ خان کی ماتحتی میں سربلند خان کے لئے روانہ کر دی۔ پائندہ خان بڑا دلیر اور
بے حد شجاع نوجوان تھا، وہ اپنی پھوپھی کو معہ لڑکی و خدمت گاران و عملہ کے سربلند خان کے
قبضہ سے چھڑوا لانے میں کامیاب ہوگا۔ اور ممکن ہے پہلے سے احمد علی خان کی بڑی بیٹی پائندہ
خان کی منسوبہ تھی۔ اب جب کہ ان کو گلی بدر ہال لے آئے تو نواب خان سردار نے شیر دل
پائندہ خان کی شادی اس احمد علی خان کی بیٹی سے بڑے تزک واحتشام سے کر دی ہو۔

یہی بی بی آگے چل کر اس بی جی صاحبہ کے نام ولقب سے مشہور ہوئی جو اپنے فرزند
جہاں داد والی ریاست امب کی معنا حکمران بھی رہی اور اس کی دوسری حقیقی ہمشیرہ سادات

فرزند سید اعظم خان میاں کی زوجہ تھی اور اسی سبب سے
ستھانہ میں سے سید شاہ گل کے بڑے
مدت تک خاندان امب و ستھانہ میں یک دلی و یک وجودی اور رشتہ داری قائم رہی۔
جب سردار نواب خان اپنے فرزند کی شادی سے فراغت پا چکا تو اس نے سربلند خان
صوبہ خانی کے خلاف اس وجہ سے ایک فوجی مہم تیار کی کہ سربلند خان نے اس کی ہمشیرہ کو
سال کیوں قید میں رکھا تھا۔ سردار نواب خان نہایت بہادر اور اولوالعزم اور منتظم شخص
تھا۔ اس نے تمام ملک بھر میں چیدہ برگزیدہ بہادر اور پہلوان اور نامور شجاع چُن چُن کر اپنے
ہمراہ نہایت اعزاز واکرام سے رکھے تھے اور وہ ہمیشہ اپنے ساتھیوں کی غیر معمولی شجاعت
وجرأت کی وجہ سے فتوحات حاصل کرتا رہا۔
چنانچہ جب اس مرتبہ اس نے انتہائی غصہ میں اپنا لشکر تیار کر کے موضع پوہار پر جو
حکومت صوبہ خانی کا مرکز تھا، حملہ کر دیا، تو سربلند خان سے مدافعت نہ ہو سکی۔ بلکہ گرفتاری کے
خوف سے وہ میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ سردار نواب خان نے قلعہ پوہار کو اول تو جلا دیا اور
پھر از سر نو تعمیر و آباد کر کے اپنے سپاہی اس پر متعین کر کے باقی لشکر کے ہمراہ فاتحا وخانما گلی بدر
ہال کو واپس آ گیا۔ (یہ گلی شیر گڑھ اور پھنہ کے درمیان واقع ہے)۔
اس پر جب چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا تو سربلند خان نے ڈیڑھ ہزار سپاہی پیادہ و سوار ہمراہ
لے کر اچانک قلعہ پوہار پر حملہ کر دیا۔ اور تھوڑے مقابلہ و جنگ کے بعد اس نے قلعہ کو فتح کر
لیا۔ مگر ہمیشہ کے لئے اپنا مستقر مرکز قدیم موضع پوہار کو بنانے کی بجائے اس نے اپنی سکونت
موضع شنگوی میں مقرر کرنی تھی جو میدان ہزارہ کے شمال مشرق گوشہ میں اک بلند مقام ہے۔
اس لئے قلعہ میں سپاہی چھوڑ کر واپس شنگوی چلا گیا۔ مگر جب سردار نواب محال کو اطلاع ملی تو وہ
فوراً چار ہزار سوار پیادہ فوج لے کر قلعہ پوہار کو آ پہنچا اور فوراً فتح کر لیا۔ اس کے بعد سردار نواب
خان اپنی فوج ہمراہ لے کر موضع پہاروکوٹ میں جو ہزارہ کے میدان کا شمالی حصہ ہے جا پہنچا اور
ڈیرہ لگایا۔ اور اپنا خط دے کر ایک قاصد ہزارہ کے رئیس اعظم محمد خان ترین کے پاس موضع گل
ڈھیری میں روانہ کیا اور اس کو دعوت دی کہ مہربانی کر کے مجھ سے آ کر ملاقات کریں کہ ملکی
معاملات میں ایک اہم مشورہ در پیش ہے۔
دوسرے دن کل ہزارہ کا رئیس اعظم محمد خان ترین اپنے مسکن گل ڈھیری سے روانہ ہو کر
سردار نواب خان کو ملنے روانہ ہوا۔ اور ادھر سے سردار نواب خان معہ موور بلغ فوج کے

بہاروکوٹ سے سوار ہو کر جنوب کی طرف ہزارہ میں داخل ہوا۔ اور موضع سکندر پور متصل ہری پور میں (ہری پور بعد میں آباد ہوا اس وقت نہ تھا) دونوں سردار آپس میں ملاقاتی ہوئے۔ بعد از ردوبدل مشاورہ اس پر دونوں کا اتفاق قرار پایا کہ کل سردار نواب خان شمال مغرب کی طرف سے اپنی فوج کے ساتھ موضع شنکوئی پر حملہ آور ہو۔ اور جنوب مشرقی کی جانب سے رئیس ہزارہ محمد خان ترین سربلند خان صوبہ خانی کے مستقر موضع شنکوئی پر حملہ آور ہوگا۔ اور موقعہ پر پہنچ کر دونوں لشکر متفقہ مشورہ سے حملہ اور جنگ کی تجویز کریں گے۔ بعد از تکمیل مشورہ سردار تنول و رئیس ہزارہ اپنے اپنے مستقروں واپس چلے گے۔

دوسرے دن دو ہزار سپاہی ساتھ لے کر موضع گل ڈھیری سے رئیس ہزارہ روانہ ہوا اور سردار نواب خان بہاروکوٹ سے روانہ ہوا۔ ابھی دونوں لشکر آپس میں ملے نہ تھے کہ سربلند خان کا سفیر معتمد محمد خان ترین کو راستے میں آملا۔ اور جب رئیس ہزارہ کو اس نے سربلند خان کی طرف سے سردار نواب خان کی اپنی ہم قوم کے خلاف حملہ آوری کو بطور نظیر پیش کر کے بلا سبب اپنے خلاف اس کی معیت میں حملہ آوری پر ملامت کی۔ اور مناسب موقعہ ایسا مشورہ پیش کیا کہ محمد خان ترین حیران و متفکر ہو کر سوچ میں پڑ گیا۔ اور اُسی جگہ ٹھہر گیا۔ اور یہی اطلاع جب سردار نواب خان کو پہنچی جو لشکر ہمراہ لے کر موضع کانڈل تک آچکا تھا۔ وہ بھی اسی جگہ ٹھہر گیا۔ اور بعد از واقفیت احوال اپنا لشکر ساتھ لے کر واپس تنول کو چلا گیا۔ اور محمد خان بھی گل ڈھیری کو واپس ہوگیا۔

اس کے بعد سردار نواب خان کے عہد میں ایک اور عظیم معرکہ اس کو پیش آیا کہ عنایت اللہ خان رئیس اعظم اگرور اور سردار نواب خان کے درمیان میں ملکی حد بندی اگرور و تنول پر تنازعہ برپا ہو کر نوبت جنگ کی آگئی۔ عنایت اللہ خان نے اپنے سواتی قبائل شمالی کے امدادی لشکر منگوائے جو نکری نند پہاڑ الائی وغیرہ بھی آئے اور ان کی وساطت سے کوہستانی دریائے سندھ کی قوموں کا ایک عظیم الشان لشکر اٹھا لایا گیا۔ جس میں کوہستانی لوگ جن کو اس زمانہ میں ٹھوہڑ کہا کرتے تھے۔ ان کی بارہ ہزار نفری لشکر پر آگئی۔ ادھر سے سردار نواب خان نے اپنی قلمی فوج ساتھ لے کر موقعہ تنازعہ پر جا پہنچے۔ تنولی سپاہ کا تخمینہ اس وقت پانچ ہزار سپاہی کا تھا۔ مگر اس لشکر میں جو سردار نواب خان کے جنگی آزمودہ کار افسر تھے۔ وہ ایک ایک بہادر ایک ایک ہزار کے برابر شمار ہوتا تھا۔

۱۔منیرا پہلوان ۲۔جانا جمعدار ۳۔رحموا جمعدار ۴۔سمبند خان ۵۔قاسم جمعدار وغیرہ ہر ایک بہادر بمنزل ایک لشکر کے تھا۔ دونوں لشکروں کی آپس میں ٹکر ہوئی اور دست بدست لڑائی نہایت سخت واقعہ ہوئی۔ طرفین سے مردوں کے ڈھیر لگ گئے۔ مگر مذکورہ بالا بہادر افسروں کی بہادری اور شمشیر زنی سے کوہستانی لشکروں کو سخت شکست ہوئی۔ اور سردار نواب خان کو فتح کامل حاصل ہوگئی۔ مقتولان و مجروحان کا بندوبست کرنے کے بعد سردار تنول فاتحاً و غانماً گل بدرہال کو واپس آگیا۔

اس جنگ میں کہنہ نام ایک بے حد بہادر ہندو اعلان کر کے دشمن کی طرف سے میدان میں نکلا کہ سردار نواب خان کے ساتھ مقابلہ میں کروں گا۔ سردار موصوف مقابل ہوا۔ ہندو نے سخت بہادری دکھائی۔ خان سردار نواب خان اس کے مقابل صرف مدافعت ہی کرتا رہا۔ اور ہندو قریب غلبہ کے ہوتا گیا۔ اتنے میں خان کے لشکر سے ایک نہایت مسمی کبیر رانے پیچھے سے پہنچ کر ہندو کو خنجر سے ہلاک کر دیا۔ اور یہ جنگ دشمن کی شدید شکست پر ختم ہوگئی۔

بمصداق اس مقولہ مشہورہ کے کہ ہر کمالے را زوال۔ جس طرح احمد علی خان نے کمال عروج حاصل کرنے کے بعد انجام کا جلاوطنی کے عالم میں دوسرے کے ہاتھ سے مقتول ہو کر دنیا سے رُخصت ہوا۔ ایسا ہی اس کے حریف سردار نواب خان کے لئے بھی کارخانہ قدرت میں ایک عبرت ناک انجام مقدر تھا۔ جب کہ سردار نواب خان نے اپنے باپ دادا کے وقت اور طاقت سے زیادہ اقبال مندی اور نام آوری حاصل کر لی تھی۔ بلکہ صوبہ خانیوں کی مانند حیثیت بنا چکا تھا۔ دو ہر فرقہ ہائے تنولی ہندوال اور پلال کے واحد سردار ہوا کرتے تھے۔ ایسا ہی سردار نواب خان اپنے فرقہ کے علاوہ پلال فرقہ کا بھی سردار اور فرمانروا تسلیم ہو چکا تھا۔ اگر چہ صوبہ خانیوں نے سرداری صدیوں تک کی۔ مگر نواب خان بھی اپنی اولاد کو اس قدر بلند کر گیا کہ صوبہ خانی سرداری معدوم ہوگئی۔ مگر آخر کار ایک بہت بُرا حادثہ پیش آیا جو اس بہادر سردار کی بربادی کا موجب ہوگیا۔ اگر اس کا فرزند سردار پائندہ خان جیسا شیر دل نہ ہوتا تو ان کی ریاست کا ہی خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر اس بہادر نے اپنی شمشیر خارا شگاف کے وہ نقش چھوڑے کہ آئندہ نسلوں تک ریاست کی کل املاک واحد ملکیت والی ریاست بنا گیا۔

جب ۱۸۱۶ء میں سکھ سلطنت کی فوجوں نے کشمیر کا رخ کیا۔ اور سردار محمد عظیم خاں برادر

کلاں امیر دوست محمد خان کو محسوس ہوگیا کہ شاید اس کے ہاتھ سے خطہ کشمیر نکل جائے اور
قبضہ اس پر قائم نہ رکھ سکے اور وہ خود اس شدید معرکہ کے انتظام میں لازماً مصروف ہوگا۔ مگر
کل اثاثِ البیت اور مستورات کو معہ ایک دستہ فوج کے اور ضروری خزائن کے وطن کو لینے کا
کو روانہ کردیا۔ ان اہل حرم شاہی میں والدہ معظمہ امیرانِ کابل جوادے کے لقب سے مشہور
تھی (پشتو میں ادے بمعنی والدہ یا لقب والدہ کے ہے) وہ بھی ہمراہ تھی۔ ہزارہ کی تاریخوں میں
غلطی سے اس مادر مشفقہ کے لفظ کو نہ سمجھ کر ان کا لقب ادعیہ بیگم لکھا ہے۔ دراصل لفظ ادے
ہے۔ یہ محترمہ والدہ سلاطین کابل تھی گویا مادرِ ملّت افغانیہ تھی۔ یا کوئین مدر انگریزی لفظ کہنا
چاہیے۔ اس قافلہ کو براستہ پکھلی واگرور دربند روانہ کیا گیا تھا۔

سردار محمد عظیم خان معہ بارہ ہزار نفری فوج کے سکھ فوج کے مقابلہ پر آمادہ ہوگیا جس
وقت اہل حرم شاہی معہ فوجی دستہ وخزائن ونفائس کے دربند سے گزر کر دریائے سندھ پر پہنچے تو
کاردارانِ سردار نواب کان نے حسب معمول دریا کے گزر کا محصول طلب کیا۔ چونکہ یہ دستہ فوج
حرم سلطانی کے ہمراہ تھا۔ اور اس علاقہ کو سلطنت سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے محصول دینے سے
حفاظتی دستہ نے قطعی انکار کردیا۔ اس اثناء میں سردار نواب خان خود بھی گلی بدر ہال سے دربند
میں پہنچ آیا۔ اور تمام مذکورہ حالات سن کر اس نے یہ حکمتِ عملی اختیار کی کہ نصف فوج کو بلا
ادائیگی محصول پہلے دریا سے پار کرادیا اور اسباب وکار آمد افراد کا عبور مؤخر کردیا۔ تب حکم دیا کہ
جب تک وہ محصول گزرادانہ کریں گے ان کو پار نہ کیا جاسکے گا۔

مورخ ہزارہ لکھتا ہے کہ یہ عمل سردار نواب خان سے بڑی غلطی کا سرزد ہوا کہ والدہ
سلطنت کی بے حرمتی کی۔ حالانکہ اسی امیر محمد عظیم خان نے پلال خوانین کے حملوں سے اس
نواب خان کو محفوظ کرایا تھا۔ اور ہندوال قبیلہ کی سرداری پر متمکن کرایا تھا۔ اور اس کو ایک جدا
گانہ ریاست کی حیثیت حکومتی قواعد سے عطاء کی تھی۔ اور اپنی فوج سے اس کو کمک دے کر اس کا
مکمل استحکام کرادیا تھا۔ اس سلطنت پر وہ وقت ہمدردی کا تھا، مگر اس سردار سے ایسا عمل سرزد
ہوا۔ جس کی توقع امیر محمد عظیم خان کو ہرگز نہ تھی۔ سردار موصوف نے اپنے اہل حرم کو ان دشوار
گزار راستوں سے اسی واسطے روانہ کیا تھا کہ وہ سردار نواب خان کو اپنا مخلص خیال کرتا تھا۔ آخر
مجبور ہوکر مادر ملکہ نے محصول ادا کردینے کا حکم اپنے کارندوں کو دیا۔

اسباب دریا سے پار کرتے وقت پارجات میں سے ایک مرصع جواہر نگار آزاد بند جس
میں جواہرات اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ اور وہ ملکہ والدہ کا تھا۔ وہ بھی پسند کر کے لے لیا
گیا۔ مگر بلا رضا مندی جس کے لینے کی شہرت محصول لینے سے بھی بہت زیادہ بدنما رنگ
میں عام طور پر ہوگئی۔ اور ملکہ والدہ کے بے حد دل شکنی کا موجب امر واقعہ ہوا۔ تب تمام
مستورات اور اسباب اور ڈولیاں کشتیوں میں دربند کے گزر پار ہوگئیں۔ والدہ ملکہ نے یہ تمام
بے حرمتی کا حال لکھ کر اپنے فرزندوں سردار عظیم خان وغیرہ کو بھیجا کہ تیرے احسانات کا معاوضہ
سردار نواب خان نے یہ دیا ہے جو سلوک میرے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔ اس احسان فراموشی
اور میری بے عزتی کی سزا اس تنولی سردار کو تمہارا لازمی فرض ہوگا۔ جس وقت یہ تحریر سردار عظیم
خان کو پہنچی۔ اس کو سکھ فوج کے ساتھ سخت جنگ کے بعد شکست ہو چکی تھی۔ قریباً دو ہزار سپاہی
سوار و پیادہ کا بھی لشکر سے مقتول ہو چکے تھے۔ اس وجہ سے بھی امیر موصوف دل برداشتہ ہو چکا
تھا۔ مگر جب اس کو ملکہ مادر کا خط پہنچا، تو اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور کشمیر
سے اپنی روانگی سے پہلے سردار نواب خان کو ایک خط لکھا کہ وراثتِ آبائی پر اپنی فوج دے کر تم
کو متمکن کرانے اور ریاست دلانے کا معاوضہ ایسا ہی تم کو دینا لازم تھا۔ جو سلوک تم نے میری
والدہ و اہل حرم سے کیا ہے۔ اب لازم ہے کہ سامانِ مقابلہ کا پوری طور پر مہیا کرلو اور اپنی قوت
و طاقت جنگی جس قدر ممکن ہوسکے فراہم کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھو تا کہ افسوس باقی نہ رہے
غرض کشمیر سے سردار عظیم خان بھی ارادہ دل میں لے کر جب مظفر آباد پہنچا، تو اس جگہ
سلطان زبردست خان کی دختر منکوحہ سردار عظیم خان تھی۔ بلحاظ قرابت و رشتہ داری سلطان
موصوف سے بھی سردار نے اُس کا لشکر طلب کیا اور سلطان نے دو ہزار نفری سوار و پیادہ مہیا کر
دیا۔ اس کے علاوہ کھکھہ و بمبہ قوم کے سرداروں نے بھی بلحاظ قرابت سلطان مزید سپاہ ہر ایک
نے بقدر مناسب حال ہر ایک نے ہمراہ کردی۔ اس لئے کہ سردار نوب خان صاحب کی بہادری
و معرکہ آرائی کی شہرت تمام ملک میں دور تک مشہور تھی۔ اس موقعہ پر جب سردار سربلند خان
پلال صوبہ خانی کو ان واقعات کا علم ہوا تو وہ امیر محمد عظیم خان کے پاس خود پہنچ گیا۔ اور اس
مقدمہ کے بارے میں ایک گھر کے بھیدی کی مانند امیر افغانستان کا صلاح کار و ہمراز بن گیا۔
اپنے ہمراہ تین صد سوار و پیادہ سپاہ بھی لے جا کر امیر کی خدمت میں حاضر کردی۔ مثل مشہور

ہے۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔

امیر محمد عظیم خان نے اس مہم میں اپنے تمام کاروبار کا انحصار سربلند خان کے مشورہ پر موقوف رکھ دیا اور اپنا لائحہ عمل اس کی تجاویز پر مقرر کر دیا۔ تب یہ لشکر وہاں سے چل کر پکھلی میں آیا اور پکھلی سے چل کر درانی لشکر کا ڈیرہ توبڑہنہ میں ہوا۔ یہ کل فوج درانی معہ لشکر ملکی تیرہ ہزار تھی۔ جو سوار و پیادہ تھے۔ ادھر سردار نواب خان نے بھی اپنے بہادر سرداروں کے ساتھ جو کار آزمودہ تھے، ایک ہزار قلمی نوکر اور چار ہزار قومی لشکر لے کر آمادہ مقابلہ ہو کر قلی بدرہال سے آگے پیش قدمی کر کے موضع پھوحدرہ میں ڈیرہ کیا۔

نامی سردار اور چیدہ بہادر خان کے لشکر میں اس وقت مسمیان جاز جمعدار۔ ۲۔ رحمزہ جمعدار ۳۔ سمندر خان۔ ۴۔ سردار محمد خان جمعدار۔ ۵۔ قاسم جمعدار۔ ۶۔ برکات جمعدار۔ ۷۔ سہباز ۸۔ حبیب خان برہانی۔ ۹۔ اس کا فرزند امیر خان برہانی۔ ۱۰۔ راجہ معز اللہ خان۔ ۱۱۔ سردار شیر خان ساکن جلو بلھگ۔ ۱۲۔ و مسمی مقام موچی۔ ۱۳۔ منیرہ پہلوان وغیرہ کامل سامانِ جنگ سے آراستہ تھے۔ سردار نواب خان نے جو کہ کوہستانی اور سواتی لشکرِ عظیم کو شکست دی تھی جو اس کے لشکر سے سہ چند زیادہ تھا۔ تو اس جگہ بھی اس کا خیال تھا کہ وہ دشمن کا مقابلہ پوری طاقت سے کر سکے گا۔ امیر محمد عظیم خان کو بھی سخت تردد تھا کہ تنولی سپاہیوں کی شمشیر زنی کے افسانے وہ سن چکا تھا کہ وہ اس فن میں کامل ماہر ہیں۔ اس نے تنولیوں کے طرز و طریق جنگ معلوم کرنے کے خیال سے یہ تجویز پسند کی کہ پہلے دن کا معرکہ لشکر بمبہ قوم اور کھکھہ قوم کریں تاکہ وہ طریق جنگ دشمن کا معلوم کر لیوے۔

چنانچہ دوسرے صبح دونوں لشکر مقامِ میدان ٹھکر میرہ کے متصل صف آراء ہوئے اور سب سے پہلا شخص جو گھوڑا میدان میں دوڑا کر نکلا جہان خان عرف جانہ جمعدار تھا۔ اس نے نیزہ سر سے پھرایا اور گھوڑے کو چکر دے کر بمبہ قوم کے لشکر پر حملہ کیا اور اس فوج کے سردار پر نیزہ کا وار کیا۔ وہ بھی سپاہی مرد تھا جو اپنے گھوڑے سے الگ ہو کر جانہ جمعدار کا وار خالی کر دیا۔ اور پھر اپنی زین پر قائم ہو گیا۔

دوبارہ کیا حملہ جانہ نے ساز ‏ ‏ ‏ زباں نیزہ کی ہوگئی پھر دراز
لیا نوک نیزہ پہ بمبہ کو صاف ‏ ‏ ‏ کیا قتل لشکر میں لا بے گزاف

اس دلیرانہ جھپٹ سے لشکر بمبہ میں کھلبلی پڑ گئی اور فرار ہو چلا۔ ادھر سے سردار نواب خان نے عام حملہ کا حکم دے دیا اور تنولی فوج نے لشکر بمبہ پر ہلہ بول دیا۔ اور قریباً تین صد سوار و پیادہ سپاہی بمبہ قوم مقتول میدان میں رہ گئے۔ تنولی لشکر کی یہ حالت دیکھ کر امیر درانی کمال تقویت سے دس ہزار فوج درانی ساتھ لے کر صف آراء ہو گیا۔ اور دوپہر کے وقت تک طرفین سے سخت خونریز حملے جاری رہے۔

تیغ زنی اور نیزہ بازی ہوتی رہی۔ اور جانبین کے اکثر کار آمد اور جنگ آزمودہ جوان مارے گئے یا زخمی ہو گئے، مگر تنولی لشکر نے کمال ثابت قدمی سے دادِ شجاعت دی۔ منیرہ پہلوان نے خوب داد مردانگی دی۔ اور بے شمار درانی سپاہی تہ تیغ کیے۔ قریب تھا کہ لشکر درانیہ کو بھی شکست ہوتی مگر سردار محمد عظیم خان خود آگے بڑھا اور درانی فوج کو زور سے للکار کر کہا افسوس تمہاری تعداد کثیر اور اسباب جنگ وافر اور پھر مٹھی تنولیوں سے دبے جا رہے ہو۔ کشمیر تو چھوٹ چکا ہے اور کابل بہت دور ہے۔

اس آواز میں غضب کا اثر تھا کہ کابلی فوج میں نئی قوت پیدا ہو گئی۔ اور مقابلہ اور بھی زیادہ سختی سے جاری رہا۔ مگر سردار نواب خان اور اس کا لشکر ثابت قدم تھا۔ گویا ان کے قدم میدان میں گڑے ہوئے تھے۔ اس سے اکثر سردار نواب خان کی زبان پر یہ مقولہ جاری رہتا تھا کہ جس روز منیرہ پہلوان نہ ہوگا، میری سرداری بھی ختم اور تمام ہوگی۔

اتفاق سے منیرہ پہلوان اور مقام موچی درانی فوج کے ہاتھوں سے تلواروں کے زخموں سے ہلاک ہو گئے پھر بھی سردار نواب خان مقابلہ پر جما رہا

بہت جنگ کی اس نے مردانہ وار ‏ ‏ ‏ دکھائے ہنر جنگ کے صد ہزار
ذرا بھی نہ صرفہ کیا جان کا ‏ ‏ ‏ مگر بخت یاور نہ تھا خان کا

درانی فوج کا ثبات اور پے در پے حملے دیکھ کر اپنا مقولہ پھر دہرا کر کہا کہ جس روز منیرہ پہلوان نہ ہوگا، میری سرداری نہ بھی ہوگی اور اپنی تلوار نیام میں کر لی۔ جانہ جمعدار اور اپنے فرزند پائندہ خان و مدت خان کو بلا کر حکم دیا کہ وہ معہ لشکر جم کر درانیوں سے جنگ جاری رکھیں اور کہا کہ میں خود گلی بدرہال کو جاتا ہوں اور عیال و اطفال کو گلی سے بجانب یاغستان کوہ مہابن روانہ کرتا ہوں۔ اس لئے کہ غلبہ درانی لشکر کا مجھ پر ثابت ہو چکا ہے۔ تم شام کو لڑتے رہنا اور

بعد از شام جب دشمن کی فوج اپنے مستقر میں چلی جائے اور تم بھی اپنے ڈیرہ پر آ جاؤ اور دشمن آرام کر لے تب تم دشمن کی بے خبری میں تمام لشکر اٹھ کر گلی بدرہال کو چلے آنا۔

الغرض نواب خان لشکر سے گلی کو چلا گیا اور جانہ جمعدار پائندہ ومدت خان فوج کو شام کی تاریکی ہونے دشمن سے لڑاتے رہے۔ شام تک طرفین کے سوا پیادہ قریباً چھ صد سپاہی مارے گے۔ مگر کسی فریق نے قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ اور ہنوز جنگ سے سیری نہ ہوئی تھی کہ شام کی تاریکی نے لشکروں کو ڈیروں پر جانے کے لئے مجبور کر دیا۔ پائندہ خان نے تاریکی ہونے کے بعد اپنے زخمیوں کو بھی اور لشکر کو بھی باوجود دن بھر کے تھکے ماندے ہونے کے بھی ہمراہ لے کر راتوں رات گلی بدرہال میں آ گیا۔ یہ راستے سخت پہاڑی اور دشوار گزار ہیں۔ گلی چار پانچ میل دور تھی۔

سردار نواب خان جس وقت میدانِ جنگ سے گلی کو پہنچا تھا۔ اسی وقت اس نے عیال و اطفال اور ستر دار کو معہ توابعین ولواحقین وخزانہ واسباب ضروری نکال کر کامل حفاظت کا دستہ ہمراہ دے کر اور ان کو منزل مقصود کوہ مہابن یاغستان علاقہ امازئی میں موضع پربہ بتلا کر روانہ کر دیا تھا تا کہ یہ جانے والے رات میں بھی اور دن میں گزربند سے دریا عبور کر کے اپنی جان موضع پربہ کو پہنچا دیں۔ ان دنوں امازئیوں کے ملک سلطان شاہ خان ڈھوڈی یہ ملک تپہ امازئی میں فرقہ حرم بیکی میں تھے جن کو بعد میں بنگلی کا گاؤں بطور انعام دیا گیا تھا۔ جو ۱۸۸۹ء میں نواب اکرم خان نے امازئیوں سے واپس لے لیا۔ خان امازئی موضع پربہ کے مالک تھے۔ ان کے زیر سایہ اہل حرم والیانِ تنول نے جا کر پناہ لی (چنانچہ پائندہ خان کے حرم محترم دختر احمد علی خان کے بطن سے جہانداد فرزند پائندہ خان تولد ہوا)

جب میدانِ جنگ سے رات رات میں پائندہ خان کو لشکر کو ہمراہ لے کر گلی میں پہنچا تو سردار نواب خان جو اہلِ حرم عیال واطفال کو گلی سے دن میں روانہ کر چکا تھا خود بھی قدرے آرام کرنے کے بعد اپنے تمام لشکر کو ہمراہ لے کر گلی سے روانہ ہو کر دربند کے قلعہ میں پہنچ کر قلعہ نشین ہو گیا۔ جو گلی سے تیس میل دور ہے مگر راستہ سنگلاخ ہے۔ ادھر پڑہنہ میں جب صبح ہوئی تو لشکر درانیہ میں ان حالات کی خبر پہنچی تو سردار درانی تین دن تک اسی جگہ متوقف رہا۔ اور پھر بہ ترغیب وتحریص سربلند خان صوبہ خانی کے تیسرے دن نواب خان کے تعاقب میں درانی لشکر

کا مقابلہ کیا۔ مگر خان کی رعیت ملکی تنولی سپاہ سردار نواب خان سے منحرف ہو کر فوج درانیہ کے ساتھ مل گئے اور خان کے لئے بجز ترکِ وطن چارہ ہی نہ رہا۔

لہٰذا خان معہ جانہ جمعدار اور رحمزہ ومنہدہ گجر وقاسم جمعدار اور تین صد نمک حلال تنولیوں کے جو پیادہ وسوار تھے دریائے سندھ کو عبور کر کے پار ہو کر علاقہ یاغستان کوہ مہابن قوم امازئیاں میں جا پہنچے۔ بدقسمتی سے موسم برف باری کا تھا، ڈیڑھ سو گھوڑے ہمراہ تھے جن کے باندھنے کی جگہ کہیں نہ تھی۔ لہٰذا فی گھوڑا یومیہ رائج الوقت خان نے کرایہ دینا مقرر کر دیا جس کے لالچ میں ہر ایک گھر والے نے ایک ایک گھوڑا اپنے گھروں میں لے جا کر گرم جگہ باندھ لئے اس طور سے خان کو یومیہ ڈیڑھ صد روپیہ تو صرف ایک رات کے لئے گھوڑوں کا دینا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ گھاس دانہ ان کیلئے بھی مہنگا خریدا جاتا اور تین صد نفوس کے لئے نفسی خرچ کا بندوبست بھی اور ان کے لئے رہائش کے ڈیرے بھی کرایہ پر لینے پڑتے تھے۔ بہت تکلیف اور تنگی تھی، مگر سردار نواب خان امازئیوں کے گاؤں پربہ میں اور امیر محمد عظیم خان دربند میں پورے چھ مہینے تک مقیم اور پابند رہے۔ اس کے بعد سرد موسم بدل چکا تھا۔ بہ مشورہ سربلند خان سردار عظیم خان نے ایک منصوبہ بنایا کہ مسمی عبید شاہ سید ساکن موضع نکوٹ علاقہ پکھلی کو (بہ اختلافِ روایت وحید شاہ یا عبید شاہ) وغفور خان ملک اگرور ودیگر مردانِ معتبر کو بطور جرگہ نواب خان کے پاس روانہ کیا اور بھیجا کہ تمہارے درمیان قرآن مجید کلام اللہ اور تیغ ضامن اور واسطہ ہے میں اپنے وطن جا رہا ہوں۔ تم آ کر اطاعت پذیر ہو جاؤ اور اپنی ریاست اور حکومت پر متمکن ہو جاؤ تا کہ آئندہ حکومت درانیہ کی اور تمہاری آشتی اور دوستی برقرار رہے۔

جب خان کے پاس پربہ میں یہ جرگہ پہنچا اور سردار کابل کا یہ پیغام دیا تو خان نے اس جرگہ کی بے حد مدارت کی اور جواباً کہا کہ میرا دل تو اس جانے میں سخت خطرہ محسوس کرتا ہے۔ مگر اعتبار اعظم اور جرگہ کی خاطر توکل بخدا جاتا ہوں۔

اس وقت سردار نواب خان کے تین فرزند تھے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے لکھا ہے:

پسر تین تھے خان کے باہنر　　مثلث ہے جس طرح لفظِ پسر

پائندہ خان اور مدت خان دلیر سوئم امیر دلاور۔ ان میں فرزندِ کلاں پائندہ خان کو خان نے ہمراہ لیا جو ہر کام میں ہوشیار اور تجربہ کار تھا۔ اور لباس فاخرہ پہن کر اپنے مستقر سے اسلحہ

بند ہو کر جرگہ مذکورہ کے ہمراہ دربند چلا آیا۔ جب خیمہ سردارِ کابل کے متصل پہنچے اور امیر کو اطلاع دی گئی تو اس نے اندر بلایا۔ ہزارہ کا مورخ لکھتا ہے:

اُٹھا شاہ تخت سے شاہ درانیان بگفتا کہ خوش آمدی اے جوان

بظاہر نہایت تپاک وخلوص سے ملاقاتی ہو کر سردار کو کرسی پر بٹھایا۔ اور عبید شاہ، وحید شاہ اور عبدالغفور ملک وغیرہ اہل جرگہ فرش پر بیٹھ گئے اور پائندہ خان اپنے والد کی پشت پر دست بستہ مودب کھڑا رہا۔ اہل جرگہ نے بھی گفتگو مودبانہ ومخلصانہ کی اور سردارِ کابل نے بھی شیریں زبان سے نواب خان سے کہا جو کچھ ہوا وہ ہو چکا اب ہماری طرف سے امن وصلح ہے:

بماوشما تیغ ومصحف بدست کہ در صلح نازیم گاہے شکست

ملک اپنا سنبھالو اور عیال وطفال اپنے بلالو۔ ہم چار روز بعد یہاں سے کوچ کریں گے اور کابل سے دوبارہ فوج لا کر سکھوں سے مقابلہ کریں گے۔

امیر کابل کا دل غصہ سے بھڑک رہا تھا، مگر وہ اس حیلہ سے تمام خاندان نواب کا منگوا کر یکجا سب کو غرق کرنا چاہتا تھا۔ القصہ چار دن تک ان کی خوب مہمان نوازی کی گئی اس کے بعد بلا کر سردار محمد عظیم خان نے کہا کہ تم نے باوجود ہماری صلح وامن دہی کے اپنے اطفال وعیال کو پربہ سے نہ منگوایا۔ اس لئے تم کو معہ فرزند پائندہ خان قید کیا جاتا ہے اور جب تک عیال و اطفال نہ منگاؤ گے قید سے رہائی نہ ہوگی۔

سردار نواب خان نے مردانہ ہمت سے اس قہر سلطانی کے وقت بھی عرض کیا کہ میرے عیال واطفال ان یاغستانی سنگ دلوں کے قبضہ میں ہیں جو چھ مہینے سے متواتر فی گھوڑا ہم سے ایک دن کا ایک روپیہ لیتے ہیں۔ اب وہ لوگ جب ہمارا کوچ سمجھیں گے تو ایسے ہی پسِ پشت اور آسانی سے بلا ادائیگی معاوضہ کبھی وہ عیال واطفال کو آنے دیتے ہیں۔ واللہ اعلم کس قدر رقومات ان کو بطور شکریہ ادا کرنی ہوں گی۔ اور ہزار قسم رعایات مراعات کے وعدے ان سے کرنے ہونگے تب ان سے برضامندی خلاصی حاصل ہو سکے گی۔ ورنہ بال بچہ کا بغیر خود میری ذات یا بیٹے پائندہ خان کے فقط جواب بھیجنے پر چلا آنا ممکن ہوتا تو ہم یہ حیلہ کر چکے، مگر اس قوم نے اس طور سے رخصت نہ ہونے دیا۔ کیونکہ ان کو اس وقت بھی ہم سے بڑی اُمید اور لالچ ہے اور آئندہ کے لئے بھی وہ انعامات وعطیات کے مواعید ومواثیق ہوں گے۔ یہ ایک ایسا

معقول اور مبنی پر حقیقت عذر تھا جو امیر کو صحیح معلوم ہوا یقین اسکو آ گیا کہ واقعی اس قبیلہ کے لوگ فی گھوڑا یومیہ ایک روپیہ تو ان سے یقیناً لیتے ہیں تو آخری رخصتانہ تو لئے بغیر یقیناً آنے نہ دیتے ہوں گے۔

لہٰذا امیر نے حکم دیا کہ ستر داروں کے لئے ڈولیاں اور کہار ہمراہ دیئے جائیں۔ اور پائندہ خان کے لئے حکم دیا کہ وہ خود جا کر قبائل یاغستانی کا ترفیہ کر کے اپنے اہل خاندان سب کو لے آوے۔ روانگی کے وقت سردار نواب خان نے بیٹے کو نصیحت کی کہ تم مجھ کو زندہ نہ سمجھو، بلکہ رضا بقضا ہو کر مجھ کو مردہ سمجھو، دستار سرداری کی میں تم سپرد کرتا ہوں۔ اور میری یہ وصیت ہمیشہ یاد رکھنا کبھی نہ بھولنا کہ کسی حاکم اور بادشاہ کو نہ ملنا اور نہ کسی کی ماتحتی قبول کرنا جو تم سے بڑا ہو اس پر ہرگز اعتبار کر کے اپنے آپ کو اس کے قبضے میں نہ دینا۔ اپنے چھوٹے دونوں بھائیوں کی خاطر داری وعزت میں فرق نہ کرنا اور جو پرگنہ میں نے مدت خان کو دیا ہے اور امیر خان کو دیا ہے، وہ ان کو سپرد کر دینا۔ عیال اطفال کو تسلی دے دینا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اسی میں تھی جو واقعہ ہو گیا اور وفادار نوکروں کو میرا اسلام دے دینا۔ جو کچھ سمجھانا تھا، وہ سمجھا کر آخر میں کہا:

گواہی یہی دل کی ہر بار ہے کہ یہ آخری تیرا دیدار ہے
جو کہنا تھا القصہ سب کہہ دیا کمین قریب اور نشان دغا

پھر دُعا دے کر سینہ سے لگایا اور رُخصت کر دیا

گیا وہ چشم نم ان سے پائندہ خان پدر کے تفکر میں بے تاب جان

الغرض پائندہ خان جب علاقہ امازئی کوہ مہابن میں اور موضع فروسہ میں پہنچا، تو وہاں سے کہاروں اور ڈولیوں کو واپس کر دیا۔ ایک نہایت غلط العام روایت مشہور ہے کہ کہاروں کو قتل کرا دیا۔ اور ڈولیوں کو پہاڑوں سے نیچے گرا دیا۔ مگر یہ بالکل غلط روایت ہے کہ والد زندہ قید میں ہو اور کہار عاجزوں کو قتل کر کے خود والد پر قتل کا حق امیر کا واجب کرا دیا جائے۔ جب کہار ڈولیاں خالی لے کر واپس دربند پہنچے اور حال بیان کیا کہ یاغستانی افغان اس خاندان کو رخصت دینے میں انکاری ہیں۔ بلکہ اس قدر منہ مانگے انعام طلب کرتے ہیں جس کا اس وقت پیدا ہونا بھی مشکل ہے تب سردار عظیم خان نے کوچ کا حکم دیدیا۔

لیکن سردار کابل کو سربلند خان نے تمام کیفیت سمجھا دی تھی کہ سابق خان پلال احمد علی

خان کی صرف دو بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک اس وقت پائندہ خان کی بی بی ہے۔ دوسری ستھانہ کے بڑے سردار سید خان میاں سید اعظم کی بی بی ہے اور وہ خاندان چونکہ دولت درانیہ کا نہایت دوست گویا دولت شریک ہے، وہ آپ سے ضرور نواب خان کی رہائی کی سفارش اور شفاعت کریں گے۔ اگر آپ ان کی سفارش نہ سن کر اوران کو رنجیدہ کر کے ان کے رشتہ دار کو جو سزا دیویں گے یہ خاندان بڑا غیور ہے اور تمام یاغستانی قبائل ان کے زیر حکم و زیر اثر ہیں اور آئندہ طویل مدت تک یہ لوگ دولت درانیہ کے مخالف ہی رہیں گے۔ اور آپ کو اس ملک کی سلطنت کا دعویٰ پختہ ہے تو ایسے نسل بہ نسل دوست خاندان کی دل رنجی مناسب نہیں۔ اس رشتہ داری کا مفصل حال تو سردار کو پہلے سے معلوم تھا۔ دربند سے ستھانہ دریا کے دائیں کنارے دس میل دور ہے۔ اسی جگہ سے تمام فوج دریا عبور کرے گی اور ستھانہ کے پاس شاہراہ سے گزر کرے گی۔ یہاں سے فوج ٹوپی تک جنوب کو جائے گی پھر آگے جنوبی رُخ روانہ ہوگی۔ سردار کابل نے سادات ستھانہ کا لحاظ ملحوظ رکھ کر یہ بندوبست کیا کہ دربند سے اپنی روانگی سے پہلے ایک دستہ فوج کا ہمراہ دے کر دریائے سندھ کے مشرقی اور بائیں کنارے تربیلہ کے راستے سردار نواب خان کو روانہ کر دیا۔ تا کہ ٹوپی کے قریب جو ستھانہ سے بیس میل جنوب میں گزرہو۔ اس کو مغربی کنارے پر لا کر لشکر سلطانی میں پہنچا دیں۔ اور خود دبند سے عبور کر کے بڑی جمعیت فوج کی تھی۔ ایک دن عبور دریا پر صرف ہوا تب جنوب کو روانہ ہوئی۔ جب ستھانہ سے سردار کابل گزرا اور سادات ستھانہ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے قیدی خان تنول کا استفسار کیا تو سردار عظیم خان نے کہا کہ اس کو دریا پار والے راستے پر کل روانہ کیا جا چکا ہے۔ جواب تک ٹوپی کے قریب سے دریا عبور کر کے دُور چلے گئے ہوں گے۔ الغرض یہ فوج روانہ ہوگئی۔

ایک معمر شخص نے مجھ عبدالجبار شاہ سے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا تھا کہ لشکر درانیہ جب موضع پیہور اور ٹوپی کے درمیان گزر رہا تو دریائے سندھ کے کنارے موضع گلہ وغیرہ کی پہاڑیوں اور ٹوپی تک میدان ایک وادی کے مانند ہیں۔ یہ تمام میدان سواروں کے سیلاب سے بھرا ہوا جاری تھا۔ دریا کی مانند انسانی موجوں سے معمور چل رہا تھا۔ یہ واقعہ ۱۸۱۸ء کا ہے اور اکثر سواروں کے ساتھ سوار کے پیچھے کشمیری عورتیں بھی سوار کی ہوئی ہمراہ تھیں۔ جنہیں وہ سپاہی کشمیر میں شادی کر چکے تھے۔ وہ اپنے ہمراہ کابل لے جا رہے تھے۔

الغرض دو تین دن میدانی سفر کے بعد جب سردار کابل جہانگیرہ کو پہنچا اور وہاں دریائے اٹک کو عبور کرنے کے لئے توقف کرنا پڑا کہ فوج کثیر تھی تو اس نے دریا سے پار کنارے پر ایک ہجوم سفید پوشوں کا دیکھا اور استفسار کرنے پر اصلیت یہ معلوم ہوئی کہ یہ تمام اولاد حضرت شیخ رحمکار صاحب جس کا لقب کاکا صاحب تھا اور اس کی اولاد تمام شیخ زادے شفاعت اور سفارش کے سوال کے لئے خان تنول کے لئے آپ کی خدمت میں آئے ہیں۔ تب سردار نے بندوق کی گولیوں والا سکہ یعنی سرب کا ایک من بھر کا ٹکڑا بدن پر باندھ کر دریا کے درمیان نواب خان کو غرق کر دیا۔ اس طور سے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ ممکن ہے اگر کابل تک زندہ لے جاتا اور اپنی والدہ کے سامنے اس کو اور بھی شدید عذابوں سے ہی ہلاک کیا جاتا، مگر مذکورہ سبب سے یہاں پر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔

یہ واقعہ جو میں نے ایک ہزارہ کے مورخ کی تحریر سے لیا ہے۔ مجھ کو بوسیدہ اوراق مل گئے تھے جو اس عہد میں کسی منشی نے جو اسی ریاست تنول کا خیرخواہ تھا بطور یادداشت کے لکھے ہیں۔ میری تالیف چونکہ بعض جگہ زبانی یادداشتوں روایتوں سے مرتب ہے بعض انگریز افسران کی تحریروں سے واقعات لئے ہیں لہٰذا ہر مورخ اور راوی نے اپنا رنگ جداگانہ رکھا ہے۔ اور ہمارے بزرگ سادات ستھانہ کا ان تمام حوادث اور واقعات میں شمول اور تعلق وابستہ ہے۔ نیز میں نے تمام سرحد کے قبائل و ریاستوں و اضلاع کے حالات اس صورت میں لکھنے کا ارادہ کیا ہے جو اس عہد کے حالات پر مجموعی طور پر روشنی ڈال سکتے ہوں۔ میں مورخ کی تاریخ یا اوراق پارینہ کو لکھنا چاہتا ہوں کہ والیانِ ریاست تنول کے آخری حالات تک لکھ لوں، جس میں خود سادات ستھانہ کے حالات شامل آتے جائیں گے۔

اب مذکورہ مورخ پائندہ خان کے عہد کے حالات کی تاریخ لکھتا ہے:

شیرِ دلِ پائندہ خان تنولی ہیبت خان

یہ شدنی اطلاع پائندہ خان کو پہنچی تو رسم ماتم داری ادا کرنے کے بعد پائندہ خان کی رسم دستار بندی حسب دستور ادا کی گئی جو ۱۸۱۸ء مطابق ۱۲۳۴ھ میں ہوئی۔ موضع پر بہ علاقہ امازئی سے خانہ کوچ ہو کر پائندہ خان معہ کل خاندان و عملہ کے واپس ملک تنول میں آگیا۔ اور

موضع گلی بدرحال میں چندے قیام کر کے بخیال پیش بینی وخطرات حکومت درانیہ وحکومت ا
مخلفہ وہاں سے زنانہ کوچ ہو کر دربند آکر دریا عبور کر کے دریا کے داہنے کنارے پر یاغستانی
علاقہ میں موضع امب میں سکونت اختیار کر لی۔ اور آئندہ کے لئے دائمی طور پر اس جگہ کو
دارالریاست قرار دیا۔ جس کی وجہ سے اس ریاست کا نام ہی ریاست امب ہو گیا۔ اس وقت جو
امب ہے یہ وہ امب نہیں، بلکہ وہ امب ۱۸۴۱ء کے دریائے سندھ کے سیلاب عظیم میں دریا برد
ہو چکا ہے۔ اور جہاں اب امب ہے اس جگہ پر ایک قلعہ بلوچ گڑھ نام تھا۔ قدیم امب علاقہ
کرپلیاں کے محاذ پر دریا سے پار واقع تھا۔ پائندہ خان شجاعت میں بھی شہرہ آفاق تھا۔ اور
سخاوت میں بھی بے بدل مشہور تھا۔ اور بوجہ صحیح وکامل ذہانت کے فن سپاہ گری وملک گیری وملک
داری میں بھی کامل دسترس کا مالک تھا۔ گفتگو میں نہایت شیریں کلام اور سنجیدہ تھا۔ سواری اور
بازی شمشیر زنی میں فن شناوری میں لاثانی تھا۔ البتہ خواندہ نہ تھا مگر رموز حکمرانی وملک داری
سے کامل آگاہ تھا۔

میں نے (عبدالجبار شاہ نے) خود نواب سرمحمد اکرم خان مرحوم فرمانروائے امب اس
کے پوتے سے سنا ہے کہ جنگی حملوں اور چالوں کے بارے میں پائندہ خان کی حزم واحتیاط میں
اس کو اس قدر مہارتِ کامل وضبط نفس پر قدرت حاصل تھی کہ بطور مثال نواب ممدوح ایک واقعہ
اپنے دادا کے جنگی اور مہارت اخفائے ارادہ اس طور سے بیان کیا۔ خان کا ارادہ ہوا کہ سکھوں
پر تربیلہ میں شب خون مارے جو امب سے سولہ میل جنوب کو دریا کے بہاؤ کی طرف بائیں
کنارے پر واقع ہے۔ اب اس نے دو میل شمال کو جا کر فوج کو دریا عبور کرا کر سخت سنگلاخ
پہاڑی ناہموار راستوں پر شمال کی طرف ہی سیدھا بیس میل شیر گڑھ کو براستہ تکیہ پانی پہنچ کر
وہاں سے مشرق کی طرف راستہ لے کر گلی بدرہال سے پڑھنہ کو پہنچا جو ۱۱ میل سفر ہے۔ کل ۳۱
میل امب سے دُور تر شمال کو چلا۔ جا کر وہاں سے دریائے سیرن کے کنارے کنارے جنوب کی
طرف رات راستہ میں روانہ ہو کر تربیلہ کی مشرق پشت کی جانب سے آئندہ رات میں تربیلہ پر
پہنچ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ یہ کل سفر ستر اسی میل کا ایک بیضوی دائرہ نما چکر کاٹ کر دشمن پر
کامیاب حملہ کیا گیا جس میں فتح ہوئی۔

غرض یہ خان انتہائی اولعزم تھا۔ البتہ والد کی نصیحت کہ آئندہ کسی حاکم سے ملنا نہ ماتحتی

قبول کرنا۔ یہ نصیحت ہمیشہ اس کے لئے تکالیف کا موجب رہی۔ کیونکہ وہ اپنے سے بڑی کسی
طاقت کا مطیع بھی نہ ہوا۔ اور کسی کو ملا بھی نہ تھا۔ اور دل سے ہر ایک حکومت کا مخالف ہی رہا۔
ایک عظیم الشان سلطنت کے عتاب کے ماتحت والیٔ ملک کی ہلاکت کا واقعہ ہو جانا۔ اور دربند کی
جنگ کے موقعہ پر خود اپنی رعایا کا بے وفائی کر کے دشمن سے مل جانا۔ اور ایک تنولی صوبہ خانی
دشمن سربلند خان کی صلاح پر رعیت کا عمل پیرا ہو کر اس قدر عظیم نقصان والیٔ ملک کو پہنچا دینا یہ
اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ آئندہ ہرگز پائندہ خان کی سرداری قبول کر ہی نہ سکتی تھی۔ چنانچہ کل رعایا
نے خان کی اطاعت سے انکار کر دیا۔

مگر جب تک اس کو موقعہ اور استعداد نہ میسر ہوئی، نہایت بُردباری وتحمل سے گزارہ
کیا۔ البتہ سکونت ملک کے درمیان سے کنارہ پر یاغستانی قبائل کے متصل ہٹا لے آیا۔ زمانہ
طائف الملوکی کا تھا۔ اور درانی حکومت کشمیر وہزارہ سے اُٹھ چکی تھی۔ جس پر پائندہ خان کا
اطمینان بڑھ رہا تھا۔ افغانی فوج کے بعض سپاہی جو کشمیر کے مضافات قلعوں وغیرہ میں رہ گئے
تھے۔ جن کے پاس لمبی دور مار فتیلہ دار بندوقیں ہونے کی وجہ سے ان کی جزائل چی کہتے تھے۔
وہ چار و پانصد کے درمیان بے روزگار ہو کر ایک جمعیت واپس وطن کو جا رہی تھی۔ جن کو خبری
کہتے تھے۔ اس جمعیت کو پائندہ خان نے راضی کر کے رکھ لیا اور ان سب کو اپنا باڈی گارڈ مقرر
کیا۔ اور تنولی قوموں میں سے پوجال قوم جو پیشہ ور سپاہی ہے اور اکثر دریائے سندھ کے داہنے
کنارے پر یاغستانی علاقہ میں سکونت دا ہے۔ گزشتہ معرکہ میں اس قوم نے وفاداری قائم رکھی
تھی۔ یہ قوم بادشاہ پرست ہے۔ قوم پرست نہیں۔ لہٰذا ان کو بھی خاص امب کے اختیارات
دے کر اعتباری ملازمت میں اپنے ہمراہ امب میں سکونت دار بنا کر رکھ لیا۔ تب اس کے بعد کل
رعایائے تنول کے سرکش اور مخالف طبع سرکردہ گان وملکان کو اس نے خاص تقریب پر بطور جرگہ
اپنے پاس امب میں طلب کیا۔ جب وہ تمام سرکش عناصر امب میں خان کے قابو آ گئے تو اس
نے ان میں سے ایسے دو شخصوں کو جنہوں نے جنگِ درانی میں علانیہ بغاوت ونقصان رسانی کی
اور کرائی تھی اور وہ دونوں سرغنے تھے بھری مجلس میں ان کو قتل کرا دیا۔ اور ساٹھ نفر باقی سرکشوں کو
گرفتار کر کے ایک جگہ بند رکھا۔ ان میں سے بھی چیدہ معتبروں کو رات کو امب کے آگے دریا
میں ایک گرداب ہے جس کو چھبیلہ کہتے ہیں (بطور قصاص پدرِ خود) یکے بعد دیگرے ان کو

گرداب میں غرق کرا کر ہلاک کر دیا۔

باقی ماندہ جس قدر اس کی حکومت کے اندر کل ہندوال وپلال فرقوں کے سرکردے تھے ان کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ انہوں نے اپنی ملکیت واراضیات سے بید خلی اور ابرا نامے لکھ دیئے اور قسمیں کھالیں کہ وہ آئندہ صرف بصورت ملازمت وخدمت گزارہ کریں گے۔ وہ سب غیر دخیل کار رعیت بن گئے۔ یہ تجویز خان کی پوری کامیاب ہوگئی۔ اور اپنی رعیت سے کسی میں جان باقی نہ رہی کہ وہ دوبارہ مخالفت کا خیال اپنی بجز غلامی کے دل میں لا سکے جواب تک والیان ریاست امب وپھلوہ بدستور سابق واحد مالک کل املاک ریاست ہیں اور تمام رعایا غلام بے دام ہے۔

پانصد جری سوار اور پانچ چھ صد پیادہ سپاہ قلمی مہیا کر کے خان نے اپنے آپ کو قوی کر لیا۔ قومی لشکر اس قلمی فوج کے علاوہ حسب سابق وہ بھی موجود تھا۔

پائندہ خان نے بموجب والد کی وصیت کے مدت خان اپنے بھائی کو شونگلی کے پرگنہ پر قبضہ دے دیا۔ جس نے آبادی کی تکمیل اور رعایا کی آسودگی کے قواعد مرتب کر کے اس خطہ کو نہایت عمدگی سے آباد کیا۔ اسی زمانے میں جب کہ مدت خان علاقہ شونگلی پر حکمران آباد تھا۔ اس کا فرزند عبداللہ خان اسی شونگلی کے پرگنہ میں پیدا ہوا۔ جو خانان پھلڑہ کا مورثِ اعلیٰ تھا۔ مدت خان فن سپاہ گری اور بہادری میں پائندہ خان سے ہرگز کمتر نہ تھا۔ لہٰذا ازراہِ احتیاط پائندہ خان کو اس سے ہمسری اور بغاوت کا خوف پیدا ہوا۔ اور اس نے اس کو شونگلی کا علاقہ چھین کر بلکہ لوٹ کر اپنے پاس لے آیا اور کچھ مدت بعد علاقہ تھنی کا بطور گزارہ اس کو دیا (بہت محتاط انسان شکی ہو جاتا ہے۔ پھر جس کسی پر شک کیا جائے طبعاً اس کے دل میں بھی شک بلکہ مخالفت پیدا ہو جاتی ہے اور نتیجہ اس قدر زیادہ احتیاط کا عداوت پر منتج ہوتا ہے۔ لہٰذا احتیاط کا درجہ تو محمود ہے، مگر شک اور بدظنی معیوب ونقصان رساں ہے جس کے بارے میں کلام اللہ میں ان بعض الظن اثم آیا ہے۔ یعنی بعض شک وگمان بن کر موجب سزا ہو جایا کرتے ہیں۔ عبدالجبار شاہ) مگر کچھ مدت بعد علاقہ کو بھی مدت خان سے چھین لیا۔ اور اس کا گھر بار لوٹ لیا۔ اور مستورات کے زیورات تک بھی تاخت وتاراج کر دیئے اور مدت خان کو بلوچ گڑھ میں نظر بند رکھا۔

(یہ واقعہ بھی اسی زمانہ کے کسی مورخ نے مذکورہ بوسیدہ اوراق میں لکھا ہے)

فصل دوئم

سکھ حکومت کا ضلع ہزارہ پر قبضہ کرنا اور ہزارہ کے اندر متعدد معرکوں کا واقعہ ہونا

جیسا اوپر مذکور ہوا کہ ۱۸۱۸ء میں سکھ فوج نے سردار محمد عظیم سے کشمیر فتح کیا تھا جس کا گورنر سردار ہری سنگھ نلوہ اور ہری سنگھ امرتسری کے نام سے تمام سکھ حکومت کے عہد میں ایک زبردست بہادر اور منتظم اور عقل مند افسر گزرا ہے۔ اس نے کشمیر فتح کر لیا تو اسی سال مذکور میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے رئیس مجیٹھ امر سنگھ سردار کو ضلع ہزارہ پر قبضے کے لئے روانہ کیا (ہزارے کا ضلع اگر ایک طرف افغانی قبائل علاقہ سے مغرب جانب وشمال جانب ملتی ہے تو مشرق جانب کشمیر سے متصل ہے بلکہ قدیم زمانہ میں جزو کشمیر محسوب تھا) اور تاریخ ہزارہ وگزیٹر ہزارہ میں سردار موصوف کے آنے اور معرکوں اور واقعات کی بہت تفصیل موجود ہے جو میری کتاب کے موضوع سے بے تعلق ہے حالات مختصر یہ کہ امر سنگھ سمندر کھٹہ نام ایک نالہ میں قتل ہو گیا۔ جس کو نجومی نے سمندر کے کنارے مارا جانا بتلایا ہوا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

وہ چار ہزار سکھ فوج لے کر محمد خان ترین فرزند نجیب اللہ خان ترین مالک ورئیس اعظم کل ہزارہ کے ساتھ مقابلہ میں الجھ کر رہ گیا اور مارا گیا۔ یہ دربار لاہور کو یہ اطلاع ہونے پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو سخت غصہ آیا کہ محمد خان ترین کے مقابلہ میں سردار مکھن سنگھ بھی مارا گیا اور امر سنگھ بھی مقتول ہوا۔ مہاراجہ نے سردار ہری سنگھ سپہ سالار کشمیر کے نام فرمان بھیجا کہ ہر دو مقتول سرداروں کا انتقام لینا اور ضلع ہزارہ کا قبضہ وانتظام کرنے کے لئے جلد تر وہ ہزارہ میں چلا جائے۔

سردار ہری سنگھ بہ تعمیل حکم دربار لاہور بعد از تیاری فوج ۱۸۲۱ء میں روانہ ہو کر آیا۔ جب وہ گڑھی حبیب اللہ پہنچا تو خان گڑھی خان نجیب اللہ خان کو بطور کمک اپنے سربراہ معہ لشکر کے لے آیا۔ اس فوج کشی کی اطلاع ضلع ہزارہ میں جب ہوئی تو قبیلہ جدون افغان جن کا ذکر گزر چکا ہے وہ بھی اور دیگر قبائل ہزارہ میں رہنے والے بہ نیت جہاد تیس چالیس ہزار کی تعداد میں جمع ہو گئے اور مقام مانگل میں سکھ فوج کو روکنے کے لئے ناکہ بندی کر لی۔ مگر ہری سنگھ نے نہایت شدت سے حملہ کیا۔ اور جمعیت مسلمانان کو شکست دے کر کل ہزارہ پر قبضہ کر لیا اور میدان ہزارہ میں اتر آیا۔ سکندر پور کے قریب کیمپ ڈال دیا۔ نجیب اللہ خان رئیس گڑھی جنگ نے ہری پور کا قلعہ تعمیر کرا کر اس کا نام ہرکشن گڑھ رکھا۔

سردار نے لوگوں سے حالات معلوم کیے تو اس کو صفات و حالات رئیس ابن رئیس قاضی غلام احمد صاحب سکندر پوری کے سنے گئے۔ اور خود سوار ہو کر ان کی ملاقات کو گیا۔ اور گفتگو کر کے بہت خوش ہوا۔ اور مشکور ہوا کہ آپ جیسے دانشمند انسان سے ملاقات ہوئی۔ پھر قاضی صاحب موصوف سے مشورہ لے کر قلعہ ہرکشن گڑھی بھی تعمیر کیا اور شہر ہری پور کو بھی بنایا۔

بموجب رسم ہنود قلعہ کی بنیادوں میں تیل ڈالا گیا۔ اور شہر ہری پور کی دیوار کی بنیادوں میں بھی تیل ڈالا اور آبادی شروع کی اور نہر پانی کی جو اس شہر کے اندر لائی گئی ہے اور پانی تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کٹھ کا نام رنگیلا مقرر کیا۔ ایک باغ بھی لگوایا۔ جو اب تک ہری سنگھ باغ کے نام سے موجود ہے۔

پیر سالہ بڈھوں کو بلا بلا کر ہری سنگھ ان سے حالات پوچھا کرتا تھا اور نہایت زیرک اور کمال بہادر سردار تھا۔ نہایت معاملہ فہم اور نکتہ رس تھا۔ جس نے بآسانی تمام ہزارہ پر تسلط جما لیا بغیر سردارانِ قبیلہ تنول کے۔ اور اس نے عدالتی محکمہ قائم کر کے بجز مذہبی مخصوص اُمور کے مثلاً امتناع گاؤ کشی وغیرہ کے باقی کل معاملات کا تصفیہ قانونِ شریعت اسلام پر فیصل کرنا مقرر کر دیا۔

قاضی القضاۃ جناب قاضی غلام احمد صاحب سکندری پوری کو مقرر کر دیا۔ اور محکمہ عدالت کلی طور پر اسی کے ماتحت کر دیا۔ پھر ضلع میں جابجا قلعے تعمیر کئے اور ان میں سکھ فوج متعین کر دی لیکن سردارانِ تنول اور محمد خان ترین رئیس اعظم ہزارہ اور قبیلہ مشوانی سکنائے کوہ گندگر سکھ

حکومت کے ماتحت نہ ہوئے اور مخالفت پر آمادہ رہے۔ اور سلسلہ جنگ و جدل درمیان فوج کمال و سردارانِ تنول جاری رہا (محمد خان ترین کمک و امداد حاصل کرنے ستھانہ گیا تھا اور آخری بار ہی ستھانہ سے واپس آیا) اس جگہ یہ امر ذہن نشین کر لینا لازم ہے کہ خطہ تنول ایک شمالی حصہ ضلع ہزارہ کا ہے اور تنولی قوم خواہ اسی وطن کی نو مسلم مانی جائے جیسا کہ ایک انگریز نے ان کو راجپوت لکھا ہے جو میرے خیال میں غلط ہے۔ اور خواہ میرے خیال کے مطابق اسرائیل قبائل میں سے ہے۔ مگر وہ اس قدر پہلے دیگر قبائل سے اکثر ضلع ہزارہ کے تمام شمالی علاقہ پر آباد ہوئی ہے جس کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔ لہٰذا وہ بھی اقوامِ ہزارہ میں سے ایک قدیم قوم ہے جس کی زبان بھی ہزارہ کی ہندکو ہے۔ پشتو نہیں۔ مگر تمام اقوامِ ہزارہ میں سے بہادر جنگجو سپاہی قوم ہے۔ لہٰذا اقوام ہزارہ کے لئے بطور پشتی بان و محافظ یہی قوم ہے۔ خصوصاً جب اس کے اندر دو طاقتور ریاستیں بھی ان دنوں تھیں تو ہزارہ کے قبائل کی نگاہِ امداد انہی پر تھی مگر تنولی قوم کے لئے عندالضرورت جائے پناہ و جائے امدادِ افغانی قبائل و قومیں تھیں جس کا کسی قدر ذکر گزر چکا ہے اور کچھ آگے آئے گا۔ اور حسنِ اتفاق سے تمام قبائل سرحد ملحقہ افغانیہ کا قائد زعیم اور پیشوا خاندان سادات ستھانہ بونیر سے اُٹھ کر تنول اور ہزارہ اور قبائلی علاقہ کے عین وسط میں مگر یا کوہستانی حدود کے اندر اپنا مرکز قائم کر چکا تھا۔ اور ضلع ہزارہ کو دولتِ مغلیہ و دولتِ درانیہ ہر دو اسلامی حکومتوں کی طرف سے بطورِ قائم کر چکا تھا۔ اور ضلع ہزارہ کو دولت مغلیہ و دولتِ درانیہ ہر جاگیر زیر قبضہ رکھ چکے تھے۔ لہٰذا آئندہ معرکوں میں بھی یہ سادات ضلع ہزارہ کے خوانین رؤسا و کل اسلام کے لئے ملجا و ماوا ٹھہرے کیونکہ سکھ حکومت کے ۱۸۲۱ء میں قبضہ ہوتے ہی علاقہ پکھلی و گڑھیاں و اورش ہزارہ کے نیک و دیندار مسلمان اور باعزت سب رؤسا ہجرت کر کے ستھانہ کو آ چکے تھے۔ بذات خود میں نے معمر خوانین میں سے ایسا کسی کو نہ دیکھا جس سے اثنائے گفتگو میں یہ سنا نہ ہو کہ سکھا شاہی کے دور میں دو یا تین مرتبہ ہزارہ کے ذی عزت لوگ ستھانہ میں ہجرت کر کے نہ گئے ہوں۔ کئی رئیسوں سے میں نے سنا کہ ان کی ولادت ستھانہ میں ہوئی۔ ان حالات میں چونکہ ساداتِ ستھانہ اصلاً بونیری تھے۔ ان کا اثر تمام قبائل یاغستان پر مسلم تھا۔ لہٰذا اگر اہل ہزارہ خانان تنول پر تکیہ رکھتے تھے تو خود خانانِ تنول کا تکیہ آزاد قبائل پر تھا۔ اور کل قبائل کے پیشوا سادات تھے جو اہل اسلام کے لئے امیدوں کا مرکز تھے۔ یہ ایک اصول میں نے بتایا

جس کا ثبوت کچھ گذشتہ واقعات سے کچھ آئندہ واقعات سے ہوتا ہے۔ نیز سکھ سلطنت نے بھی یہی اُصول سمجھا تھا اور برطانیہ نے بھی اسی کو سمجھ کر ستھانہ کی طاقت کو پائمال کرنے میں حد سے زیادہ کوشش صرف کی تھی۔

دولت مغلیہ نے تو پکھلی اور ہزارہ میں بعض جاگیریں سید ضامن شاہ مورث اول ستھانہ کو دی تھیں اور حکومت درانیہ نے پکھلی کا خطہ ہی سید اعظم وسید اکبر کو جاگیر دیا تھا۔ جب سکھ اس پر قابض ہوگئے تو سادات ستھانہ سکھ دشمنی اور سکھوں سے جہاد کا مرکز بن گئے۔ اندریں صورت تمام مسلمان روسا جو سکھ کے خلاف تھے، ان کا ملجا وماوا ہی ستھانہ ٹھہر گیا۔ دوسری مرتبہ اہل ہزارہ کو ہجرت کرنی پڑی اور سب ستھانہ میں ہی جا کر پناہ گزیں ہوئے۔

ایک مشہور مقولہ ہے۔ خویش آمدنی پیش۔ ضلع ہزارہ کے متصل شمالی میں سربلند خان پلال ولد سرفراز خان کا مسکن موضع شنگوی تھا اور اس کی دوست دولتِ درانیہ اس ملک سے اٹھ چکی تھی۔ درانیوں کا دشمن ہری سنگھ ہزارہ پر بھی آ کر مسلط ہو چکا تھا۔ لہٰذا سکھ سردار نے خیال کیا کہ رئیس شنگوی جو صوبہ خان جیسے بڑے خان کا پوتا ہے اس کی اطاعت قبول کرے گا۔ اس لئے مصلحتاً چندے خاموش رہا تا کہ سربلند خان خود اطاعت مان لے۔ مگر جب ہری سنگھ کو خبر ملی کہ سربلند خان نے چھ ہزار نفری کا لشکر منگلور میں جمع کر لیا ہے۔ تب سردار ہری سنگھ دس ہزار سکھ فوج ہمراہ لے کر اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوگیا اور دونوں فوجوں کے درمیان نہایت سخت معرکہ جنگ واقعہ ہوا۔ طرفین سے بہت لوگ مقتول ہوئے مگر تنولیوں کی ایک شاخ قبیلہ لابیال ہری سنگھ سے مل گیا۔ جس کی وجہ سے سربلند خان کو شکست ہوگئی اور وہ معہ عیال اطفال کے اپنے مسکن سے خانہ کوچ ہو کر موضع تھپلہ وتربیلہ کے درمیان موضع تندولہ کے راستے مواضعات نیل وگرہان میں چلا گیا۔ اس جگہ اس نے قوم مشوانی کو جو اوتمان زئیوں کی شیاہ قوم تھی، اس کو بھی ساتھ ملا لیا۔ اور اوتمان زئی قوم کے ظاہر خیلیوں کو ساتھ ملا لیا۔ تربیلہ کبل کے اوتمان زئی بھی شامل ہوگئے۔ اس لشکر کو سربلند خان ہمراہ لے کر ہزارہ کے میدان سے کنارے کنارے قلعہ شیرواں پر جا حملہ آور ہوا۔ اور اس قلعہ کو سکھوں سے فتح کر کے لوٹ لیا۔ خان کو خزانہ سے نقد آٹھ ہزار روپیہ دستیاب ہوگیا۔ اور وہاں سے اپنے موجود مسکن کو واپس آیا، مگر اپنے فرزند کو تعاقب کنندگان سے حفاظتِ راہ کرنے کے لئے پچاس سواروں کیساتھ ایک جگہ متعین کر آیا۔

ب سردار ہری سنگھ نے قمر الدین خان لابیال کو خان کی طرف پیغامات دے کر روانہ کیا۔ مگر دراصل ان کے فوجی نظام ونقشہ سے آگاہی حاصل کرنے کی ایک تدبیر تھی۔

جب اس نے در پردہ واپس اطلاع دی تو سردار نے خان پر حملہ کر دیا۔ شیر محمد خان پسر بلند خان معہ پچاس سواروں کے مقامِ دروازہ میں سکھ فوج کے ہاتھ سے قتل ہوگیا۔ جب خان کو اپنے فرزند کے قتل کی خبر ملی تو اس نے قمر الدین لابیال کو پھانسی دے کر قتل کر دیا اور خود اوپر تنول ولڑہ کو گیا، مگر وہاں ملک پائندہ خان تھا، نہ ٹھہر سکا۔ لسان کے راستے کہر کوٹ آیا اور دریا عبور ستھانہ میں جا پناہ گزین ہوا۔ خان کے تعاقب میں ہری سنگھ نے تین چار پرگنے پائندہ خان کے بھی دبا لئے۔ یعنی کلائی۔ بدھک۔ پھپڑہ۔ لسان وغیرہ میں قبضے کے بعد قلعے اس میں بنا دیئے۔ چونکہ ہری سنگھ سردار پائندہ خان کے باپ کے معنوی قاتل کا دشمن تھا۔ اس لئے وہ بھی ایسے موقع کا منتظر تھا جس طرح ایک سلطنت کے ہاتھ سے سربلند خان نے ان کی خانہ بربادی کرائی تھی۔ یہ چاہتا تھا کہ اس کے دشمن کو بھی ویسا ہی ردِ عمل دیکھنا پڑے۔ اسی اثناء میں پائندہ کو سردار ہری سنگھ نے ایک خط لکھا کہ اگر سربلند خان کو گرفتار کر کے میرے حوالے کر دو تو مذکورہ بالا علاقے بھی تم کو واپس دے دوں گا اور کل قوم پلال کی سرداری بھی تم کو سپرد کر دوں گا۔ جو جواب پائندہ خان نے لکھا، تنول کا منشی اس طرح منظوم لکھتا ہے:

لکھا اس کو پائندہ خاں نے جواب	کہ اے سرورِ پُر دل وکامیاب
وہ نامہ محبت سے بالکل بھرا	کبھی آنکھ پر گاہ سر پر دھرا
شرف سے ہوا آسمان جاہ میں	ہوا اس کے مضمون سے آگاہ میں
توقع جو قسمت زبردست ہو	سرِ سربلند ایک دن پست ہو
جو موقعہ ملے گا نہ ہوگی درنگ	کروں گا اُسے بستہ قیدِ تنگ
ترے پاس فی الفور پہنچاؤں گا	جو فرماں ہے تیرا بجالاؤں گا

اس خط کا علم سربلند خان کو ستھانہ جانے سے پہلے ہو چکا تھا۔ اب اس نے فوراً دریا عبور کر کے ایسی جگہ چلا گیا جہاں نہ تو اس وقت پائندہ خان کا زور چل سکتا تھا اور نہ ہری سنگھ کی تخویف یا ترغیب کام دے سکتی تھی۔ اگرچہ قرابت رشتہ داری وہم زلفی اس وقت کے ستھانہ کے پیشوا کو پائندہ خان کے ساتھ حاصل تھی، بلکہ اس کی اپنی اہلیہ کے والد احمد علی خان کا سربلند خان

قاتل بھی تھا اور ستھانہ میں اس وقت صاحب دستار سید اعظم تھا۔ مگر یہ معاملہ ہی کفر واسلام اور جہاد وفاداری اسلام کا تھا۔ خواہ اس پائندہ سادات سے روٹھ گیا۔ مگر اس پناہ گیر کو نہ صرف پناہ دی گئی، بلکہ قبائل کے لشکروں سے اس کو امداد دی گئی۔ ادھر سردار پائندہ خان اپنی قدیم عدوات سربلند خان سے جتلا کر اور اپنی طرف سے کامل کوشش گرفتاری کرنے جو واقعی اس لئے کوشش کی تھی۔ کیونکہ پائندہ خان کو یقین تھا کہ سادات ستھانہ کا جو رشتہ مجھ سے ہے وہ رشتہ ای سربلند خان کا دشمن ہے۔ لہٰذا وہ ضرور مجھ کو گرفتار کردیں گے۔ مگر یہ معاملہ ہی کفر واسلام اور پناہ اس کا تھا۔ سادات نے پائندہ خان ہری سنگھ سے پھر مطالبہ کیا کہ وہ دوست اور دشمن میں تمیز کرے اور اس کے علاقوں کو بھی چھوڑ دے اور پلال قبیلہ کی سرداری بھی اس کو دے دے۔ مگر ہری سنگھ نہ مانا، انکار کردیا اور یہی دن سکھ حکومت اور پائندہ خان کی دشمنی کا پہلا دن تھا جو اس کے مرتے دم تک قائم رہا۔ نہ خود آرام کیا اور نہ ہزارہ میں سکھوں کو آرام سے حکومت کرنے دی۔

سردار بلند خان کیا اور ہزارہ کے دیگر اُمراءٔ وسا کیا، بلکہ خود پائندہ خان نیک دل اور بہادر بھائی مدت خان بھی ستھانہ میں جا پناہ گیر ہوا اور تمام ضلع کے معززین کی ہجرت گاہ ستھانہ بن گیا۔ سکھ مظالم کے مظلوم بھی اور جہاد فی سبیل اللہ کے شائق مسلمان بھی سب کے سب ستھانہ میں حملے اور مقابلے جاری کرتے رہے تھے۔

ان دنوں ستھانہ کا شہر جو عین دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر تھا اس میں دوصد شناسین جو دریائی سواری کی سائیکل سمجھنی چاہیے، گائے کے چمڑے سے بناتے ہیں جس کے ذریعے دو آدمی اکٹھے دریا سے پار ہو سکتے ہیں۔ دو سو شناسین ستھانہ میں مہیا تھیں جس کے ذریعے چار صد سپاہی یک بار دریا سے پار ہو کر سکھ حکومت کا نقصان اور حملے مقابلے کر کے پھر تیر کر آجاتے تھے۔ اس کے چار سال بعد ہی ہندوستان کے مجاہد اعظم سید احمد بریلوی کی ہجرت گاہ بھی ستھانہ ہی ہوگئی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ۱۸۲۳ء میں محمد خان ترین رئیس کل ہزارہ گل ڈھیری ومحمد صالح (دلازاک) وحسن علی ملک سریکوٹ مشوانی اور دیگر رؤسا ہزارہ نے متفق ومتحد ہو کر بڑا لشکر مردمان ملکی وقبیلہ مشوانی وچپہ اوتمان زئی ویاغستانی جن کو ستھانہ کی طرف سے ہدایات تجویز ہو کر کافی طاقت قبائل کے لشکروں کی دریا سے پار ہو کر بمقام ہڑناڑہ جو کھلابٹ

کے نزدیک پہاڑ میں گاؤں، اس جگہ لشکروں کی فراہمی ہوئی۔ سربلند خان کی کوشش سے سید اعظم ستھانوی نے قبائل کے لشکروں کو دعوت دے کر ان سب کا اجتماع ہڑناڑہ میں ہوا۔ اور ہری پور سے یہ جگہ سات میل ہے ہری سنگھ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی کہ محمد خان ترین اور سربلند خان ستھانوی کی مساعی کے نتیجہ میں نہ صرف ہزارہ کی اقوام ہی بلکہ ستھانہ اور یاغستانی قبائل کا لشکر بھی قریب آچکا ہے تو وہ اپنی سکھ فوج ہمراہ لے کر ہڑناڑہ میں آپہنچا اور معرکہ جنگ گرم ہوا۔ یہ جنگ بوجہ شرکت قبائل یاغستانی واہل ستھانہ اس شدت سے ہوئی کہ ہری سنگھ کو ایسی جنگ سے اس ملک میں سابقہ نہ پڑا تھا۔ طرفین کے مقتول بے حساب ہوئے، مگر فتح مسلمانوں کو ہوئی اور سکھ فوج کو سخت شکست ہوئی۔ سردار جمیل سنگھ مجیٹھ مقتول ہوا اور دیوان سنگھ روشناس اور بہت نامی گرامی سکھ سردار قتل ہوگئے۔ خود سردار ہری سنگھ شدید زخمی ہو کر ایک کھڈ میں گر گیا اور خوش نصیبی سے بمشکل کسی نے اس کی جان بچا کر اکیلا چھپا کر یہاں سے نکالا اور زندہ ہری پور قلعہ میں جا پہنچا۔

جب یہ رپورٹ ہری سنگھ کی لاہور مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پہنچی، تو وہ بیحد متاثر ہوگیا۔ اس نے ضروری جانا کہ سلطنت کا وقار ہی خاک ہو جائیگا۔ اگر ایک زبردست مہم لے کر وہ خود انتقامی کاروائی نہ کرے، چنانچہ مہاراجہ نے پوری ایک لاکھ فوج ہمراہ لے کر معہ توپ خانوں، رسالوں اور ہر قسم آلات جنگ اور گھوڑوں ہاتھیوں کے لاہور سے روانہ ہو آیا۔

اس فوج کے آنے سے پہلے ہی دبدبہ اور شہرت اس عظیم فوج کشی کی ہزارہ وسرحدات میں پہنچی تو اس کی شہرت سے مسلمان فوجین اس قدر بوکھلائیں کہ سکھوں کی فوج کے آنے سے پہلے ہی منتشر ہوگئیں۔ خوف وہراس نے اس قدر غلبہ پایا کہ عقلمند بھگوڑوں نے اس دفعہ ستھانہ کا رخ بھی نہ کیا اس لئے کہ سب مسلمانوں کو یقین تھا کہ سکھ سلطنت کے لئے حکومتِ اسلامیہ کے اس وقت صرف دو مرکز اس کے مخالف ہیں ان کو ضرور برباد کر کے چھوڑے گی، لہٰذا وہاں بھاگ کر جانا گویا دشمن کے حملہ والی جگہ جا کر خود کو آفت میں ڈالنا ہے یعنی ستھانہ جو جنوب میں پہلے آتا ہے۔ دوئم امب ہے جو اس سے نو میل شمال کی طرف جہاں پائندہ خان کا مستقر ہے۔ محمد خان ترین اور سربلند پلال وغیرہ کل رؤسا اور راجہ ہاشم علی خان ترک معہ عیال اطفال دریا عبور کر کے بعض تو ستھانہ کو گئے اور بعض کم دل کیارہ دباڑہ گندف جدونان کو چلے

گئے۔ اور مشوانی قوم بھی تمام بال بچہ ساتھ لے کر دریائے سندھ سے پار باڑہ کیارہ کو چلے
گئے۔ یہ حالات جو میں لکھ رہا ہوں اسی زمانے کے کسی منشی نے قلمبند کئے ہیں اور اس کے علاوہ
گزیٹر ہزارہ میں بھی میجر ویلس نے ایسا ہی لکھا ہے۔ اس آوازہ کو فوج عظیم کے دبدبہ و
اندازی کی خبر سن کر لوگوں میں اس قدر خوف و ہراس چھا گیا کہ سردار پائندہ خان جو دریا
پار امب میں رہتا تھا۔ قصبہ امب سے تمام عیال اطفال اور اسباب و مال نکال کر سب کو ہمراہ
لے کر خود بھی موضع دبگرہ امازیاں کو چلا گیا۔

لیکن ستھانہ جو نو میل امب سے جنوب میں اور دشمن کے حملہ کا پہلی آماجگاہ ہے اس جگہ
سید اعظم برادر کلاں نے سال شش ماہی اس سے پہلے اپنی دستار امارت اپنے سے چھوٹے بھائی
سید اکبر بادشاہ کے سر پر رکھ کر، اس کو آباؤ اجداد کی سند کا لائق ترین اہل جان کر، امارت سپرد
کردی تھی اور فی الواقعہ سید اکبر شاہ کا ہی فوق الخیال حوصلہ تھا کہ نہ تو ستھانہ سے بال بچہ کو
ہٹایا، نہ خود خوف و ہراس کو نزدیک آنے دیا، بلکہ ایک نفیر عام جہاد کا قبائل یاغستانی میں بوقت
حملہ تک پہنچا دیا اور تمام قبائل کے لشکر جو چالیس پچاس ہزار سے کم نہ تھے، دریا کے پار اپنے
کنارے پر جمع کئے۔ انہوں نے تجویز ہی ایسی عجیب سوچی کہ جو سڑک ہزارہ اور تربیلہ سے ہو
کر دریا کے کنارے سے شمال کو ستھانہ اور امب کی طرف جاتی ہے وہ ستھانہ سے جب صرف
تین میل کے فاصلہ پر پہنچتی ہے تو اس جگہ دریا پہاڑی کے ساتھ ٹکراتا ہے۔ اور راستہ تنگ ہے
اور اسی جگہ ایک دیہہ خان پور نام کا ہے، اور دریا سے پار سامنے دو میل فاصلہ پر کیا کے دو گاؤں
اوتمان زیوں کے ہیں۔ عین اسی تنگ جگہ کے سامنے دریا سے پار اسلامی لشکروں کو پہنچایا، مگر
چونکہ پناہ نہ تھی۔ اور دریا کنارے میدان تھے، لہٰذا ضرورت نے ترکیب بتادی کہ دریا کے
کنارے پر گہری خندقیں کھود لیں اور انہی میں بیٹھ جائیں اور دُور مار فتیلہ دار بندوقیں خندقوں
میں نصب کردی جائیں، کیونکہ اس جگہ دریا کا پاٹ بوجہ پہاڑ سے ملنے کے اس قدر تنگ ہے کہ
سڑک شاہی جس پر سکھ فوج نے جانا ہے، صرف تین سو گز کے فاصلہ پر خندق نشینوں کی زد میں
سے گزرتی ہے۔

یہ حالات جو میں لکھ رہا ہوں قوم اوتمان زئی کے اندر سب خورد و کلاں کو معلوم ہیں مگر
سکھوں کی تاریخوں میں ذکر نہیں۔

ایک کام مہاراجہ نے اور عجیب کیا تھا کہ فتنہ کے مرکز یا پشت پناہ کی ہر دو گدیاں ستھانہ
و امب چونکہ دریا سے پار واقعہ تھیں لہٰذا اس خیال سے کہ بروقت کشتیاں نہ مل سکیں گی، پس
دریا جہلم سے سکھ فوج کے سروں پر پُل باندھنے کے لئے کشتیاں اُٹھوا کر خشکی پر اپنے ہمراہ لے
آیا تھا۔ اب اگر یہ فوج عظیم دریا کو عبور نہ بھی کرتی تو مشرقی کنارے سے توپوں کا شہر ہی اُڑانا
آسان تھا اور ستھانہ جو امب سے نو میل پہلے فوج کو ملتا، اس کا بھی توپ سے اُڑا دینا مشکل نہ
تھا مگر سید اکبر شاہ کی تجویز کارگر ہوگئی اُس نے چیدہ برگزیدہ توپچی قادر انداز برگ کے اخونداد
لے اور چنی کے اخوند خیل جو مشہور شکاری و توپچی تھے اور تمام لشکر خندقوں میں بٹھا دیا۔ ستھانہ
سے صرف تین میل پر اس مقام جنگ سے شمال کی طرف سے عین دریا کے کنارے تھا۔ سید اکبر
شاہ کی تدبیر اور اس کے بھائیوں کی جرأت بسالت اور قبائل کی عادت جان نثاری خصوصاً جہاد یا
کفار میں اور ایسے موقعہ پر ایسے نتائج کا موجب ہوئی کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ جو دُور اندیش بہادر
تھا چکرا گیا۔

الغرض جب مہاراجہ رنجیت سنگھ فوج کے ساتھ ہزارہ میں پہنچا تو تمام باشندے ہزارہ
سے بھاگ چکے تھے۔ اس کی فوج کے دستے گنگر کے پہاڑوں میں پھر آئے، جن کو خالی
پایا۔ ادھر سے ہوتا ہوا مہاراجہ تربیلہ میں اُترا جو ستھانہ سے سات میل جنوب دریا سے پار
ہے۔ اُسے اس جگہ پہنچ کر معلوم ہوگیا کہ ہزارہ کے نامی خوانین ستھانہ میں موجود ہیں۔ اُس نے
تحریک کی کہ مفروران سلطنت کو اعلانِ معافی پہنچایا جائے کہ وہ واپس آجائیں۔ چنانچہ جب یہ
خبر خوف زدہ خوانین کو مصر دیوان کی معرفت پہنچی تو وہ لوگ ٹھہر نہ سکے، بلکہ محمد خان ترین اور راجہ
ہاشم علی خان ترک تربیلہ میں ہی بواسطت مصر دیوان جنگ خان پرت پہلے ہی جاملے۔ مہاراجہ
نے ان کو معافی دے دی۔ اور سردار ہری سنگھ کے سپُرد کردیئے، لیکن ہری سنگھ نے آخر کار ان کو
سردار مکھن سنگھ و امر سنگھ سردار مجیٹھ وغیرہ افسران کے قصاص میں بُری طرح عذاب دے کر قتل
کر ڈالا تھا۔

اب تربیلہ سے جب سکھ فوج شمال کو روانہ ہوئی اور کشتیاں پُل باندھنے کی سروں پر تھیں
جب اس تنگ محاذ پر خندق نشینوں کے پہنچی تو اسلامی فوج نے آسمانی اولوں کی بارش سے زیادہ
گولیاں ان پر برسائیں اور شاذ و نادر ہی کوئی راہ سپاہی جو زد میں تھے۔ بچا ہوگا۔ فوج رُک گئی

اور سخت ہنگامہ جنگ توپ جنگی و گولیاں برسانے کا طرفین سے واقع ہوا، مگر خندق نشین اہل
محفوظ رہے اور سکھ فوج سامنے تھی۔ پناہ ان کے لئے نہ تھی۔ وہ کثرت سے تباہ ہوگئی۔ کہاں کی
کشتیاں دریا میں ڈالنا تھیں، مگر دریا کے کنارے کوئی زندہ بچا ہی تھا۔ بعض اوقات جنگوں میں
جن کو قدرت نے بچانا ہوتا ہے، جنگ کے علاوہ دیگر اسباب بھی مددگار فاتح فریق کے معاون
ہوجایا کرتے ہیں۔ اس موقعہ پر ایک تو

۱۔ نہایت دلیر اور کثیر فوج موجود تھی۔

۲۔ وہ سب خندق نشین اور سکھ فوج کی زد سے محفوظ تھی۔

۳۔ سکھ فوج کے آگے عظیم الشان دریائے سندھ حائل تھا، جو سکھ فوج کی سڑک سے ملا
پہاڑ کے ٹکرایا ہوا تھا، پاٹ تنگ تھا دشمن کی گولی خطا نہ کرتی تھی۔

۴۔ فوج کے لئے صرف اسی تنگ راہ سے گزرنے کے بغیر اور کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

۵۔ سکھ فوج کے لئے پناہ کی جگہ نہ تھی کہ دشمن کی گولیوں سے محفوظ ہوسکتے، بلکہ جس طرح
شیر کی کچھار پر بکرا باندھ دیا جائے اور اسکا نتیجہ بجز ہلاکت کے اور کچھ نہیں ہوسکتا، یہی حالت سکھ
فوج کو درپیش تھی، مگر مسلم فوجیں عین دریا کے کنارے کھلے میدان میں مگر گہری خندق میں محفوظ
و مطمئن بے غم صرف سکھوں کو گولیوں سے نشانہ بنا رہے تھے۔

اس جگہ کا منظر دشمن کے چھکے چھڑا دینے والا ہے کہ جب جنوب اور تربیلہ سے اس
سڑک پر آنے والا مسافر یہاں پہنچتا ہے، جہاں دریا پار سے گولیوں کی بارش صرف تین سو گز
سے ہورہی ہے اور سامنے ستھانہ کی طرف نظر ڈالتا ہے تو ستھانہ کی پشت پر ایک عظیم الشان پہاڑ
کوہ مہابن کا طویل سلسلہ نظر آجاتا ہے جو آٹھ ہزار فٹ بلند ہے اور جو دریا تک پہنچتا ہے۔ کیا
و کبل و ستھانہ تو میدان میں ہیں اور ان دڑوں سے صرف نصف میل ہٹے ہوئے ہیں مگر اس جگہ کا
منظر ایسا ہے کہ اس جگہ مدافع اور ناقابل تسخیر خندق نشین فوج بھی مانع ہے اور اگر یہ نہ بھی ہو تو
ایک عقل مند جرنیل ہرگز ان تنگ دروں کے دھانوں میں ایک لاکھ ہندوستانی یا پنجابی فوج کو نہ
لے جائے گا۔ اور نہایت آسانی سے آگے جانے کو ملتوی کردے گا۔

چنانچہ اس محل و مقام کو دیکھتے ہی مہاراجہ نے واپسی کا فیصلہ کرلیا، مگر خوش نصیب امرا کو
عذر مل جایا کرتے ہیں۔ کیا کے گاؤں کا موسیٰ خیل ملک عبدالمجید خان نام بڑا عقل مند تھا جس

کی ملکیت املاک اراضی تربیلہ میں بھی رعیت علاقہ میں تھی۔ وہ کیا سے چھپ کر بذریعہ شناس
کیا و کبل کے کسی درمیانی جگہ سے تیر کر پار ہوگیا اور مہاراجہ تک جا پہنچا اطلاع بھجوائی کہ کیا کے
گاؤں کا خان حاضر ہے۔ مہاراجہ نے جلد بلایا۔ جس نے حسب ذیل عرض کی کہ میں بحیثیت
خان قصبہ کیا کے اوتمان زئیوں کا نمائندہ ہوں، مگر تربیلہ میں میری املاک اراضیات اور قومیت
ہونے کی وجہ سے خالصہ سرکار کی رعایا ہوں۔ اور سرکار کا توپ خانہ ہمارے گاؤں کو نشانہ بنائے
ہوئے ہے۔ حالانکہ ہم اہل تربیلہ کی برادری اور املاک شریک رعایائے سرکار ہیں، مگر ہماری یہ
طاقت نہیں کہ سادات ستھانہ کے لشکر کو یہاں سے روک سکیں۔ یہ لشکر تمام یاغستانی قبائل کا ہے
جو اہل ستھانہ کا امدادی ہے۔ اگر ایک حرف ہم سے مخالفانہ سن لیا تو ہمارے سب انسانوں کا
خاتمہ کردیں گے اور شہر کو خاک سیاہ کردیں گے میں اپنی قوم کی طرف سے اظہار اطاعت کے
لئے آیا ہوں اور یہ کہ ہمارے گاؤں کو دشمن نہ قرار دیا جائے گا گولہ باری بند کی جائے۔

مہاراجہ کو بظاہر عمدہ بہانہ مل گیا جس نے گولہ باری بند کرادی اور فوج کو واپس جنوب کی
طرف تربیلہ جانے کا حکم دے دیا۔ خندقوں پر بھی بس نہ چلا کہ آگے بڑھ جاتے، بڑھ بھی نہ سکے
کشتیاں ہی دریا میں نہ ڈال سکے۔ مہاراجہ نے بجائے اظہار عجز کے تدبیری رنگ میں حکم دیا کہ
یہ سامنے فلک بوس پہاڑ اور تنگ درے شاہی فوج کے جانے کے قابل نہیں۔ حالانکہ دو سو میل
دور، مگر آنکھوں سے نظر آرہا تھا کہ وہ دیکھو ستھانہ سامنے ہے، مگر بے نیل و مرام واپس ہوگیا۔
عبدالمجید خان کے موضع حسین میں صرف دو چار گھر تھے، اور سردار گندف کی ملکیت تھا۔ راجہ سے
جاگیر مانگی جو اُس کو دے دی گئی۔ اب تک خان پور اولاد عبدالحمید خان کے پاس ہے۔ مگر
مہاراجہ تھا بڑا مدبر و غیور وہ اس خفت کو مٹانے کی فکر میں تھا کہ یہ واقعہ تواریخ میں درج نہ ہونے
پائے۔

لہٰذا ایک تو اس نے خود حکم دیا کہ اس سے آگے فوج کا راستہ ہی نہیں چلو دوسرا رخ اختیار
کریں۔

دوئم تربیلہ پہنچ کر توپی مینی اور پشاور کا رُخ اختیار کر کے بلامزاحمت نوشہرہ پشاور تک
جا پہنچا۔

سوئم اس جگہ سے واپس ہو کر کہبل کے پاس کشتیاں توپ خانہ اور اسباب کے لئے تو

استعمال کیں، مگر تمام سوار فوج کو حکم دیا کہ بغیر کشتی سب فوج گھوڑے دریا میں ڈال کر دریا عبور کرے کہ قبائلی یہ نہ سمجھیں کہ موت اور گولیوں کے ڈر سے فوج واپس ہوگئی۔ خود کھڑا ہو گیا اور تمام فوج کو دریا میں ڈال دیا۔ سینکڑوں ڈوب مرے اور کئی بہتے بھی گئے اور اکثر پار ہو گئے اور تاریخوں میں یہ واقعہ مہاراجہ کی بہادری اولوالعزمی دلیری کا عجوبہ نما ہو کر درج ہو گیا۔ مگر مقامی طور پر واپسی کی خفت بجز لشکر ہائے قبائلی اور بجز ان کے دشمن کے ہرگز کسی کو معلوم تک نہ ہوئی یہاں تک کہ انگریز مورخوں نے بھی یہ واقعہ نظر انداز کر دیا ہے یا یہ سمجھا ہی نہیں۔ اب یہاں تو کیا کے علاقہ کو وہ معافی سب قوم کو دے دیتا ہے۔ مگر جب تربیلہ سے پار ہوتا کہبل کے چار گاؤں جو اس کی زد میں تھے۔ باوجودیکہ مقابلہ انہوں نے نہ کیا تھا، اسی خان کی قوم تھی، مگر ان پر حملہ کر دیا گیا اور ان چار گاؤں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اور پار ہو کر بھی شمال کا رُخ پھر نہ کیا، بلکہ جنوب مغرب کو سیدھا پشاور جا پہنچا، بہرحال مہاراجہ کی عقل مندی نے اس قدر عظیم شکست کو چھپا لیا۔

میرا خیال ہے کہ اسی مقام خانپور میں کھڑا ہو کر ایک دو فوٹو ستھانہ کیا کہبل اور مقامات خندق و تربیلہ کے لے کر اس کتاب میں شامل کروں گا تا کہ ناظرین کے سامنے مہاراجہ کی بے بسی کا نقشہ آ جائے۔ اور غور کرنے سے مندرجہ تاریخ حالات سے بھی مہاراجہ کی واپسی شکست خوردگی ثابت ہوتی ہے۔

اوّل یہ کہ ذیل کا نقشہ ملاحظہ کریں اور پھر یہ دیکھیں کہ تربیلہ سے خان پور چار میل ہے جس کے محاذ پر خندق ہے۔ تربیلہ سے بھی کوہ مہابن کا نظارہ اور تنگ درّے اور ستھانہ کا شہر ایسے ہی سامنے نظر آتے ہیں جیسے خان پور پہنچ کر دکھائی دیتے ہیں۔ مگر فوج تربیلہ سے کوچ کر کے دریا کے کنارے سڑک پر خان پور کو آتی ہے۔ کشتیاں سروں پر اُٹھا کر لاتی ہے۔ خانپور میں توپ خانے لگا کر کیا کے گاؤں پر گولہ باری کرتی ہے (خود میں نے کیا کے گاؤں میں ایک گھر میں توت کا درخت دیکھا جس پر توپ کے گولے کا نشان تھا) مگر جب اس تنگنا میں پہنچ کر ناگاہ اس کو بہرومان کے جھتہ سے گولیوں کی بارش سے ایسا سابقہ پڑ گیا کہ دریا تک کشتیاں لے جانا موقوف ہو گیا۔ قدم آگے بڑھانا رُک گیا۔ خندقوں پر گولہ باری بے کار ہو گئی۔ بلند جگہ سے تین میل اپنے سے پست مقام اور گاؤں انسان کو بالکل پاؤں تلے نظر آتا ہے۔ اور اس جگہ پر پہنچ

ستھانہ ایسا ہی پاؤں تلے تھا، مگر قدم جگہ سے اُٹھانا ہی رُک گیا اور واپس ہو گئی اور دریا سے ... کو بلا کشتی اتار کر پار لے جانے میں بھی ایک نہیں راجہ کے تین مقصد تھے، سب سے بڑا امر ... مٹانا اور مورخ کی طبیعت کو دھوکہ دے کر شکست کا اخفا تھا۔ دوئم اپنی جرأت بہادری کا اظہار۔ سوئم: فوجی افسروں پر دلی غصہ کا اظہار کہ اگر وہ مر رہے تھے تو بھی کشتیاں دریا میں ڈالنا ... فرض تھا، آگے بڑھنا ان پر لازم تھا، مگر موت سے ڈر کر یہ ذلت دکھائی، تو اب ان کو ڈوب ... نے میں بھی کوئی پرواہ نہیں ہو چاہیے وغیرہ۔

میجر ویلس نے ہزارہ گزیٹر میں یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ پائندہ خان کی تمام ریاست دریا ... بائیں کنارے اور مہاراجہ کی رعیت میں تھی وہ مجبور تھا کہ مہاراجہ سے مقابل نہ ہو۔ اور اس کو اپنے ملک سے دور رکھے۔ لہٰذا اس نے اپنے فرزند جہاں داد خان کو دو گھوڑے بطور تحفہ دے کر ... کے پاس بھیج دیا جس نے تحفہ قبول کر لیا (گھوڑوں کا ہدیہ دینا سکھ حکومت میں اطاعت ... نے کے مترادف ہے) مگر خود پائندہ خان کوہ مہابن علاقہ امازئیاں میں چلا گیا تھا۔

یہ بھی مانا کہ امب پر حملہ گھوڑے بھیج دینے سے رُک گیا تو پھر تربیلہ سے فوج شمال کو کیوں روانہ ہوئی، اور چار میل مقام جنگ تک جا کر کافی جنگ کر کے کیوں واپس نہ ہوئی اصلیت یہی تھی کہ لاہور سے وہ مرکز ستھانہ کو تباہ کرنے کی نیت سے آیا تھا۔ امب کا ارادہ فتح ... بھی کر لیا تو بھی خاص ستھانہ کے لئے تربیلہ سے چار میل شمال کو چلا گیا۔ ستھانہ کا گاؤں تو اب تین میل دریا سے پار تھا مگر وہاں کا مالک اور لشکر ایسی جگہ پیشوائی و استقبال کے لئے موجود تھے جنہوں نے مہاراجہ کو بھی زور آزمائی کا کھلا موقعہ دیا۔ اور فوج کا بڑا حصہ فنا کر دیا اور نہایت عجز سے واپسی پر مجبور کر دیا۔

یہ واقعہ میں نے اس لئے بتکرار لکھا ہے کہ واقعہ بہت اہم اور عظیم ہے مگر اس وقت مہاراجہ کی ہوشیاری و دانشمندی سے تاریخوں میں درج ہونے سے رہ گیا اور ویسے ہی آگے چل کر انگریز مورخوں نے بھی اسے نظر انداز کر دیا۔ اور ستھانہ کے ساتھ خود انگریز حکومت کی کب نیک خواہی تھی، بلکہ جس قدر ستھانہ کی بدگوئی ممکن ہو سکی ہے تاریخوں میں کی ہے اس لئے ستھانہ کے امدادی لشکر کی مدافعت کی تعریف کو انگریز مورخ تحریر میں ہی نہ لایا اور راجہ کی شکست کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ مورخ جنگ خندق نشینان کا ذکر تک بھی نہیں کرتے اور صرف مہاراجہ کے

واپسی کے الفاظ لکھ کر پھر دریا سے پار ہونا بغیر کشتیوں کے اور کھبل کے گاؤں کا جلا دینا اور
سمہ کے راستے بلا مزاحمت پشاور تک چلا جانا لکھتے ہیں۔ الغرض سردار ہری سنگھ نے محمد خان
ترین کو قید کر کے کہار کی روٹی کھلا کر ہلاک کر دیا اور دیگر بسیار واقعات کے بعد سردار ہری سنگھ
دُرّانیوں کی فوج کے ساتھ قلعہ جمرود پر لڑتا ہوا مارا گیا۔ یہ واقعات آئندہ کے ہیں۔

جب مہاراجہ معہ فوج اس ملک سے چلا گیا تب خان امب دہگرہ سے واپس معہ عیال
اطفال کے امب کو آ گیا۔ اس مہاراجہ کی آمد سے ضلع ہزارہ پر سکھ سلطنت کا ضابطہ وقبضہ پورے
طور پر جم گیا اور تنول کی تمام ریاست زیر قبضہ ہوگئی۔ خاص شہر دربند میں سکھوں نے قلعہ بنا لیا

یہ واقعات سال ۱۸۲۴ء کے ہیں، مگر پائندہ خان سردار نے ۱۸۲۵ء میں قوم عیسیٰ زئی
یوسف زئیوں کا لشکر طلب کیا۔ دربند کے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور حکم دیا کہ قلعہ کا مال ومتاع اور
غنیمت حق حسن زئی مداخیل اکازئیوں کا ہوگا۔ تب جنگ قلعہ پر ہوئی اور بشن سنگھ قلعہ دار
افسر دو صد سکھ سپاہیوں کے ساتھ مقتول ہوا اور قلعہ عیسیٰ زئیوں نے لوٹ لیا۔ مگر بدقسمتی سے
دربند کے جو ہندو افغانی لشکر دیکھ کر قلعہ میں سکھوں کے ہمراہ پناہ گیر ہوگئے تھے اُن میں
مسمیان گردیال وپوربہ دمہری دہڑی وال کو تو قتل کرادیا باقی ہندوؤں کو بھی معاہدہ کے باوجود
خان حسن زئیوں سے نہ لے سکا۔ اور ان کو حسن زئی پکڑ لے گئے کہ وہ مالِ غنیمت میں
تھے۔ جن کو بعد میں معاوضہ ادا کر کے رہا کرایا گیا۔

جب سردار ہری سنگھ کو یہ خبر پہنچی تو وہ بڑی فوج لے کر ہزارہ سے دربند پہنچ آیا جو دریائے
سندھ سے ہزارہ کی جانب ہے۔ اور دربند میں جدید قلعہ تعمیر کر کے کافی فوج وہاں جمع رکھی گئی
سردار پائندہ خاں کا کوئی علاج اس سے نہ ہوسکا کیونکہ وہ دریا سے پار امب میں تھا۔

ان ہی دنوں میں سردار پائندہ خان نے تربیلہ پر شب خون مارا۔ جس کا ذکر میں اوپر
بروایت سر نواب اکرم خان مرحوم تحریر کر چکا ہوں، مگر اس قدر حالات اس ذکر میں نہیں لکھے گئے
جو ذیل میں ہیں:

جب تنولی لشکر نے تربیلہ فتح کیا تو تربیلہ میں اوتمان زئی افغان کیا وکھبل والوں کے ہم
قوم لوگ رہتے تھے۔ انہوں نے ازراہِ حمیت افغانی تنولی فوج کا سخت مقابلہ اور مزاحمت کی اور
سکھوں کی طرفداری میں کمربستہ ہو کر خوب حملہ آور فوج سے لڑے اور تربیلہ کے محلہ گاؤں

جہانگیر خان ملک گجر تنولیوں کے ہاتھ مقتول ہوا اور واپسی میں یہ لشکر اس وجہ سے کہ گاؤں
والوں نے ان کا مقابلہ کیا تھا، چند ہندو عورتوں کو بھی ساتھ لے آئے۔ اور تربیلہ کے افغانوں کو
بھی چند عورتیں تنولی لشکری پکڑ لائے، مگر عبدالحمید خان ملک کیا مذکورہ بالا وعزیز خان ملک کیا
کی سفارش سے تربیلہ کی عورتیں واپس کر دی گئیں۔ تربیلہ کے قلعہ میں تین سو سکھ معمولی جنگ
کے بعد مغلوب ہو کر قلعہ بند ہوگئے جس کا محاصرہ کر کے فتح کرنا اس لئے مشکل تھا کہ ہری پور
کا قلعہ اور ہری سنگھ کی قیام گاہ اور کثیر فوج یہاں تربیلہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ایک اچھا
سوار صرف ایک گھنٹہ میں پہنچ کر سوار فوج کو ایک ہی گھنٹہ میں پہنچا سکتا ہے۔ اس لئے زیادہ دیر
ٹھہرنا قرینِ مصلحت نہ تھا، لہٰذا واپس آ گئے۔ تربیلہ کے قیدیوں میں ایک جواہر کھتری اور کئی
ہندو بھی تھے۔ یہ دونوں امب پہنچ کر مسلمان ہوگئے۔

سردار پائندہ خان نے چند شب خون بطور یلغار لشکر اور بھی مارے تھے جس سے سکھ
حکومت میں تہلکہ مچ گیا تھا، جو شمالی ہزارہ کے علاقوں میں معرکے ہوئے تھے۔ شنکیاری اور
مانسہرہ پر بھی خان امب کے حملوں نے بڑا رعب ڈال دیا تھا۔ سردار ہری سنگھ ہمیشہ اس کو بلانے
اور راضی کر کے صلح صفائی کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ مگر مطابق وصیت پدر اس نے کسی بالادست
حاکم سے ملاقات کا ارادہ نہ کیا۔ ہزارہ کے شمال میں بھارو کوٹ کا قلعہ نہایت سخت مقام ناقابل
تسخیر پر سکھوں کا مستقر واقع تھا۔ جس کے شمال جانب متصل دریائے سرن ہے اور اونچے ٹیلے
پر قلعہ تھا۔ خان نے علانیہ لشکر سے اس پر حملہ کیا۔ جس کے لشکر کے ساتھ افغانی قبائلی لشکر
اوتمان وغیرہ بھی ہمراہ تھا۔ خان نے حکم دیا کہ قلعہ بھی افغان لشکر فتح کرے اور مال غنیمت بھی
وہی لے لے۔ امب کی فوج لشکر اوتمان کی پشتی بانی کرے گی۔ اس پر قبائلی لشکر نے حملہ کر
دیا۔ مگر قلعہ ناقابلِ تسخیر تھا۔ بڑا نقصان اٹھا کر لشکر واپس ہوگیا۔ تب خان نے اس لشکر کو کہا کہ
اب تم الگ ہو کر تماشا دیکھو میری سپاہ قلعہ فتح کریگی۔ اور خان نے حکم دیا تنولی سپاہی پرندوں
کی مانند بلا مزاحمت گویا اُڑ کر قلعہ میں پہنچ گئے۔ سکھ سپاہی اس قدر بہادر تھے کہ کبھی امن نہ مانگا
کرتے تھے۔ سب کے سب مقتول ہوگئے آج بھی وہ ٹیلہ پتھروں کا ڈھیر زبانِ حال سے مذکورہ
واقعہ کی یاد تازہ کرنے کو موجود ہے۔

اب ۱۸۲۶ء کا سال آ گیا جس میں سرحد میں ایک اور ہی اسلامی طاقت سکھوں کے

مقابلہ کے لئے آکر نمودار ہوگئی جو حضرت سید احمد بریلوی کی مہم تھی۔ اس مہم کا ذکر میں آگے علیحدہ باب میں مفصل کروں گا۔ انشاء اللہ! مگر وہ احوال تو عقیدت مندانہ اور دوستانہ اس ملک کے مورخوں کی تحریرات سے لوں گا۔ اس لئے خان پائندہ خان کے حالات میں جو مخالفانہ [نگاہ] سے مجاہدین ہندی کا حال ہے وہ ان کے نکتہ نگاہ سے لکھ دینا بھی مناسب خیال کرتا ہوں۔

جب یہ جمعیت سال مذکور میں سرحدات میں وارد ہو کر پشاور نوشہرہ اور علاقہ سمہ یوسف زئی سکھوں کے ساتھ متعدد معرکے کر چکی اور پھر ان کی فوج نے تربیلہ کے قلعہ پر حملہ کیا، تو سید اکبر بادشاہ ستھانہ نے تربیلہ میں جا کر سید احمد بریلوی کی بیعت کی اور اس کی معہ فوج کے ستھانہ کو لے آیا۔ تب خان پائندہ خان میں اور سادات برادران میں اتفاق و یک دلی اس وجہ سے تھی کہ سید اکبر شاہ کے بڑے بھائی سید اعظم کی بی بی پائندہ خان کی حقیقی ماموں زادہ بہن اور سالی بھی تھی۔

ایسے ہی اسی بی بی نادرہ بیگم کا پائندہ خان حقیقی عمر زادہ بھائی اور بہنوئی بھی تھا۔ اور یہ خاتون ستھانہ کے خاندان بھر میں از والدہ سید اعظم و سید اکبر شاہ، بہی با اختیار خاتون تھی اور خاندان ستھانہ اور امب کا باہمی رشتہ و قرابت داری ایسے ہی تھا جسے خانہ واحد کہا جا سکتا ہے۔ ہمیشہ سید اعظم و سید اکبر برادران کی آمد و رفت امب میں گھروں میں شریک تھی۔ اور سردار پائندہ خان ہمیشہ مہمات میں ستھانہ آیا کرتا تھا۔

خود مجھ سے قاسم خان فرزند کلاں ملک عبدالحمید ساکن کیا جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، نے بیان کیا میں خوردسالی میں ہمیشہ ستھانہ میں زیادہ رہا کرتا تھا۔ اور میں سید اکبر بادشاہ کے سب سے چھوٹے بھائی امیر شاہ مدار سے گو عمر میں قدرے چھوٹا تھا، مگر ہم اکٹھے کھیلا کرتے تھے اور بی بی اماں جو مذکورہ چھ برادران اُمرائے ستھانہ کی والدہ تھی، مجھ کو اپنے بچہ کے مانند پیار و محبت سے اپنے پاس ہی رکھتی تھی۔ میں اپنے گھر بہت کم جایا کرتا تھا، ستھانہ میں ہی رہا کرتا تھا۔ ایک دن خان پائندہ خان کی سواری آگئی، تو سب لوگ استقبال کو گئے۔ میں بھی جا پہنچا اور میں مجلس میں رفتہ رفتہ خان کے پہلو میں پہنچ کر اس کی کمر میں خنجر تھا جس کا دستہ نہایت خوب صورت اور قیمتی تھا، اس کو ٹٹولنے لگا، تو خان نے سمجھا کہ یہ بچہ سادات میں سے کسی کا ہے، پوچھا یہ کس کا بچہ ہے، بادشاہ سید اکبر نے فرمایا یہ ہمارے دوست عبدالحمید خان ملک کیا کا فرزند ہے،

جس سے ہم نے اس کو لے لیا ہے۔ اب ہمارے پاس ستھانہ میں ہی رہتا ہے۔ تو خان نے مجھ سے پوچھا تم خنجر کیوں دیکھتے ہو۔ میں نے کہا مجھ کو بہت پسند ہے۔ اس لئے آپ مجھ کو دے دیں۔ کہنے لگے ابھی تم بچے ہو ضائع کر دو گے۔ جب کمربندی کے لائق ہو جاؤ گے تو یہ خنجر تم کو دے دوں گا۔

الغرض جب سید احمد صاحب بریلوی کو سید اکبر بادشاہ ستھانہ میں لے آئے، تو خان پائندہ خان کو اطلاع دی کہ آپ کا اور ہمارا جہاد کفار کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا راہبر رفیق پیدا کر دیا ہے۔ اور ان سے متحد ہو کر جنگ و جہاد سکھوں میں مزید تقویت سے سرگرمی کا اظہار کریں گے، چنانچہ سردار پائندہ خان ستھانہ میں فوراً اپنی شان و شوکت کے ساتھ آگیا اور سید صاحب کی بیعت امامت بھی کر لی اور عہد مواعید سکھوں کی مخالفت کے بارے میں باہم پختہ کر لئے۔

اس دفعہ معاملہ یہاں تک ہی ختم ہوگیا۔ مگر جب سید صاحب دوبارہ ستھانہ کو آئے اور خان کو اطلاع ہوئی تو وہ امب سے تزک و احتشام کے ساتھ دوبارہ سید صاحب سے ملنے کے لئے جا پہنچا تو وہ اگرچہ اپنے چھوٹے بھائی مدت خان کی ستھانہ میں موجودگی معلوم ہونے کے باوجود سید صاحب کو ملنے آیا تھا (مدت خان پر جب دوبارہ پائندہ خان نے تشدد کیا تو وہ بھاگ کر ستھانہ میں آکر پناہ گزیں ہو رہا تھا، کیونکہ اُس کے لئے بھی گھر خانہ واحد تھا) مگر اس نے اچانک سربلند خان پلال اپنے شدید ترین دشمن کو سید صاحب کے پہلو میں اور اس کے مقربین میں شامل پایا۔ ایسا ہی اپنے برادر خورد مدت خان کو بھی سید صاحب کا مخلص و مقرب دیکھ کر اب اس سے برداشت نہ ہو سکا کہ وہ بھی اپنے آپ کو آپ کا ماتحت بنا کر اپنا رتبہ گھٹا دے۔

بعض غیور طبیعتیں اپنے دشمن کو دیکھ کر مشتعل ہو جایا کرتی ہیں جو بغیر انجام مذہبی کے مخالفت پر مجبور ہو جایا کرتی ہیں۔ اور اسی روز سے پائندہ خان والی امب سید صاحب سے روگرداں ہو کر واپس چلا گیا اور طویل مدت تک ان کا مخالف رہا۔ یہ مضمون تو میں نے اپنے الفاظ میں اپنے علم کے مطابق لکھا ہے مگر امب کے منشی نے جو کچھ لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

خلیفہ ہندوستان کی مخالفت کا سبب یہ تھا کہ:

۱۔ سادات خان برادر حقیقی خان کا بھائی سے مخالف ہو کر ستھانہ میں پناہ گزین ہوگیا تھا اور

ماند سادات سید احمد خلیفہ کا مخلص اور محبین میں سے تھا۔

۲۔ سر بلند خان پلال بھی سید صاحب کے پہلو میں اور اس کے مقربین میں شمار تھا۔

یہ حالت بچشم خود دیکھ کر پائندہ خان منحرف ہوگیا اور آگے چل کر اس نے سید صاحب
کشمیر کی طرف جانے کے لئے رستہ دینے سے انکار کردیا۔ یعنی ان کی فوج کو ریاست امب کے
راہ سے گزر کر جانے سے مانع ہوگیا۔ اور جب خلیفہ سید احمد نے نہایت الحاح سے اس کو
اور راستہ مانگا اور اس نے جواب لکھا کہ اگر اس راستہ پر آنا ہے تو اسباب جنگ و تفنگ سے
خوب آراستہ ہو کر آجانا۔

چنانچہ اس بنا پر مولانا اسماعیل شہید وزیر حضرت سیّد احمد صاحب فوج لے کر آیا اور
جنگ واقعہ ہوئی اس کی تفصیل باب ششم میں آگے آئی گی جس میں خان کو شکست ہوئی، اور
ملک بدر ہوگیا۔ یہاں مورخ ہزارہ نے خان کے لشکر سے مقتول ہونے والوں کو تفصیل سے
تاریخ احمدی میں درج نہیں ہے۔ مورخ لکھتا ہے کہ یہ جنگ اشراح اور امب کے درمیان ہوئی
جس میں مسمیان عظیم حجام جو بہادران لشکر پائندہ خان سے تھا، مقتول ہوا تھا اور خان باز سرکردہ
ویسران مارا گیا۔ ہاشم علی خان وکمال وسعد اللہ یہ سب افسر مقتول ہوئے تھے اور سید محمد اور نور
اور وہندا جمعدار زخمی ہوئے تھے۔ پھر لکھا ہے:

سرانجام غازی ہوئے چیرہ دست — ہوئی قوم ہندوالیوں کو شکست
فراری ہوا واں سے پائندہ خان — روانہ ہوا مثل تیر از کمان

پائندہ خان اپنی ریاست سے نکل کر اور اگرور میں خان اگرور کے پاس پناہ گیر ہوا اور
فرزند جہانداد خان کو مانسہرہ میں بطور یرغمال ہری سنگھ کو سپرد کیا اور مجاہدوں کے خلاف سکھوں
سے امداد طلب کی۔ اس لئے کہ مجاہدین کل ریاست امب وفولڑہ پر قابض ومتصرف ہو چکے
تھے۔ یہ واقعہ فی الفور نہیں ہوا۔ بلکہ جب پائندہ خان اگرور میں کچھ مدت مقیم رہا اور ملک
مکمل طور پر مجاہدوں کے ماتحت ہو کر اس پر سال گزر چکا تو ادھر پائندہ خان نے سکھوں سے
امداد کی التجا کی جنہوں نے اس کا بیٹا بطور یرغمال طلب کیا جو اس نے بھیج دیا اور ادھر سکھوں نے
قدرے امداد روانہ کی اور سکھ فوج اور مجاہدین کی جھپٹ آپس میں پڑھنہ اور پکھلی کی سرحد
مقام چڑیالی میں ہوئی۔ مگر ادھر مجاہدین مرکز سے اہل سمہ کی بغاوت کی وجہ سے دل برا

...ا چکے تھے، وہ اس وطن کو خود ترک کر کے جا رہے تھے (جس کا مفصل ذکر انشاء اللہ آگے آتا
ہے) تو سید احمد صاحب کو معلوم تھا کہ سادات ستھانہ اور خان امب کی باہم رشتہ داری کی دوستی
ہے۔ لہٰذا سید نے اکبر شاہ کو کہلایا کہ وہ خان امب کو اطلاع دے دے کہ وہ ناحق سکھوں سے
امداد مانگ کر ملک سکھوں کے ماتحت نہ کرے۔ واپس آ کر ریاست سنبھال لے چنانچہ مجاہدین
امب سے اُٹھ کر چلے گئے اور خان کو بغیر امداد سکھوں کے واپس سادات ستھانہ نے منگوایا۔ یہ تو
آ کر تمام ریاست پر قابض ہوگیا، مگر ہری سنگھ نے جہانداد خان کو جو یرغمال بھیجا تھا، قید کر لیا اور
کچھ عرصہ بعد لاہور پہنچا دیا۔

تب پائندہ نے امب میں واپس قابض و مستقل ہو کر سکھوں کے خلاف ایک مہم تیار
کی، امب سے جنوب کی طرف موضع اشرا ہے، اس کے محاذ پر دریا سے پار سکھوں کا قلعہ قادر
آباد تھا جو اس مشمولہ نقشہ میں دکھایا گیا ہے، خان نے اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے یہ تجویز کی
کہ اپنے تیسرے چھوٹے بھائی امیر خان کو اس مہم کا سرکردہ مقرر کیا اور رحموا جمعدار جو بڑا تجربہ
کار بہادر تھا، اس کو معہ پانصد پیادہ گان راتوں رات اشرا سے دریا عبور کر کے ایسی صورت
سے قلعہ تک پہنچے کہ دشمن کو خبر نہ ہوئی۔ قلعہ دار کا نام فتح خان تھا، وہ مرعوب ہو کر معہ سکھ فوج
کے خبر ہوتے ہی فرار ہوگیا۔ قلعہ امیر خان نے لے لیا۔ کافی ذخیرہ حرب اور مال غنیمت ہاتھ
آیا۔ جب ہری سنگھ کو ہری پور خبر ہوئی تو وہ بائیس ہزار سکھ فوج ہمراہ لے معہ توپ خانوں کے
پہنچ آیا اور قلعہ مذکورہ سے مشرق کو موضع دیرہ دار ریاست خانان پلال میں ڈیرہ کیا۔

ادھر موضع اشرا اگرچہ دریا سے پار ہے، مگر دریا اس جگہ میں بھی پہاڑ سے ٹکرایا ہوا
اور پاٹ تنگ ہے۔ اشراح وکوٹلہ پہاڑی بلندی پر ہیں۔ جس میں زنبوروں اور جزائل دور انداز
بندوقوں کی گولیاں قادر آباد پر پڑتی ہیں۔ مشکل سے چار سو گز کا فاصلہ یہاں ہوگا۔ اور میرا ذاتی
خیال ہے کہ خان پائندہ خان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ایک لاکھ فوج کی ناکام واپسی سے فائدہ
اور سبق لے کر پہلے سے ہی دل میں یہاں نقشہ بنالیا تھا۔ خوش نصیبی سے خان کو اپنے گھر متصل
اشرا میں جو امب سے ڈھائی دو میل تھا، ایسا موقعہ میسر آگیا کہ وہ خان پور والے مذکورہ معرکے
سے بھی خان کے لئے زیادہ مفید تھا۔ وہاں تو خندق میں بیٹھ کر مسلمان لشکر نے مہاراجہ رنجیت
سنگھ کو واپسی پر مجبور کردیا تھا۔ مگر یہاں بلند پہاڑ تو خان کے قبضہ میں تھا اور سکھ فوج کے

پھلانے کا دام قادر آباد سے پار مالنہ ٹھنڈوقوں کے مقام کے میدان میں گولیوں کی بارش کے اندر تھا۔ جس پر سکھوں نے روز روشن میں حملہ کر رکھا تھا اور تمام فوج نے اس صورت میں کے لشکر کی گولیوں کا نشانہ بنا تھا۔ اسی لئے خان نے اپنے بھائی کو اس حملے میں قادر آباد چھین لیا۔ اب اس کی واپسی کے لئے سردار ہری سنگھ بھی بائیس ہزار فوج لے کر آگیا۔ مگر قادر آباد کے دونوں طرف ایک میل دور صاف میدان ہے۔ کوئی ٹیلہ پہاڑی یا نہیں جو اشراخ اور کوٹلہ والی بھولی فوج کی زد سے سکھ فوج بچ کر قادر آباد پر حملہ آور ہو سکے۔ ہری سنگھ نے اس وقت جہان داد خان کو بھی اپنے ساتھ حراست میں رکھا ہوا تھا۔ تین مہینہ تک مسلسل جنگ کے شعلے جاری رہے قلعہ نشینوں کی دریا پار سے کشتی بانی اس قدر قوی تھی کہ کھلے میدان میں فوج کا ممدود ہی مشکل تھا۔ سردار ہری سنگھ بڑا ہوشیار سپاہی تھا۔ تمام کیل اور دم خم کر چکا تھا۔ مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

آخر ہری سنگھ نے جہانداد کو اپنے توپ خانہ کے ساتھ لے جا کر پائندہ خان کی توپوں کی زد اور مار کی جگہ اپنی توپوں سے باندھ دیا اور خان کو خبر کر دی کہ تیرا جانشین بیٹا تیری گولیوں کا نشانہ ہو گا تاکہ بیٹے کی موت کے خوف سے کوٹلہ واشراکی گولہ باری میں کمی واقع ہو۔ خان نے حکم دیا کہ جہانداد کی موت اسی بہانہ سے آئی ہوگی، گولہ باری جاری رکھو، مگر اللہ کے فضل نے جہانداد کو گولوں اور گولیوں کی بارش میں محفوظ رکھا۔

تب ہری سنگھ نے ایک وفد بھیجا اور نہایت سخت قسمیں اور وعدے اور پیمان بھیجے کہ آخر اس جنگ کا انجام تیرے بیٹے اور بھائی قلعہ نشین کی ہلاکت ہے۔ اس لئے کہ کثیر فوج اور بھی منگائی جا سکتی ہے اور آخر کار قلعہ فتح ہی کیا جائے گا۔ تو آؤ باہم صلح کر لیں کہ قلعہ تم برضا خود خالی کر دو میں جہانداد کو بھیج دوں گا۔ اور آئندہ تمہارے ملک سے ہم غرض نہ رکھیں گے۔ اس وعدہ پر خان مائل بصلح ہو گیا اور اس نے اپنی فوج قادر آباد سے واپس منگوالی اور ہری سنگھ نے ایک ہزار سپاہی کی پوری پلٹن قلعہ میں بٹھا دی۔ اور موضع ڈیرہ میں ہمیشہ کے لئے ایک چھاؤنی فوج کی بھی مقرر کر دی۔ اور یہاں سے خود بھی اور جہانداد خان کو بھی ساتھ لے کر لاہور چلا گیا۔

دربار لاہور میں جب اس جنگ کا ذکر سردار ہری سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے کر رہا تھا تو نام پائندہ خان کا لیتے وقت پنجابی زبان کے لہجہ میں الف حذف کر کے پنیدہ خان کہتا تھا۔ اور

پنیدہ خان، پنجابی زبان میں حملہ آور کو کہتے ہیں۔ جب مہاراجہ نے ہری سنگھ سے پوچھا پنیدہ تو ہے ابھی آئے۔ یعنی حملہ آور تو وہ ہے ہی مگر اصلی نام اس کا کیا ہے۔ ہری سنگھ نے جواب دیا ہری اس کا پنیدہ ہے۔ پھر قلعہ قادر آباد کے محاصرہ کا جو تین ماہ تک رہا تھا ذکر کیا اور یہ کہ میں بد عہدی کر کے اس کے بیٹے کو ساتھ لے آیا ہوں۔ مہاراجہ نے جو حکم دیا وہ مؤرخ اس شعر میں لکھتا ہے۔

کہ حاضر ہو جب تک کہ اس کا پدر ۔۔۔ جہانداد قیدی رہے بے خطر

چنانچہ بیس سال جہانداد سکھ حکومت کی قید میں پڑا رہا۔ اور آخر جس حیلے سے اس کو رہائی ملی وہ ذکر آگے اپنے موقعہ پر آئے گا۔

میں نے یہ تاریخ اس عمومیت سے لکھنی چاہی کہ اس عہد کی مختلف قوموں مختلف خاندانوں اور مختلف سلطنتوں اور متعدد حادثوں کا ذکر اس میں آگیا ہے اسی وجہ سے بسا اوقات جب ایک واقعہ دوسرے سے پیوند ہے تو عند الذکر ایک ہی واقعہ دو تین جگہ تکرار مذکور ہو جاتا ہے۔ اس جگہ پر ہزارہ کے کسی مورخ نے جو حضرت سید احمد بریلوی کا ذکر کیا ہے اس کو میں نے اپنے الفاظ میں ذرا واضح کر دیا۔ ورنہ اس نے بے خبرانہ اور معاندانہ رنگ میں حضرت خلیفہ بازی کو محض حکومت اور طماع ملک اور نمائش مجاہدیت کو خود غرضی پر محمول لکھا ہے۔

چونکہ سید احمد بریلوی ۱۸۲۶ء میں اس ملک میں وارد ہوئے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ پہلے ہی عداوت ۱۸۲۳ء میں ستھانہ کو برباد کرنے کی نیت سے آ چکا تھا۔ لہٰذا مالتھرس نصف النہار سادات ستھانہ کی عداوت سکھ سلطنت سے ظاہر تھی۔ جب حضرت سید محض دشمن اسلام کی مخالفت کی خاطر جہاد کفر کے لئے علماء صلحاء ہند کے ہزار ہا نفوس ہمراہ لے آیا اور بزرگان ستھانہ نے ان کے ساتھ انصاریت کا عہد باندھا تو پھر کسی قریب سے بھی قریبی کو اس گروہ مجاہدین پر ترجیح نہ دی قبر تک بلکہ اولادوں تک جانوں مالوں اور افرادوں بلکہ اپنی ریاستوں کو اسی راہ میں قربان کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے تمام حالات خاندانوں وقوموں اور حکومتوں کے ذرا تفصیل سے لکھنے پڑتے ہیں۔ اور اس صورت میں واقعات کا ذکر مکرر بھی آجاتا ہے۔ تاریخ بھی عجیب سیر گاہ ہے کہیں مکافات عمل کے نظارے دکھاتی ہے۔ کہیں بد عہدیوں کے بھیانک چہرے دیکھنے میں آتے ہیں کہیں راست بازی کو زک اور فریب کاری کو کامیابی کا تماشہ سامنے

آ جاتا ہے۔

ہیبت خانی خاندان جس کو دولت درانیہ سے سخت زک ہوئی چاہتی تھی کہ سکھ حکومت اس کی دوست ہوگئی۔ پھر جب سکھوں سے بھی پائندہ خان مخالف ہوگیا تھا تو سید صاحب کے ساتھ ان کا دائمی تعلق رہتا، مگر دونوں امور نہ چل سکے۔

ہری سنگھ کے ضلع ہزارہ سے چلے جانے کے بعد اس کے نائب مہاسنگھ کے ساتھ پائندہ خان کی سخت دشمنی قائم رہی۔ اس لئے اس نے کرپلیاں اور خیر آباد کے قلعہ جو اس وقت پائندہ خان کے محروسہ تھے دوبارہ قبضہ کرلئے۔ یہ واقعہ ۱۸۳۰ء کا ہے۔ تب دوبارہ سکھوں سے خان کی مخالفت چمک اٹھی۔ اسی سال جب مہاسنگھ پشاور جانے لگا تو اس نے خان کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے تنازعات اس کے کیمپ میں آکر پیش کرے، تاکہ مہاسنگھ ان کو طے کردے، لیکن پائندہ خان نے مہاسنگھ کا ایلچی روک لیا اور کہلا بھیجا کہ جب تک جہانداد خان روانہ نہ ہوگا۔ ایلچی بھی قید میں رہے گا۔ اس میں خان کامیاب ہوگیا۔ اور ہری سنگھ کی عرضداشت پر سات سال بعد جہانداد خان رہا ہوکر تناول میں پہنچ گیا۔

دو سال گزرنے کے بعد جب کہ سید احمد صاحب بریلوی بالاکوٹ شہید ہوچکے تھے۔ مگر ان کا بقیہ لشکر ستھانہ میں آکر مقیم ہوگیا تھا۔ پائندہ خان نے اس مجاہدین کی جمعیت سے جو ستھانہ میں تھی صلح کرکے ان کے لشکر کو اپنی امداد میں ہمراہ لے کر خان اگرور کے خلاف مہم تیار کی جس سے جلاوطنی کے ایام میں خان سخت ناراض ہوا تھا۔ اس کو اگرور سے جلاوطن کرکے خود قبضہ کرلیا تھا اور ہندوستانی لشکر کو علاقہ ٹکری ملک قدیم صواتی پر قبضہ دلایا۔ مگر جب ٹکری نند پہاڑ کے جرگہ نے خان سے منت بار ہوکر التجا کی کہ ان کے اوپر سے مجاہدین کی حکومت اٹھوادے۔ تب خان نے ان کی درخواست منظور کرلی اور مجاہدین کی جمعیت کو اس ضرورت کے تحت طلب کیا کہ اس کو افغانی علاقہ میں ایک مہم درپیش ہے اور جب وہ لوگ خان کی امداد کے لئے ٹکری سے در بند پہنچے تو ان کو کشتیوں میں بٹھا کر ستھانہ میں پہنچا دیا کہ اب تم یہاں ہی رہو۔

پھر جب ۱۸۳۶ء میں سردار ہری سنگھ نے خان اگرور کی دادخواہی پر فوج ہمراہ لے کر اگرور پر حملہ کیا اور اگرور کو خانِ امب سے واپس لے لیا۔ تو خان کے ملک میں بھی دو قلعے بنالئے۔ اور اس کے بعد پائندہ خان اور سکھوں کے درمیان متعدد بار سخت سے سخت معرکے

ہوئے۔ اور جس وقت جون ۱۸۴۱ء میں دریا سندھ میں سخت طغیانی آئی جس نے دریا کنارے کے تمام ملکوں، زمینوں، شہروں اور انسانوں کو تباہ و برباد کردیا، تو عین اس وقت سکھوں کی فوج اور پائندہ خان کی فوجوں میں گھمسان کی لڑائی جاری تھی جس کا فیصلہ اور متارکہ اس عظیم آفتِ طغیانی نے کرادیا۔

۱۸۴۲ء میں جب کہ موسم سرما تھا، کنور پرتاب سنگھ ہزارہ آیا اس کے باپ مہاراجہ شیر سنگھ نے کشمیر اور ہزارہ پرتاب سنگھ کو جاگیر میں دے دیا تھا۔ وہ کشمیر سے جب ہزارہ پہنچا، اس نے پائندہ خان کو طلب کیا، جس نے جانے سے انکار کردیا۔ تو کنور نے ریاست تنول پر چڑھائی کی اور ملک کو فتح کرلیا۔ اپنے سرداروں کے مشورہ سے اس نے دریائے سندھ سے بائیں کنارے پر تمام تنولی ریاست پائندہ خان کے بھائی مدت خان کے سپرد اور حوالے کردی۔ صرف دریائے سندھ کی مغربی کنارے پر خاص امب معہ دو چار مضافات خان کے قبضہ میں رہ گئے۔

یہ ایام خان پر کمال عسرت اور تکلیف کے گزرے تھے۔ درمیانے لوگوں نے اس وقت کوشش کی۔ بلکہ بیٹے جہانداد خان نے بھی صلاح دی کہ وہ سکھوں کے پاس جاکر اطاعت مان لیں۔ لیکن خان نے جواباً کہا کہ اب میں قبر کے کنارے پر ہوں۔ سکھوں کی دوستی قبر میں ساتھ لے کر جانا مجھ کو پسند نہیں۔ اور بیٹے کو کہا کہ میرے اتنے کارنامے ہیں کہ جہانداد کو اپنے املاک میرے بعد سب مل جائیں گے۔ بلکہ تین چار پشتیں میری شمشیر کے اثر کے ماتحت آرام سے ریاست پر حکمران رہیں گی۔ انہی ایام میں خان کا امب میں انتقال ہوگیا۔ جو غالباً ۱۸۴۴ء یا ۱۸۴۵ء تھی۔ خان پائندہ کی وفات عسرت کے ایام میں ۱۸۴۵ء میں ہوگئی۔

جب ۱۸۴۶ء میں سکھوں کی پہلی جنگ سے ان میں ابتری پھیل گئی تو جہانداد خان نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور اپنے چچا مدت خان کے خلاف قبیلہ ایازی کا لشکر اٹھا لایا۔ اور اس سے مقابلہ کرکے، وہ تمام ملک جو ان کی ریاست میں تھا مدت خان سے واپس لے لیا اور سکھوں کے جو قلعے ان کے وطن میں تھے، ان پر بھی حملہ کیا، مگر دربار لاہور کے خوف سے قلعہ نشینوں کو بلاتکلیف قلعوں سے سلامت نکال دیا۔ ان کے ساتھ بجد مربیانہ سلوک کیا۔ جس کا بہتر صلہ ان کو اس صورت میں ملا کہ جب جنگوں کے خاتمہ پر ہزارہ گلاب سنگھ کو مل گیا تو دیوان ہری چند

نے جس کو راجہ نے مالیہ وصول کرنے بھیجا تھا، جہانداد کو بالائی تنول پر مستقل قبضہ دے دیا یعنی اس کا قبضہ ہندوالی پلالی ریاست پر تسلیم کرلیا۔

سردار پائندہ خان کی وفات کے بعد جو ابتری سکھ حکومت میں پھیلی اس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے جہانداد خان کی والدہ نے موزہ خان رئیس امازی زئی کو بلا کر لشکر کی امداد اس سے طلب کی تاکہ ریاست امب کو مدت خاں سے بزور شمشیر واپس لیا جاسکے تب موزہ خان نے بے جی صاحبہ کو کہا مجھ پر اس وقت ایک حبہ انعام لینا حرام ہے نسلا بعد نسلا حق انعام وجاگیر کا ایسے ہی وقتوں میں حاصل ہوا کرتا ہے۔ مگر ایک ہزار روپیہ نقد ضروری درکار ہے کہ اپنے قبیلوں کے سرکردہ آدمیوں پر اعتباری آپ کے ملازم کے ہاتھ سے درپردہ تقسیم کرادوں تاکہ قومیت کا لشکر ہمارے خلوص واشتیاق سے اُٹھ کر فتح کو انجام تک پہنچائے۔ بے جی صاحبہ نے دربند کے ہندو سیٹھو سے ایک ہزار روپیہ سکہ محمد شاہی لاکر موزہ خان کو دے دیا۔ جس نے اپنے غستانی قبیلوں کے سرداروں کو دے کر لشکر اس زور شور سے حملہ آور ہوا کہ مدت خان کے حولی سپاہی مقابلہ بالکل نہ کرسکے اور ریاست امب کا کل محروسہ علاقہ اس لشکر نے ایک دن میں فتح کرلیا۔

اب مدت کا جو حصہ اپنا گزارہ کا تھا۔ اس پر لشکر مذکور نے جایوریش کی اور بھیلوہ تھی کو بھی فتح کرلیا۔ مدت خان جلاوطن ہو کر شبیلہ کی طرف جا کر بانڈہ پیر خان وغیرہ جدون قوم کے ملک میں پناہ گزین ہوا۔ اس جگہ سے آگے مجھ کو اس امر کا صحیح علم نہیں کہ وہاں سے بھی بطور مشورہ کاران اپنے حصہ پر واپس آکر دوبارہ ستھانہ کو جلاوطن ہو کر آیا تھا یا یہ کہ اسی جلاوطنی میں جب اورش کی طرف سے فوجی امداد کی توقع نہ تھی تو بال بچہ اس طرف چھوڑ کر ستھانہ کو آگیا۔ اغلب یہ ہے کہ ستھانہ کو ہی آگیا تھا۔ ان دنوں ہزارہ میں سکھا شاہی کی طاقت مزید کمزور ہو چکی تھی۔ بادشاہ صاحب سید اکبر کا تصرف واقتدار ہزارہ پر فوقیت حاصل کرچکا تھا۔ تب بوجہ قرابت مذکورہ بالا سید اکبر شاہ نے جہانداد خان کے لئے والیِ امب سے یہ مطالبہ کیا کہ مدت کا اپنا حصہ اور حق ملکیت اس کو دے دے۔ کیونکہ سکھ حکومت نے اپنی ناراضگی کی وجہ سے ان کی ریاست ضبط کر کے مدت کو سپرد کی تھی۔ مگر جہانداد خان نے یہ صلح کی نصیحت قبول نہ کی۔ بادشاہ صاحب کا ارادہ اس خاندان کے باہمی نزاع کو قطعی ختم کرانے کا تھا، مگر خان امب نے انکار کردیا۔ تب

سید اکبر بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ مدت خان سید احمد علیہ الرحمتہ کا مرید ہے جس کی حمایت کرنا میرا دینی فرض ہے اور تم بھی قرابت دار ہو، ورنہ اس قدر منت باری ہم نہ کرتے۔ خان نے اس کا جواب بھی ناموافق دیا۔ تب سید اکبر شاہ نے ایک قوی طاقت ور لشکر روانہ کیا۔ اور جہانداد کو بجز اس کے چارہ نہ تھا کہ وہ ملک بدر ہو کر علاقہ حسن زئی میں جا کر پناہ گزین ہوگیا۔ اور کل ریاست انہوں نے فتح کر کے مدت خان کو سپرد کردی، مگر مدت خان نے اپنا اصل سکونتی مستقر اپنے حصہ ذاتی مقام پھوڑڑہ میں رکھا۔ اور جہانداد خان چھ مہینے عیسیٰ زیوں میں پناہ گزین رہا۔

اس مقدمہ میں امیر صاحب سید عمر شاہ کی رائے اور مرضی جہانداد خان کی طرف تھی کہ خان کی خالہ سکونت امیر صاحب کے ہمراہ یکجا تھی۔ اور سید اعظم خاں میاں فوت ہو چکا تھا۔ چھ ماہ جلاوطنی کے بعد درمیانی گفتگو سے اپنے اپنے حصوں پر قناعت کرنے کی قرارداد ہو کر حسن زیوں کا لشکر خان کے ہمراہ ہو کر اس کو ریاست میں لے آیا۔ چونکہ وہ موسم گرما میں علاقہ ہنہ بارہ میں رہتا تھا اور موضع ہوکال میں خان نے اپنا روزہ عناب کے میوہ سے افطار کیا اور ریاست پر متصرف ہوا۔

مدت خان اپنے سابقہ حصہ پر قائم رہا اور اس نے اس سے کوئی غرض نہ رکھی۔ یہ جلاوطنی اغلب سے ۱۸۴۶ء میں ہوئی تھی اور جہانداد خان کی وہ دختر نیک اختر جس کا نام لتو بی بی تھا، مصلیٰ نشین عابدہ زاہدہ تھی اور نواب اکرم خان کی سوتیلی بہن اس سے عمر میں بڑی تھی۔ اس جلاوطنی کے دنوں جب کہ مستورات کو محمد غلام جمعدار شونگلی والا ہمراہ ہو کر موضع بمبل کو اپنے رشتہ داروں کے پاس محفوظ جگہ لے جا رہا تھا راستے میں جب یہ لوگ یعنی ستر دار موضع بائی میں گئے تھے، اس جگہ اس نیک بی بی کی ولادت ہوئی تھی۔ تب محمد غلام نے اس کے بعد ستر داروں کو موضع بمبل میں پہنچایا۔

ممکن ہے کہ اس واقعہ کو اس زمانہ موجودہ خاندانِ ریاست تسلیم نہ کرے بلکہ غلط خیال کرے، مگر میری نظر سے ایک ایسی شہادت گزر چکی ہے جس کی نقل میں نے اسی تاریخ میں درج کرنے کے خیال سے رکھ لی تھی، جس کا مواد بچپن سے جمع کرتا رہا تھا، اس تحریر میں جو خان جہانداد خان نے مذکورہ واقعہ کے دس سال بعد بطور سندِ خوشنودی محمد غلام جمعدار کو تحریری اور مہر زدہ دی ہے۔ اس کے الفاظ سے اس واقعہ کا وقوع پذیر ہونا صاف ثابت ہے۔ وہ تحریر

اب بھی محمد غلام جمعدار کے بیٹے میر زمان جمعدار کے فرزند فیروز جمعدار مولوی خان بہادر محمد سعید محمد اکبر کے پاس موجود ہے۔ اور مجھ کو وہ اس صورت میں دکھائی گئی تھی کہ محمد غلام دو تین گاؤں کا جاگیر و معافی دار تھا۔ اور وہ جہانداد کی قید کے زمانہ میں لاہور بھی آیا جاتا کرتا تھا اور ہر مشکل مقدمہ میں وہ نہایت اعتباری خدمات انجام دیا کرتا تھا، سند مذکور بالکل اصلی اور قدیمی ہے جس کی نقل میں اس جگہ درج کردینا بہتر خیال کرتا ہوں جس سے محمد غلام جمعدار کی وفاداری کا قائل ہونے، بلکہ خان ممدوح کی وصیت اپنی اولاد کے لئے پائی جاتی ہے کہ اس کو ہمیشہ مندرجہ قصبات کا معافی دار رکھیں۔

وھو ھذا (نقل سند)

چون این وقت نوشتہ دادہ می شود کہ محمد غلام جمعدار قدیم نمک حلال خیر خواہ و خدمت گزار این جانب بودہ آمدہ و در مقدمہ سید اکبر والہ کہ از ملک خود جلاوطن شدہ در حس زئیاں رفتہ بودیم محمد غلام ہمراہ این جانب بود دوران سفر کمال خدمت کاری کردہ بود بنا بران از روئے کمال مرحمتِ خود و نمک حلالی و خدمتگاری اور ادیدہ موضع باڑیاں۔ راو موضع صلاحیہ را (پیمائش) از جملہ جوباب سرکاری معاف کردہ شدہ و علیحدہ یکمن قند و یکمن پنبہ سال بہ سال از سرکار مقرر کردہ جمعدار مذکور امر حمت نمودیم ہر کسیلہ اولاد این جانب مک بودہ باشد و خواہد بود و برین نوشتہ عمل خواہد آورد فقط تحریر بتاریخ ۱۶ ماہ ساون ۱۹۱۲ بکرمی مطابق ۱۸۵۶ء از مصنف نقل و مہر خان موصوف۔

ماراہر آنچہ داد خدائے
جہان داد

یہ امر مجھ کو معلوم نہیں ہوسکا کہ جب ابتدائے ۱۸۴۶ء یا غالباً ۱۸۴۵ء میں خان جہانداد خان نے مدت خان سے ملک فتح کرکے اس کو جلاوطن کردیا تو وہ کتنی مدت جلاوطن رہا تھا اور پھر کتنی مدت بعد سید اکبر شاہ نے لشکر اٹھا کر اس کے اپنے املاک بھی دلائے تھے اور جہانداد خان کو بھی چھ ماہ تک جلاوطن رکھا تھا، مگر اس کی سند کی سن سے اس ردو بدل کا وقت مختصراً اور قریب تر معلوم و ثابت ہوتا ہے اور مزید براں علاقہ کلائی دہد نیک اس کو جاگیر دے دیا۔

اس کے بعد جب ہزارہ پھر سکھ دربار کو مل گیا اور کپتان ایبٹ صاحب پہلے بندوبست کے واسطے مامور ہو کر آیا تو جہانداد خان نے پہلے پہل اس کے پاس جانے سے تامل کیا، مگر جب سلمکھنڈ پر اس نے قبضہ کرکے طاہر خیلی مخالفت کا خاتمہ کردیا تو ۱۱ ستمبر ۱۸۴۷ء کو جہانداد خان نے بہ اختلاف روایت ستھانہ شیروان میں یا ہری پور میں ایبٹ صاحب سے ملاقات کر کے اطاعت پذیری کرلی۔ تب اس کو اپنے ملک پر ہی باقاعدہ قبضہ تسلیم ہو کر برقرار رکھا اور کلائی و بدنہک کی جاگیر بھی اس کو باقاعدہ دیا جانا تسلیم کرلیا جو اس وقت تک اس کے قبضے میں آئی بھی نہ تھی۔

اس کے بعد برطانیہ کی طرفداری مرتے دم تک اس نے قائم رکھی اور چتر سنگھ کے حملے روکنے میں اس نے عملی صداقت ثابت کی۔ اور جب کیرن صاحب ٹپ صاحب اس کے علاقہ تنول میں قتل ہوگئے تو اس نے حسن زئی قبیلہ کے لوگوں کو جن پر شبہ تھا گرفتار کرکے گورنمنٹ کے حوالے کردیا۔ جس کے سبب سے کالے پہاڑ کی پہلی جنگ ہوئی تھی اور گورنمنٹ کو خان کی طرف سے بھی بدظنی تھی چونکہ ۱۸۵۷ء کی شورش میں اس نے ایک نیوی کا کنٹنجٹ دستہ فوج کا بھی دیا تھا اور متواتر اپنی سرحد پر امن رکھا اور ۱۸۵۸ء میں انگریزی فوج کے ہمراہ ستھانہ پر ہندوستانی غازیوں سے بھی اس نے لڑائی کی اور اپنے ایک مشیر بوستان خان و میر زمان برادرش کو بھی جن پر قتل صاحبان موصوف کا شبہ تھا، بطور پولٹیکل قیدی لاہور بھیج دیا تھا اور اپنی قوم سے اس نے مفیدہ خدمات گورنمنٹ کی ادا کرائیں۔ لہٰذا اس کے واسطے مبلغ پانچ ہزار روپے کی خلعت اور لقب نواب کے لئے سفارش ہوئی، مگر اس کی منظوری آنے سے پہلے اس کا انتقال ۱۸۵۸ء کے نومبر کے شروع میں بعمر چالیس سال ہوگیا۔ اس نے چودہ سال حکمرانی کی تھی۔ اس کی مہر کا نقش تھا (ماراہر آنچہ دادہ خدائے جہاں داد)

خان موصوف کی وفات پر اس کا فرزند محمد اکرم خان جس کی عمر اس وقت نو سال کی ہوچکی تھی ۶ نومبر ۱۸۵۸ء کو اپنی ریاست پر کل قوم تنولی کے اتفاق سے متمکن ہوا۔ حکومت کا کاروبار اس کی دادی والدہ جہانداد خان کے اختیار میں تھا جو نہایت عقل مند معاملہ فہم سیاست دان خاتون تھی اور سردار احمد علی خان پلال جیسے زبردست حکمران کی بڑی لڑکی تھی اور شیر دل پائندہ خان جیسے اولوالعزم حکمران کی زوجہ تھی۔

خان جہانداد خان کی خدمات وفادارانہ کا ذکری برطانوی افسروں نے جو کیا ہے۔ اس کا اقتباس کسی قدر یہاں لکھ دینا بے جا نہ ہوگا۔ جس سے ممدوح کے زمانہ کے تاریخی حالات کی بھی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

فروم بلیک مونٹن ٹو وزیرستان (کتاب میں) لکھا ہے کہ حسن زئی قبیلہ کوہ سیاہ کے نسبت سب سے پہلے علم گورنمنٹ کو اس وقت ہوا جب اس نے محکمہ کسٹم کے دو افسران (کیران صاحب، ٹپ صاحب) کو قتل کر دیا۔ پنجاب سے الحاق کے کچھ عرصہ بعد دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر ایک امتناعی حد مقرر کی گئی جو دریا سے پار کا نمک بلا محصول پنجاب میں داخل کیا جاتا تھا اسے روک سکیں۔ ۱۸۵۱ء میں یہ حد تربیلہ سے آگے ۱۳ میل دریائے سندھ کے کنارے پر بڑھا دی جہاں سے نواب امب کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ ۱۸۵۱ء کے نومبر میں محکمہ کسٹم کے دو عہدہ دار معائنہ کے دوران میں حسن زئیوں کی ایک مسلح جماعت کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ جب کہ وہ نواب امب کے محروسہ خاص علاقہ میں تھے۔ نواب صاحب سے فوراً جواب طلب کیا گیا۔ تب نواب صاحب نے ان حسن زئیوں کو جوان کے سرحد میں تھے حوالے کر دیا۔ اس کے اس عمل پر حسن زئیوں کو اشتعال آیا اور نواب کے خلاف وہ حملہ آور ہو گئے اور ان کے تمام سرحدی دیہات کو ویران کر دیا۔ اور ریاست کے دو قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ ایسی صورت میں برٹش گورنمنٹ کو مداخلت کرنا ضروری ہو گیا اور ان کی تعزیر کے لئے فوج کے جمع ہونے کے احکام دے دیئے گئے۔

کوہ سیاہ کے حسن زئیوں کے خلاف مہم ۱۸۵۲ء تا ۱۸۵۳ء دسمبر ۱۸۵۲ء میں ضلع ہزارہ کے شمال میں مغربی سرحد پر شیر گڑھ میں فوجیں جمع کی گئیں جو لیفٹیننٹ کرنل میکسن سی بی کمشنر پشاور کی قیادت میں تھیں۔ فوج تین حصوں میں تقسیم کی گئی۔ ایک حصہ محفوظ رکھا گیا جس کو مقام چھتا۔ شونگلی۔ شوشتی اور شیر گڑھ پر متعین رکھا۔ قلعہ شونگلی جس کو حسن زئیوں نے نواب امب سے چھین لیا تھا، بغیر کسی نقصان کے واپس لے لیا گیا۔ ہماری فوجیں اس کو حفاظت پذیر بنانے میں مشغول تھیں اور حسن زئی اکازئی کے لشکرِ سیاہ کی چوٹی پر جمع ہوئے تھے۔ اپنے طلایہ کو چھتا کے قریب بڑھا دیا۔ افسروں نے باقاعدہ فوج کو ایسے خراب موسم میں روکا، جس کی وجہ سے وہ محفوظ فوج کے فرائض انجام دینے سے قاصر رہے جہاں وہ ایک تنگ وادی میں محصور ہو کر ہر قسم

کی مصیبت سے دوچار ہوئے اور پہاڑی لڑائی کے لئے کسی قسم کی مدد نہ ملی۔ کرنل میکسن نے اس کا تہیہ کر لیا کہ کوہ سیاہ کی پشت کی طرف دریائے سندھ کے کنارے تک اپنی محفوظ باقاعدہ فوج کے دستے پھیلا دیں۔ اور اس طرف کی فوج کے رُخ کو بلندی کی جانب کر دیں اور ہر حملہ کے لئے اپنی محفوظ فوج کے ایک چھوٹے دستہ سے کام لیں اور اگر سب پسپا ہو جائیں تو شیر گڑھ کے قلعہ کی نوبت سب سے آخری آوے۔

مذکورہ تجویز کے ماتحت ۲۴ اور ۲۵۔ دسمبر کو شیر گڑھ سے باقاعدہ فوجی دستے دربند کی طرف روانہ کئے چھتا۔ شونگلی اور شوشتی پر بے قاعدہ دستے اوٹ کی پناہ میں مدافعت کے لئے متعین ہوئے۔ کرنل میکسن نے ابتدائی تحقیقات کے طور پر ۲۷۔ تاریخ کو یہ تصفیہ کیا کہ مذکورہ نقشہ کو بدل کر فوجی دستوں کا اہم حصہ بیر بٹ پر متعین کریں۔ اور چھمٹری میں چار دستے رکھیں۔ تاکہ آخری مرکز مقابلہ کے سامنے بلندی پر سے راہبری کر سکیں۔ ۲۹ دسمبر تک یہ تمام تیاریاں مکمل ہو چکیں اور باقی تین دستوں کو یہ احکامات دیئے گئے کہ اب وہ آگے بڑھیں اور ان کا آخری مقصد پنجہ گلی ہے اور دشمن کو شکست دینے کے بعد یہ اختیار ہے کہ چاہے فوج چھمٹری کی طرف پلٹیں یا بروڑ کی طرف یہ دائیں بازو کا دستہ (میمنہ) کرنل آر تھپسر کی قیادت میں کافی مقابلہ کرنے کے بعد پہاڑ کی چوٹی کے قریب ایسے مقام پر پہنچا جس کے بالائی حصہ پر اکازئی قابض تھے۔ اس ناہموار چوٹی سے دشمن چلے گئے۔ اور پہاڑ کی حفاظت کے لئے کوئی مزید کوشش نہیں کی گئی۔ مختصر یہ کہ مغرب سے پہلے لیفٹیننٹ ہڈسن کے ماتحت تمام فوجیں پنجہ گلی پر پہنچ گئیں جو اب تک قبائل کے لوگوں کے قبضہ میں تھا، لیکن ہمارے چوتھے دستہ کی آمد پر وہ لوگ بھاگ گئے۔ اور داہنے جانب کے دستے نے رات میں اسی جگہ پڑاؤ کیا۔ قلب کا دستہ میجر جے ایبٹ کی قیادت میں پنجہ گلی کے آدھے حصہ تک چڑھ گیا۔ اور جب دستے اچانک طور پر حسن زئیوں کے لشکر پر پہنچ گئے جن کی تعداد ۶۰۰ بندوقچیوں کی تھی۔ اس حالت کے بدلنے پر دشمن دوسرے مساوی قوت کے حصہ پر دڑے کے سر پر آ پہنچا، لیکن کرنل میکسن نے کیپٹن ڈیوڈسن دست چپ کے حصے سے ملنے کے باوجود خود کو حملہ کرنے کے قابل نہ سمجھا۔ اور اس طرح کرنل نیپیئر کی آمد کا انتظار کرتا رہا، مگر حسن زئی خود واپس چلے گئے۔ کرنل میکسن کے بائیں جانب کے دستے نے پہل سے کوچ کیا جو تلی کے پہاڑ سے بندوقوں کے فائروں کا نشانہ بنا۔ لیکن دشمن نے

فوراً اپنی جگہ خالی کردی۔ دشمن کے جگہ چھوڑنے کے فوراً بعد مرکزی دستہ ان کے جنکشن پر اندازہوا۔

۲۰ تاریخ کو حسن زئی قبائل کے سب دیہات تباہ و برباد کردیئے گئے اور جو فوج دوسرے دن روانہ ہوئی وہ سطح مرتفع تلی اور آبو وغیرہ کے تمام گاؤں جلاتی گئی۔ اس اثناء میں نواب امب کا لشکر کو ٹکئے اور بروڑ کے درمیانی دیہات جو دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہیں، جلاتا اور تباہ کرتا رہا۔

دوئم جنوری ۱۸۵۳ء کو تمام افواج دشمن اور ان کے حلیفوں کے ساتھ مہم سر کر کے بروڑ کو واپس آئی۔ اگرچہ حسن زئیوں نے اطاعت قبول نہ کی، لیکن یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کو دو انگریزوں کے قتل کرنے کی کافی سزا مل گئی۔ اُن کے گاؤں اور کھیت برباد کردیئے گئے اس واقعہ کے بعد کچھ مدت تک انہوں نے خاموشی اختیار کئے رکھی اور پھر جو یورشیں ۱۸۶۳ء میں (جنگ امبیلہ والی) ہوئیں، ان کا رُخ خاص طور پر نواب امب کے ملحقات کی جانب ہوگیا تھا ۱۸۵۳ء کی مہم میں ہمارا نقصان حسب ذیل ہوا کہ تقریباً ۱۵ مقتول اور کچھ مجروح ہوئے۔"

یہ مہم خان جہانداد کے وقت میں ۱۸۵۳ء میں ہوئی۔ اس کے علاوہ جو خان موصوف نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں امداددی، اس کا ذکر گزر چکا ۱۸۶۳ء، ۶۷ء، و ۶۸ء کی مہمیں اس خاندان کی وفات کے بعد جو نومبر ۱۸۵۸ء میں ہوئی، ان کے فرزند نواب سر محمد اکرم خان کے عہد میں ہوئیں، جن کا ذکر اپنے موقعہ پر آئے گا۔

باب ۶

فصل اول

حضرت سید احمد غازی بریلوی

معروف بہ امیر المومنین خلیفہ الرسول سید احمدؒ

ماخوذ از تاریخ احمدی مصنفہ مولانا محمد جعفر تھانیسری

اس سے آگے پھر زمانہ ماضی یعنی ۱۸۲۶ء کے حالات کی طرف رجوع کیا گیا ہے جو ۱۸۲۰ء سے شروع ہوکر ۱۸۳۱ء تک سرحد میں واقع ہوئے۔ تسلسل حالات میں جب ہر دو قبائل تنول کا ذکر آگیا تو اس کی تفصیل انجام تک پہنچانی لازمی تھی۔ اس سے آگے جس سال تک سادات ستھانہ کے حالات لکھے جاچکے ہیں، اس سے بعد کے حالات شروع کرتا ہوں۔ کسی قدر احوال ۱۸۲۱ء سے سکھ حکومت کے ضلع ہزارہ قبضہ ہونے کا بھی لکھا جاچکا ہے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اپنی فوج کشتی کا ذکر بھی گزر چکا ہے جو ۱۸۲۴ء میں ہوگزر ان دنوں ضلع کے اکثر خوانین واکابر جلاوطن ہوکر ستھانہ میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ ان ایام میں سید احمد بریلوی کا وُرُود اس ملک میں ہوا۔ یعنی یاغستانی اقوام یوسف زئی میں آکر اسلامی حکومت قائم کی۔

جب تک سید صاحب کے حالات اختصاری تفصیل کے ساتھ نہ گزرتے، تو خیال میں صحیح نقشہ واقعات کا بیٹھ نہیں سکتا۔ اس لئے سید صاحب کی متعدد تاریخوں میں سے صحیح واضح مختصر تاریخ عجیبہ مصنفہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری کی ہے۔ اکثر اُس سے اور کم تر خاندانی روایات سے سید صاحب کے حالات اس سے آگے لکھتا ہوں۔

سید احمد علیہ الرحمۃ تیرہویں صدی کے عظیم الشان مجاہدو مصلح تھے اور اس مقدس گروہ اولیاء اللہ میں سے تھے جو ظہور فتن کے وقت ہمیشہ یا ہر صدی کے سر پر حسب بشارت نبوی

مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کی خاطر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام پا کر کھڑے ہوتے ہیں اور دنیا میں اس وقت جو فساد دینی وارد ہو چکا ہوتا ہے اس کا بالخصوص علاج اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کلامِ الٰہی سے سکھایا سمجھایا جاتا ہے، وہ ہدایت اپنی تعلیم و عمل سے پوری کر جاتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ الرسول سید احمد غازی بارہویں صدی ہجری کے خاتمہ پر اور تیرہویں صدی ہجری کے ابتداء کے پہلے دن محرم یعنی یکم محرم ۱۲۰۱ھ ہجری کو شہر رائے بریلی صوبہ اودھ میں سید محمد عرفان کے گھر پیدا ہوئے۔

تیرہویں صدی کے پہلے دن اس دنیا میں قدم رکھا۔ حضرات کا خاندان سادات تکیہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس خاندان میں ولایت موروثی چلی آئی ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام ابو محمد بن الحسن المجتبیٰ بن سیدنا امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے، جس کی تفصیل مخزن احمدی وغیرہ کتب میں مفصل درج ہے۔

آپ کے والد کے جد صحیح (دادا) سید محمد علم اللہ صاحب حضرت سید آدم غبور [بنوری] صاحب کے خلیفہ اعظم تھے جو حضرت مجدد الف ثانی احمد سرہندی کے خلفاء میں سے تھے۔ سید صاحب کا حلیہ حسب ذیل تھا۔

بلند قامت رنگ سرخ و سفید ریش و بروت سیاہ قوی ہیکل پیوستہ ابرو کشادہ پیشانی بلند بینی حسین وجمیل صورت خلق مجسم طبیعت انسان تھے۔ آپ مطابق رواج شرفائے ہند جب چار سال چار ماہ چار دن کے ہوئے تو والد نے تعلیم کے لئے مکتب میں بٹھایا۔ مصنفِ مخزن احمدی نے لکھا ہے جو حضرت کا خواہر زادہ اور ہمیشہ ساتھ رہنے والا تھا کہ آپ کو تعلیم سے رغبت بالکل نہ تھی۔ کرامت ولایت آپ کی مادر زاد صفت تھی۔ مزاج میں اُمیت بہ اتباع نبیٔ اُمّی فطرتاً ودیعت تھی۔ تین سال کی تعلیم میں صرف چند سورۃ قرآن شریف کے سواء آپ کو یاد نہ ہوا۔ پھر والد نے تعلیم سے مایوس ہو کر ان کا معاملہ حوالہ بخدا کر دیا۔ حضرت مولانا اسماعیل شہید نے صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ فطرتاً آپ کمالات نبوت کے طریق پر مجبول تھے۔ اس طریق کے آثار ان کی نماز میں اور تعظیم شریعت و اتباع سنت و کمال نفرت از بدعات و معاصی و سیأت و کمال شوق عبادت میں ظاہر تھے۔ سعادت انوار جبین سے ہویدا تھی۔

جب سن تمیز کو پہنچے تو خلق اللہ کی خدمت اور ضعیفوں، یتیموں، بیواؤں پر بیحد ترحم

و سلوک و مروت کرنا شروع کیا۔ شہر و محلہ کے ضعفاء جو آپ کے خاندان کی خدمت کو سعادت یقین خیال کرتے تھے۔ آپ ان کے گھروں میں جا کر احوال پرسی کرتے، اگر کسی کے گھر پانی نہ ہوتا، تو خود بھر لاتے۔ اگر لکڑی نہ ہوتی تو جنگل سے خود ان کو لکڑی لا دیتے، خواہ ضعیفاء شرفاء طبقہ سے ہوتے خواہ ارذال سے ہوتے۔ باوجود ان کے روکنے کے آپ ان کی خدمت سے باز نہ آتے۔ پھر خدمت کے فضائل بیان کرتے خدمت بھی کرتے اور دعائیں بھی ان کو دیتے کہ تم نے ثواب کا موقعہ دیا۔ اور ایسی دلآویز نصیحت کرتے کہ لوگ رو پڑتے۔ انہی ایام میں سات سادات تکیہ کے لکھنؤ کو بطلب روزگار روانہ ہوئے۔ سات آدمیوں کے ساتھ صرف ایک سواری تھی، باری باری اس پر سوار ہوتے، مگر آپ اپنی باری ان کو دے دیتے۔ سب بھائیوں کے اسباب بہ منت یکجا باندھ کر سر پر اُٹھا لئے اور لکھنؤ تک گئے۔ وہاں بعد تلاش ملازمت نہ ملی اور گھر کا خرچہ ختم ہو گیا۔ بعض ان میں ایک دو جز لکھ کر روزی پیدا کرتے۔ ایک امیر نے جو سادات کا محب تھا اپنی سرکار سے آپ کے لئے دو وقتہ کھانا مقرر کر دیا۔ مگر آپ اکثر بھائیوں کو کھلا دیتے خود بھوکے رہتے۔ جب نوکری کی جگہ اس امیر نے آپ کے لئے دو آسامی کی جگہ پیدا کر دی، تو آپ نے بھائیوں میں سے دو کو وہاں لگوا دیا خود نہ گئے۔ غرض بہت واقعات نوعمری کے عجائبات میں سے ہیں۔ وہ امیر ہمراہ بادشاہ ایک بار سیر و شکار کے لئے گیا۔ اس سفر میں سب سادات کے اسباب آپ تنہا اُٹھا کر لے جاتے رہے اور بے ثباتی دنیا اور طلب راہِ مولیٰ کی نصیحتیں دیتے رہے۔ غرض اسی طور سے آپ ایک دن جو محمدی جنگل کو نکلے تو رات کو واپس نہ آئے۔ ساتھیوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں درندے نے نقصان دیا ہو، دو چار دن بعد معلوم ہوا کہ اس صورت شکل کا نوجوان کسی مزدور کا گھڑا سر پر اُٹھائے جنگل میں جا رہا تھا۔ مزدور نے غریبی کے لالچ میں گھڑا سپاہی کا اُٹھا لیا، مگر ضعیف تھا لے نہ جا سکا، تب سپاہی اس کو پیٹنے لگا۔ سید آ گیا۔ مزدوری سپاہی سے لے کر غریب کو دے دی اور خود سپاہی کا گھڑا اُٹھا لیا۔ آگے سے کسی شریف نے دیکھ کر سپاہی کو زجر کیا کہ ایسے شریفوں پر بیگار کراتے ہو، اس نے قصہ سنایا کہ اس نے خود گھڑا اُٹھایا ہے۔

غرض کہ سفر پر راستے کے ہر قدم کے واقعات قابل شنید ہیں، کہاں تک لکھوں، اہم معاملات بہت ہیں۔ جب آپ دہلی پہنچے، تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث ولی اللہ کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے بعد مصافحہ و معانقہ ان کو پہلو میں بٹھا کر پوچھا۔ میاں صاحبزادے کہاں سے آنا ہوا۔ آپ نے رائے بریلی سے اور سادات تکیہ سے اپنا ہونا ظاہر کیا۔ حضرت مولانا سیّد ابوسعید اور سید ابونعمان کا ان سے پوچھا۔ اُنہوں نے فرمایا ابوسعید میرے نانا تھے اور ابونعمان میرے حقیقی چچا ہیں۔ یہ سن کر شاہ صاحب نے دوبارہ معانقہ فرمایا اور پوچھا اس قدر سختی صعب سفر کی کس خیال سے برداشت کی۔ سیّد نے عرض کیا آپ کی ذات مقدس کو غنیمت جان کر واسطے طلب راہ مالک حقیقی کے حاضر ہوا ہوں۔ مولانا نے فرمایا آپ کے خاندان میں تو ولایت موروثی ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس منصب پر کامیاب فرمادے اور ایک پشت بعد ضرور اس خاندان میں مادرزاد ولی پیدا ہوتا ہے۔

اس کے بعد مولانا نے ایک خادم سے فرمایا کہ سیّد صاحب کو اکبر آبادی مسجد میں لے جاکر میرے بھائی عبدالقادر کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ دے کر میری طرف سے کہنا کہ اس مہمان عزیز کو غنیمت جان کر حتیٰ الامکان ان کی خدمت میں کمی نہ کرنا۔ اور ان کی نسبت مفصل احوال میں خود بروقت ملاقات بتلاؤں گا۔

سیّد صاحب نے اسی دن سے اکبر آبادی مسجد میں مولانا شاہ عبدالقادر کے پاس قیام اختیار کیا۔ بعدازیں سیّد صاحب نے قرآن کو حدیث کو صحت سے سمجھنے کی خاطر صرف نحو کو سیکھنا چاہا اور مصباح تک آپ نے دیکھا تھا، مگر ایک رات جب کہ آپ مطالعہ کر رہے تھے۔ آپ کی نظر سے حروف غائب ہوگئے۔ خالی صفحہ کتاب کا دکھائی دیتا تھا۔ آپ کو خوف ہوا کہ شاید نظر میں کچھ نقص واقع ہوگیا ہے، مگر جب اور کسی چیز کو دیکھتے تو وہ صاف نظر آتی تھی۔ شاہ صاحب سے عرض حال کیا تو فرمایا۔ کتاب کو رکھ دو۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور ہی کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ خود بغیر کسی معلم کے تم کو علم و حکمت اپنی محبت سے مرحمت کرے گا۔

صرف اُردو ترجمہ قرآن مجید کا آپ نے سیکھا تھا۔ پھر آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔ بیعت لیتے وقت شاہ صاحب نے فرمایا اگرچہ اس صاحب باطن کو طریقہ رشد و ہدایت اختیار کرنے کے لئے وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ مگر اہل ظاہر کے نزدیک ہر چیز کے واسطے ایک سبب بھی ضروری ہے۔ پس رفع حجت اہل ظاہر کے واسطے بیعت لیتا ہوں۔ یہ واقعہ ۱۲۲۲ء ہجری کا ہے جب کہ سیّد صاحب کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ تب

آپ کو یہ بیعت ہوئی۔ بعد از بیعت حضرت مولانا نے آپ کو لطیفہ قلب کی تعلیم فرمائی۔ دوسرے دن باقی ماندہ پانچوں لطیفے آپ کا کھل گئے۔ اور تیسرے دن سلطان الذکر کی منزل آپ طے کر گئے۔ چوتھے دن نفی اثبات بوجہ احسن آپ کو مل گیا اور چھٹے دن طریق یادداشت آپ نے سیکھ لیا۔ اس کے بعد شغل برزخ جس میں تصور شیخ کا مراقبہ کرتے ہوئے آپ کو تعلیم کرنا چاہا اور اس وقت سید صاحب نے نہایت ادب اور عاجزی سے مولانا سے عرض کیا کہ اس شغل میں اور بُت پرستی میں کیا فرق ہے۔ اس میں پتھر کی مورت یا کاغذ کی تصویر ہوتی ہے اور اس صورت میں تہ دل میں پیر کی ایک خیالی تصویر کی پوجا کی جاتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے جواباً فرمایا:

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان — کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

اس پر سید صاحب نے عرض کیا کہ اگر حکم مے نوشی ہو جو کبائر گناہوں میں سے ہے، تو اس کی تعمیل بسروچشم کرنے کو آمادہ ہوں۔ لیکن یہ عمل تصور تصویر شیخ خصوصاً غیب میں اور اس سے توجہ و استعانت چاہنا جو بلا ریب صریح بُت پرستی ہے اور شرک ہے۔ مجھ سے نہ ہو سکے گا، اس لئے کہ بُت پرستی کا جواز کہیں بھی قرآن مجید میں نہیں ہے۔ یہ تقریر سُن کر حضرت شاہ صاحب نے سیّد کو سینے سے لگالیا اور آپ کی پیشانی اور منہ پر بوسہ دے کر فرمایا۔ فرزند اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ولایت اولیاء بھی اور ولایت انبیاء علیہم السلام کی ولایت بھی جو افضل ترین ولایت ہے، تجھ کو عطاء کی ہے۔

اس پر حضرت سیّد صاحب نے حضرت شاہ جی صاحب سے ولایت اُولیاء و ولایت انبیاء کی تشریح و تفصیل سننے کا سوال کیا اور جواباً شاہ صاحب نے مفصل تفصیل بیان فرمادی۔ (جسے دیکھنا مطلوب ہو تو تاریخ احمدیہ موسومہ بہ تاریخ عجیبہ میں دیکھ سکتا ہے)۔ اس کے بعد سیّد صاحب کو رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب کو زیارت جسمی حضرت رسول اللہ ﷺ کی نصیب ہوئی۔ اور لیلۃ القدر کی تمام برکات اس رات میں ملاحظہ کیں۔ اور آپ نے اس وقت ہر شے کو سجدہ میں ساجد دیکھا جو دل کی آنکھوں سے ساجد نظر آرہی تھی اور سر کی آنکھوں سے بحالت ظاہری قائم تھیں۔ اس کے بعد رویا میں آپ کو رسول مقبول ﷺ نے تین چھوہارے اپنے دست مبارک سے کھلائے۔ بیداری کے بعد ان کا ذائقہ آپ کے منہ میں باقی تھا۔ پھر آپ

نے بتول ظہرای کو رویا میں معہ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کے نہایت شفقت کی حالت میں دیکھا اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اپنے دستِ مبارک سے سیّد کو غسل دیا اور بی بی فاطمہ الزہرہ نے آپ کو اپنے مبارک ہاتھوں سے لباس پہنایا۔ اس کے بعد مطابق تفصیل بیان کردہ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کے آپ کو کمالات ولایتِ نبوت نہایت قوت سے قلب میں جلوہ گر ہونے لگے اور تربیتِ ربانی بغیر تربیت کسی متکفل کے آپ کے ساتھ شامل حال ہوگئی۔ اور بے انتہا عجیب وغریب حالات آپ پر ظاہر ہونے لگے۔ اور آپ سے خرق عادت اُمور ظاہر ہونے لگے۔ آپ نے ایک رویائے صالحہ میں اللہ تعالیٰ رب العالمین کو بلاکیف دیکھا۔ تب اس کے بعد آپ پر سلسلہ الہامِ رحمانی جاری ہوگیا۔ اور آپ کو لوگوں سے بیعت لینے کا حکم الٰہی ہوگیا۔

آپ کو غوث الثقلین سیّد عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کی ارواح مبارک نے بالاشتراک آپ پر قوی توجہ اور زور آور اثر اندازی فرمائی۔ اور ایک پہر میں آپ کو نقشبندی اور قادریہ خاندانوں کی نسبت ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار پر آپ مراقبے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس وقت روح مبارک حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ایسے ہوئی اور انہوں نے آپ پر اپنی قوی توجہ فرمائی اور آپ کو ان سے خاندانِ چشتیہ کی نسبت بھی حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد طریق شاذلیہ مجددیہ وغیرہ تمام سلسلے آپ پر خود بخود فضل الٰہی سے کھل گئے۔ اور اکثر اولیاء اللہ کی ارواح مبارک کی طرف سے سلوک راہ ولایت کامل طور پر آپ کو حاصل ہوگئے۔ آپ نے کشف دیکھا اور شاہ صاحب سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا، اے فرزندِ ارجمند! جائے تعجب نہیں کہ ولایت نبوت کے بھی آثار ہیں جو تم نے دیکھے۔ اور ابھی تو قطرہ از بحر ناپیدا کنار دیکھا ہے۔ آئندہ تم پر ہزار ہا مدارج زیادہ حالات اظہار کئے جائیں گے۔

حضرت سیّد کی فطرت ایسی تھی کہ غیر مشروع اُمور دیکھ کر آپ کو غشی آجاتی تھی۔ ایک بار یارانِ طریقت آپ کو جبراً ایک ہندو کا میلہ دیکھنے لے گئے۔ وہاں مکروہ اُمور دیکھتے ہی آپ کو غش آگیا۔ ایک مرتبہ مزامیر اور راگ کی آواز آپ کے کان میں پڑتے ہی غش آگیا۔

اس قدر تحصیلِ سلوک کے بعد آپ دہلی سے ایک مرتبہ وطن تشریف لے گئے وہاں پہنچ

کر آپ کی بے شمار کرامات لوگوں نے دیکھیں۔ قریباً دو سال اس مرتبہ آپ رائے بریلی میں رہے۔ آپ کا نکاح بھی ہوا۔ اور بڑی لڑکی بھی آپ کی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد آپ دوبارہ دہلی چلے گئے۔ ان دنوں آپ کے چشمہ سعادت کا علم لوگوں کو ہوگیا تھا۔ اب ہر طرف سے خلقت کا ہجوم ہونے لگا تھا۔ تب آپ نے اپنی حقیقت چھپانے اور سپہ گری کی مشق کرنے کے خیال سے دہلی کو چھوڑا۔ اور قریباً ۱۸۱۰ء میں آپ نواب امیر خان کے لشکر میں چلے گئے اور بطور ملازمت سپاہیانہ عمر گزارنا اختیار کرلیا۔ اس سپاہیانہ زندگی میں آپ کی شجاعت کے جوہر عیاں ہوئے اور خرق عادت امور بھی آپ کے ساتھیوں نے آپ سے ایسے دیکھے کہ رفتہ رفتہ تمام لشکر میں آپ کی کرامات اور ولایت کا چرچا ہوگیا۔

ان گمنامی کے ایام میں آپ نے بے انتہا ریاضت اور عبادت کی یہاں تک کہ قیام الیل سے آپ کے پاؤں متورم ہوجاتے تھے۔ دو دو پہر مراقبہ میں گزر جاتے تھے۔ اور ذکر وفکر میں تمام راتیں کٹتی تھیں۔ یہ ایام وہ تھے جب نواب امیر خان بڑا لشکر لئے ہوئے نواح مالوہ میں ہندو راجاؤں اور انگریزوں سے برسرپیکار تھا۔ اور ریاست ٹونک ابھی اس کو نہ ملی تھی۔ اس جنگ وجدال کے ایام میں آپ سے عجیب خرق عادت کرامات لوگوں نے دیکھیں۔ تفصیلات آپ کی تاریخوں میں ہے۔ آپ کا گھوڑا حرام گھاس نہ کھاتا تھا۔ ایک مرتبہ جب کہ انگریز فوج اور نواب امیر خان کی فوج میں سخت لڑائی جاری تھی۔ اس وقت سیّد صاحب اپنے خیمہ میں تھے۔ پھر آپ نے خود اپنا گھوڑا تیار کیا، اس پر سوار ہوکے مانندِ ہوا کے دونوں لشکروں کو چیرتے ہوئے خاص اس جگہ جا پہنچے، جہاں انگریز فوج کا سپہ سالار تھا۔ اور وہاں سے اس کو اپنے ساتھ لے کر دونوں لشکروں کے بیچ میں سے ہوتے ہوئے اپنے خیمہ میں لے آئے۔ یہاں اس کے ساتھ کچھ قدر بات چیت کرنے پر سالار فوج نے عہد کرلیا کہ اسی وقت اپنی فوج کو نواب امیر خان کے مقابلہ سے ہٹالے گا اور دوبارہ مقابلہ پر نہ آئے گا۔ اور یہ کہ اپنی سرکار کو اس پر مجبور کرے گا کہ وہ نواب امیر خان سے صلح کرلے۔ اس واقعہ کے بعد واقعی دوبارہ نواب امیر خان اور انگریز فوج کا مقابلہ وتصادم نہ ہوا۔ بلکہ بزمانہ لارڈ ہسٹنگز وائسرائے ہند ٹونک کا ملک امیر خان کے حوالہ ہوکر صلح کرلی گئی۔ یہ صلح ابھی ختم نہ ہوچکی تھی کہ سیّد صاحب سات سال کے قیام کے بعد نواب امیر خان سے رُخصت ہوکر دوبارہ ۱۸۱۶ء میں دہلی حضرت شاہ صاحب کے پاس

تشریف لے آئے۔

لشکر امیر خان میں آپ ایک گمنام سپاہی بھرتی ہوئے تھے، مگر واپسی کے وقت تمام لشکر اور نواب آپ کے مرید تھے اور آپ ان سب کے پیر تھے۔ نواب امیر خان نے اپنے فرزند وزیر الدولہ کو آپ کے ہم رکاب تعظیماً دہلی تک ساتھ بھیجا تھا۔ نواب کی ذات و خاندان کو بڑے بڑے فوائد و فتوحات حضرت سیّد کی ذات سے دینی اور دنیوی بھی حاصل ہوئے۔ حضرت نے ٹونک سے رُخصت ہوتے وقت ایک پیش گوئی کی تھی۔ شاید آپ نے کسی کشف کی بنا پر کی تھی۔ جس کو نواب وزیر الدولہ نے اپنی کتاب وصایائے وزیری میں اس طرح لکھا ہے:

حضرت سیّد نے مولوی نذر محمد صاحب سے جب کہ وہ اسی لشکر میں حاضر تھا، رُخصت کے وقت فرمایا، اب جلد صلح ہو جائے گی اور فلاں فلاں شہر اور فلاں فلاں علاقے سرکار انگریزی نواب کو مرحمت کر دے گی اور کچھ مدت گزرنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ میں بھی ایک مجاہدوں کے لشکر کے ساتھ نشانوں کے پھریرے اُڑاتا ہوا نواب امیر خان کے ملک سے ہو کر گزروں گا۔

نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں آپ کے اس ارشاد کے مطابق جو شہر اور علاقے بتلائے تھے وہی سرکار انگریز نے ہم کو دیئے اور صلح ہوگئی۔ یہ ملک صرف بہ برکت دُعائے سیّد صاحب نواب امیر خان کو مل گیا۔ ورنہ لارڈ ہسٹنگز کی اس پالیسی کی بعد حکام نے مذمت کی ہے کہ لارڈ موصوف نے ایسا کیوں کیا ہے۔

سیّد صاحب کے دہلی پہنچنے سے پہلے شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک مہتم بالشان رویائے صالحہ دیکھا تھا کہ آپ دہلی کی جامع مسجد میں بیٹھے ہیں اور حضرت رسول مقبول ﷺ جامع مسجد میں تشریف لائے اور ہر طرف سے تشنگانِ زیارت کا ہجوم آرہا تھا۔ سب سے اوّل شاہ صاحب زیارت سے مشرف ہوئے۔ تب آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اے عبدالعزیز! تم میرا عصا ہاتھ میں لے لو اور دروازہ مسجد پر بیٹھ جاؤ اور جو کوئی زیارت کے لئے آئے، پہلے اس کی اطلاع دو۔ جس کو ہم طلب کریں ان کو آنے دو اور جن کو منع کریں، ان کو روک دو۔ اور اپنے دست مبارک کا عصا مولانا کے ہاتھ میں دے دیا۔ تب شاہ صاحب دروازہ مسجد پر بیٹھ گئے اور سپرد شدہ خدمت مستعدی سے ادا کرنے لگے بعضوں کو حضور طلب فرماتے، بعضوں کو روک دیتے۔ طویل عرصہ تک یہ سلسلہ قائم رہا اور کثیر انبوہ زیارت رسالت مآب ﷺ سے

مشرف ہوا۔ اس خواب دیکھنے کی صبح کو حضرت شاہ صاحب دہلی کے ایک ولی اللہ کامل حضرت غلام علی شاہ صاحب (جو اجل خلفائے شمس الدین شہید میں سے تھے) کے پاس تشریف لے گئے۔ اور رویائے مذکورہ ان سے بیان کر کے تعبیر اس کی پوچھی۔ حضرت غلام علی شاہ صاحب نے فرمایا تعجب ہے آپ خود یوسف ثانی ہو کر تعبیر خواب کی مجھ سے پوچھتے ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے اس خواب عجیب کی تعبیر آپ کی مبارک زبان سے سننے کا اشتیاق ہے۔

شاہ صاحب موصوف نے فرمایا میرے ناقص ذہن میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیّد حسن صاحب علیہ الرحمۃ رسول نما کی وفات کے بعد سے جس کو اب ڈیڑھ سو سال ہو گیا ہے توجہ اور ارادہ رسول مقبول ﷺ کا بجانب ہدایت اس وطن کے لوگوں کے موقوف ہو چکا تھا۔ اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ بذاتِ خود آپ کے اپنے کسی مرید رشید کے ہاتھ سے سلسلہ اس ہدایت کا جو یک نیم صد سال سے مسدود تھا، پھر جاری ہو جائے گا۔ اس پر شاہ عبدالعزیز صاحب نے الحمد اللہ کہہ کر فرمایا میرا بھی ایسا ہی خیال ہے کہ تعبیر صحیح ہے۔

اس کے بعد ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ حضرت سیّد صاحب دہلی مذکورہ حالات سے آ پہنچے اور مسجد اکبر آباد میں فروکش ہوگئے۔ ان چھ برسوں کی محنت مشقت میں جو آپ نے نواب امیر خان کے لشکر میں اور سپاہیانہ زندگی میں عالم تنہائی اور جنگلوں میں کی تھیں۔ ہر دو سلوک اپنے کمال کو پہنچ کر ایسے مجلاّ و مصفّیٰ ہو گئے تھے کہ اس کا عکس ہر قلب سلیم پر پڑ کر اثر پیدا کرتا تھا۔

خلق خدا نے چاروں طرف سے آپ کی طرف رجوع کیا۔ مولوی عبدالحئی صاحب جو ان دنوں عالم اجل وفاضل بے بدل تھے۔ ان کا ذکر مولانا عبدالقادر صاحب سے حضوری قلب فی الصلوٰۃ میں آیا، تو انہوں نے فرمایا یہ امر بجز توسلِ مرشد کامل حاصل ہونا مشکل ہے۔ اگر اس نوجوانِ نو وارد سے چاہو تو بہتر ہے۔ اس پر مولوی عبدالحئی سیّد صاحب کے پاس حاضر ہوئے اور استفسار کیا تو سیّد صاحب نے کمال شرح وبسط سے نماز کے ارکان میں حضوری قلب پیدا ہونے کی تفصیل بیان کی جو تاریخوں میں مفصل موجود ہے۔ پھر سیّد صاحب نے فرمایا مولانا صرف زبانی تعلیم سے حقیقت کما حقہ، منکشف نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کو وضو اور ارکانِ نماز خود ادا کر کے تعلیم نہ کرتے۔ آیئے مولانا میری اقتداء میں دو رکعت نماز پڑھ لیجیے۔

تب سیّد صاحب کے ساتھ مولوی عبدالحیّ صاحب نے دو رکعت نماز ادا کی۔ اور اثنائے نماز میں ہی مولوی صاحب پر نماز کی حقیقت کھل گئی۔ اس کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ ان دو رکعتوں میں میں نے پایا، ساری کتابوں اور ساری عمر میں نہ پایا تھا۔ یہاں سے فارغ ہوتے ہی مولوی عبدالحیّ صاحب حضرت مولانا شاہ اسماعیل صاحب کے پاس پہنچے جو کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا برادر زادہ شاہ عبدالغنی صاحب کا فرزند اور علامہ بےمثل تھا۔ اس وقت علماء موحدین ومحدثین میں دہلی وہندوستان میں ان کا ثانی کوئی نہ تھا۔ یہ کیفیت حضوری نماز کی ان سے بیان کی اور سیّد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بعد درخواست سیّد صاحب نے مولانا شہید کو بھی دو رکعت نماز اپنی اقتداء میں پڑھائی اور ان کو بھی فقط ان دو رکعات کے دوران حقیقتِ نماز تک پہنچا دیا۔ صرف ان دو رکعت میں ان پر صبح ہوگئی۔ مولانا فرماتے تھے کہ ہم نے ان دو رکعتوں میں ہی خانہ کعبہ کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اور دیکھتے رہے تھے۔

جب یہ دونوں علماء جو دہلی کے علمائے کرام کے سرتاج تھے سیّد صاحب کی بیعت کر کے ان کے خدام میں داخل ہوگئے اور طریقہ چشتیہ اور طریقہ محمدیہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو یہ دونوں بزرگ تادمِ مرگ سیّد صاحب کی خدمت گزاری وکفش برداری سے جدا نہ ہوئے۔ تمام دہلی میں ان پر دو عظیم علماء کی بیعت کا چرچا ہوگیا۔ اکثر کور باطن لوگوں نے ان علماء پر طعن کیا کہ ایک اُمّی کی علماء نے بیعت کر لی۔ بلکہ یہ شکایت شاہ عبدالعزیز تک پہنچائی گئی۔ مگر شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے سیّد کے مرتبہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ آپ نے لوگوں کو سیّد کے علم لدنی اور علو مرتبہ سے آگاہ کیا اور اس کی بیعت کی ترغیب اور اس کی مخالفت کی ترہیب فرمائی۔ اس سبب سے بھی اکثر سیّد لوگ بیعت سے مشرف ہوگئے۔ دُور دُور سے بھی علماء آتے اور بیعت کی سعادت سے مشرف ہو کر جاتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کا کل خاندان اور مولوی وجیہہ الدین اور حکیم مغیث الدین اور حافظ معین الدین مع اعیال اور مولوی محمد یوسف نبیرہ شاہ اہل اللہ برادر شاہ ولی اللہ صاحب مع جمیع اقارب وخویش آپ کی بیعت سے مشرف ہوگئے۔

ان دنوں سیّد صاحب کے سینکڑوں مریدوں کو زیارت حضرت رسول اکرم ﷺ کی اور مشاہدہ ذات باری عالمِ رویا میں حضرت کی دُعا وتوجہ سے ہوا کرتی تھی۔ ربانی علماء کا سینہ آپ کی

صحبت سے مصفے ومجلا ہو کر ہر قسم کی بدعات اور رواجوں سے متنفر رہا تھا۔ اور حضرت مولانا شہید نے عملاً ہر قسم کی بدعات کے قلع قمع کے لئے اقدامِ عمل اختیار کیا سب سے پہلے اپنے خاندان سے بدعات کو رفع کیا۔ اور تبلیغ واشاعت کا سلسلہ علی العموم جاری ہوا اس کے بعد حسب ارشاد حضرت شاہ عبدالعزیز کے سیّد صاحب نے بیرونی علاقوں میں دورہ فرمایا۔ اور رام پور میں آپ سے بے حد وحساب لوگوں نے طریقہ چشتیہ میں اور نقشبندیہ، قادریہ اور مجددیہ میں بیعتیں کیں۔ حضرت اول بیعت طرق مذکور میں لے کر طریق محمدیہ میں بیعت لیا کرتے تھے۔

ایک دن حکیم عطاء اللہ خان برادر نائب الریاست رام پور نے سیّد صاحب سے پوچھا کہ آپ چاروں طریقوں میں بیعت لے کر بعد میں طریق محمدیہ میں بیعت لیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ سیّد صاحب نے فرمایا کہ طرق مذکور میں ہم ذکر وشغل صفائی روحانی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان طریقوں کے ساتھ نسبت آنحضرت صلعم کی باطنی ہے بطور ظاہر مگر طریقہ محمدیہ کی تعلیم بطور ظاہر کے قرآن شریف اور سنتِ نبوی میں صاف واضح ہے اور دنیوی گزرانی واعمال ہیں۔ نماز، روزہ زکوٰۃ کے علاوہ نکاح طلاق بیع سرا خورد ونوش رہائش گزران یہ تمام امور سنت نبویہ کے ماتحت کرنا ہر مومن کا فرض ہے اور فرمایا کہ باطنی طریقوں پر عمل کرنا بھی اس لئے مفید قرار پایا ہے کہ باطنی صفائی حاصل ہو کر ظاہر شریعت پر عامل ہونا آسان ومحبوب ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طریق محمدیہ نام ہے ظاہر شریعت کے ذرہ ذرہ پر عمل کرنے کا، اور یہی وہ طریقہ ہے جس کا ذکر حضرت سیّد علی ترمذی کے تاریخی حالات میں اپنی کتاب میں گزر چکا ہے کہ حضرت ممدوح اکثر خلق اللہ کو ظاہر شریعت کی پابندی کی شرط پر مرید شریعت بنایا کرتے تھے۔ اور آپ کے مریدان طریقت صرف خاص خاص لوگ تھے۔

رام پور کے قیام کے دنوں میں آپ کو بعض افغانوں نے پنجاب وسرحد میں سکھوں کے مظالم کے قصے سنائے کہ مسلمان عورتوں کو سکھ جبراً لے آتے اور سکھ بنا لیا کرتے تھے۔ یہ واقعات سن کر آپ کو جہاد اور دفاع اور استخلاص مسلمانانِ سرحد وپنجاب کا خیال دل نشین ہوگیا۔ اتنے میں بریلی سے آپ کے بھائی سیّد اسحاق کی وفات کی خبر سن کر وطن تشریف لے گئے۔ ان ہی ایام میں ایک قحط پڑا، جس کو ساٹھے کا قحط کہتے ہیں۔ یعنی ۱۸۴۰ء بکری کا قحط۔ ان دنوں حضرت سے سینکڑوں کرامات کا ظہور رہا۔ حضرت نے نکاح بیوہ گان کی سنت کا اجراء بھی شدومد

سے کیا جو ہندوستان کے شرفاء میں عار سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے خود ایک بیوہ بھاوج سے نکاح کر کے اپنے تمام خاندان کو اس سنت کے احیاء پر عامل کرایا۔ یہاں سے قریب نصیر آباد میں شیعہ سُنی کا جھگڑا ہو گیا تھا آپ نے خود جا کر صلح صفائی کرادی۔ اس کے بعد حسب الطلب معتمد الدولہ دوبارہ لکھنؤ کو تشریف لے گئے۔ یہ دوسری بار انتہائی شہرت اور نیک نامی کی تھی اس لئے کہ نائب السلطنت نے آپ کو کمال عقیدت مندی نہایت الحاح سے مدعو کیا تھا۔ آپ مع ہمراہ وزیران مولانا شاہ اسماعیل شہید و مولوی عبدالحیٔ اور ایک سو ستر اشخاص علماء و فضلاء کے لکھنؤ میں وارد ہوئے ہزار ہا لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ جمعہ کا دن آیا تو وعظ سننے کے لئے اس قدر ہجوم خلائق ہوا کہ جامع مسجد میں گنجائش نہ رہی، بلکہ چھتوں پر اور قریب مکانات پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور سامعین پر وہ کیفیت وجد کی طاری تھی جو بیان نہیں ہو سکتی شیعہ سُنیؔ یکساں متاثر تھے۔ اور ہر ایک اپنی گذشتہ عمر پر جو جہالت میں گزری، افسوس کر رہا تھا۔ جب آپ کی ملاقات معتمد الدولہ سے ہوئی تو وہ نہایت ادب و عجز سے پیش آیا۔ رُخصت کے وقت پانچ ہزار روپیہ بطور نذر پیش کیا۔ نواب معتمد الدولہ کی رُوبرُو سبحان علی خان نے سیّد صاحب سے الحیاء شعبۃ من الایمان کی تشریح پوچھی جو مولانا عبدالحیٔ نے اس خوبی سے بیان کی کہ سامعین سن کر سکتے کے عالم میں ہو گئے۔ لکھنؤ کے علماء فرنگی والے سیّد صاحب کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ مولوی محمد اشرف جو وقت کا علامہ تھا سیّد کی اُمیت اور اپنے علم کا شبہ و تفاخر دل میں لے تخلیہ میں امتحاناً سیّد صاحب سے ملاقاتی ہوا اور آپ کی زبان سے علمی حقائق و معارف کا چشمہ جاری دیکھ کر تائب ہو کر بیعت سے مشرف ہوا۔

مولوی ولایت علی صاحب عظیم آبادی جو سیّد صاحب کے اجل خلفاء میں سے تھے اور سلسلہ ہجرت و جہاد انہوں نے ہی قائم کر کے دوبارہ چلایا جس کا نمونہ اب تک یاغستان میں موجود ہے۔ اس وقت وہ مولوی محمد اشرف صاحب سے تعلیم پا رہے تھے [1] پہلے مولوی ولایت علی کی معرفت مولوی اشرف صاحب کا نامہ و پیام ہوا۔ پھر عند الملاقات مولوی صاحب نے

[1] مولانا ولایت علی عظیم آبادی نے ہی سلسلہ ہجرت و جہاد کو دوبارہ ہندوستان سے جا کر یاغستان میں اور مرکز ستھانہ میں قائم کیا تھا اور آپ کی خاک تا قیامت زمین ستھانہ کو مشرف کرتی رہے گی۔ آپ کامل ترین اولیاء اللہ میں سے تھے۔ اور آپ کا فرزند امیر المجاہدین مولوی عبداللہ بڑے اولیاء میں ۔۔۔ دوسرا فرزند مولوی عبدالکریم امیر المجاہدین بھی

سید سے سورہٗ فاتحہ کی تفسیر پوچھی اور اس آیۃ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی بھی تفصیل پوچھی تو سیّد صاحب نے جو بیان اس پر فرمایا اس پر مولوی کی روتے روتے داڑھی تر ہو گئی۔ اور اس وقت ان دونوں علماء نے بیعت کے لئے ہاتھ پھیلا کر التجا کی۔

مولوی محمد اشرف کا بیان ہے کہ اسی رات کو بعد بیعت میں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کا خواب میں دیدار کیا۔ یہ اثر سید صاحب کی بیعت کا بہت عام تھا کہ بیعت کنندہ کو دیدار نبوی ﷺ نصیب ہو جاتا اور عادات و اطوار اخلاق میں بیعت کنندہ کے عظیم تبدیلی واقعہ ہو جاتی تھی اور صلاحیت کے آثار انوار اس کے چہرہ پر اور اعمال میں ظاہر ہو جاتے تھے۔ اس سفر کے حالات بہت ہیں اور تاریخ میں درج ہیں۔ میں صرف مشتے از خروارے ایک اور واقعہ کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔

سیّد صاحب نے بریلی میں کثرت خلائق کی وجہ سے کچی اینٹوں کا ایک مکان تعمیر کیا۔ خود ہی مٹی اور گارے کا کام لوگوں کے ساتھ کرتے تھے۔ اس عرصہ میں بیعت کرنیوالے بے شمار آتے اور سینکڑوں کرامات کا ظہور آپ سے اس موقعہ پر ہوا۔ نواب وزیر الدولہ والی ٹونک نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں اسلام اور سُنّت کو آپ نے ہی قائم کیا اور لاکھوں لوگوں نے آپ کے ذریعہ سے ہدایت پائی۔

آپ کو مقام دُعا و محلِ دُعا میں بڑی مہارت تھی گھنٹوں رو رو کر دُعا میں مشغول رہتے تھے اگر مجمع کثیر ہوتا تو ان سے آمین کہلاتے تھے اور خود بسا اوقات جہراً دُعائیں کرتے کہ سامعین کی روتے ہچکیاں بندھ جاتیں۔ اور کم ہی ایسا ہوا ہو گا کہ اس قسم کی دُعا قبول نہ ہوئی ہو۔ آپ کے پاس رہنے سے صفائی قلب اور تزکیہ نفس ایسا حاصل ہوتا جو سینکڑوں چلّوں سے نہ ہو۔ بیعت لیتے وقت ہر مرید کو نمازِ تہجد کی سخت تاکید فرمایا کرتے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھ کو جو کچھ حاصل ہوا ہے۔ وہ بے برکتِ نماز تہجد ہوا ہے باوجود نہایت قوی الجسم ہونے کے کھانا کم مقدار میں کھاتے تھے۔ فرمایا کرتے میرا ذریعہ حیات خوراک نہیں بلکہ یادِ الٰہی ہے۔

خدا عالم اجل تھا۔ ان ہر دو بزرگوں کو میں نے بار بار دیکھا ہے۔ ان کے حالات اپنے موقعہ پر بیان ہوں گے مولانا عبداللہ کا انتقال غالباً ۱۹۰۰ء میں ہوا۔ اور مولوی عبدالکریم کی وفات ۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۳ء میں ہوئی۔ امارت اب تک ان کی اولاد میں ہے۔

سفرِ الٰہ آباد

آپ نے بریلی سے چل کر چار دن کا راستہ جو الٰہ آباد تک ہے اس کو ایک مہینہ میں طے کیا تھا۔ راستے میں مشتاق ہدایت کو شربت ہدایت پلاتے گئے اور قریباً دس بارہ دن الٰہ آباد رہے۔ ہزاروں خلقت بیعت سے مشرف ہوئی۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر بنارس میں وارد ہوئے اور مسجد بشیشر میں قیام فرمایا۔ ایک مہینہ قیام رہا۔ اس شہر کے پندرہ ہزار تک اشخاص نے بیعت کی چونکہ یہ شہر ہنود کا قبلہ ہے اور مذہب بُت پرستی کا مرکز ہے لہٰذا آپ نے مریدوں کو کہا کہ ذکر جہری نہ کریں۔ مگر سری ذکر سے ایک لمحہ غافل نہ ہوں۔ پھر آپ یہاں سے براہِ سلطان پور بریلی کو روانہ ہوئے۔ اور گھر پہنچ کر آپ نے بیت اللہ حج کی تیاری شروع کر دی۔

سیّد صاحب تو غیرت اسلامی کا مجسمہ تھے۔ ان کا پختہ ارادہ اس طرف جہاد کے لئے مصمم ہو چکا تھا، مگر جانتے تھے کہ اس کام میں مصروف ہو جانے کے بعد حج کے لئے فراغت اور وقت کا ملنا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا حج کو مقدم ادا کر لینا ضروری خیال کر کے آپ نے اپنے خلفاء و صلحاء کو خطوط لکھے اور دہلی اور پھلت کو جہاں شاہ عبدالعزیز صاحب کا گرامی خاندان رہتا تھا اطلاع دی اور مولانا اسماعیل صاحب اور مولانا عبدالحئی صاحب کو دہلی روانہ کیا کہ وہ اپنے قبائل ہمراہ لے آئیں اور دیگر خلفاء کو مطلع کریں۔ چنانچہ یہ اطلاع پہنچتے ہی مخلصین مرید اپنی جائدادیں فروخت کر کے جلد تر خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ کو ان دنوں اہل کانپور و کورہ و جہاں آباد و فتح پور و دلمؤ کی سے بہت عرضیاں آئی تھیں۔ اس لئے آپ کانپورا اور قراء مذکور میں تشریف لے گئے اور لاکھوں نفوس کو بیعت سے مشرف کیا۔

اس سفر میں سے سینکڑوں واقعات میں سے ایک واقعہ قصبہ مجہاون کا قابل ذکر ہے کہ آپ بعد نماز صبح مسجد میں مراقبہ میں بیٹھے اور وقتِ چاشت آپ نے سر اُٹھایا اور بلند تکبیر کہہ کر حمد و ثنائے الٰہی میں کبھی گریاں کبھی خنداں ہوتے ہوئے سجدہ میں گر پڑے اور سجدہ سے سر اُٹھا کر سب احباب کو جو آپ کے ہمراہ سفر میں مخلصین کی جمعیت دو تین سو سے کم نہ ہوتی تھی آپ نے مبارک باد کہہ کر فرمایا کہ اس وقت عندالمراقبہ مجھے ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اس وقت تجھ کو اور تیرے ہمراہیوں کو میں نے بخش دیا۔ اس خدا کے ساتھ میں نے ایک غیبی ہاتھ

دیکھا۔ جس نے اس مسجد کو اُٹھا کر جنت الماوای میں لے جا کر رکھ دیا ہے تب آپ نے فرمایا اس وقت جو لوگ یہاں موجود ہیں، ان کے نام لکھ لو اور ان کو اہل بدر کے مانند مقبولان بارگاہ ایزدی سمجھو۔

اس سفر سے واپس ہو کر ایک ماہ تک آپ بریلی میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں حاجیوں کے قافلے دہلی سے پہنچنے لگے۔ ڈھائی سو کے قریب مرد و عورت دہلی سے آئے اور قریباً سو آدمی بریلی کے نواح سے اور اندازاً چالیس آدمی آپ کے اپنے خویش و اقارب تھے کل یہاں سے ادائیگی فرضِ حج کے لئے چار سو آدمی جمع ہو گئے۔

فصل دوم

سفر حج پر روانگی

یکم شوال ۱۲۳۶ء کو جب کہ آپ کی عمر ۳۶ سال کی تھی۔ بعد از ادائے نماز عید الفطر آپ مع تعداد مذکورہ بریلی سے بہ ارادہ حج روانہ ہوئے۔ اس دن آپ کے خزانچی کے پاس صرف ایک صد روپیہ تھا جو آپ نے اپنے شہر کے مساکین پر تقسیم کر دیا تھا۔ آپ نے صرف ایک میل چل کر باغ میں ڈیرہ کیا۔ خزانچی نے عرض کی کہ صرف چھ سات روپے میرے پاس ہیں۔ آپ نے وہ فقراء میں بانٹ دیئے۔

اس توکل اور حوصلہ کی کوئی حد ہے کہ اس تمام قافلہ کا خرچ اپنا بالکل نہ تھا بلکہ سب سید صاحب کے ذمے تھا۔ آپ کے بعض ہمراہی یہ کیفیت اور سفر پر صعوبت کا تصور کر کے متحیر و مبہوت ہوتے رہے۔ آپ نے اس موقع پر سرنگا کر کے بارگاہ غنی میں دُعا کی کہ مجھے ان تمام وابستگان کے ساتھ بغیر کلفت و احتیاج منزل مقصود تک پہنچانا۔ یہ دُعا ایسی مقبول ہوئی کہ آپ کے ہمراہ حرمین شریف تک سات آٹھ سو آدمی ہندوستان سے آگئے اور دو سال کے عرصے میں واپس آئے۔ مگر کوئی تنگی پیش نہ آئی۔ بمصداق اس شعر کے کہ

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے   ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

ہر منزل جدا ہی ایک کرامت کا رنگ دکھلاتی تھی یہاں سے چل کر ہر منزل پر اور تمام قافلہ کے لئے آرام اور رزق کا مہیا ہونا ایک کرامت اور افضال الٰہی کی بارش تھی جو ہمیشہ جاری برستی رہی۔

سید صاحب ڈلمؤ پہنچے۔ اس جگہ ہزاروں نے بیعت کی اور آپ نے کشتیاں پانچ سو روپیہ پر کرایہ کر لیں۔ ملاحوں کو ایک سو بیعانہ دیا۔ وہاں سے آگے روانہ ہوئے۔ یہ روپیہ بلا طلب اسی ڈلمؤ سے مہیا ہو گیا تھا۔ اسباب کشتیوں پر رکھتے وقت الہام خفی سے آپ کو یہ معلوم

ہوا کہ جس کشتی میں سب ساتھیوں کا اسباب رکھا ہے وہ آگے چل کر ڈوب جائے گی۔ آپ نے کشتی سے رکھا ہوا سب اسباب اتروالیا۔ اور خود اس کشتی میں سوار ہو گئے اور اپنی پہلی کشتی میں سب ساتھیوں کا اسباب رکھوا دیا۔ اس خیال سے کہ اگر یہ کشتی ڈوب گئی تو غریبوں کا سب اسباب ضائع ہو جائے گا۔

جب آپ اس کشتی میں بیٹھ چکے تو آپ کو الہام ہوا کہ یہ کشتی بھی نہ ڈبوئی جائے گی۔

تب آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور روانہ ہو گئے۔

دوسرے دن کوئی انگریز تمام قافلہ کے لئے کے لئے کھانا پکا کر راستہ میں لایا ہوا تھا۔ جو سب نے سیر ہو کر کھایا جب الٰہ آباد پہنچے تو بے حساب لوگ مشرف بہ بیعت ہوئے۔

شیخ غلام علی صاحب نے نہایت دریا دلانہ مہربانی کی، آپ کو دو تین ہفتے ٹھہرایا اور حاجیوں کی تعداد بھی یہاں سات سو تک پہنچ چکی تھی۔ شیخ غلام علی صاحب نے تیرہ عدد خیمے اور ہر حاجی کے لئے ایک ایک کپڑا احرام باندھنے کے لئے ایک ایک روپیہ نقد اور حضرت کے ہر قرابت دار کو دس دس روپے نقد اور خود حضرت صاحب کے لئے چار پانچ سو روپیہ نذر کیا۔ شاہ اجمل صاحب کے تکیئے والے بزرگوں سے بھی بہت لوگ بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔

یہاں سے چل کر مرزا پور قیام کیا۔ وہاں شیخ عبداللطیف سوداگر نے ایک ہفتہ مہمان رکھا۔ اور چار ہزار روپیہ نقد حضور کے نذر کئے اور خود بھی حج کے سفر میں ہمراہ ہو گیا۔ ہزاروں نے اس جگہ بھی بیعت کی یہاں سے چل کر چنار گڑھ میں تین دن قیام کیا۔ اور پھر بنارس میں داخل ہوئے چونکہ بارش کی نہایت شدت تھی اور آپ کے مرید اس شہر میں بہت تھے۔ لہٰذا دریا کی طغیانی کی وجہ سے ایک مہینہ اس جگہ قیام فرمایا۔ صدہا نے بیعت کی اور تمام قافلہ کی اس عرصہ میں دعوتیں ہوتی رہیں۔ تیموری شہزادے بھی بہت سارے مُرید ہوئے۔ ایک ماہ بعد یہاں سے قافلہ براہ دریا روانہ ہوا۔

غازی پور اور زمانیہ میں دو دن قیام کے بعد داتا پور پہنچے اور ایک ہفتہ وہاں قیام کیا۔ جہاں قیام ہوتا مولانا اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحئی صاحب شہروں میں وعظ کرتے اور موجود الوقت بدعات سے لوگ تائب ہوتے۔ پھر یہاں سے آپ عظیم آباد پہنچے۔ اور پٹنہ میں دو ہفتہ قیام فرمایا۔ ہزار ہا خلقت اس شہر کی شرک بدعات وغیرہ نامشروع اُمور سے تائب ہو کر داخل

بیعت ہوئی چنانچہ مولوی ولایت علی عظیم آبادی آپ کے مشہور و معروف خلیفہ جن کی بدولت لاکھوں مسلمانوں نے آپ کے بعد ہدایت پائی اور سلسلہ ہجرت و جہاد کا قائم رہا اسی شہر کے باشندے تھے۔ اس شہر کے لوگوں نے سب سے زیادہ عقیدت مندی اور جاں نثاری کا ثبوت دیا۔ آخر اس شہر کا خاندان صادق پوری میں سیّد صاحب کے تابعین کا پیشرو قائم ہوا۔ پٹنہ سے چل کر منگیر اور بھاگل پور ٹھہرے۔ ہدایت کرتے ہوئے مرشد آباد پہنچے۔ چار پانچ دن یہاں قیام رہا۔ مگر اختلاف شیعہ سنی کی وجہ سے آپ کے پاس کوئی نہ آیا۔ اور یہاں سے چل کر موگلی پہنچے۔ ایک ہفتہ اس جگہ رہے پھر شیرام پور میں داخل ہوئے۔ اس جگہ سیّد عبداللہ بن سید بہادر علی جن کو آپ نے خلافت دی تھی، دیگر بہت لوگوں کے ساتھ مشرف بیعت ہوئے۔ یہاں سے چل کر کلکتہ کے قریب کھانا پکانے کشتیاں ٹھہرائیں۔ منشی امین الدین وکیل سرکار جو کلکتہ کا رئیس اعظم تھا معہ عمائدین کلکتہ حاضر خدمت ہو کر ملتجی ہوا کہ تا قیام کلکتہ خاکسار کے غریب خانہ میں رونق افروز رہیں اور نان و نمک جو میسر ہو قبول فرمائیں۔ حضرت نے اس کی دعوت قبول فرمائی۔ بعد ازاں دیگر معززین کلکتہ کے بھی آپہنچے۔ ہر ایک نے آپ کو اپنے گھر مدعو کیا، لیکن آپ نے جو وعدہ کر لیا تھا، اس پر قائم رہے۔ چنانچہ اول آپ منشی امین الدین کے مکان پر بسواری پالکی تشریف لے گئے۔ پھر اس نے تمام قافلہ کے لئے سواریاں بھیجیں اور ان کو بھی لے گئے۔

ایک اعلیٰ باغ میں قافلہ نے ڈیرہ ڈال دیا۔ تمام قافلہ کے لئے نہایت اعلیٰ خوراک آیا کرتی تھی۔ صبح منشی صاحب نے تمام اعلیٰ قافلہ کو جوتیاں خرید کر دیں اور جن کا جامہ پرانا تھا ان کو جامے بنوا دیئے۔ لیکن اس دن کے بعد منشی صاحب ایسے غائب ہوئے کہ ایک مہینہ تک منہ نہ دکھایا۔ ان کے نوکر چاکر حاضر رہتے تھے۔ دونوں وقت عمدہ خوراک آئی، مگر وہ خود غائب تھے۔ اس شہر میں اس کثرت سے لوگوں نے بیعت کی کہ حضرت کو بیعت کنندوں کی بیعت و ہدایت کرنے سے مہینہ بھر فرصت نہ ملی۔ ایک دن مولوی وحیدالدین صاحب خود منشی صاحب کے استفسار حال کے لئے ان کی جائے سکونت پر چلے گئے۔ منشی صاحب تپاک سے ملے اور مولوی صاحب نے دیکھا کہ اُن کا مکان تمام ممنوعات شرعی سے بھرا ہوا تھا۔ شراب وظروف نقرہ و باجہ و تصاویر وغیرہ۔

مولوی صاحب نے بعد گفتگو ابتدائی ممنوعات مذکورہ کے عیوب اور مواخذہ الٰہی اور بے ثباتی دنیا کا وعظ فرمایا۔ اس نصیحت کا فوری اثر یہ ہوا کہ منشی صاحب نے ہزار ہا روپے کا اسباب پھکوا دیا اور ظروف نقرئی گلوا دیئے۔ پھر مولوی صاحب نے منشی صاحب سے عدم حاضری کا سبب پوچھا، تو اس نے ندامت سے عرض کیا کہ میں ایک مصیبت میں مبتلا ہوں۔ خود حیا مانع ہے عرض نہیں کر سکتا۔ یہ میرا رفیق عرض کرے گا۔ اس رفیق نے الگ ہو کر مولوی صاحب کو سنایا کہ اس شہر میں ایک نہایت حسینہ جمیلہ اور بڑی دولت مند کنچنی ہے جس پر منشی صاحب دل وجان سے عاشق ہیں۔ ہزاروں امراء اس کے عاشق ہیں وہ کسی کے ساتھ نکاح پر راضی نہیں ہوتی۔ وہ ہفتہ میں صرف ایک بار یہاں آتی ہے اور شب باش ہوتی ہے۔ منشی صاحب اس مخمصہ میں ہیں کہ حاضر ہوں تو توبہ لازم ہو جاتی ہے اور یہ اس عورت سے صبر نہیں کر سکتے۔

مولوی صاحب نے یہ کیفیت سیّد صاحب کی خدمت میں عرض کی۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے کہہ دیں کہ وہ سچے دل سے توبہ کے لئے مستعد ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو استقامت کی توفیق دے گا۔

مولوی صاحب نے سیّد صاحب کا ارشاد دوسرے دن جا کر منشی صاحب کو سنا دیا۔ اتفاق سے وہ دن اس عورت کے آنے کا تھا۔ وہ مولوی صاحب کی موجودگی میں ہی آگئی۔ منشی صاحب اس کے جانے پر شرمندہ ہوئے۔ اور عورت نے مزاج پُرسی کے بعد ان کی تعریف پوچھی تو مولوی صاحب نے کہا سیّد صاحب کے قافلہ کا ایک درویش ہوں۔ اس عرصہ میں جب کہ سیّد صاحب کو اپنے میزبان کی ایک دینی فساد اور گناہ کبیرہ میں مبتلا ہونے کا قلق تھا۔ آپ کو الہام ہوا اور آپ خود اُٹھ کر منشی صاحب کی جگہ چلے آئے اور عین اس گفتگو مذکورہ کے وقت منشی صاحب کے مکان پر آپہنچے۔ منشی صاحب نے سیّد کا آنا سن کر اس عورت کو اسی نشست کے ساتھ کمرہ میں بند کر دیا۔ اور حضور وہاں پہنچ کر اسی کمرہ کے دروازے کے آگے بیٹھ گئے۔ منشی صاحب مودبانہ بیٹھے تھے اور مولوی وحیدالدین نے عرض کی کہ آج اتفاق حسنہ سے مریض معہ اسباب مرض طبیب حاذق کے حضور میں حاضر ہے۔ اب حکیم کے التفات فرمانے کی ضرورت ہے۔

حضرت نے فتبارک اللہ احسن الخالقین کی موعظت شروع کی اور اس زور شور سے اللہ

تعالیٰ کے احسن الخالقیت اور جمال کا ذکر کر کے پھر اس کے جلال اور عذاب کی تشریح فرمائی کہ اہل مجلس پر عالمِ بے ہوشی طاری ہوگیا۔ وہ عورت بھی خود دروازہ سے لگی ہوئی ایک ایک لفظ سن رہی تھی، کوٹھری کے اندر تڑپ رہی تھی۔ بعد ختمِ وعظ خود دروازہ کھول کر حضور کے قدموں میں آگری۔ اور دھاڑیں مار مار کر روئی اور توبہ تائب ہو کر بیعت سے مشرف ہوئی۔ اس کے بعد منشی نے بھی بیعت کی۔ پھر اس عورت نے حضرت کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کیا کہ جس اولیٰ سے حضور چاہیں، لونڈی کا نکاح کر دیں تب اسی مجلس میں حضور نے منشی صاحب کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ اس کے بعد وہ دونوں خاوند بیوی نہایت متقی اور باخدا لوگوں میں سے ہو گئے۔

اس جگہ ایک شخص دائم الخمر نے آپ کی بیعت تو کی مگر عذر کیا کہ شراب سے ہرگز صبر نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اقرار اور وعدہ پختہ کرو کہ ہمارے سامنے نہ پینا۔ اُس نے اس پر عہد کر لیا، مگر جب اور جس مخفی سے مخفی جگہ وہ شراب مانگتا وہاں ہی اس کو سیّد صاحب کا مبارک چہرہ اسے دکھلائی دیتا۔ جب وہ شراب ہٹاتا تو آپ کو موجود نہ پاتا۔ تب اس کے دل پر خوف الٰہی اور عظمتِ پیر نے ایسا غلبہ کیا کہ وہ تائب ہوگیا۔

مولانا عبدالعزیز صاحب نے اپنے تمام خاندان اور مریدوں کو کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سیّد صاحب کے ذریعہ سے دین کو تازہ فرماتا ہے، تم اس کے ساتھ ہو جاؤ۔ یہ سُن کر شاہ صاحب کا تمام خاندان و مریدین سیّد صاحب کے ساتھ ہو گئے تھے۔ یہ نصیحت سن کو مولوی نثار علی بھی دہلی سے آپ کے پاس آگئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں ایک دن کلکتہ کے بعض اکابر علماء آپ کی اُمیّت پر دل میں معترض ہو کر امتحان کے لئے آئے۔ اس وقت سیّد صاحب اور راوی ہی موجود تھا کہ مولوی رشید صاحب جس نے ہدایہ کا ترجمہ کیا ہے اور مولوی معظم حسین اور ایک معتبر عالم جس کا نام راوی نثار علی صاحب مصنف ذکر جلی کو یاد نہ رہا تشریف لائے اور آپ سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر پوچھی۔ آپ نے اس خوبی اور جلال کے ساتھ تفسیر فرمائی کہ تینوں علماء مبہوت ہو گئے اور اپنی بدظنی کی معذرت کر کے بیعت میں داخل ہو گئے۔

ایسا ہی ہر موقعہ پر ہزاروں کرامات اور قدم قدم پر لوگوں کے امتحان اور ظہور عجائبات کا ایک دریا بہہ رہا تھا کہ سینکڑوں خوش قسمت گرداب کفر و فسق سے نکل کر کامیاب ہو رہے تھے۔ کئی مجنوں آپ کی دُعا سے صحت یاب اور کئی ہوشیار آپ کی مخالفت سے معذب اور مجنون

ہوئے جو کوئی جس قسم کی کرامت دیکھنے میں آپ کو آزماتا تو اللہ تعالیٰ وہی کرامت آپ کی اس پر ظاہر کر دیتا۔ آپ سلام دینے میں ہر کسی پر سبقت کیا کرتے تھے۔

کلکتہ میں ایک پادری نے جو بڑا ریاضی دان تھا۔ آپ سے علم ریاضی کے متعلق مشکل ترین سوالات کیے۔ حالانکہ آپ علم ریاضی کے ایک لفظ سے بھی واقف نہ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اس وقت آپ پر وہ تمام حقائق کھول دیئے اور الہاماً یہ علم عطاء ہوگیا کہ اگر اقلیدس بھی ہوتا تو آپ کی شاگردی کرتا۔ وہ پادری دنگ اور متحیر رہ گیا اور کہا کہ میرا ریاضی دانی کا دعویٰ غلط تھا۔ اس شخص سے بڑھ کر دینا میں ریاضی کا ماہر اور کوئی نہیں۔

بیعت کنندوں کی کثرت سے کلکتہ میں ایسا کیا جاتا کہ ہزار پانچ سو آدمیوں کے مجمع میں سات آٹھ پگڑیاں پھیلا دی جاتیں اور پگڑیوں کا سرا حضرت کے ہاتھ میں ہوتا۔ اُن کو لوگ پکڑتے اور الفاظ بیعت زبان سے دہراتے۔ جس قدر کلکتہ میں فسق و فجور تھا، اس قدر اور شہروں میں نہ تھا۔ مگر آپ کی برکت سے ان دنوں کلکتہ رشک اِرم ہو گیا تھا۔ اور تمام گناہگار تائب ہو گئے تھے۔ آپ کی روحانی طاقت اور آپ کے خلفاء مولانا اسماعیل شہید کی جادو بیان تقریر کی شہرت کلکتہ میں پھیلی، تو انگریز افسروں نے ایک سوداگر جیون بخش کی معرفت آپ کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ ایک روز تکلیف فرما کر ہم مشتاقانِ کلامِ ہدایت نظام کو بھی اپنی وعظ و نصیحت سے مفتخر فرما دیں۔ حضرت اقدس نے ان کے پاس مولانا شہید کو بھیج دیا۔ اس دن قریباً دس ہزار گورہ میمیں انگریز اور مسیحی لوگ جمع تھے۔ مولوی صاحب کے ہمراہ صرف اپنے دو رفیق اور حاجی جیون بخش تھے، مولانا نے سورۂ مریم پڑھ کر اس فصاحت و بلاغت اور عجیب اندازِ بیان سے اس کا بیان فرمایا کہ تمام مجمع پر رقت طاری ہوگئی اور سب کے آنسو جاری تھے۔ بعض کی ہچکیاں بدھ گئی تھی۔ آنسوؤں سے تمام مرد و زن کے رومال تر ہو گئے تھے۔ بعد ختم وعظ انگریزوں نے بہت ساری اشرفیاں مولانا صاحب کو پیش کیں، مگر انہوں نے لینے سے انکار کیا اور فرمایا ہم لوگ صرف خدا تعالیٰ کے واسطے اُس کے بندوں کو اس طرف بلاتے ہیں، اس پر اُجرت ہم نہیں لیتے۔

تین دن آپ نے کلکتہ میں قیام فرمایا اور الٰہی احکام کی تبلیغ بوجہ کامل اس شہر و نواح میں کر چکے تب آپ نے گیارہ جہاز کرایہ پر لئے اور فی جہاز ان کو ایک ہزار روپیہ پیشگی بطور کرایہ

دے دیا۔ ہر جہاز کے لئے آپ نے قافلہ کو تقسیم کر کے ہر جہاز پر ایک لائق شخص کو امیر مقرر کیا اور بارہ ہزار روپے کا غلہ وغیرہ اسباب ضروری خرید کیا۔ اور جس جہاز پر معہ قرابت داروں کے سوار ہوئے، اس کا نام دریا بقی تھا۔ اس کے ناخدا کا نام عبدالرحمٰن تھا، جو حضر موت کا باشندہ تھا۔ معلم جہاز کا شیخ داد نام تھا۔ روانہ ہونے کے دوران جہاز گنگا ساگر کے میٹھے پانی میں رہے۔ تیسرے دن کیلا گھیا سے گزر کر جہاز کھارے پانی میں پہنچ کر روانہ ہو گئے۔

یہاں پر کشفی حالت میں سید صاحب پر روحانیت بحر ایک ہیبت ناک صورت میں پیش ہوئی۔ اور غرور وتکبر کے رنگ میں آپ سے کہا کہ تم نے اپنی جان سے سیر ہو کر ایسی جسارت کی ہے کہ میرے اندر اپنا قافلہ لے کر آیا ہے، میں ہی وہ سمندر ہوں جس نے فرعون جیسے متکبر بادشاہ کو فنا کر دیا تھا۔ اور ہزاروں جہاز اور کشتیاں میں ہر سال نگل جاتا ہوں۔ اور میں تمام خشکیوں اور احاطہ کئے ہوئے ہوں۔ چاہوں تو سب کو یک دم تباہ و برباد کردوں۔

سید صاحب نے اس کے نخوت آمیز کلمات کا جواب اُسی کشفی حالت میں یہ دیا۔

اور آپ کو الہام ہوا تھا کہ اس سے کہہ دے کہ تو اور میں ایک ذات وقہار کے غلام غلامان ہیں۔ تو کس طرح تکبر وخودستائی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور تکبر نہ جتلا، اس لئے کہ تکبر صرف اسی ذات کی چادر ہے جس کی قدرت کے بحر ناپیدا کنار کے آگے تو ایک قطرہ ہے، تو بلا حکم مالک کے کچھ بھی اذیت رسانی پر قادر نہیں۔ جب آپ نے یہ الفاظ سمندر کی روحانیت کو سنائے تو وہ غائب ہو کر تھوڑی دیر بعد مثل بید کے کانپتا ہوا حضرت کے سامنے آیا۔ اور عرض کیا کہ میں اسی قادر مطلق کی مخلوق ہوں جو سب کا مالک ہے اور جس کے حکم کے بغیر ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔ میں پہلی بار صرف آپ کے ایمان واستقلال کی آزمائش کے لئے ایسا ہو کر آیا تھا۔ مگر جب آپ کو اللہ تعالیٰ کا متوکل بندہ پایا، تو اب اطاعت کے لئے آیا ہوں۔ اب میں آپ کا غلام اور خیر خواہ ہوں، یہ بات کہہ کر رخصت ہو گیا۔

یہ قصہ خود حضرت نے مکہ معظمہ سے اپنے پیر ومرشد مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کو لکھ کر بھیجا ہے، وہ تاریخوں میں نقل ہے، سمندر میں پہنچ کر جہاز ہچکولے کھانے لگا۔ اس جگہ حضرت نے اہلِ جہاز سمیت دُعا کی اور سب سے آمین کہلوائی جس میں تمام قافلہ کی جان ومال کی حفاظت کی التجا تھی۔ خلیج بنگال سے نکل کر جب آپ برابر جزیرہ لنکا (سراندیپ کے پہنچے) تو

اس رات حضرت نے تمام رات شب بیداری اور پاسبانی میں گزاری۔ آپ نے فرمایا کہ مخالف طاقتیں اس قلیل جماعت کی تباہی کی خواہاں ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو روک دیا۔ بعض نہایت معتبر ہمراہیوں کا بیان ہے کہ ایک جگہ سمندر میں اہلِ جہاز کا میٹھا پانی ختم ہو گیا۔ ناخدا نے آپ کو اطلاع دی، تو آپ اپنے مالک کے حضور دُعا کرنے بیٹھ گئے۔

عین حالتِ دُعا میں آپ کو الہام ہوا کہ اس جگہ ہم نے سمندر کا پانی میٹھا کر دیا ہے۔ جس قدر چاہو بھر لو۔ اس پر حضرت نے جہاز کے مالک کو بشارت سنادی اور انہوں نے بقدر ضرورت اس جگہ سے پانی بھر لیا۔ جو فی الوقعہ آب شیریں اور صاف وشفاف تھا۔

اس جگہ چند خرقِ عادت امور جو میں نے لکھے ہیں، اس سے ناظرین مجھ پر بدظنی نہ کریں۔ سید صاحب کی نسبت متعدد تاریخیں لکھی گئی ہیں ان سب میں یہ امور مذکور ہیں جو نہایت باخدا اتقیا علمائے موحدین نے چشم دید حالات لکھے ہیں جو ان سفروں میں ہمراہ تھے۔ گو یہ امور خلافِ قیاس ہیں، مگر ترک نہیں کر سکتا اور ان کے لکھنے سے بھی کئی فوائد مراتب ہوتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء اللہ علیہم الرحمۃ کی کرامات اللہ تعالیٰ کے حکم وارادہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل بھی بغیر حکمت اور فائدہ کے نہیں ہوتا۔ بلکہ وقتی فائدہ کے علاوہ اس سے آئندہ کے لئے فائدے مضمر ہوتے ہیں۔

عدن پہنچ کر ایک اور ماجرا دیکھا گیا کہ جہازوں کے ٹھہرنے کے بعد آپ معہ دوستوں کے کشتیوں میں کنارہ پر اُترے اور معلوم ہوا کہ شہر عدن ساحل سے دُور ہے۔ نہایت شدت کی گرمی تھی پیدل چلنا مشکل تھا۔ اور سواریاں اس قدر دُور بتلائی گئیں جہاں سے جا کر اُن کا لانا عدن جانے سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ سب ساتھیوں نے حضور سے التجا کی کہ آپ دُعا کریں۔

آپ نے فرمایا کہ غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ ہمارے لئے ہر مشکل میں سامان کر دے گا۔ تم سب لوگ سات سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھو۔ ابھی سب نے سورۃ فاتحہ کا ورد ختم نہ کیا تھا کہ سامنے شتربان سواری کے لئے اونٹ لاتے آگئے۔ وہ سید صاحب کے پاس آئے اور سب کو سوار کر کے لے گئے، عدن پہنچا کر قافلہ سے الگ ہو گئے، کرایہ دینے کے واسطے ہر چند کو تلاش کیا، مگر شتربان نہ ملے۔ تب قاضی شہر کے پاس ان کی مزدوری کی رقم جمع کرادی۔ اُس نے بھی شہر میں بہت تحقیقات کرائی، مگر اس شہر میں اس حلیہ کے شُتر بانوں کا کوئی پتہ نہ ملا۔ آپ نے

عیدا اس صاحب مراز پر فاتحہ پڑھی اور تین دن وہاں رہ کر ساتھیوں کو جہاز میں گوشت کو ترس گئے تھے، سیر ہو کر گوشت کھلایا، پھر جہازوں پر سوار ہوئے اور لنگر اُٹھا لئے گئے۔ اور محا میں پہنچ کر ایک مہینہ قیام کیا۔ ناخدا آپ سے رخصت لے کر اپنے گھر گیا۔ ایک ماہ کے بعد اسباب سفر درست کر کے محا سے روانہ ہوئے۔ غرض جب یلملم میں پہنچے تو سب اہلِ قافلہ نے غسل کر کے احرام باندھا اور تمام جماعت کو آپ نے بٹھا کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور دُعا کی اور سجدے میں پڑے رہے۔ بعد ازاں دوستوں کو مبارک باد دی کہ تم سب اپنی مراد کو پہنچے۔ یلملم سے چل کر تین چار دن میں جدّے پہنچ کر پانچ دن تک وہیں قیام کیا۔ اور سب آسودہ ہو کر پانچویں دن اُونٹ کرایہ کر کے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ حدیبیہ پہنچ کر سب ساتھیوں سمیت دُعا کی اور ۲۸ شعبان ۱۲۳۷ء ہجری گیارہ مہینے کے سفر کے بعد داخل حرم ہوئے۔ مسجد بیت الحرام کو دیکھ کر اہلِ قافلہ پر ایک خاص کیفیت اور رقت طاری تھی اور اس قافلہ کی گریہ وزاری کی کیفیت سے وہاں کے موجود مطوف اور معلم لوگ بھی رونے لگے اور سب نے یک زبان کہا کہ ایسا بابرکت قافلہ ہم نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔ ہر ایک نے اہل قافلہ سے سات سات طواف کئے۔ دو رکعات نماز مقامِ ابراہیمؑ میں ادا کی اور باب الصفاء سے باہر ہو کر صفا و مروہ کے میدان میں جا کر تسبیح و تہلیل کہی اور خشوع کے ساتھ سعی کی اور آپ نے نہایت عجز سے دُعا کی اور حلق و قصر کر کے احرام عمرہ سے باہر ہو گئے۔

اس کے بعد چاند رمضان المبارک کا دیکھا گیا۔ رمضان کی راتوں میں ہفتہ میں دو بار سیّد صاحب تراویح کا عمرہ ادا کرنے کے لئے مسجد تنعیم تک دو تین میل جا کر وہاں سے احرام باندھ کر آتے اور بعد طواف سعی نماز صبح سے پہلے فارغ ہو جاتے۔ صبح کی نماز اوّل وقت شافعی امام کے ساتھ پڑھ کر اپنے مکان پر چلے جاتے۔ بیسویں تاریخ آپ مسجد الحرام میں معتکف ہوئے اور رویت ہلال عید کے بعد ادائے نماز مغرب کر کے مکان کو تشریف لے گئے۔ اور ماہ شوال و ذیقعد مکہ مکرمہ میں مقیم رہ کر طواف خانہ کعبہ کا کرتے رہے۔

ملکِ عرب کے بے شمار لوگوں نے سیّد صاحب سے بیعت کی۔ بلغاریہ کے قافلہ میں ایک متبحر عالم تھا اس کو حضرت نے سندِ خلافت اور صراطِ مستقیم کتاب کی ایک جلد عنایت کی تھی۔ شیخ محمد عمر مُفتی مکہ عرف عبدالرسول جو عبداللہ سراج کا اُستاد تھا اور سیّد عقیل اور سیّد حمزہ تینوں

بزرگ جو صاحب کمال اولیاء مکہ میں سے تھے تینوں نے کشفی طور پر سیّد صاحب کے رُتبہ کو معلوم کر لیا۔ اور آپ کی اطاعت اختیار کر لی۔ جب آپ طواف کعبہ کرتے، تو یہ تینوں بزرگ بھی آپ کے ہمراہ طواف میں شریک ہو جاتے۔ بعض بے خبر عربوں نے طعن کیا کہ اتنے بڑے مرتبہ والے بزرگ اولیاء اللہ ہو کر اس شخص کی پیروی کر رہے ہیں تب انہوں نے فرمایا کہ ہم نے کشفی طور پر پایا ہے کہ اس شخص کا طواف اور اس کے ہمراہیوں کا طواف مقبول ہے، اس لئے ہم نے اس کی پیروی اختیار کی ہے۔

چنانچہ ایام حج مبارک آگئے اور آپ نے اپنے قافلے کے ساتھ تمام ارکان حج مطابق سُنّت ادا کئے۔ لبیک کہتے وقت سیّد نے جبل رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر دُعا کے واسطے ہاتھ اُٹھائے اور تمام حاضرین اور غائبین اور تعلق داروں کے واسطے دُعا فرمائی۔ اس دُعا میں ایسی رقت کی حالت طاری ہوئی، اور آمین کہنے والوں کو تسکین ہوئی کہ گویا قبول ہی ہو چکی۔ آپ نے وہاں پر بہت دُعائیں مانگیں، ان میں سے ایک دُعا تو بظاہر قبول ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی دُعائیں بھی قبول ہوں گی۔ آپ نے یہ دُعا بھی کی تھی کہ اے خداوند کریم تو نے اس عاجز نیاز مند کے قافلہ کے ساتھ محض اپنے فضل عمیم سے اپنے عطیہ سے معزز و ممتاز کر کے یہ نعمت عظمیٰ نصیب فرمائی ہے سو ہم میں سے کسی کو حاجی لقب سے ملقب نہ فرمانا اور تو ہی قیامت کے دن اپنے فضل و کرم سے نوازش فرمانا۔ چنانچہ سب مورخین کا اتفاق ہے کہ اس تمام قافلہ والوں میں سے کوئی بھی حاجی کے لقب سے ملقب نہ ہوا۔ بلکہ مجاہدین، مہاجرین اور شہداء کے حقیقی القاب سے ملقب ہو کر فائز المرام ہوئے۔

چودھوں ذی الحجہ سے نصف صفر تک حضرت طواف وصلوٰۃ و ادائے عمرہ میں مصروف رہے۔ اس عرصہ میں حضرت نے ایک خط اپنے مُرشد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو لکھا۔ وہ خط نہایت وضاحت کے آپ کے سفر کا لُب لباب ہے جو تاریخ احمدیہ میں درج ہے۔ چونکہ مکہ معظمہ میں ان دنوں ایک سیّد آلِ رسولؐ اولادِ علیؓ کرم اللہ وجہہ کے فیوض باطنی سے اصلاح اُمت کے ربانی سلسلہ میں مصروف عمل تھا۔ اس لئے شاہ عبدالعزیز صاحب نے دہلی میں ان ایام میں ایک رویائے صالحہ دیکھا۔ بوجہ چند حقائق پر مشتمل ہونے کے اس کا لکھنا بہتر خیال کرتا ہوں۔

مولانا عبدالعزیز صاحب خلف الرشید شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان دنوں خواب میں ایک بڑا وسیع میدان دیکھا جس میں سفید براق بچھا ہوا تھا۔ اس پر بہت لوگ نورانی صورت بیٹھے ہوئے تھے۔ جن کے فاخرہ لباس تھے اور سب لوگ اس انتظار میں تھے کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تشریف لانے والے ہیں۔ شاہ صاحب مودب ہو کر دوزانوں بیٹھے اور تشریف آوری کے لئے منتظر بیٹھ گئے۔ اچانک قبلہ کی طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لا کر مولانا کے رُو بُرو بیٹھ گئے۔ شاہ صاحب مودب دوزانو ہو بیٹھے۔ حضرت امیر المومنینؓ نے سوائے شاہ صاحبؒ کے اور کسی کو مخاطب نہ کیا۔ شاہ صاحب نے حضور کو اپنی طرف مخاطب ومہربان دیکھ کر اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور حسب ذیل چند سوالات حضرت امیر کی خدمت میں عرض کئے۔ اول یہ کہ چاروں آئمہ فقہا کے مذہب میں سے آپ کو کون سا مذہب پسند ہے۔ حضرت امیر نے فرمایا ان میں سے کوئی مذہب بھی مجھ کو پسند نہیں اور میرے طور وطریقہ پر ان میں سے ایک بھی نہیں۔ ہر ایک میں کچھ افراط وتفریط ہو گئی ہے۔

دوئم سوال شاہ صاحب نے یہ کیا کہ ان مشہور طریقہ ہائے طریقت میں سے کون سا طریقہ آپ کے طور طریقہ پر ہے اور آپ کو پسند ہے جو کہ مشہور اولیاء اللہ کی طرف منسوب طریقے ہیں۔ حضرت امیر نے جواباً فرمایا، ان میں بھی کوئی طریقہ میرے طریقہ پر نہیں۔ ہر طریقے میں کچھ کچھ چیزیں میری مرضی کے خلاف میرے طریقہ میں شامل کر لی ہیں۔ اس وجہ سے سب سلوک کے طریقے ہمارے طریقہ سے دور جا پڑے ہیں۔ کیونکہ ہمارے عہد میں صرف تین طرح کا شغل ہوا کرتا تھا۔ جس سے حصول تقرب الٰہی کا نتیجہ ملتا تھا۔ یعنی:

۱۔ ذکر

۲۔ تلاوتِ قرآن مجید

۳۔ اور نماز

اب ان لوگوں نے ذکر کو شغل مقرر کر لیا ہے اور تلاوتِ قرآن مجید کو اور نماز کو جو معراج المومنین اور حقیقی شغل ہے ان کے سوا اور کوئی شغل ہی نہیں سمجھا جاتا۔ پھر شاہ صاحب نے عرض کیا کہ اگرچہ مجھ کو چند طریقوں سے نسبت اور توسل آنجناب سے حاصل ہے۔ لیکن ملتجی ہوں کہ بلاواسطہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کروں۔ تب حضرت امیر نے اپنے دست

مبارک پھیلا کر شاہ صاحب سے بیعت لی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس بیعت سے بہت سارے امور معظم کا القا ان کے باطن پر ہوا۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے عرض کی کہ اکثر صحابہ خصوصاً قریش نے آپ سے جھگڑے اور مخالفتیں جو کہ ہیں، ان کی اصلیت کیا ہے اور ان مخالفت کرنے والوں کی نسبت کیا حکم ہے؟.....

اس کے بعد مدینہ منورہ کے سفر کی تیاری کی گئی۔ اور حاکم مکہ احمد پاشا کی معرفت ایک سو بیس اونٹ کرایہ پر لے کر زادِ راہ وضروریات سفر ہمراہ لے کر یہ قافلہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ سیّد صاحب کے ملک عرب میں پہنچنے پر یہ شہرت عام ہو گئی تھی کہ ہندوستان سے ایک سیّد آیا ہے جس کے ہمراہ سات سو پچاس آدمیوں کا قافلہ ہے اور سب کے اخراجات کا متکفل وہی ہے اور کہ وہ بڑا مالدار ہے۔

یہ بشارت سن کر بدوی لیٹرے راہزن انتظار میں تھے کہ یہ قافلہ کب مکہ سے مدینہ کو روانہ ہوگا۔ بدو گھڑیاں گن رہے تھے اور سیّد صاحب کو بھی بدوؤں کے ارادہ کا علم ہو چکا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ بجز قلم تراش کے کوئی ساتھی کسی قسم کا ہتھیار پاس نہ رکھے۔ آپ کے خیال میں اس سرزمین کے لیٹروں سے مقاتلہ کرنا ارضِ حرم کی ہتک تھا۔ بعد از روانگی پہلی منزل وادی فاطمہ میں ہوئی۔ یہاں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی مرقد ہے۔ قریب نصف شب آپ معہ چند رفیقوں کے زیارت کے واسطے تشریف لے گئے۔ مصنف مخزن احمدی جو حضرت سیّد کا خواہرزادہ وہم اور ہر سفر میں حضرت کا ہمراہی تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ مرقد مبارک پر ہم کو تازہ انگور کے خوشے غیب سے عنایت ہوئے، حالانکہ یہ انگور کی فصل کا موسم نہ تھا۔

دوسری منزل مقام جحفہ میں قیام کیا جہاں شتر بانوں اور قافلہ والوں کی آپس میں لڑائی اور مار پیٹ بھی ہوئی، مگر حضرت نے درمیان میں آ کر صلح کرا دی۔ غرض کہ نصف راستہ طے کیا ہوگا اور قافلہ اس پہاڑ کے محاذ پر پہنچا جہاں راہزنوں کا سردار سعد نام رہا کرتا تھا۔ اور وہ اس قافلہ کے آنے کا مدت سے انتظار کر رہا تھا۔ اہل قافلہ کو تمام رات بھر خطرہ تھا، مگر قافلہ سالار مقلب القلوب کا محبوب تھا، نصف رات کے وقت سعد ڈاکو معہ اپنے رفیقوں کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور بعد از مصافحہ ومعانقہ دیر تک کھڑا رہا پھر آپ کے حضور بیٹھا رہا۔ بوقت رخصت حضرت نے چند تحفے اس کو عنایت فرمائے۔ پھر یہاں سے چل کر وادی صفرا میں

شیخ عبدالرحیم یمنی اور حضرت ابوعبیدہؓ ابن الحارث ابن عمر رسول اللہ ﷺ کے مزار پر مشرف ہوئے جو غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ پھر چل کر ایسی جگہ قیام کیا جہاں سے مدینہ منورہ صرف تین کوس تھا۔ اس دن حضرت کو بخار اور دردِ سر لاحق تھا۔ راہزنوں کی نسبت یہ معلوم ہوا کہ ان کا ارادہ قافلہ لوٹنے کا تھا۔ مگر قافلہ والے شتربانوں کا سردار جو سعد ڈاکو کا رشتہ دار تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر سعد کو سمجھایا کہ اس قافلہ میں سوائے خوردونوش کے اسباب کے، نقدی کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ احمد پاشا سلطان روم نے یہ قافلہ میری حفاظت میں اور ذمہ داری پر سپرد کیا ہے اگر تم کو حملہ ہی منظور ہو تو ہمارے پیچھے مغربی لوگوں کا قافلہ آرہا ہے اس سے نپٹ لینا۔ یہ حال سن کر قطاع الطریق واپس ہوگئے۔

اس مقام پر سیّد صاحب نے خواب میں حضرت رسالت مآب ﷺ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اور معہ حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ دیکھا جو حضرت کی بیمار پرسی کو تشریف لائے تھے، ان میں سے ہر ایک بزرگ نے آپ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی اور آپ کو بہت بہت بشارتیں سنائیں۔ تب آپ نے مدینہ میں تشریف لاکر شہر کے باہر عیدگاہ کے قریب قیام کیا۔ اور فجر کو دروازہ کھلنے کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ مسجد نبوی میں اشراق کی نماز ادا کی۔ اور روضۂ نبویؐ کی زیارت سے شرف اندوز ہوئے۔

پھر چند مکان کرایہ پر لے کر ان میں خود معہ خاندان اور دوسروں میں اہل قافلہ کو دے دیا۔ پچیس دن تک مقامات متبرکہ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ اس عرصہ میں اہل مدینہ میں سے بہت لوگ آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے جس میں سے ایک خواجہ الیاس صاحب غوث مدینہ طیبہ کے تھے اور اولیاء اللہ کبار میں سے تھے۔ ان کی وجہ سے بہت دفعہ حضرت کو مرقد مبارک میں داخل ہو کر دو دو گھنٹہ مراقبہ میں پاس بیٹھنے کے لئے موقعے دیئے جارہے تھے۔ حضرت کے مدینہ میں قیام کے دنوں میں آپ کے ہمراہیوں سے مولوی معین الدین پھلتی جو زیادہ بیماری کے سبب معہ اپنے فرزند مولوی وحید الدین کے مکہ میں رہ گئے تھے، انتقال کر گئے۔ جس دن ان کی وفات ہوئی اسی دن سیّد عمر صاحب معروف بہ عبدالرسول نے جو مکہ شریف کے اولیاء میں سے تھے اور سیّد صاحب کے مقتدین میں سے تھے، مولوی وحید

الدین کو یہ بشارت سنائی کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ بہ برکت بیعت سیّد صاحب تمہارے والد کی مغفرت ہوگئی ہے اور میں نے اس کی مغفرت کا ذکر ملاءِ اعلیٰ میں سنا ہے۔ اور ادھر مدینہ میں سیّد صاحب نے اسی دن دوستوں سے کہہ دیا کہ آج مولوی معین الدین کا مکہ میں انتقال ہوگیا ہے اور اس کی مغفرت کا تذکرہ بھی ملاءِ اعلیٰ میں ہورہا ہے۔ جب مدینہ سے قافلہ واپس مکہ میں آیا تو مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ جس دن سیّد صاحب نے خبر وفات کی دی تھی، وہی دن ان کی وفات کا تھا۔

غرض ۲۵ روز قیام مدینہ کے بعد موسم سرمانے زور کیا۔ قافلہ والوں کے پاس سرمائی جامے نہ تھے۔ پھر بھی اہلِ قافلہ مدینہ سے جانے پر راضی نہ تھے۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۲۳۸ھ کو سیّد صاحب نے رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا، اور آپ نے متبسم ہو کر فرمایا، اے احمد! اب تو مدینہ سے روانہ ہوجا، تیرے قافلہ والی سردی سے تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ تب آپ نے تین دن سفر کی تیاری کر کے ۲۹ ربیع الاول مدینہ سے کوچ کر کے ذوالحلیفہ میں پہنچ کر عمرہ کا احرام باندھا اور بعد طے منازل بخیریت مکہ پہنچ گئے۔ جب رمضان آیا تو اس میں بھی مثل رمضان سابق صوم وصلوٰۃ واعتکاف میں مشغول رہے۔ پندرہویں شوال کے بعد سیّد صاحب کو الہام ہوا کہ وہ وطن کو اب مراجعت کرے۔ تب پندرہ دن میں تہیہ سفر درست کیا اور یکم ذی قعدہ ۱۲۳۸ء کو بعد ادائے نماز مغرب بادلِ محزون اس مقدس شہر سے وطن کو روانہ ہوئے اور جدہ پہنچے۔ اس چودہ ماہ کے قیام میں حضرت کی ذات سے اہل عرب، رُوم اور مصر وشام وغیرہ کو بہت فائدہ پہنچا۔ علاوہ مذکورہ بالا بزرگوں کے شیخ مصطفےٰ حنبلی اور شیخ شمس الدین شطا مصری واعظ بیت الحرام آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب نے مطابق ارشاد سیّد صاحب صراطِ مستقیم کا ترجمہ عربی کر کے ان لوگوں کو دیا۔ شیخ محمد علی ہندی مدرس مکہ معظمہ اور حافظ مغربی شیخ احمد بن ادریس وزیر سلطان مغربی، جن کو صحیح بخاری معہ قسطلانی حفظ تھی اور عمر بن عبدالرسول مشہور محدث حنفیہ اور شیخ بخارائی مدرس مدینہ منورہ اور ہزارہا علماء اور عامی حج کو آئے ہوئے اکناف عالم کے آپ سے بیعت ہوئے۔ آپ نے تمام اسلامی ممالک میں اپنے خلفاء مقرر کئے اور تبلیغ احکامِ الٰہی کی پہنچائی۔ فنا کے لوگوں کو بھی آپ سے بہت فائدہ ہوا۔ وہاں کے بہت لوگ زیدیہ عقائد سے تائب ہو کر اہل سنت میں آگئے۔

جدہ میں چھ دن مقیم رہ کر جہاز کا انتظام کر کے ساتویں دن روانہ ہوئے اور مخا کو ساتویں دن پہنچے اور بالخصوص فرقہ زیدیہ کی ہدایت کے خیال سے آپ نے اس جگہ پندرہ دن قیام فرمایا نہایت معتمد راویوں کا بیان ہے کہ اس سفر میں بہت جنوں سے اور بادشاہ جنات سے حضرت کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بیعت کی۔ اور ان کی ہدایت فرمائی۔ گویا رسالت مآب ﷺ کی لیلۃ الجن والے واقعہ کے مانند آپ کے ساتھ بھی، جن قوم کو ہدایت کرنے کا معاملہ پیش آیا۔ اور لاکھوں کی تعداد میں جنوں نے آپ سے بیعت کی۔ نواب وزیر الدولہ والی ٹونک نے بھی اپنی کتاب میں اس واقعہ کو لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے ہمراہ سفر و حضر میں ہزاروں جن ہمراہ رہا کرتے تھے۔

یہ دن برسات کے تھے جس میں سمندر گرم ہوتا ہے۔ مخا سے روانگی کے چودھویں دن بمبئی میں پہنچے۔ اہل بمبئی کو ان خراب ایام میں اس قدر سرعت سے جہاز کے پہنچ آنے کی جب اطلاع ہوئی تو سخت متعجب ہوئے کیوں کہ ان ایام میں بمشکل جہاز چالیس دن میں پہنچا کرتا تھا۔ یہ لوگ مدت سے آپ کی واپسی کے منتظر تھے۔ کلکتہ کے مانند یہاں کے لوگ بھی ہزاروں کی تعداد میں آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ دین کے ترویج کے لئے یہاں بھی آپ نے چند اپنے خلیفے مقرر کئے۔ پھر خود ہی دریا کے راستے روانہ ہو کر حسب سابق کلکتہ جا پہنچے اور دو مہینے آپ نے یہاں قیام فرمایا۔ اس دفعہ بھی مثل سابق ہزار ہا خلق خدا بیعت سے شرفیاب ہوئی۔ ایک شخص سیّد حمزہ نام سوداگر جواہرات نے آپ سے سندِ خلافت اور نقلِ صراط مستقیم حاصل کی۔ کلکتہ کا ایک اجل مولوی راشد نام اپنے علم و فضل پر بہت نازاں تھا۔ اور سیّد صاحب کے بارے میں بالکل لاپرواہ تھا۔ ایک دن مولوی نعمت اشرف صاحب اُس کو لے آئے۔ آپ اس وقت کھانا کھا رہے تھے۔ سلام علیک کے بعد سیّد صاحب نے اُن کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیا۔ معاً ہاتھ پکڑنے کے مولوی راشد پر غشی طاری ہوگئی اور گر پڑے جب ہوش آیا تو غرور سے تائب ہو کر نہایت حُسنِ عقیدت سے حضرت سے بیعت کر لی۔ فرمایا کرتے تھے حضرت کے ہاتھ میں میرا ہاتھ پکڑا جانے کے ساتھ ہی علوم فلاسفہ و منطق کے مانعات سے یک دم یک سُو ہو کر فیضانِ الٰہی سے میرا دل سیراب ہوگیا اور اس اچانک تغیر کو میرا دل برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہوگیا۔

اس کو سیّد صاحب نے اپنی ایک قمیص بھی دے دی تھی۔ اس کے بعد مولوی راشد کو بہ برکت دُعائے حضرت کلکتہ کی عدالتِ عالیہ میں سرکاری طور پر مفتی کا عہدہ بھی مل گیا۔ دو ماہ کے قیام کے بعد بذریعہ کشتیوں کے دریائی راستے پر آپ معہ قافلہ اُنہی قیام گاہوں کے راستوں سے، جن سے گئے تھے، خلق اللہ کو ہدایت کرتے ہوئے ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ ہجری کو بعد از مسافرت دو سال، اپنے وطن مالوف میں مراجعت فرما ہوئے۔

فتح پنجاب کے متعلق سیّد صاحب کی پیش گوئی

نواب وزیر الدولہ مرحوم نے لکھا ہے کہ سیّد صاحب بارہا فرمایا کرتے تھے کہ فیض ایمانی جو میری وساطت سے خلق خدا کو پہنچا وہ بفضلہٖ ترقی کرتا رہے گا اور انشاء اللہ ہندوستان سے خراساں تک شرک اور بدعت سے میرے ہاتھوں سے کلیۃً پاک وصاف ہو کر انوار اسلام و دیانت سے منور ہوگا۔

سیّد محمد یعقوب حضرت کے خواہر زادہ سے روایت ہے کہ بروقت روانگی بطرف ملک خراساں سیّد صاحب نے اپنی ہمشیرہ والدہ محمد یعقوب سے فرمایا تھا کہ اے میری بہن میں تجھ کو خدا کے سُپرد کرتا ہوں۔ اور یہ بات یاد رکھنا کہ جب تک ہند کا شرک اور ایران کا رفض اور چین کا اور افغانوں کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہو کر مُردہ سُنّت زندہ نہ ہولے، اللہ رب العزت مجھ کو دنیا سے نہیں اُٹھائے گا۔ اگر مذکورہ واقعات کے ظہور سے پہلے کوئی شخص میری موت کی خبر تجھ کو دے اور خبر کی تصدیق پر حلف بھی اُٹھائے کہ سیّد احمد میرے رُوبرُو مر گیا یا مارا گیا ہے تب بھی تم اس کے قول پر اعتبار نہ کرنا۔ اس لئے کہ میرے رب نے مجھ سے پختہ وعدہ کیا ہے کہ ان اُمور مذکورہ کو میرے ساتھ سے پورا کر کے مجھے مارے گا۔ نیز آپ کے سفر جہاد سے پہلے غالباً سفر حج میں بارہا آپ کو الہام ہوا تھا کہ پنجاب کا ملک آپ کے ہاتھوں سے فتح ہوگا۔ اور پشاور سے دریائے ستلج تک مانند ہندوستان کے امن وامان سے وطن رشک چمن ہوگا۔

ان متواتر وعدہ ہائے الہامی سے حضرت کے تمام مرید واقف تھے۔ نیز آپ نے اپنے خطوط میں صریح اور واضح الفاظ میں تمام اُمرائے ممالک اسلام مانند بادشاہ بخارا اور بادشاہ

کاشغر وخوانین علاقہ جات یاغستان وسرادرانِ کابل یہ دعویٰ نہایت تحدی کے ساتھ لکھ کر کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ سے وعدہ ہے کہ وہ مجھے ضرور ولایتِ پنجاب پر فتح یاب کریگا۔

نواب وزیر الدولہ لکھتے ہیں کہ ٹونک سے اجمیر تک سفر میں خود میں سیّد صاحب کے ہم رکاب تھا۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ سفر میں کبھی ایک طرف مخاطب ہو کر سلام علیک کرتے اور کبھی سلام کا جواب دیتے۔ اور کبھی کچھ ارشاد فرماتے، کبھی سوالات کا جواب دیتے۔ واللہ اعلم یہ سوال جواب کی کیفیت قوم جنات کے ساتھ تھی یا سلام دینا لینا ارواحوں یا ملائکہ سے تھا۔ یا رجال الغیب وارواح قدمی سے معاملہ تھا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک گروہ رجال الغیب کا خدواند تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ سفر وحضر میں میرے ساتھ رہتا تھا۔ اور جس ملک یا شہر میں ترویج وانتشار ہدایت ہونیوالا ہو، وہاں یہ قدسی جماعت کثیر تعداد میں دیکھی جاتی ہے۔ اور جس جگہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہدایت کی نشر کے نسبت کم ہو تو یہ قدسی جماعت وہاں کم ہوتی ہے اور جس مقام پر مجاہدین کا لشکر ڈیرہ ڈالتا ہے اس سے آگے قدرے فاصلہ پر یہ قدسی جماعت اُتر پڑتی ہے جب ہم چلنے کا ارادہ کرتے ہیں، تب وہ آگے چلتے ہیں اور میں ان کے قدم بقدم چل پڑتا ہوں۔ جس طرف ارادہ الٰہی ہو، یہ جماعت بطور راہبر آگے آگے اور ہم ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض دفعہ آپ سفر میں ایک جگہ بلا سبب مہینوں مقیم ہو جاتے اور پھر بلا سبب ظاہر یک بیک چل دیتے تھے۔

صاحب مقالات طریقت نے یہ بھی لکھا ہے کہ مفتی الٰہی بخش صاحب ساکن کاندھلہ جنہوں نے ساتواں دفتر مثنوی مولانا سے روم کا لکھا ہے فرمایا کرتے تھے، ساٹھ برس جو ہم نے پیسا تھا (یعنی پڑھا پڑھایا تھا) وہ سب دلیا تھا۔ اب سیّد صاحب کی بدولت وہ سب کار آمد میدہ ہوگیا۔ یہ مفتی باوجود اس قدر علم وفضل کے اس دیار میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ سیّد صاحب کی نعلین برداری کو اپنا شرف جانتے تھے۔ ذوالعجایب امر یہ تھا کہ مولانا اسماعیل ومولانا عبدالحی جیسے موحد ومبلغ ومانع شرک اور خود یہ تمام جماعت جس کو مخالفین اسی سبب وہابی کہتے تھے کہ یہی لوگ بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی ولی یا نبی یا بزرگ سے استعانت واستمداد سے روکتے تھے اور مزارات اولیاء اللہ سے طلب مراد کو شرک بتلاتے تھے، مگر خود یہ سب ہر ولی اللہ کے مزار پر جایا کرتے تھے اور سیّد صاحب کی برکات باطنہ سے تمام سلوک کے مدارج طے کر چکے تھے اور

اکابرین متصوفین میں سے تھے۔ اوران کو سیّد صاحب سے ایسی عقیدت تھی جس کی نظیر کسی پیری مریدی میں نہیں ملتی۔

سیّد صاحب ٹونک سے اجمیر جا کر اجمیر سے دہلی پہنچے۔ اور وہاں سے سہارنپور وغیرہ درمیاں دوآب شہروں میں سے ہوتے ہوئے براستہ پانی پت وکرنال وتھانیسر ۱۲۴۱ء وغیرہ بمطابق ۱۸۲۴ء بارادۂ جہاد سکھاں علاقہ یاغستان کی طرف روانہ ہوگئے۔ رائے بریلی سے فتح پور کانپور، گوالیا، ٹونک، اجمیر جے پور سے براستہ امرکوٹ، حیدر آباد سندھ، سکھر، شکار پور تھانیسر سے ممدوٹ، مالیر کوٹ، بہاولپور، حیدر آباد سندھ شکار پور، خاگن، خان گڑھ، درۂ دہاوڑ، درہ بولان، پشین، قندہار، کابل سے ہوتے ہوئے درہ خیبر پشاور آپہنچے۔ اور اسی راستے آپ کی زندگی تک ہندوستان سے مہاجرین ومجاہدین کی مالی امداد کے لئے بھی آمدورفت رہی گو مانعات ومشکلات آئندہ چل کر بہت ہوگئیں تھیں۔ اور پشاور سے چل کر موضع خویشگی ہشت نگر میں قیام کیا۔

مذکورہ تمام ممالک میں ہدایت وتبلیغ جہاد کرتے اور مجاہدین ہمراہ لیتے اور امراء ممالک مانند امیر دوست محمد خان وغیرہ کل سلاطین کابل، مشرف بہ بیعت کرتے آئے تھے۔ اکثر ہر مقام اور ہر جگہ خرق عادات امور وکرامات لوگوں نے آپ سے دیکھیں جن کی تفصیل متعدد تاریخوں میں موجود ہے۔

حضرت کا یوسف زئی علاقہ میں آ کر قیام فرمانا بہ ارادۂ الٰہی ہندوستان سے ہی آپ کا اصل مقصد تھا۔ جب آپ اس ملک وقوم میں وارد ہوئے تو تمام اہل ملک مرد وزن آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے (خود راقم عبدالجبار شاہ کا دادا، دادی اور پردادی بھی اور نانا، نانی بھی حضرت سیّدؒ کی بیعت سے مشرف تھے۔ اس وطن کے تمام لوگ آپ پر مثلِ پروانہ کے فدا ہونے لگے۔ جس شتر پر آپ سوار ہوتے تھے، اس کے زین پوش کو لوگ تار تار کر کے آپس میں بانٹ لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اس اونٹ کی پشم بھی لوگ تبرکاً لے لیتے تھے۔

پہلے مقام پر غازیوں میں ایک ناملوث غلّہ فی سیر تین کس میں تقسیم کیا گیا، کیونکہ لشکر کثیر تھا۔ باوجود عسرت کے ہر مجاہد شاداں وفرحاں تھا۔ سیّد صاحب نے غازیوں کو یقین دلایا کہ رزاق مطلق ذوالقوۃ المتین ہے، وہ ضرور تم کو روزی پہنچاتا رہے گا۔

رات کے وقت کا شعار حسب قاعدہ فوجی (رات کا نام) مقرر کیا جاتا تھا۔ اور سب غازی حضرت کے اردگرد بستر کر کے سو رہے تھے۔ پہلے دن بعد نماز تہجد تمام غازیوں نے حضرت کے پیچھے نماز ادا کی۔ بعد از طلوع آفتاب سردار سیّد محمد خان برادر امیر دوست محمد خان کثیر التعداد لوگوں کے ہمراہ آ کر بیعت سے مشرف ہوا۔

جب سیّد صاحب کے ورود اور ارادہ جہاد کی خبر دربار لاہور کو پہنچی تو سردار بدھ سنگھ معہ دس ہزار فوج وسامان حرب وضرب روانہ کیا گیا۔ بدھ سنگھ نے بمقام اکوڑہ خٹک پہنچ کر اپنے لشکر کو مستحکم ومنظم کیا۔ مجاہدین کے لشکر اور سکھ فوج کے درمیان دریائے لنڈہ حائل تھا۔ جدال وقتال شروع کرنے سے پہلے سیّد صاحب نے ایک اعلام نامہ دربار لاہور کو بدیں خلاصہ لکھا کہ سب سے پہلے ہم تم کو اسلام کی نعمت اور ہدایت الٰہی کا ہدیہ پیش کرتے ہیں۔ اگر تم اس کو قبول کرتو ہم تمہارے معین ومددگار وخیر خواہ ہوجائیں گے۔ اس لئے کہ ہم تم یکساں باہم دیگر برادر ہوجائیں گے۔ یہ ہدیہ ہم جبراً نہیں پیش کرسکتے کہ جبر فی الدین اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

۲۔ دوئم اگر یہ منظور نہ ہو تو اپنے مذہب پر قائم رہ کر حسب سابق تم ہماری اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کرو اور جزیہ ادا کرو۔ اس صورت میں بھی جب تک تم اطاعت میں رہو گے تمہاری جان ومال کی حفاظت کی ذمہ داری اپنی جان کے برابر ہمارا فرض ہوگا۔

۳۔ سوئم اگر مذکورہ بالا شرائط منظور نہ ہوں تو پھر جنگ کے واسطے تیار ہو جاؤ۔ تم کو ہماری جمعیت کم معلوم ہوگی، لیکن تمام مسلمانانِ ہندوستان ویاغستان راہِ خدا میں جان ومال فدا کرنے پر آمادہ ہیں اور ہم لوگ شہادت کی موت کو حیات سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔

دربار لاہور نے اس اعلام نامہ کا جواب نہ دیا۔ اور قاصد کو نخوت سے دربار سے نکلوا دیا سیّد صاحب کے لشکر میں دوصد مجاہدین قندھاری تھے۔ انہوں نے ایک جاسوس اسلامی لشکر میں آیا ہوا شناخت کر کے حضور کے پیش کیا۔ وہ قائل ہوگیا اور تائب ہو کر بیعت سے مشرف ہوگیا۔ اور وعدہ کیا کہ اب لشکر کفار کی اطلاعات لایا کروں گا۔ بوقت شب اس کو معرفت اللہ بخش خان جمعدار اپنی فوج سے بے آرام بدھ سنگھ کے لشکر کی طرف نکال دیا۔ دوسرے دن امیر خان رئیس خٹک نے حاضر ہو کر اور بیعت سے مشرف ہو کر عرض کی کہ میرے ایک گمراہ بھتیجا نے جس کا نام خواص خان ولد فیروز خان ہے، میری مخالفت کی وجہ سے سکھ فوج کو لا کر اکوڑہ

میں بٹھایا ہے اور سکھوں کا ارادہ ہے کہ دریا سے پار ہو کر ملک سمہ یوسف زئی کو درہم برہم کریں۔ اس لئے قرینِ مصلحت یہ ہے کہ دشمن کے لشکر کو دریا سے پار اُتر کر امدادی قوم یوسف زئی اور ملک سمہ کو برباد نہ کرنے دیا جائے۔ بلکہ آپ پیش قدمی کر کے خود دریا سے پار ہو کر اُس کا مقابلہ کریں۔ یہ مصلحت سیّد صاحب کو پسند آئی۔ اور دریا سے اکوڑہ کی طرف پار کنارہ سے اس پار آنے کا ارادہ کیا۔ سیّد صاحب نے رزق کی تکلیف کے لئے دُعا کی۔ ایک شخص کشتی میں آٹا لایا۔ وہ صرف پندرہ من تھا اور لشکر کثیر تھا۔ آپ نے برکت کے لئے دُعا کر کے تقسیم کا حکم دیا جو معجزانہ طور پر تمام لشکر پر کافی ہوگیا۔ آپ کا لشکر اس وقت آٹھ جماعتوں پا پلٹنوں میں تقسیم تھا۔ ایک جماعت خاص سیّد صاحب کے ماتحت تھی جس کا نائب سردار مولوی محمد یوسف صاحب پھلتی تھا۔ یہ جماعت ہمیشہ میمنہ پر رہا کرتی تھی۔

دوئم جماعت مولوی اسماعیل صاحب کی تھی یہ جماعت ہمیشہ مقدمہ الجیش ایڈوانس گارڈ رہا کرتی تھی۔

سوئم جماعت سیّد محمد یعقوب صاحب کی تھی جس کا نائب سردار شیخ بڈھن تھے یہ ہمیشہ میسرہ لفٹ ونگ میں رہا کرتی تھی۔

چہارم جماعت اللہ بخش خان کی تھی۔ یہ جماعت ہمیشہ ساقہ یعنی ریزروگارڈ رہا کرتی تھی۔

پنجم جماعت ملاں لال محمد قندھاری کی سرداری کے ماتحت رہا کرتی تھی۔

ششم جماعت کا سردار قطب الدین ننگر ہاری تھا۔

ہفتم جماعت کا سردار میرزا احمد بیگ پنجابی تھا۔

ہشتم جماعت کا سردار جعفر خان قندھاری تھا۔

آخر الذکر چار جماعتیں قلب لشکر میں رہتی تھی۔ مذکورہ جماعتوں کے علاوہ ایک گروہ مجاہدین کا معین لشکر گاہ میں رہتا تھا۔

سیّد صاحب معہ وزراء خود قلب لشکر گاہ میں رہا کرتے تھے۔ خویشگی سے چل کر آپ نوشہرہ پہنچے۔ تو بدھ سنگھ کے اکوڑہ میں استحکام کر لینے کی خبر آپ کو ملی۔ آپ نے فرمایا کہ قبل از

غروب آفتاب ہر شخص اپنے کھانے سے فارغ ہو لے۔ آپ نے اپنے مشیروں سے مشورہ کر کے ایک سریہ یعنی شب خوں تیار کیا۔

جنگ اکوڑہ خٹک

تمام جماعتوں میں سے چیدہ چیدہ جوان لے کر اللہ بخش کے ماتحت کر کے اُس کے سر پر اپنی دستار بندھوادی۔ پہلے اللہ بخش خان دریائے لنڈہ سے پار ہو کر حسب حکم قیام گاہ مقرر کر آیا، پھر مذکورہ لشکر پار اترنے لگا۔ جب سب پار ہو چکے اور جمعدار حضور سے رخصت ہونے لگا تو آپ نے فرمایا ہر مجاہد آگے بڑھنے سے پہلے گیارہ مرتبہ سورۃ لایلٰف قریش پڑھے۔ کل نفری مجاہدین کی سریہ کی نو صد تھی۔ بدھ سنگھ کی فوج دس گنا تھی۔ سب مجاہدین نے ایک دوسرے سے معافی و تقصیر مانگ کر شہادت کی موت کے لئے آمادہ ہوگئے۔ ملکیوں کی راہبری میں یہ لوگ تین گھڑی رات باقی تھی کہ دشمن کی لشکر گاہ کے قریب پہنچ گئے۔

دشمن نے کیمپ کے گرد خار بندی کر لی ہوئی تھی۔ اہل سریہ نے غافل دشمن کے سر پر پہنچ کر یکبارگی نعرہ تکبیر بلند کیا اور خار بندی کے اندر داخل ہوگئے۔ سنتری نے پہلا فائر کیا اور شیخ باقر علی عظیم آبادی سب سے پہلے شہید ہوگئے۔ غازی سکھوں کو قتل کرنے میں مصروف تھے۔ ہر ایک مجاہد نے بقدر ہمت مقابلہ کیا۔ عبدالمجید خان جہان آبادی نے چودہ کفار قتل کئے۔ ملکی مجاہد لوٹ میں مصروف ہوگئے۔

ہدایت اللہ مخنث نے آٹھ کافر ہلاک کئے اور اللہ بخش خان شمیر خان، غلام رسول خان وحید خاں و شیخ ہمدانی و حسن علی و شیخ بڈھن و شیخ رمضان نے بے حد دادِ شجاعت دی۔ اور ان کی تکبیروں نے دشمن کے کلیجے ہلا دیئے تھے۔ غازیوں نے دشمن کے توپ خانہ پر قبضہ کر لیا۔ سردار بدھ سنگھ اپنے خیمے سے نکل یکسو ہو گیا۔ مگر افسوس کہ اس سریہ میں جس قدر ملکی تھے وہ سب لوٹ میں مصروف ہوگئے اور قتال کی ترتیب برباد ہوگئی۔

بدھ سنگھ ہٹ کر اکوڑہ کے گاؤں میں پہنچا اور نقارہ جنگ وہاں بجوایا جس پر سکھ منتشر فوج

جمع ہوگئی۔ اور ان کی قواعد دان پلٹنوں نے چند باڑیں ماریں جن سے کار آمد بہادر غازی شہید ہوگئے۔ اللہ بخش خان کی خواہش تھی کہ جمعیت کو اب خار بندی سے نکال لے۔ مگر چند غازیوں نے اُس کو واپسی کا کہا تو وہ پھر مقاتلہ میں مصروف ہو گیا۔ یہاں تک کہ شہادت پائی۔ لڑائی جاری تھی یہاں تک کہ صبح نمودار ہوئی۔ تب بہ رہنمائی اکبر خان مومنوں کا لشکر خار بندی سے نکلا۔ اور دشمن نے ان کے پیچھے باہر ایک قدم نہ رکھا۔ دشمن کے کیمپ سے دو میل کے فاصلہ پر مجاہدین نے اذان دی اور باجماعت نماز صبح ادا کی۔ جب یہ سریہ مظفراً منصور حضور کے پاس پہنچا تو شہدا کے لئے دعائے مغفرت کی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔ یہ جنگ ۲۰ جمادی الاوّل ۱۲۴۲ء مطابق ۲۱۔ دسمبر ۱۸۲۶ء پہلا مقابلہ سکھوں سے واقعہ ہوا۔ اس جنگ میں ۳۸ آدمی ہندوستانی شہید اور ۳۵ آدمی زخمی ہوئے جن کے نام نامی حسب ذیل ہیں:

۱۔ اللہ بخش خان افسر سریہ
۲۔ شیخ باقر علی قاسم غلہ
۳۔ عبدالمجید خان جہان آبادی
۴۔ شمشیر خان جمعدار مورانوی
۵۔ شیخ بڈھن
۶۔ شیخ رمضان مورانوی
۷۔ شیخ ہمدانی خالص پوری
۸۔ علی حسن کھوی
۹۔ غلام حیدر خان خالص پوری
۱۰۔ غلام رسول خان خالص پوری
۱۱۔ خدا بخش خان بمبئی
۱۲۔ شاول خان خیر آبادی
۱۳۔ کریم بخش خان بڈھانوی
۱۴۔ میاں جی احسان اللہ بڈھانوی
۱۵۔ شیخ معظم جگدیش پوری
۱۶۔ دین محمد کواہرستانی بسیواڑہ
۱۷۔ عبادل اللہ مئو
۱۸۔ قاضی طیب
۱۹۔ اِمام خان خیر آبادی
۲۰۔ اولاد علی ماڈوی
۲۱۔ ہمایوں بیگ لکھنوی
۲۲۔ اماالدین خان رامپوری
۲۳۔ باز خان خالص پوری
۲۴۔ سیّد محمد لوہاروی
۲۵۔ محمد کمال خرم پوری
۲۶۔ فہیم خان حسین پوری پرہانوی
۲۷۔ سیّد عبدالرحمٰن سیالی
۲۸۔ شیخ مخدوم مسجد فتح پوری دہلی

۲۹۔ غلام نبی خان گوالیاری ۳۰۔ عبدالرزاق دیوبندی
۳۱۔ جوہر خان لکھنوی ۳۲۔ منور خان ملیح آبادی
۳۳۔ عبدالجبار موانوی ۳۴۔ حیات خان مورانوی
۳۵۔ برکت اللہ بنگالی ۳۶۔ سیّد عبدالرحمٰن سندھی
۳۷۔ حسن خان سندھی

مجھے اس خلاصہ حالات میں اسم وار شہداء کے نام لکھنے کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ صرف ۳۸ شہداء میں کس قدر مختلف لوگ اکناف ہند کے شامل تھے جو شہید ہوئے۔ اُس سید صاحب کے لشکر کے غازیوں کی کل تعداد پانچ ہزار تھی جن کو آٹھ پلٹنوں میں تقسیم کیا گیا اور فی پلٹون چھ صد غازی مقرر کئے گئے تھے۔ اس جنگ میں سکھ فوج کے سات سو سپاہی مارے گئے اور زخمی بھی تقریباً اس قدر ہوئے تھے۔ یہ جنگ شب خون جو صرف نو سو غازیوں نے کی تھی۔ بدھ سنگھ اس قدر خوفزدہ ہوگیا کہ اس نے واپس لاہور آنے کا ارادہ کرلیا۔ مگر اٹک کے قلعہ دار نے اس کو سمجھایا کہ اس طرح تیری واپسی کا نتیجہ بہت بُرا ہوگا اور اٹک تک کا تمام مفتوحہ علاقہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ایک مذہبی ناتجربہ کار جوشیلے گروہ کے شب خون نے سکھوں میں دربار لاہور تک تہلکہ مچا دیا۔ اور مسلمانانِ سرحد میں دلیری برقی لہر یک دم دوڑ گئی۔ اور مسلمان جوق درجوق مبارک باد کے لئے سیّد صاحب کے پاس جمع ہوگئے۔ اور سیّد صاحب نے اس جنگ کے حالات لکھ کر ہندوستان روانہ کئے۔

اس واقعہ کے دو روز بعد خادی خان رئیس ہنڈ نے حاضر ہوکر سیّد صاحب سے بیعت کی اور تمام لشکر کو معہ سیّد صاحب کے اس جگہ سے لنڈ علاقہ سمہ پورہ میں لے گیا۔ ہنڈ کا قلعہ شہنشاہ اکبر کا بنوایا ہوا ہے۔ قلعہ ایک تو اکبری یادگار ہے۔ مگر قلعہ ہنڈ کو راوی اکبر کا بتلاتے تو ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ عالمگیر نے جو قلعے یوسف زئیوں کے مقابل بنوائے تھے۔ یہ ان میں سے ایک ہے۔ یہ قلعہ عین دریا کے کنارے گزر کشتی پر محفوظ اور کارآمد ہے جس کو مجاہدین نے بطور لشکر گاہ کے استعمال کیا۔

اس جگہ ایک شاہی قدیم محکم قلعہ کی موجودگی اور مغرب وشمالی پشت پر سمہ یوسف زئی

قبائل کی پشتی بان ہونے اور مشرق وجنوب کو دریا سے پار سکھ حکومت کی رعایا ہونے کی وجہ سے یہ مقام حد سے زیادہ موزوں اور بہتر موقعہ تھا جو مرکز فوج کے لئے حاصل ہوا۔

شبخون حضرو ضلع اٹک

سردار خادی خان وغیرہ سرداران سمہ نے استدعا کی کہ دریا سے پار کنارے پر حضرو پر حملہ کیا جائے جہاں سکھوں کی ایک توپ اور فوج کا ایک دستہ موجود ہے۔ سیّد صاحب نے جواباً فرمایا کہ سریہ اکوڑہ میں ہمارے بہت سے ساتھی زخمی اور شہید ہوچکے ہیں اور ہم اس ملک کے راہ ورسم سے بھی چنداں واقف نہیں ہیں۔ کیونکہ یہاں کے لوگ جنگ کے دوران لوٹ پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور جنگ کا نظام اور فتح کا موقعہ برباد کردیتے ہیں۔ البتہ اگر اب ملکی لوگ شبخون کو جائیں، تو ہم کو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

خوانین نے عرض کی کہ یہ کام تو ملکی لوگ ہی کریں گے۔ صرف حضور کی اجازت کی ضرورت تھی۔ اس پر ملکیوں کا ایک شبخون تیار ہوا۔ ہندوستانی تو کوئی ساتھ نہ ہوا۔ مگر قندہاری جو وہ بھی افغان تھے اور لوٹ کا لالچ ان میں بھی تھا۔ چھیالیس غازی ان میں سے سریہ میں شریک ہوگئے۔ حضرت نے قندہاریوں کو حکم دیا کہ دشمن کی طرف بھی اور ہمراہیوں میں بھی مسلمانوں کی جان ومال کی ذمہ داری تمہارے ذمے ہے۔

نصف شب کے قریب کشتیوں کے ذریعہ یہ لشکر دریا سے پار ہوگیا۔ اور رات کو اس سریہ والوں نے حضرو کو خوب لوٹا۔ حضرت صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص سُرخ رنگ کے ایک عمدہ گھوڑا آپ کے سامنے لایا اور سنایا کہ قندہاریوں نے حضرو کی فتح کے بعد سکھوں کی گڑھی بھی فتح کرلی ہے اور توپ خانہ بھی لے لیا ہے، اور یہ گھوڑا سکھ افسر کا آپ کے پاس بطور ہدیہ بھیجا ہے۔ حضرت نے یہ ہدیہ قبول فرما کر اُسی لانے والے شخص کو وہ گھوڑا بخش دیا۔ روشنی ہونے پر بے شمار ملکی لوگ اسباب سے لدے ہوئے آرہے تھے۔ اور ان سب کے آخر میں قندھاری تھے۔ اور قندھاریوں کے تعاقب میں پندرہ سولہ سکھ سپاہی ان پر بندوقیں چلاتے

ہوئے آرہے تھے۔ قندھاریوں نے مورچہ کرلیا۔ سکھ سوار رُک کر اُن کے پیچھے سے تقریباً
پانسو سکھ سپاہی سوار اور پیادہ بھی پہنچ آئے۔ مگر اس دستہ نے پندرہ سواروں اور قندھاریوں کو
ایک طرف چھوڑ کر اسباب لانے والے ملکیوں پر حملہ کردیا اور اُن پر باڑیں اور شاہین چلانی
شروع کردیں۔ گولیوں کی بارش سے ملکی سب بھاگے اور کشتیوں میں اور شناسوں اور گھوڑوں پر
سوار ہوکر دریا میں کود پڑے۔ کوئی پار ہوئے کوئی ڈوبے۔ مگر دشمن کے ساتھ جم کر مقابلہ کسی نے
نہ کیا۔

سیّد صاحب نے خادی خان کو بلا کر کہا کہ آپ اپنے لوگوں کو جلدی قندھاریوں کی امداد
کے لئے روانہ کریں۔ اس وقت صرف وہی ۴۶ قندھاری پانسو سکھ سوار پیادہ کا مقابلہ کررہے
تھے۔ جس کی وجہ سے ملکی بچ کر بھاگ آئے۔ خادی خان نے ملکیوں کی ایک جمعیت زیرِ حکم انور
شاہ کشتیوں میں روانہ کردی جن کے ساتھ پچاس ہندوستانی غازی بھی بلا اجازت حضور اپنے
ساتھیوں کی امداد کے لئے دریا سے پار ہوگئے۔

تب سیّد صاحب نے تمام فوج کو حکم دیا کہ وہ کمر بستہ ہوکر دریا کنارے کھڑے ہیں
جب امدادی دستہ پہنچا، تو ان پچاس ہندوستانیوں نے بھرمار شروع کردی اور آن کی آن میں
پانسو دشمنوں کو شکستِ فاش دے کر حضرو کی دیواروں تک پہنچا دیا۔ برکت اللہ بنگالی اور حیات
خان صرف دو مومن شہید ہوئے۔ اور کچھ لوگ خفیف زخمی ہوئے۔ مگر دشمن کے مقتولین مجروحین
کی تعداد سینکڑوں تک تھی۔

ان دو معرکوں میں سیّد صاحب کو ملکیوں کی جنگ اور غنیمت کے لالچ میں عین جنگ کے
وقت لوٹ میں مصروف ہوکر نظام و ترتیب جنگ کو برباد کردینے کا تجربہ ہوگیا کہ وہ تو لوٹ میں
مصروف ہوکر جنگ کو ہندوستانیوں کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ مگر لوٹ کے مال لے کر پھر
واپس بھاگتے ہیں اور شکست کھا کر اپنے سب فوج کو برباد کرادیتے ہیں۔

ان حالات کو دیکھ کر تمام فوج کے اہل الرائے مجاہدین ہندی نے اور تمام ملکی سرداران
اور خوانین نے اور علماء و سادات نے متفق ہوکر فیصلہ کیا اور ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ ہجری
بمطابق ۱۱ جنوری ۱۸۲۷ء کو سیّد صاحب کے ہاتھ پر تمام مخلوق نے بیعت امامت کرکے آپ کو
اپنا امام شریعت امام برحق و بادشاہ اسلام برائے تکمیل جہاد و اجرائے احکام اسلام تسلیم کرلیا۔

سیّد صاحب کی امامت کی بیعت کی تجدید کی گئی

انتظام جہاد و تقسیم غنائم و اقامت جمعہ و جماعت و اجرائے احکام شریعت و نصب قاضی
و محتسب وغیرہ خود کرکے اور خلافت حقہ علی نہج خلافت راشدہ قائم کرے اس صورت میں کل اہل
اسلام پر اس کی اطاعت فرض ہوجائے گی۔ چنانچہ بعد از تجدید بیعت نماز جمعہ کا قیام اجرا ہر جگہ
کیا گیا اور خطبہ حضرت سیّد کے نام پڑھا گیا۔

اس موقعہ کے حالات کو ضلع ہزارہ کے پہلے بندوبست کے مہتمم انگریز میجر ولسن نے
اپنے کتاب گزیٹر ہزارہ میں ان الفاظ سے لکھا ہے جو اس کتاب کے صفحہ نمبر ۲۷۳ میں درج
ہے۔

''جب سیّد احمد اس ملک میں آگئے، تو تمام لوگوں نے اس کی امامت اور خلافت کی
بیعت اس سے کی۔ عالم جاہل، امیر فقیر سب کے سب لوگ اس کے مطیع ہوگئے۔ تب اخوند
صوات والا جو اس وقت اخوند بیکی کے نام سے معروف تھا۔ اس نے اور ملا صاحب کوٹھہ والا
نے سیّد اکبر شاہ ستھانہ والا نے بھی حاضر ہوکر بیعت امامت کرلی اور یہ سب مرید ہوگئے۔''

جب یہ اطلاعات تحریری سرداران پشاور کو پہنچیں تو سردار یار محمد خان و سردار سلطان محمد
خان و سردار پیر محمد خان حاکمان پشاور و برادران امیر دوست محمد خان امیر کابل نے بذریعہ تحریری
خطوط کے سید صاحب کی امامت پر تجدید کی اور آپ کی امامت کو قبول کیا۔ تب سیّد صاحب
نے نصب امام کے متعلق تمام لشکر و کل امراء و قبائل و سادات و اقوام سرحد بالاتفاق نصب
امامت کا احوال لکھ کر ہندوستان کو روانہ کرلیا۔ یہ خط جب ہندوستان کے علماء کو پہنچا، تو ان سب
نے بھی تجدید بیعت کو تسلیم کرلیا۔

حضرو کے شبخون کے بعد سکھوں کی فوج تین ہزار حضرو کو آئی اور موضع ہنڈ کے محاذ پر
دریائے سندھ سے پار کنارے پر آکر کھڑی ہوگئی۔ اور اپنے توپ خانہ کو عقب میں چھپا رکھا
تھا۔ سیّد صاحب نے حکم دے کر گزر کی تمام کشتیوں کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ سردار اشرف خان
زیدہ نے (جو سردار خادی خان سے ہم خاندان برادر تھے) حضور سے اجازت طلب کی کہ میں
اپنے لشکر کو لے کر مقابلہ کے لئے جاتا ہوں۔ صرف چند مجاہد ہندوستانی تبرکاً آپ ہمراہ کردے
دیں۔ حضرت نے ان کے ہمراہ کافی تعداد میں مجاہدین کردیئے۔ مگر جب یہ جمعیت اس طرف

دریا کے کنارے پر پہنچی تو سکھ فوج نے توپ خانہ سے توپ وشاہین کی گولہ باری شروع کر دی۔ سردار اشرف خان نے ہزار کوشش کی، مگر اس کی جمعیت توپ خانہ سے خوفزدہ ہو کر واپس بھاگ آئی۔

سردار کی بیجد سعی کے باوجود اس کا لشکر مقابلہ نہ کر سکا۔ مگر ہندوستانی مجاہد جو دریا کنارے پہنچ چکے تھے، نہ ٹھہرے، بلکہ کشتیوں پر سوار ہو کر پار ہو گئے اور سکھ فوج یہ جرأت دیکھ کر میدان میں نہ ٹھہر سکی، بلکہ واپس ہو کر فرار ہو گئی۔ اور جنگ ومقابلہ ہونے نہ دیا۔

نوٹ: مقولہ مشہور ہے کہ تاریخ صدیوں بعد دوبارہ واقعات کا اعادہ کرتی ہے۔ افغان سردارانِ پشاور نے مارچ ۱۸۲۷ء میں سیّد احمد علیہ الرحمہ کے مقابل رنجیت سنگھ کی دوستی کو ترجیح دی۔ اب اسی سردار سلطان محمد کے پوتے نے مسلمانوں کے مقابل ہندو حکومت ہند کو ترجیح دے کر مقابلہ ویسا ہی جاری رکھا۔

جنگ شیدو

مذکورہ بالا کل قبائل واقوام سرحدی اور جمعیت مجاہدین مہاجرین ہند کے اتفاق سے علاقہ یوسف زئی و پشاور ہشت نگر میں سیّد صاحب کا امام المسلمین وامیر المومنین شرعی قائم ہونے کے بعد جب اطلاع لاہور پہنچی تو اس پر وہاں بہت اضطراب پیدا ہوا اور آسان ترکیب یہ کی گئی کہ سیّد صاحب کو شہید کو دیا جائے تا کہ تمام سلسلہ جہاد خود بخود درہم برہم ہو جائے۔ اور سردار بدھ سنگھ نے سیّد صاحب کو ایک خط بڑے آداب والقاب سے لکھا کہ آپ اگر سچے سیّد ہیں تو اکوڑہ اور حضرو کے شبخونوں کی طرح حملوں سے کچھ نہیں بنتا، سامنے آکر میدان میں مقابلہ کریں۔ حضرت کے مکتوبات میں آپ کا جوابی خط درج ہے۔ جس میں اس کو مکمل تبلیغ اسلام کرنے کے علاوہ مذہبی آزادی قائم کر دینے کی شرط پر جنگ وجدل ختم کر دینے کی صلاح پیش کی تھی۔ اور بصورت انکار آزادی مذہبی متوکلانہ طور پر مقابلہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ جس وقت سے سردارانِ پشاور نے بذریعہ خط آپ کی امامت کی بیعت کر لی تھی، اس وقت واثق ذرائع سے حضرت کو یہ اطلاعیں لوگوں نے پہنچائی تھیں کہ سردار یار محمد خان اس نصب امامت اور تمام قبائل سرحدات کی

پروانہ وار اطاعت شعاری پر دل سے بیجد رنجیدہ ہے اور وہ ضرور کوئی نتیجہ مخالفت کا ظاہر کرے گا۔ مگر سیّد نے فرمایا کہ دلوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اگر اس کے دل میں دغا بازی ہوئی تو اس کا ثمرہ وہ ضرور پالے گا۔

مگر آنے والے واقعات سے ظاہر ہو گیا کہ سکھ دربار لاہور کے ساتھ سردار پشاور کا ساز باز پختہ ہو کر آئندہ کارروائی عمل میں آئی کہ سردارانِ پشاور معہ اپنی کل فوج کے روانہ ہو کر موضع سرمائی میں آگئے جو نوشہرہ کے قریب جگہ ہے۔ اور سیّد صاحب کو خط لکھا کہ ہم معہ اپنے لشکر کے جہاد اور آپ کی انصاریت کے لئے کمر بستہ ہو کر یہاں آگئے ہیں۔ آپ تشریف لے آئیں تا کہ مقابلہ کی جنگ شروع کی جائے۔ حضرت نے یہ خبر سن کر سردار خادی خان وسردار اشرف خان (خانانِ ہنڈ وزیدہ) سے مشورہ کر کے پانصد غازیوں کی جمعیت ہمراہ دے کر سردار پشاور کے پاس بھیج دیا۔ اور جب مذکورہ خوانین سردارانِ موصوف کے ساتھ ملاقاتی ہو کر واپس حضرت کے پاس گئے اور سرداران کے خلوص ارادہ جہاد کی خبر پہنچائی تو عین اس وقت سردار بدھ سنگھ کا مذکورہ بالا خط سیّد صاحب کو ملا جس کا مذکورہ بالا جواب دیا گیا۔

الغرض سیّد صاحب معہ کل خوانین سمہ (سمہ پشتو زبان میں مملکتِ ہمواری و میدان کو کہتے ہیں جو اس وقت ضلع مردان و ضلع پشاور پر مشتمل ہے) ولشکر مجاہدین ولشکر سردارانِ اقوامِ نوشہرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اندازاً بیس ہزار نفری فوج اسلامی معہ آٹھ ضرب توپ سردارانِ پشاور کی ہمراہ تھی جو دریائے لنڈہ سے مغرب جنوب پار کنارے مقیم تھی۔

سیّد صاحب دریا عبور کر کے اس جگہ جا کر شامل ہو گئے۔ اس دفعہ خلاف سابق سیّد صاحب کی مدارت میں سرداران نے بیجد مبالغہ کیا۔ روزانہ طعام لذیذ کے خوان اور میوہ جات انواع اقسام بھیجا کرتے تھے اور شیدہ کے میدان میں جنگ کے لئے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مجاہدین کی فوج معہ یوسف زئی سرداران سمہ کے قبائلی لشکروں کے اور معہ فوج سردارانِ پشاور کے جملہ فوج اندازاً ایک لاکھ سے ہرگز کم نہ تھی۔ جس کا اندازہ کرتے ہوئے سکھ فوج کے دل کانپ رہے تھے اور حوصلے پست ہو رہے تھے۔ اسلامی لشکر میں بڑا جوش تھا۔ طے ہو چکا کہ کل صبح جنگ ہونے والی ہے۔ اس رات کو سردار یار محمد خان والیٔ پشاور کی طرف سے مسمیان نظر محمد اور ولی محمد کشمیری قوم اور شیعہ مذہب جو سردار کے ولی معتمد و راز دار تھے۔ اور ہمیشہ سیّد

صاحب کے لئے خوراک یہی شخص لایا کرتا تھا۔ اس نے اس رات خوراک میں زہر ملا کر میں
سید صاحب کے آگے لاکر رکھدی اور اتفاق سے اس دن کا کھانا آپ نے اکیلے ہی کھایا۔ زہر
نہایت سخت قاتل تھا، مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی سید صاحب کی زندگی بچانا منظور تھی۔ رات میں آپ پ
زہر نے اثر کیا اور آپ سخت علیل ہوگئے۔ علی الصبح دونوں لشکر آپس میں میدان میں صف آراء
ہوچکے تھے۔ سردار یار محمد خان نے ایک لنگڑا ہاتھی سیّد صاحب کی سواری کے لئے بھیجا جس کا
مہاوت سمجھایا ہوا تھا۔ جب مولانا اسماعیل خیمہ میں حضرت کو اطلاع دینے داخل ہوئے کہ
جنگ اب تیار ہے، تو دیکھتے کیا ہیں کہ رات جو قے شروع ہوئے اب تک جاری ہیں۔ اور زہر
اب تک خارج ہورہا ہے۔ حضرت نے جنگ کا سُن کر فرمایا، اسی حال میں مجھے ہاتھی پر سوار کر
کے میدانِ جنگ میں پہنچادو۔ چنانچہ چند آدمیوں کے سہارے سے آپ ہاتھی پر سوار ہوکر
میدان میں پہنچادیئے گئے۔ حضرت کی علالت سے صرف چند وزارء واقف تھے اور کسی کو علم نہ
تھا۔

جنگ میدانی شروع ہوگئی۔ سمہ اور یوسف زئی سرداروں کے لشکروں نے حملے کرتے
ہوئے سکھ لشکر کے سنگروں (خاربندی) تک پہنچ گئے۔ اس وقت سردارانِ پشاور کی دُرّانی فوج
جو ایک طرف دامنِ کوہ میں بظاہر مسلمانوں کی امداد کے لئے کھڑی تھی۔ اور توپ بندوق بھی
چلاتی رہی، مگر گولی اس میں نہ ڈالتے تھے، خالی بارود سے فائر ہورہے تھے، لیکن سرداران سمہ
و یوسف زئیوں کا لشکر انتہائی خلوص کے ساتھ لڑتا ہوا سکھوں پر حملے پر حملے کررہا تھا۔ اسی اثناء
میں درانی فوج سے دو سوار نکلے اور سیدھے بلا روک ٹوک سکھ فوج میں داخل ہوگئے۔ اور
تھوڑے ہی وقفہ کے بعد وہاں سے نکل کر اپنے لشکر میں جاپہنچے۔ کسی قدر سرگوشی ہوئی اچانک
دُرّانی فوج میدان چھوڑ کر بلا سبب واپس بھاگ پڑی اور بے آرام توپ خانہ واپس کر کے
واپس چل دی۔ سمہ اور یوسف زئی سرداروں نے درّانی لشکر کو بھانپ لیا۔ اور اُن کے لشکر دُرانی
فوج کی واپسی دیکھ کر میدان میں نہ ٹھہر سکے۔ بلکہ میدان چھوڑ گئے۔ اب تمام جنگ صرف
ہندوستانیوں کے گلے پڑگئی۔ اپنی مقدور بھر انہوں نے خوب مقابلہ کیا۔ سیّد صاحب کا میدان
جنگ میں لنگڑے ہاتھی پر سوار اور اپنے مہاوت کے اختیار میں ہونا۔ درانیوں نے سکھوں کو سمجھا
دیا تھا اور مہاوت بھی ہاتھی کو ایسی طرف لے چلا تھا جہاں بجز گرفتاری کے اور نتیجہ ہی نہ تھا۔ اور

سکھ فوج نے بھی تمام گولیوں اور توپ خانہ کا نشانہ صرف ہاتھی کو ہی بنا رکھا تھا۔ اور حضرت مرض
کی شدت سے نیم بے ہوشی کی حالت میں ہاتھی پر پڑے ہوئے تھے۔

حضرت کے مشیروں نے آپ کو ہاتھی سے اُتار کر گھوڑے پر بٹھا دیا۔ اور آدمی کے
سہارے سے میدانِ جنگ سے ہٹا دیا۔ نتیجہ یہی ہونا تھا کہ میدانِ سکھوں کے ہاتھ رہا۔ لشکرِ
اسلام جو ملکیوں کا تھا، وہ تو بلا سبب تتر بتر ہوگیا اور ہندوستانی فوج قاعدہ اور طریقہ واپس و
پسپا ہوگئی۔ سیّد صاحب پر غشی کی حالت بدستور طاری تھی۔ بمشورہ سردار فتح خان رئیس پنجتار
خدو خیل سید صاحب کو موضع چنڈلی میں لے گئے اور آٹھ دن تک حضرت متواتر بیہوش رہے۔
آٹھویں دن ہوش آیا اور آپ نے گذشتہ حالات مولانا اسماعیل سے سُنے اور زہر خورانی عین
جنگ میں درانی فوج کی واپسی کا حال سن کر آپ نے حکم دیا کہ سب مجاہدین کو یکجا کریں اور
سب کو تسلی دے کر سمجھاؤ کہ جو کچھ گزرا اور میری بعض خطاؤں کا خمیازہ تھا۔ اب اللہ تعالیٰ آئندہ
فضل کریگا۔ اس لئے کہ اللہ کریم نے ان خطاؤں سے مجھے پاک کردیا ہے۔ پھر آپ نے
نہایت عاجزی سے رب العزت کی بارگاہ میں دُعا کی۔ اور چنڈلئی کے گاؤں سے آپ کو
اخوند میر مکدری میں لے گئے۔ اس جگہ نظر محمد اور ولی محمد کشمیری جن کے ہاتھوں سے آپ کو زہر
دیا گیا تھا گرفتار کرلیا گیا تھا اور ان کو آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے ان کو معاف کردیا اور
جب لوگوں نے ان کو بہر صورت قتل کرنا چاہا تو آپ نے رات کے وقت اپنے آدمی ساتھ دے
کر فرار کرادیا۔

اس واقعہ کے بعد علماء وخانان یوسف زئی وعلماء مجاہدین نے ایک فتویٰ سرداران پشاور
کے منافق ہونے پر لکھا۔ اور

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ

ان کے لئے بھی حکم قتال کا فتویٰ دیا

چملہ اور بونیر کی اقوام کا اس کے بعد حضرت کی بیعت اور اطاعت میں آنے کا ذکر

ہنڈ میں قیام اور ان ایام میں لشکر مجاہدین پر خوراک کی تنگی حد سے زیادہ تھی۔ اکثر فاقہ

رہتا تھا۔ موسم سرما بھی آ گیا تھا اور سرما کے لئے گرم کپڑے بھی نہ تھے۔ نہ خوراک نہ جامہ نہ رہائشی مکان۔ درختوں کے پتے کھاتے تھے۔ اس پر بھی مجاہد شاداں و فرحاں تھے۔ گاہے گاہے صرف ایک مٹھی جوار نی کس ملتی جسے پیس کر پانی میں جوش دے کر نمک ملا کر پی لیا کرتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے۔ سیّد صاحب نے اس حالت میں فراخی رزق مومنین کے لئے دُعا کی اور اس کے بعد آپ سمہ سے علاقہ چملہ قصبہ ناواگئی کو چلے گئے۔ (یہ مقام سیّد اکبر شاہ ستھانوی کے یک جدی برادری کا ہے) اس وطن کے لوگوں نے خوراک، جامہ وغیرہ اور ہر طرح سے غازیوں کی امداد و تواضع کی اور افغانی رواج کے مطابق جائیداد اراضی کے حساب سے مہمانوں کو آپس میں تقسیم کرلیا۔

پھر چملہ سے بونیر کو گئے۔ اور تمام بونیر کا دورہ کر کے پھر سوات کو گئے۔ یہ تمام لوگ جن علاقوں میں آپ جاتے بیعت میں داخل ہوئے۔ چملہ بونیر سوات ہر سہ پرگنہ جات سب کے سب حضرت کی بیعت سے مُشرف ہوئے۔ سوات کے علاقہ اوزئی موضع کوٹگرام میں مولوی محمد یوسف صاحب پھلتی کا انتقال ہوا۔ آپ کو جب مسجد میں یہ خبر ملی تو انا للہ پڑھ کر فرمایا دنیا بڑی مصیبت کی جگہ ہے جو یہاں سے ثابت قدم گیا وہی مراد کو پہنچا۔ پھر مولانا اسماعیل سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ یوسف جی اس لشکر کے قطب تھے۔ آج لشکر قطب سے خالی ہوگیا۔ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے ہاتھ سے قبر میں اُتارا۔

اُن دنوں ہندوستان کے قافلے سکھ حکومت سے کنارے کنارے بڑا چکر کاٹ کر سندھ، قندھار اور کابل سے ہوتے ہوئے ملک یوسف زئی میں بہت دیر سے پہنچا کرتے تھے۔ سردارانِ پشاور کی مخالفت نے اور تکلیف میں بھی اضافہ کردیا۔ اہل قافلہ کو انہوں نے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ جس کی بنا پر آپ نے سرداران مذکور کے تمام اعمال و خیالات کی تفصیل لکھ کر ایک مراسلہ امیر دوست محمد خان امیر کابل کو بھیجا جس کا بظاہر نتیجہ سرداران مذکور کی اصلاح پر منتج نظر نہیں آیا۔

چنانچہ آپ اِسی دورہ میں تھے کہ اکثر قافلے ہندوستان سے پہنچ گئے۔ جن میں مولوی قلندر اور قاضی احمد اللہ اور مولوی عبدالحئی صاحب اور میاں مقیم رامپوری کے قافلے معہ خرچ کے پہنچ گئے۔ جب مولوی عبدالحئی کے آنے کا سُنا تو ان کو لانے کے واسطے ایک منزل تک اپنا

نمائندہ خاص بھیجا۔ اور اس دورے سے ہو کر قبل از عید الضحیٰ ۱۲۴۲ھ آپ معہ لشکر مجاہدین موضع پنجتار علاقہ خدوخیل میں آگئے اور اس مقام کو اپنا مستقر (ہیڈ کوارٹر) قرار دیا۔

اس وقت لشکر مجاہدین پر بہت فراخی تھی۔ فی کس ایک ایک تاملوث غلہ روزانہ ملتا تھا۔ جس سے خوب سیری ہوجاتی۔ لوگ اپنا آٹا خود پیستے لکڑی خود لاتے اور آپس میں بڑی محبت کا گزارہ تھا۔ بڑے مخدوم زمان علماء اپنے شاگردوں اور اُمیوں کی خدمت کرتے تھے۔ نفس کشی کا عجیب نظارہ تھا۔ ایک دن مولوی الٰہی بخش صاحب رامپوری چکی پیس رہے تھے۔ سیّد صاحب ان کے ساتھ آکر بیٹھ گئے۔ اور ایک سیر سے زیادہ گیہوں اُن کے ساتھ پسوائی جب لوگ جنگل سے لکڑیاں لانے جاتے تو آپ بھی ساتھ ہو کر گٹھا اپنے سر پر لاتے تھے۔

شبخون ڈمگلہ علاقہ پکھلی

مذکورہ ایام میں جب کہ آپ پنجتار میں مقیم تھے۔ حبیب اللہ خان رئیس پکھلی نے سیّد صاحب کو عرضی لکھی کہ ایک گڑھی میں سکھوں نے حملہ کر کے میرے بیٹے کو محصور کرلیا ہے۔ آپ فوج بھیج کر اس کو رہائی دلائیں۔ اس قسم کی اور عرضیاں بھی ہر طرف سے آیا کرتیں۔ آپ نے مذکورہ مہم کے لئے مولانا اسماعیل علیہ الرحمۃ کو سردار بنا کر میاں محمد مقیم رامپوری کے ماتحت یک صد مجاہدین آمدہ رامپور کو اور کچھ تجربہ کار اشخاص کے ہمراہ پکھلی کو روانہ کیا۔ جب یہ سریہ روانہ ہوا تو سردار ہری سنگھ نلوہ ناظم چھچھ ہزارہ پکھلی کو اطلاع ہوگئی۔ اُس نے پھول سنگھ نام سردار کے ماتحت دو ہزار سکھ سپاہی دے کر استحکام کے لئے پکھلی کو بھیج دیا۔ مولوی صاحب جب موقعہ پر پہنچے، تو معلوم ہوا کہ ڈمگلہ میں دُشمن کی فوج آچکی ہے۔ مولانا نے روسا پکھلی کے ساتھ مشورہ کر کے سریہ شبخون تیار کیا۔ جس میں ایک ہزار پانسو ملکی لشکر ملکی افسر مقرر کر کے پچاس مجاہدین ہمراہ دے کر میاں مقیم کو اس تمام لشکر کا افسر بنا کر اور مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو میاں مقیم کا نائب مقرر کر کے اور شعار اس رات کا عبداللہ مقرر کر کے رات کو فوج مذکور پر حملہ کے لئے روانہ کیا۔

اس جگہ سے ڈمگلہ صرف ایک میل فاصلہ پر ہوگا، لیکن وہاں تک پہنچنے پر دیکھا کہ ڈیڑھ

ہزار ملکی لشکر میں سے صرف تین صد آدمی رہ گئے اور سب غائب اور فرار ہو گئے تھے۔ پھول سنگھ
جو دو ہزار سے زائد فوج لایا تھا۔ اُس نے ملکی وفاداروں کا قومی لشکر جمع کر کے اپنی تعداد پانچ
ہزار بنالی تھی۔

میاں مقیم صاحب سیدھے سکھ فوج کے گرد جو خار بندی بنانے کا ان کا اُصول تھا جس کو
سنگر کہتے تھے، میاں صاحب نے خار بندی کے اندر داخل ہو کر زور سے تکبیر کہی اور اس قدر
سرعت سے بندوقوں اور قرابینوں کی بھرمار شروع کی کہ سکھ نقارہ بجانا بھول گئے۔ بمشکل نقارہ
بجا اور دشمن دو صف ہو کر مقابلہ کی جنگ شروع ہوئی میاں مقیم صاحب نے معہ پچاس مجاہدوں
اور تین صد ملکیوں کے چار متواتر حملے اُن پر کئے اور سکھوں کو سنگروں سے نکال دیا۔ وہ بھاگ کر
ڈمگلہ کے گاؤں میں پہنچے، لیکن جس قدر ملکی غازی تھے وہ سکھوں کا اسباب لُوٹ کر میدان
جنگ سے علیحدہ ہو گئے۔ پھر سکھوں نے روشنی کی خاطر دو چھپروں کو آگ لگا دی۔ جب دیکھا
کہ صرف چند غازی سنگر میں کھڑے ہیں، تو فوج نے سنگر میں آنے کا ارادہ کیا۔ مولوی خیر
الدین کے مشورے سے میاں محمد مقیم سنگر سے باہر ہو کر کنارے ہو گئے۔ سکھوں نے دوبارہ سنگر
میں آ کر ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا اور یہ لوگ واپس آ گئے۔

یہ سریہ جنگ ڈمگلہ میں مصروف تھا، اور مولانا اسماعیل کو شنکیاری کے نزدیک جنگ پیش
آئی۔ اور سکھ فوج نے ایسے وقت جب کہ مجاہد اپنا کھانا پکانے میں تھے، قلعہ سے نکل کر ان پر
حملہ کیا، مگر مولوی صاحب نے دشمن کو حملہ کے لئے قلعہ سے نکلتے دیکھ لیا تھا، اور اپنے سے کمر
بندی کرالی تھی۔ جب وہ موقعۂ زد میں آئے تو آگے مولوی اسماعیل تھا۔ اُس نے آگے سے حملہ
کر کے دشمن کو شکست دیدی مگر مجاہدوں کی تعداد بہت کم تھی۔ سکھوں نے تعاقب کنندوں کی
قلت تعداد کو دیکھ لیا، وہ پلٹ پڑے اور ادھر شیر اسلام صرف بارہ غازیوں کے ہمراہ جم کر کھڑا
ہو گیا۔ دست بدست شمشیر زنی ہوتی رہی۔ صرف ان کے مقابلہ پر دشمن کے ایک سو آدمی قتل
ہوئے اور مولانا کی ایک انگلی بندوق کے بھرمار کرنے میں زخمی ہوئی، مگر آخر کار دشمن مقابلہ سے
فرار ہو گیا۔ ڈمگلہ کی جنگ میں چھ سات غازی شہید ہوئے تھے۔ اور دشمن کے تین سو مقتولوں
کی اطلاع ملی۔

رئیس پکھلی حبیب اللہ خان کا بیٹا جو قلعہ بند تھا۔ اسی رات کو صحیح سالم قلعہ بندی سے آزاد

ہو گیا۔ اور اس طور سے یہ سریہ کامیاب ہو کر پکھلی سے واپس پنجتار پہنچا۔ مولوی اسماعیل
صاحب کی عدم موجودگی میں ہندوستان سے قافلے پنجتار کو آئے تھے جس میں چھ صد مجاہد تھے
اور سید صاحب کا خواہر زادہ سید احمد علی صاحب کا قافلہ اور مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کا
قافلہ اور مولوی خرم علی صاحب بلہوری اور مولوی محمد علی صاحب رامپوری اور مولوی محبوب علی
صاحب دہلوی وغیرہ پنجتار پہنچ چکے تھے۔

مولوی محبوب علی دہلوی ایک سوختہ مزاج اور زود رنج شخص تھا۔ راستے میں صعوبات سفر
کے علاقہ مقام گنداؤ میں دُرّانیوں کی مخالفت کی وجہ سے بہت دن رُکے رہے۔ مولوی مذکور نے
لکھا تھا کہ آپ سکھ کفار کا جہاد چھوڑ کر ان مسلم کفار سے زمین پاک کریں۔

آخر کار قافلہ پنجتار پہنچا، تو مولوی محبوب علی برگشتہ تھا اور لشکر میں ہر طرح سے مخالفت کی
اور ہر بات پر اعتراض کرتے، تو سید صاحب نے امارت ہی اس کے سپرد کر دینے کی تجویز کی،
مگر وہ دراصل مخالفت کا عذر بنا کر واپسی کا خواہاں تھا، اس لئے امارات پر بھی راضی نہ ہوا۔ اور
کم دل آدمیوں کا ایک قافلہ لشکر میں سے آمادہ کر کے مولوی اسماعیل صاحب کی واپسی سے قبل
ہی ہندوستان کو معہ قافلہ واپس شدگان روانہ ہو گیا۔ اور اس کی واپسی سے اس تحریکِ ہجرت
وجہاد کو بڑا نقصان ہوا۔ قافلے اور امداد مدت تک رُکی رہی۔ مگر آخر مدت بعد مولوی محمد اسحاق
ومولوی محمد یعقوب کی سعی ہے جو معاونین جہاد تھے، یہ فتنہ محبوبی کم اور معدوم ہوا۔ انہیں ایام میں
سلیمان شاہ بادشاہ کاشغر نے جو ایک بی بی حضور کے نکاح میں لانے کے لئے بھیجی تھی، اس
سے حضور کا نکاح ہوا۔ آپ کی دختر ہاجرہ اسی بی بی سے پیدا ہوئی تھی۔ بعد واقعہ بالاکوٹ یہ
بی بی ٹونک چلی گئی اور ۱۳۰۰ھ میں انتقال کیا۔ ان ایام میں مولوی عبدالحئی صاحب کی وفات
بمقام خیر واقع ہو کر موجب انتہائی رنج والم ہوئی۔ آخری کلمہ مرحوم کی زبان پر اللّٰھم بالرفیق
الاعلیٰ تھا۔

جنگ اوتمانزئی علاقہ ہشت نگر

سید صاحب کے حالات پر مشتمل متعدد تاریخیں لکھی ہوئی ہیں۔ ایامِ حکومت کاملہ شرعیہ

میں انتظامِ وصولی عشر و زکوۃ و بیت المال کی نسبت تفصیلات ان کتابوں میں موجود ہیں ان امور کو بغرض اختصار عمداً ترک کر دیا گیا ہے۔

سردارانِ پشاور کی عداوت اور اشتعال انگیزی، سکھوں کی روز بروز بڑھتی گئی۔ پشاور کے قرب وجوار کے جو قوم میں سیّد صاحب کی بیعت امامت کر کے داخل حکومت شرعیہ اسلامیہ ہوئی تھیں۔ ان میں ریشہ دوانی اور قبضہ آوری کی کوشش علانیہ جاری کر دی۔ بلکہ ہشت نگر کا علاقہ جو سیّد صاحب کا محکوم ہو چکا تھا، اُس پر خصوصاً موضع اوتمانزی پر آ کر چار ہزار نفری فوج اور دو توپ سے قبضہ کر لیا۔

لہٰذا آپ نے تمام لشکرِ مجاہدین وخوانین مملکت یوسف زئی سمہ و بونیر چملہ وسولت ہشت نگر کے ساتھ مشورہ کیا تو ارباب بہرام خان پشاوری وارباب جمعہ خان اور تمام رؤسا وخوانین صوات بونیر وسمہ نے بہ اتفاق درانیوں کے مقابلہ کی صلاح دی۔ لہٰذا آپ نے ہندی مجاہد ایک ہزار لئے۔ باقی ملکی یوسف زئیوں کا لشکر اپنے ساتھ لے کر نصف فوج مولانا اسماعیل کے سپرد کی اور نصف اپنے ماتحت رکھ کر روانہ ہوئے۔

حضرت نے حکم دیا کہ جو شخص دُرّانی لشکر کا ہتھیار سے مقابلہ کرے اس کو مارو اور جو مقابلہ نہ کرے یا امان طلب کرے اُس کو نہ مارو جو بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کرو۔ مولانا اسماعیل صاحب میمنہ کی طرف سے رات کے وقت دُشمن کے لشکر کے نزدیک پہنچے، تو خود آگے ہو کر سواروں کو اپنے پیچھے ایک ایک کر کے آنے کا حکم دیا۔ جو دُشمن کے لشکر میں پہنچ گئے سنتری نے تین مرتبہ آواز دی اور جواب نہ پا کر فائر کیا تو مولانا جلدی سے توپ خانہ لے کر خود پہنچ گئے۔ گولہ انداز نے مہتابی روشن کی تھی کہ اس کے ہاتھ سے آپ نے لے لی۔ توپ کا رُخ دشمن کی طرف کر دیا اور چلانا شروع کر دیا۔ دوسرا گولہ انداز مزاحم ہوا جو مارا گیا۔ مجاہدین کی بھر مار سے دشمن کی فوج اس جگہ سے بھاگ گئی اور نقصان بھی دشمن کا زیادہ ہوا۔ اُدھر سید صاحب اپنے دستہ سمیت موضع اوتمان آ پہنچے اور فتح کی مبارکبادیں دی گئیں۔ دشمن اس جگہ سے بھاگ کر ایک محکم ٹیلہ پر مورچہ بنا کر بیٹھ گیا۔ جب صبح نمودار ہوئی تو نصف لشکر نے سیّد صاحب کی اقتدار میں نصف نماز ادا کی۔ پھر وہ جا کر مورچہ میں بیٹھ گئے اور باقی نصف فوج نے آ کر نصف

صلوٰۃِ خوف سید صاحب کے ساتھ ادا کی۔

صبح سے شام تک جنگ جاری رہی۔ دشمن نے شاہین اور کمک کی فوج مزید منگوالی۔ مگر اس طرف سے توپوں نے ان کے لشکر اور مورچوں کو درہم برہم کر دیا تھا، اس تمام جنگ میں سیّد صاحب کے لشکر کا ایک غازی کا بھی نقصان نہ ہوا تھا۔ ظہر وعصر کی نمازیں یکجا اور مغرب وعشاء کی نمازیں یکجا باجماعت ادا کیں۔ دشمن کی طاقت پراگندہ ہو چکی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اہل خیبر (آفریدی) جنہوں نے سیّد صاحب سے بیعت کر کے عہد وپیمان کئے ہوئے تھے، دُرّانی سے مل کر اس کے مددگار ہو گئے اور اوتمان زئی کا رئیس عالم خان بھی دُرّانیوں سے مل کر اُن کا طرفدار بن گیا۔ اس لئے سیّد صاحب نے اپنے لشکر کو دشمن کی بے خبری میں واپس کر لینا پسند کر لیا تا کہ وساری طاقت مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی میں صرف نہ ہو جائے۔ اور عالم خان کو مغالطہ دیکر کہ فوج رات کی کسی تدبیر میں مصروف ہے۔ تمام لشکر وہاں سے اُٹھا کر براہِ جلالہ اپنے محروسہ علاقہ میں واپس آ گیا۔ عالم خان کو یہ مغالطہ ہوا کہ مجاہدین شبخون ماریں گے۔ اس نے دُرانیوں کو خبر دے دی اور درانی لشکر نے خوف سے رات میں اپنی جگہ چھوڑ کر دُور چلے گئے۔ صبح اُن کو علم ہوا کہ سیّد صاحب واپس چلے گئے ہیں۔

مجاہدین کے مورچہ میں صرف ایک ہندو مسمی راجہ رام راجپوت جو مولوی احمد اللہ صاحب کے ہمراہ بسواڑہ سے جا کر شریک جہاد ہوا تھا۔ دونوں توپوں کو تمام رات چلاتا رہا۔ صبح وہ بھی نکل کر لشکر اسلام میں جا ملا۔ گاؤں والے لشکر کی روانگی سے واقف تھے، مگر حال کسی نے نہ کہا کہ وہ شبخون پر جانا سمجھتے تھے۔ اس جنگ کے بعد حضرت نے ایک خط امیر بخارا کو بمشورہ مولانا اسماعیل لکھ کر میاں نظام چشتی کو دے کر نو کس ہمراہیوں اور چند تحفہ جات کے ساتھ روانہ کیا جس میں جہاد کی ترغیب دی گئی تھی۔

اجرائے احکامِ شریعت

۵۶ شعبان ۱۲۴۴ھ ہجری میں جب کہ سیّد صاحب کو اس وطن میں آئے دو سال ہو چکے تھے۔ روز جمعہ قریباً دو ہزار علماء اور سینکڑوں خوانین ملک و ہزار ہا رعایا سادات نے اکٹھے ہو کر جملہ احکامات شریعت محمدیہ پر کاربند رہنے کا عہد کیا۔ اس بارے میں سبقت کنندہ سردار فتح

خان رئیس پنجتار تھا۔ جابجا قاضی اور محتسب مقرر کیے گئے۔ عہد کیا گیا کہ کوئی مرد عورت بے نماز
ہو۔ زکوٰۃ سب مسلمان باقاعدہ ادا کریں اور وہ بھی بیت المال میں دے دیں۔ تمام متناز
عین کے مقدمات کے فیصلے شریعت کی روشنی میں کیے جائیں۔ ملکی علماء میں سے قاضی القضاۃ
سیّد امیر صاحب معروف حضرت جی صاحب کوٹھہ یا ملا صاحب کوٹھہ کو مقرر کیا گیا۔

غلّہ کی زکوٰۃ یعنی عُشر تمام رعایا نے بطیبِ خاطر بیت المال میں جمع کرانا شروع کر دیا۔
اس وجہ سے لشکر کی تمام تکالیف رفع ہو گئیں۔ لیکن انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ اوّلین محرک قیام
امامت کا سردار خان رئیس ہنڈ اس اجرائے کل قوانین اسلامیہ پر نہایت برہم و رنجیدہ ہو گیا اور
سخت مخالف ہو گیا۔ نہ معلوم اس کو یہ امر کس وجہ سے ناپسند ہوا تھا۔ یا یہ کہ قریب تر ہونے کی وجہ
سے سکھ سلطنت اور سردارانِ پشاور کے دام کا شکار ہو گیا (میرا خیال ہے مرکز سلطنت ہنڈ سے
تبدیل ہونے پر شاید دل رنجی ہوا ہو)

آگے چل کر واقعات سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ سکھوں کے دام میں شاید آ گیا تھا اور
سردارانِ پشاور کی افغان برادری میں تحریک بھی کچھ کم اثر انداز نہ تھی۔ سکھ حکومت کے مقابلہ
میں لڑائی میں بھی کامیاب نہ ہونا، سردارانِ پشاور کے رُوبرو مقابلہ بھی آفریدی امداد آجانے
سے ہشت نگر کو چھوڑ آنا۔ افغانی طبائع میں ایک گونہ تغیّر پیدا کرنے کا موجب امور تھے اور دائی
صحبت سے دوری اور گزرگاہ عبور دریا کا مالک ہونے کی حیثیت سے سکھوں اور درانیوں دونوں
حکومتوں کا اس کو اپنانے کی کوشش ان اُمور نے اس کو خالص مذہبی رنگ پر قائم نہ رہنے دیا۔
لہٰذا اوّل المومنین رئیس اوّل الاعدا بن گیا۔

ہزارہ کے سب سے پہلے مہتمم بندوبست انگریز میجر ولسن نے اس بارے میں گزیٹر
ہزارہ کے اُردو ایڈیشن کے صفحہ ۲۸۷ پر اس مخالفت کا سبب حسبِ ذیل لکھا ہے کہ خادی خان
رئیس ہنڈ جو سب لوگوں سے پہل کر کے سیّد صاحب کو اس وطن میں لانے کا موجب ہوا تھا وہ
مخالف ہو گیا۔ اس طرح کہ ان سے سیّد کی تجویز کے برخلاف سردار ہری سنگھ کو قلعہ اٹک پر حملہ
کی تجویز کی مخبری کر دی۔ تب سردار ہری سنگھ نے اٹک پر پہنچ کر رنگ ریزوں کو قتل کرا دیا۔ جن
کے گھر سے حملہ و فتح قلعہ اٹک کے لئے جملہ سامان فراہم شدہ، اس کو مطابق اطلاع کے مل گیا۔
اخوند سوات خادی خان کا دلی دوست تھا، اس وقت وہ اس قدر مشہور انسان نہ تھا صرف

ایک عابد زاہد شخص تھا۔ خادی خان کو دوست جان کر سنا دی۔ مگر خادی خان نے وہ خبر سکھ
حکومت کے گورنر ہری سنگھ کو پہنچا دی جس نے جلدی اٹک پر پہنچ کر رنگریزوں کے گھروں سے
سیڑھیاں رسیاں وغیرہ اسباب قلعہ پر حملہ کا پا لیا اور رنگ ریزوں کو قتل کرا دیا۔ جو کوٹھہ کے ملا
صاحب کے قلعہ دار تھے۔ تب خادی خان نے علانیہ سکھوں کا طرفدار بن کر پندرہ ہزار فوج
سکھوں کے جنرل اُنٹورا کی ماتحتی میں دریا سے پار چڑھا کر اور خود ہمراہ ہو کر سیّد کے مرکز پنجتار
پر حملہ کرا دیا جس میں کامیابی نہ ہوئی۔

سکھ فوج ناکام واپس ہو گئی اور خادی خان مجاہدین کے شبخون میں قتل ہو گیا۔ اس سے
سیّد صاحب اور اخوند صاحب و ملا کوٹھہ کے درمیان مخالفت پیدا ہو گئی۔ اور اخوند سوات کو یہ ملک
چھوڑ کر گمنام ہو جانا پڑا۔ اس دن سے مجاہدین و کوٹھہ ملا کے ساتھ اخوند صاحب کی عداوت دائمی
قائم ہو گئی۔ (گزیٹر ہزارہ) مذکورہ بیان میجر ولسن کا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اکثر انگریزی
تاریخوں میں یہ درج ہے، مگر اس کی جو مفصل تشریح میں نے اپنی خاندانی روایت کے طور پر سُنی
ہے وہ حسبِ ذیل ہے کہ ملا صاحب کوٹھہ اور اخوند صاحب آپس میں ہم سبق رہے تھے اور دلی
دوست تھے۔ اخوند صاحب بیکی کے گاؤں کے قریب ایک ویران غار میں چلہ کشی کے لئے دس
بارہ سال رہا تھا۔ اور بسبب قُربِ مکانی خادی خان رئیس ہنڈ کا تعلق بھی اخوند صاحب سے
معتقدانہ تھا۔ جب سیّد صاحب نے ہنڈ میں آ کر قیام کیا اور خادی خان اُن کو اخلاص سے پشاور
کے علاقہ سے اس جگہ لے آیا، تو ملا صاحب کوٹھہ بھی سیّد صاحب کے تابعین میں قریب تر
ہو گئے اور اخوند صاحب بھی تابع امامت ہو کر اس مجلس کے مخلصین میں ایسے ہی شامل ہو گیا
جیسے خادی خان اور ملا صاحب کوٹھہ تھے۔ اور سیّد صاحب کا اعتماد بھی ان ہر دو کے نسبت یکساں
بہت زیادہ تھا۔ اتفاقاً ایام ایسے آ گئے کہ خادی خان دل سے سیّد صاحب سے برگشتہ ہو گیا۔
جس پر اخوند صاحب کو آگاہی نہ تھی۔ ایک دن صرف چار اشخاص حسبِ ذیل اکٹھے بیٹھے تھے جو
یہ تجویز پختہ کی گئی کہ قلعہ اٹک پر رات رات میں بذریعہ کشتیوں کے پار ہو کر حملہ کر کے قلعہ فتح
کر لیا جائے۔ اس مشورہ کے وقت صرف سیّد صاحب اور مولانا اسماعیل و ملا صاحب کوٹھہ
و اخوند صاحب سوات موجود تھے۔ کوٹھہ ملا صاحب کا دادا پیر اٹک کا حضرت جی صاحب تھا جو
طریقہ مجددیہ میں اپنے وقت کا پیر تھا۔ اس کے مریدوں کے سلسلے میں جو کہ کوٹھہ والے ملا

صاحب کے پیر بھائی یا اپنے مرید کوئی خاندان رنگ ریزوں کا اٹک میں تھا، ان کو مشورہ میں شریک کیا گیا اور قلعہ پر چڑھنے کے لئے رسّیاں، بانس، میخیں اور سیڑھیاں، کدالی، پھاوڑے تبر وغیرہ اسباب ان رنگریزوں کے گھر جمع کرایا گیا اور حملہ کی تجویز ہو رہی تھی کہ اخوند صاحب نے خادی خان کو اپنا اور سیّد صاحب کا بھی مخلص جان کر یہ احوال سُنا دیا، مگر اس کا دل سیّد صاحب سے پھر چکا تھا۔ اور اس کو سکھ حکومت کے دل میں یقینی اعتباری دوستی کا ثبوت اس ہاتھ آ گیا تھا۔ اور دنیوی فائدہ نے اس کو علانیہ اس طرف سے ہٹ کر دوسری طرف جانے پر آمادہ کر لیا۔ اُس نے ایک ضروری سوار ہری پور ہری سنگھ کے پاس روانہ کیا جو ایک رات میں اٹک جا پہنچا اور رنگریزوں کے گھر کی تلاشی لی، تو خان ہنڈ کے بتائے ہوئے میخ اور رسیاں، بانس اور لکڑیاں وغیرہ وہاں موجود پائیں اور انگریزوں کو اُس نے قتل کرا دیا۔

اب یہ رنگریز ملا صاحب کے تعلق دار تھے، اس لئے مذکورہ چار اشخاص میں سے خادی خان کو خبر دہندہ صرف اخوند صاحب ہی تھے جو شرم اور خجالت سے اس جگہ سے مفرور ہو کر نہ معلوم کتنی مدت تک اور کہاں کہاں چھپتا پھرتا رہا، مگر رنگریزوں کا خون رنگ لایا۔ خادی خان بھی قتل ہو گیا۔ جن کا ذکر آگے آتا ہے اور اس کے بعد اس قدر فتنے اور فساد پیدا ہوئے جن کی تفصیلات اس کتاب میں نہیں لکھی جا سکتیں۔ بلکہ آگے آنے والے واقعات مشتے از خروارے اور بے جواز انبار سے سمجھنا چاہیے کہ مسلمان علماء و قبائل و اقوام کے درمیان ایک عظیم فتنہ بن کر زمانوں تک فسادات کا سلسلہ جاری رہا، یہی کیا کم تھا کہ اسی طبقہ کے اکثر علماء اسلام باہم مخالف ہو کر قتل و غارت کا سبب بنے وہ بھی اسی سلگی ہوئی آگ کا اضافہ تھا۔

تمام حالات ذیل میں تفصیل سے آئیں گے، مگر دکھانا یہ تھا کہ جب اخوند صاحب آگے چل کر مقتدر ہو گیا، اور مجاہدین اور کوٹھہ ملا کے خلاف وہابیت کے فتوے اور نقصان رسانیاں واقع ہوئیں۔ وہ مذکورہ واقعات کی شاخیں اور فروعات تھیں۔

سردار خادی خان کی فسخ بیعت

اور جنرل انٹورا صاحب و معہ پندرہ ہزار سکھ فوج کے ساتھ سیّد کے مرکز پر حملہ

مذکورہ بالا بدعہدی جب خادی خان کی رنگریزوں کے قتلِ عام سے واضح و ظاہر ہو چکی تو خادی نے خود دربار لاہور کو درخواست لکھ کر بڑی تعداد فوج سیّد اور اُس کی جمعیت کے استیصال کے لئے طلب کی اور دربار لاہور سے ایک تجربہ کار فرانسیسی افسر جنرل انٹورا اس مہم کے لئے مقرر ہو کر معہ پندرہ ہزار فوج و توپ خانہ و شاہین و آلات جنگ کے خاص پنجتار علاقہ یاغستان مرکز سیّد صاحب پر حملہ کے لئے روانہ کیا گیا۔

جب یہ فوج مقام حضرو میں پہنچی، تو خادی خان ہنڈ سے ایک گھوڑا عمدہ اور باز اور چند شکاری کتے بطور ہدیہ ہمراہ لے کر ہنڈ سے دریا عبور کر کے جنرل موصوف کا جا کر سلامی ہوا اور اس کو بہ دلائل کثیرہ ذہن نشین کرایا کہ دراصل وہ بے ملک فقراء کی جماعت ہے۔ جن کو مہم کردۂ م رستم واستان۔ تمام سمہ میں ایک بڑا پرہ جنبہ میری طرف داری پر قائم ہے۔ سرداران پشاور ہمارے مددگار ہیں۔ فتح خان ایک جنبہ کا خان ہے جس کے مخالف میر افریق اس کے لئے کافی ہے۔ باقی سلطنتِ افغانیہ اور سکھ دربار بھی دشمن ہے، تو سیّد کی ہستی ہی کیا ہے۔ بمشکل تین ہزار فقیروں کی جماعت اس کے ساتھ ہے جو اس پندرہ ہزار فوج کی ناشتہ بھی نہیں۔ اور میں بذات خود فوج کے ہمراہ ہو کر اس کا خاتمہ چاہتا ہوں۔ دریا عبور کرانے پر بڑا زور دے کر جنرل کو تو آمادہ کیا۔ کہا تمام اہل سمہ مانند ۱۸۲۴ء سکھ دربار کی خود اطاعت بند مقابلہ مان لیں گے۔ اس پر جنرل ونٹورا نے دریا عبور کیا اور ہنڈ میں آ کر پنجتار پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

سیّد صاحب کو اس کی اطلاع ہو گئی تو پنجتار تک فوج جانے میں دونوں جانب پہاڑ ہیں اور درمیان میں درّہ ہے۔ اس درّہ کے اندر ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ تک قد آدم ایک دیوار بنوا دی جو دو ڈھائی گز لمبی ہو گی۔ اُس دیوار کے اندر جا بجا بُرج اور مورچے بھی بنا دیئے۔ دیوار کی تیاری میں مثل غزوۂ خندق سیّد صاحب اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ جب دیوار تیار ہو گئی تو قندھاریوں اور مجاہدین ہندی کو اس میں مقیم اور محکم بٹھا دیا۔

پنجتار کا گاؤں اس جگہ سے آٹھ سو، ہزار گز شمال کی طرف دُور ہے۔ مجاہدین کی تعداد اس وقت مع قندھاریوں کی نو صد تھی۔ مولانا اسماعیل نے اس وقت آیتِ بیعت رضوان پڑھ کر سنائی اور سب کو ثابت قدم رہنے کی نصیحت کی تو سب لوگوں نے حضرت سے تازہ بیعت کی اور آپ نے بھی نہایت عجز و الحاح سے دُعائے استقامت و نُصرت اللہ تعالیٰ مانگی۔ اس وقت کفار

کے لشکر کے نزدیک آ جانے کی خبر مل چکی تھی۔ سب فوج کمر بستہ آراستہ ہوئی اور سیّد صاحب مکمل جنگی لباس میں ملبوس ہو کر نہایت سنجیدگی سے فوج لے کر مدافعت و مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔

ونٹورا صاحب معہ فوج کے موضع تومالی کو پہنچ گیا اور اس کی فوج کا پیشرو مقدمہ کا حصہ دیوار مذکور تک آ پہنچا۔ سیّد صاحب کے لشکر کے اس وقت تین نشان تھے:

ایک کا نام صبغۃ اللہ تھا۔ اس پر زرد ریشم سے نہایت جلی خوشخط ومن یرغب عن ملۃ ابراہیم الا من سفہ نفسہٗ۔ پارہ کے آخر تک لکھا ہوا تھا۔ یہ نشان دادا ابوالحسن نصیر آبادی کے پاس تھا۔

دوئم نشان کا نام مطیع اللہ تھا۔ جس پر سورۃ بقرۃ کا آخری رُکوع لکھا ہوا تھا۔ یہ نشان ابراہیم کے پاس تھا۔

تیسرا نشان فتح اللہ تھا جس پر سورۂ صف کا آخری رُکوع لکھا ہوا تھا۔ یہ نشان محمد نام ایک عرب کے پاس تھا۔

سیّد صاحب نے لشکرِ اسلام کے سوار و پیادہ کو نہایت قرینہ سے لے کر پنجتار سے روانہ ہوئے۔ عین اس وقت انٹورا صاحب دُوربین سے دیکھ رہے تھے، تو اس نے خادی خان کو اپنے نزدیک بلا کر نہایت غُصّہ سے کہا کہ تم نے ہم کو دھوکہ دیا کہ تم کہتے تھے وہ قلیل التعداد ہیں۔ اب دیکھو کہ میلوں تک میدان و پہاڑ مجاہدین سے بھرے ہوئے ہیں۔ (واذ راکھُم کثیرًا) جنرل کی نگاہوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ فوج اس قدر کثیر کر دکھلائی کہ اس کا دل اس کو دیکھ کر ٹوٹ چکا تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ عربی کی برکت سے اس کو کثیر کر دکھلائی۔ مگر جنرل مہاراجہ کے خوف سے آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ اس کے پیش رو جمعیت دیوار مذکور سے جا ٹکرائی۔ سیّد صاحب نے مرزا احمد بیگ کی اطلاع دہی پر کہ دشمن دیوار تک پہنچ آیا ہے۔ مرزا حسین بیگ گولہ انداز کو شاہین چلانے کا حکم دیا۔ دیوار تک پہنچے ہوئے سکھ سپاہی کچھ مارے گئے۔

اِدھر سے جنرل سیّد کے لشکر کی باوقار آمد کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس نے اپنی فوج کو بلا مقابلہ واپسی کا حکم دیا۔ غازیوں نے اس درّہ کے آخری سرے تک سکھ فوج کا تعاقب کیا۔ اور بھاگتے دشمنوں کے بے حساب قتل کیا۔

سیّد صاحب نے اس خداوندی نُصرت پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا ادھر ونٹورا کے دل پر کچھ اس قدر ہیبت اور خوف مسلط ہوا کہ وہ بلا توقف دریائے سندھ عبور کر کے سیدھا لاہور جا پہنچا۔ مگر خادی خان پر افسوس ہے کہ بدعہدی کر کے خالی میدان میں رہ گیا پھر بھی اس کو بڑا ناز اور غرور سردارانِ پشاور پر تھا۔

شبخون مولانا اسماعیل بر قلعہ ہنڈ

مُورخوں نے پیش آمدہ حالات کے تحت جس قدر مقامِ افسوس کا تھا، اس قدر تاسف نہیں کیا کہ جس خادی خان نے کمال اخلاص وسعی سے سیّد صاحب کو علاقہ پشاور سے اپنے گھر لا کر نصب امام شرعی کا عمل سب سے اوّل کرایا اور کہا تھا آخر ازلی کم نصیبی کے کرشمے ہیں کہ وہی اوّل دُشمن بن گیا اور پنجتار میں اس کے خلاف فتویٰ معیت اعلانیہ کفار کا لکھا گیا۔

بیعتِ امامت کر کے اس کی تنسیخ کے علاوہ مسلمانوں کے ملک پر اور امام پر بذات خود ہمراہ کر فوجِ کفار کو چڑھا لایا۔ اس لشکرِ کفار نے مسلمانوں کے ملک کے تمام راستہ کے گاؤں مسجد میں حسبِ قاعدہ جلا دیں۔ جن میں سینکڑوں قرآن مجید بھی نذرِ آتش ہو گئے۔ اس لئے جو فتویٰ اس پر ثابت ہو چکا تھا، اس کی وضاحت کرنے کے باوجود تحریر میں اس کو ترغیب دی گئی کہ اب قتال جاری ہے۔ اس قدر علانیہ بدخواہی کی نسبت قطعی فیصلہ ناگزیر ہے۔ لہٰذا اُس کو لکھا کہ دنیا چند روزہ ہے اور دارالآخرت ابدی ہے۔ وہ اپنے سابقہ عمل سے تائب ہو کر پھر اپنے بھائیوں اور اسلام کے یک جان و یک دل ہو سکتا ہے۔ صرف اس کی پشیمانی اور گذشتہ ارادہ سے واپسی کی ضرورت ہے، مگر افسوس ہے کہ اُس کو افغانیت کی ضد اور غیوری نے اور سردارانِ پشاور کی طرفداری کے سہارے نے اپنی ضد پر قائم رکھا اور مکتوب ترغیبانہ کا جواب غرور و نخوت سے دیا کہ وہ فقراء امراء کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

بالخصوص مجھ پر اس واقعہ کی نسبت بہت دردناک اثر افسوس ہوا ہے اس لئے کہ قطع نظر اس کے کہ یہ خان نہایت عالی خاندان سے تھا اور نہایت نیک عمل مخلصانہ مومنانہ کر چکا تھا۔ یہ شخص بہادر غیور جسور بھی تھا۔ جس کی نسبت ایسے انجام پر افسوس ہے، مگر مسلّم ہے کہ مقدرات

ایک زبردست قوت اور طاقت ہے کہ اتنا بڑا عظیم نیک عمل کرنے والا بھی علانیہ کفار کا جنگی طرفدار بن کر ایسے انجام پر خاتمہ ہوتا ہے۔ بہر حال ہر مسلمان کو انجام کا خوف اور خاتمہ بالخیر کی آرزو سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ (عبدالجبار شاہ)

جو شبخون ہنڈ کے واسطے تیار ہوا اُس کی سرداری شیر اسلام مولانا اسماعیل شہید کے سپرد کی گئی۔ اس جگہ تاریخوں کا اتفاق اس پر ہے کہ مولانا صاحب کے ہمراہ سات سو مجاہدین کا لشکر پنجتار سے سیدھا چٹیل غیر آباد بیابان کے راستے روانہ ہو کر گڑھی امان زئی کے راستے موضع ترکئی میں جا مقیم ہوا اور خادی خان کو بھی شبخون کی روانگی کی خبر ہو گئی۔ مگر اس کو اپنے قلعہ کے استحکام اور اپنی قوتِ بازو و امدادِ سکھاں و سردارانِ پشاور پر غرور تھا۔ مگر جو خبر میں نے اس شبخون کی جمعیت میں شریک خود ثقہ داری بابا بہرام خان رئیس کھارن صاحب خانی تنولی سے سُنی ہے وہ یہ ہے کہ دو صد مٹی کی ٹکیاں برتن ساز سے بنوا کر برتن کی مانند پکوالیں اور آپ نے صرف دو صد چیدہ مجاہد لے کر فی مجاہد ایک بنک پانی سے بھری ہوئی سُپرد کی۔ کیونکہ تیس چالیس میل کے بیابان بے آب میں انہوں نے چکر کاٹ کر ہنڈ کو جہانگیرہ سے ہو کر دریائے سندھ کے کنارے کنارے اٹک کی جانب سے آکر ہنڈ پہنچا تھا۔ پنجتار ہنڈ سے پندرہ میل اندازاً شمال کو ہے اور ہنڈ سے مغرب میں بے آب و گیاہ بیاباں پچیس در پچیس میل وسیع ہے۔ اس بیابان کے مغربی گوشے میں سے یہ جمعیت گزر کر ہنڈ سے جنوب دور پندرہ سولہ میل جنوب جا کر دریا کے کنارے کنارے دوسری صبح وقتِ نماز پہنچی اور بہرام خان بابا کہتا تھا کہ باقی ہمراہی مولانا کے ہمراہ نہ پہنچ سکے تھے راستے میں رہتے گئے جو رفتہ رفتہ بعد میں پہنچتے رہے، مگر پہلے صرف ہنڈ تک اسی مجاہدین ہمراہ مولانا پہنچے تھے جن میں بہرام خان بابا خود شامل تھا۔ دونوں روایتوں کا توافق یوں ہوسکتا ہے کہ یہ دو صد کی جمعیت تو مذکورہ طریق پر مغالطہ دے کر چکر کاٹ کر بے خبرانہ سر جا پہنچی ہو اور پانصد کی نفری موضع ترکئی میں بھیج دی ہو جو معاً اس جمعیت کے درپے ہنڈ پہنچائی گئی ہو۔

الغرض، جب ہنڈ کے قلعہ کے متصل یہ لوگ پہنچے، تو قلعہ کے دروازے ابھی تک نہ کُھلے تھے، یہ باہر چُھپ رہے۔ یہ ۱۰صفر۱۲۴۵ء ہجری کی تاریخ تھی۔ مولوی صاحب نے ۲۵ قرابین بھیجے تاکہ جس وقت دروازہ قلعہ کا کُھلے یہ لوگ حملہ کر کے دروازہ پر قبضہ کرلیں۔ اہلِ مقابلہ کو

قرابینوں سے اُڑا دیں اور بھاگنے والوں یا عدم مقابلہ والوں سے تعرض نہ کریں۔ ایسا ہی ہوا۔ جب دہقانوں نے ہل جوتنے کے خیال سے سویرے دروازہ کھلوایا قلعہ کے دروازے پر قبضہ ہوتے ہی مولانا صاحب فی الفور پہنچ گئے۔ قلعہ پر قبضہ کرلیا گیا۔ خادی خان لوگوں کو مقابلے پر آمادہ کرتا ہوا گھوڑے پر سوار آرہا تھا کہ قرابینوں سے مارا گیا۔

شہر کے لوگوں کے مال اسباب سے مولوی صاحب نے کوئی تعرض نہ کیا بجز اسلحہ و اونٹ گھوڑوں کے۔ اور نمازِ جنازہ بھی ان پر نہ پڑھی، مگر وطنی ملاؤں نے رات کے وقت اس کا جنازہ کر کے دفن کردیا۔

جنگ ہنڈ

جس کو مورخوں نے جنگ زیدہ کے نام سے لکھا ہے

افغانی ملکوں میں ہر جگہ شدت سے دو جنبہ لوگ اپنی اپنی طرفدار جنبہ داری کی امداد لازمی طور پر کرنے کے عادی، بلکہ اس پر مجبور ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا خادی خان کے قتل ہونے سے تمام ملک سمہ کا ایک پہر یا نصف ملک کے لوگ مجاہدین کے سخت مخالف و دُشمن ہوگئے۔ اس وجہ سے مجاہدین کے تنہا آدمی کے لئے اس ملک میں نقل و حرکت مشکل ہوگئی۔

بدامنی کے حالات سن کر خود سیّد صاحب، سردار فتح خان پنجتاری رئیس و دیگر رؤساء ملک کو ہمراہ لے کر زیدہ کو آگئے جو ہنڈ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ امیر خان برادر خادی خان سیّد صاحب کو بھی صلح اور اطاعت کے پیغامات بھیجتا رہا کہ میں قوانینِ شریعت کا پابند اور آپ کا پکا مطیع ہوں۔ ہنڈ کا قلعہ مجھ کو سپرد کر دیجیے، مگر مولوی صاحب نے یہ بات منظور نہ ہونے دی۔ اور پھر امیر خان نے سردار یار محمد خان والی پشاور کو بارہ ہزار روپیہ نقد خرچہ فوج پیش کرنے کے علاوہ مملکت سمہ کی بنی بنائی حکومت اُس کو معہ نصف پرہ داران گُل ملک بطیب خاطر سپرد کر دینے کے ایسے سبز باغ دکھائے کہ اُس نے فی الفور اپنی فوج کے چند سرداروں کے ہمراہ تین صد سوار سپاہی موضع ہریانہ میں امیر خان کے پاس حفاظت کے لئے بھیج دیئے۔ اور مجاہدین کی ٹولیوں سے امیر خان کے متعدد جھڑپیں ہوتی رہیں اور غازیوں کی بھرمار کا تماشہ

کابلی لوگ دیکھتے رہے، مگر خود شریکِ جنگ نہ ہوئے تھے۔ سردار یار محمد کے چھوٹے بھائی کو نہایت وضاحت سے سیّد کے مقابلے سے روکا کہ جس مقابلہ سے ونٹورا صاحب جیسا فرنگی جرنیل واپس ہوگیا ہے، اس سے لڑنا قرین مصلحت نہیں کس قدر بدنامی اُٹھا کر بلا مقابلہ ونٹورا واپس ہوا۔ اس کے اوپر پشاور سے چڑھ کر جانا ہرگز مناسب نہیں، مگر مقدر کی رسی انسان کو کشاں کشاں مقررہ جگہ ضرور لے جاتی ہے۔ سردار منع نہ ہوا۔ چھ ضرب توپ دو ہاتھی اور لشکر عظیم جس کی تعداد بارہ ہزار بتلائی گئی ہے ہمراہ لے کر خود پشاور سے چل کر ہریانہ میں آپہنچا۔ اور توپیں سر کر کے تمام اہلِ سمہ کو ہیبت میں ڈال دیا۔ جو لوگ ملک میں خادی خان کے طرفدار تھے، وہ مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور جو سیّد صاحب کے وفادار تھے، وہ افغانستان کی سلطنت کے بھائیوں کی فوج حملہ آور دیکھ کر خوفزدہ اور مجاہدین کی امداد سے دست کش ہوگئے۔ بجز فتح خان رئیس پنجتار اور ارسلان خان ولد اشرف خان رئیس زیدہ کے اور کوئی بھی کمر بستہ ہو کر مجاہدین کا ساتھی نہ ہوا۔ البتہ ہر دو مذکورہ رؤسا مع اپنی ماتحت فوج کے مجاہدین میں شامل تھے۔

سیّد صاحب نے مولانا مظہر علی عظیم آبادی کو دو صد مجاہدوں کے ہمراہ قلعہ ہنڈ میں بٹھا کر مولانا اسماعیل کو زیدہ میں طلب کر لیا۔ ایک دفعہ ہنڈ کے نزدیک درانی دستہ توپ لگانے گیا تھا، مگر مولوی صاحب نے ان کو مار بھگایا۔ ہنڈ کے قلعہ پر ۱۰۔ صفر ۱۲۴۵ھ ہجری کو قبضہ ہوا تھا۔ اس کے ۳۵ دن بعد اب ۱۵ ربیع الاوّل ۱۲۴۵ء ہجری بروز دوشنبہ لشکر سردار یار محمد خان معہ کل سامان حرب و ضرب مقابل زیدہ پہنچ گیا۔ یہ تو تاریخی روایت ہے۔ بابا بہرام خان خود قلعہ ہنڈ میں موجود تھا، وہ مجھ سے بیان کرتا ہے کہ فوج ہریانہ سے اُٹھ کر ہنڈ کے قلعہ کے نزدیک زیدہ کے راستے آ کر خیمہ زن ہوگئی تا کہ قلعہ کو بھی توپ سے فتح کیا جائے اور سیّد کا لشکر اگر زیدہ سے آئے تو اُس سے بھی مقابلہ کیا جائے۔ جگہ اور مورچے پکانے تک سیّد صاحب کے پیغامات صلاحیت کو ٹال مٹول کرتے رہے، مگر شام کو سردار درانی نے حکم دیا کہ اب سیّد صاحب کا پیغام جو قاصد لائے اس کا سر قلم کر دو۔ اس پر اسی رات میں سید صاحب و مولوی صاحب نے مشورہ کر کے ایک شبخون مولوی صاحب کی ماتحتی میں تیار کیا گیا۔ اس قدر تیزی کی گئی کہ درانیوں کا مخبر قاصد اور یہ حملہ آور شبخون لشکر گاہ درانی میں یکجا پہنچے۔ ملکی لشکر تو منتشر ہو چکا تھا۔ مولوی صاحب کے ہمراہ اس وقت چھ صد مجاہد تھے۔ اور سیّد صاحب کے پاس صرف تین صد مجاہد رہ

گئے اور سردار فتح خان اور ارسلان خان، خان زیدہ کے اپنے آدمی رہ گئے تھے مولوی صاحب اپنے ساتھیوں کو رفتار کی وضع اور حملہ و جنگ کی ترکیب بطور سبق سمجھا کر روانہ ہوگئے۔ ہندوستانی قرابینوں اور بندوقچیوں کی ایک جماعت بنا کر ان کو آگے کیا۔ راستے میں دشمن کے طلایہ کے یک صد سواروں نے ان کو جو پیدل تھے دیکھ لیا۔ وہ واپس لشکر میں خبر دیتے روانہ ہوئے، مگر بندوقچیوں نے تیز کامی کر کے ان کو پہنچ کر اور زور دار تکبیر کہہ کر ایک باڑھ ماری جس سے ان کے کافی آدمی مارے گئے۔ باقی بھاگ کر لشکر میں پہنچے اور لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ توپ خانہ میں مہتابی روشن کی اور توپوں کا رُخ ادھر کر کے باڑھ مارنے کو تھے کہ مجاہدین زمین پر لیٹ گئے۔ وہ باڑھ تو خالی گیا دوبارہ توپوں کو بھرنے نہ پائے تھے کہ مجاہدین نے حملہ کر کے توپوں پر قبضہ کر لیا۔ قرابینوں کا باڑھ مار کر ملازمان توپ خانہ کو مار ہٹایا تو توپ خانے کا رُخ لشکر درانی کی طرف پھیر کر مجاہدین نے گولہ باری شروع کر دی۔ بندوقوں اور قرابینوں سے بھی فوج پر آگ برسا دی۔ اسی کیفیت سے دشمن کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی۔ دشمن کے گولہ انداز اکثر گرفتار ہوئے اور اُن میں سے توپوں اور شاہینوں سے متواتر گولہ باری کی اور تمام لشکر گاہ پر مجاہدین کا قبضہ ہوگیا۔

پلاؤ کی پکی ہوئی دیگیں فی کس مجاہدوں کو مل گئیں۔ دو تین جوان عورتیں بھی سرداروں کے خیموں سے ملیں جن کو رُخصت کرا دیا گیا۔ دشمن کو ایسی بُری شکست ہوئی کہ ساز و سامان کا ایک تنکا بھی ساتھ نہ لے جا سکے۔ بلکہ جوتے اس قدر پڑے رہ گئے کہ شاید ہی کوئی خوش قسمت جوتی پہن سکا ہوگا۔ ورنہ سب کے جوتے بھی میدان میں پڑے رہ گئے۔ سردار یار محمد خان کی ران توپ کا گولہ لگنے سے زخمی ہوگئی اور زخم کو اپنی چادر سے باندھ کر ایک جان نثار نوکر کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان سے نکل بھاگا۔ راستے میں موضع ڈوڈیرا اور ہریانہ کے درمیان زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ وہ ملکی لوگ جو خادی خان کے وفادار تھے توپ شاہین کی آوازیں سن کر نقارے بجا کر کمر بستہ ہو کر اس اُمید پر آئے تھے کہ درانی لشکر نے حملہ کر دیا ہے۔ جب نزدیک پہنچے تو مجاہدین نے باڑھوں سے آگے سے ان کی تواضع کی۔

بہرام خان بابا کہتا تھا کہ ہم لوگ قلعہ ہنڈ میں اہل ہنڈ کے محاصرے میں تھے۔ سب لوگ ہمارے خلاف کمر بستہ تھے، مگر صبح کی روشنی میں ہم نے خیموں کا ایک شہر ویران افتادہ

مُردوں، زخمیوں، گھوڑوں، خچروں اور مال واسباب سے بھرا پڑا دیکھا۔ اور ملکی لوگوں نے پہنچ کر لوٹ مار شروع کردی۔

اس فتح کی خبر پاکر سیّد صاحب نے سجدہ شکر ادا کیا اور دوسرے دن پنجتار کو روانہ ہوگئے۔ مجاہدین نے بغیر اسلحہ و گھوڑے، خچر اونٹ و توپ خانہ کے اور کسی شے کو ہاتھ نہ لگایا، مگر ملکی لوگوں نے خوب سیر ہوکر ایک وسیع بازار مال غنیمت کا لوٹا اور اپنے گھر بھر لئے۔

درانی مقتولوں کی تعداد تین صد کچھ کم وبیش تھی جن میں چند ایک نامی سردار بھی تھے۔ مجاہدین کے چار شہید اور سات زخمی ہوئے تھے۔ توپ خانہ میں آٹھ توپیں ملیں جن میں سے پانچ پنجتار لے گئے۔ تین توپیں ستھانہ کے سادات کو دے دیں۔ سیّد صاحب نے پنجتار پہنچ کر لوٹ اور غارت گری پر اور اس کی قباحت کے تجربہ پر مؤثر وعظ فرمایا جس کی تاثیر سے ملکیوں نے متاثر ہوکر ڈیڑھ سو گھوڑے اور بہت سے خیمے وغیرہ مال غنیمت میں حاضر کئے۔ جس میں سے خمس نکال کر باقی غنیمت پر دو حصہ اور پیادہ سپاہی پر ایک حصہ کے حساب سے تقسیم کردی۔ مولوی مظہر علی قلعہ ہنڈ کی سرداری پر تھے۔ انہوں نے امیر خان برادر خادی خان اور ان کے جنگ شریک علانیہ طرفداروں پر حملہ آور ہوکر ان کے قلعوں سے جو اسباب غنیمت میں آیا اس کو بھی مذکورہ تجویز شرعی کے مطابق غازیوں میں خمس نکال کر تقسیم کردیا گیا۔

سردار سلطان محمد خان والی پشاور نے اپنے دو گھوڑے جن کے نام لیلیٰ و مروارید تھے اور جن کو مدت سے مہاراجہ رنجیت سنگھ ان سے طلب کرتا رہا تھا مگر انہوں نے نہ دیئے تھے۔ سکھ حکومت کے قواعد کی رُو سے گھوڑا ان کو پیش کرنا اطاعت پذیری کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ بطور ہدیہ یہ گھوڑے دربار لاہور کو بھیج دیئے اور مہاراجہ سے مجاہدین کے خلاف امداد طلب کی۔ اس لئے کہ سردار موصوف کو اس وجہ سے خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ اہل پشاور و مضافاتِ پشاور نے سیّد صاحب کو نہایت زور شور سے عرائض لکھ کر توجہ دلائی تھی کہ وہ ضلع و شہر پشاور پر آکر قبضہ کرکے لوگوں کو دُرّانی ظالمانہ حکومت سے رہائی دلادیں تاکہ ہندوستانی قافلوں کی راستوں کی بندش اور تکالیف کا بھی خاتمہ ہوجائے۔

اگر اس وقت سیّد صاحب چاہتے تو فی الواقعہ نہایت آسانی سے پشاور کی مملکت پر وہ قابض ہوسکتے تھے۔ مگر آپ نے بغیر اعلام نامہ کے جانا پسند نہ کیا اور جملہ علماء رؤساء باشندگان

پشاور و مضافات کو ایک مفصل اعلام نامہ لکھ کر روانہ کیا اور سردار سلطان محمد خان کے نام جدا لکھا جو طویل مضمون پر مشتمل تھے۔

جنگ ہنڈ یا جنگ زیدہ جس میں سردار یار محمد خان پشاور سے چند ہزار سوار پیادہ فوج کے ساتھ سیّد صاحب کے خلاف معہ توپوں سواروں پیدلوں کے چڑھائی کرکے آیا تھا۔ ہنڈ کے قلعہ کے متصل مولوی اسماعیل کے شبخون کے مقابلہ میں مقتول ہوگیا، اس کا لشکر تباہ و تاخت و تاراج ہوگیا۔ اس پر اس عہد کے پشاور کے پشتو شاعر نورالدین نے چار بیت لکھے جن سے اصل حالات کسی قدر معلوم ہوجاتے ہیں۔

یہ واقعہ اسلامی نکتہ نگاہ سے تو نہایت مکروہ عمل ہے، مگر واللہ اعلم سردارانِ پشاور کو کس وجہ سے مجاہدین کی مخالفت پسند آئی کہ پہلے تو جنگ شیدو کا حال جو لکھا جاچکا اس میں مخالفت مجاہدین و سیّد کا اعلان کو بیٹھے اور جب مملکت یوسف زئی مجاہدین کی شرعی حکومت قائم ہوچکی تو خادی خان رئیس ہنڈ اطاعت و بیعت امام کرنے کے باوجود سکھوں سے مل گیا۔ اور دوبارہ سیّد کو تباہی کے لئے فوجیں لے کر آیا اور ہر بار شکست خوردہ ہوکر بے نیل و مرام واپس ہوا، تو سیّد صاحب نے کامل اتمامِ حجت کرلینے کے بعد مولانا اسماعیل کا شبخون بھیج کر ہنڈ کا قلعہ لے لیا۔ خادی خان مقتول ہوگیا تو موصوف کا حقیقی بھائی امیر خان مقیم موضع ہریانہ پشاور جا پہنچا اور سردار یار محمد خان آٹھ توپوں کا توپ خانہ اور زنبورے وغیرہ سامان جنگ لے کر خود چند ہزار سوار پیادہ فوج سے ہنڈ کر آپہنچا، اس واقعہ کو پشتو چار بتیہ میں نورالدین شاعر پشتو پشاور نے یوں بیان کیا ہے۔

راغے امیر خان سردارہ دربہ کرمہ زر — لما سرہ روان شہ یوسف زونہ برابر

امیر خان نے آکر عرض کی اے سردار خرچہ جنگ میں دیتا ہوں میرے ساتھ یوسف زئی پرگنہ کو جاو، حملہ آور ہوکر

سید رانہ ملک واغست رالہ وہ کبہ دفتر — زر پاسہ روانیکی ستی مکوہ سردارہ

سیّد نے مجھ سے ملک لے لیا ہے میری املاک واپس دلا دو جلد روانہ ہو چلو، سستی نہ کرو اے سردار

روان شہ یار محمد سید اُہاسی لہ پنحتارہ

چل پڑا یار محمد اور سیّد کو پنجتار سے بھی نکال رہا ہے

سردار بل وطن به درله وه کتم امیره   لاسو نه می له تاسره راخکلی دی په بزکیه

سردار نے کہا وطن تیرا تجھ کو حاصل کرادونگا اے امیر خان ہاتھ میں تیرے ساتھ وعدہ کر کے داڑھی پر پھیرا ہے

ثانثه په ده سید کرمه ده ځنده هوا کیره   په محکبنس پیش خانه حباله کوچ کومله خاره

پودہ سید کا ہنڈ سے اُکھاڑ پھینکونگا اُڑادوں گا آگے آگے پیش خانہ چلا دیا ہے کل صبح شہر پشاور سے کوچ کررہا ہوں

روان شه یار محمد سید اوباسی له پنجتاره

روانہ ہوگیا یار محمد (اس ارادہ) کو سید کو پنجتار سے بھی نکال دے

روان شه یار محمد ده امیر خان سره یارانو   توپونه تله په کادو زنبورك په شترانو

روانہ ہوگیا یار محمد امیر خان کے ساتھ اے دوستو توپیں گاڑیوں پر بار تھیں اور زنبورک اونٹوں پر لدے ہوئے تھے

په شاد خرا کے وُدبو تولے ده سردارانو   دیره شه په نوخار سترگی ی سرے وے له خماره

گرداگرد اس کے ایک جمعیت سردارانِ کابل کی ہمراہ تھی دیرہ کیا اُس نے پہلے دنوں نوشہرہ میں غصے سے اس کی آنکھیں لال تھیں

روان شه یار محمد سید اُباسی له پنجتاره

روانہ شہ ہو چکا یار محمد اس ارادہ سے کہ سیّد کو پنجتار سے بھی نکال دے

سردار یوسف زوسره معاوے کرے خبرے   پټ پټ سره جرگے قصے ئي واودیدے حاضرنے

نوشہرہ پہنچ کر سردار نے قبائل یوسف زئی کے ساتھ معلوم کر کے بات چیت کرلی در پر خفیہ مشورے باہم دیگر پختہ کرلئے

یوسف زوورته ویل سید کزل خانه لرے   چاؤنی په سنکرو کلهی هی جه شوه قلاره

یوسف زئیوں نے جواباً سردار کو کہا ہم وطن سے سردار کو ہٹا دیں گے حملہ شبخونی ان کے مورچوں پر تم کرورات اندھیر میں

روان شد یار محمد سید اُباسی له پنجتاره

چل پڑا یار محمد اس لئے کہ سیّد کو پنجتار سے نکال دے

بیابل به پیدائشی یارے محمد غوند سردار   ده روز که بدوه کاده هر چاوه اعتبار

پھر دوبارہ دنیا میں پیدا نہ ہوسکے گا یار محمد جیسا غیور سردار امیر خان کے بھائی کا انتقام ضرور لے گا اس پر ہر کسی کو اعتبار تھا

خزان پرے باند راغی شه زمکدتار پتار   رازی په دوست محمد پسے رحمدل له قندهاره

اس پر خزاں کا جھونکا آگیا اور وہ زمین پر پتے پتے ہوکر برباد ہوگیا اب اُسکے انتقام کے لئے امیر دوست محمد کو غیرت دلانے سردار رحمدل قندھار سے

روان شه یار محمد سید اُباسی له پنجتاره

روانہ ہوگیا یار محمد تا کہ سیّد کو پنجتار سے ملک بدر کرے

قاصد ئی وه لیره ده پیر محمد پسے له وخته   رادومه په جلدی خبره پنجه سوله سخته

قاصد اس نے بھیج دیا سردار پیر محمد کے پیچھے جلدی سے دوڑ کر جلدی آجاؤ حادثہ بہت شدید پیش آگیا ہے

تاوبگی یار محمد لکه ده سرو گلو نو لخته

پیچ وتاب کہاں میں سرخ گلاب کی پتیوں کی مانند یار محمد

تواریخ بخارائے احمدی میں متعدد جگہ درج ہیں۔ صرف ایک فقرہ قابل ذکر ہے۔

"نہ با کے از امراء اسلام منازعت داریم ونہ با کے از روسا سر لیمین مخالفت با کفار مقابلہ واریم نہ بامدعیان اسلام فقط باور از مویان جویان مقابلہ ایم نہ

بہ ایام جنگ زیدہ مولوی نظام الدین چشتی صاحب بخارا کی سفارت سے واپس آئے اور واپسی پر انہوں نے حضرت کی مراسلت بادشاہ کاشغر کو دکھلائی اور حاکم فیض آباد کو اور محمد مراد بیگ حاکم قندھار کو بھی دکھلائی تھی جس سے وہ لوگ بے حد متاثر ہو کر آمادہ جہاد ہوگئے تھے۔ (مگر سلطنت افغانستان کے شاہی خاندان کی دشمنی سکھ حکومت سے بھی بڑی مصیبت گلے پڑ چکی تھی) امیر بخارا نے مراسلات پہنچنے پر شادیانے بجوائے تھے اور ہر طرح امداد پر آمادہ تھا۔ مگر اس کے وزراء وامراء نے یہ شبہ ڈال دیا کہ یہ سفارت دراصل سیّد صاحب کی طرف سے نہیں ہے، بلکہ نصرانی انگریزی حکومت کی طرف سے ہے اور بعض خاص اغراض کے ماتحت

سفارت کے بہانہ پر جمعیت بھجوائی ہوئی ہے اور کہ ان کو جلد سے جلد رُخصت کر دینا مناسب ہے۔

اس پر بادشاہ بخارا نے بطور ہدیہ ایک اسپ ترکی دو عمدہ یابو اور کسی قدر دینار زرِ سرخ معہ جواب نامہ دے کر رُخصت کر دیا۔ ان ہی ایام میں عبدالحمید نام رسالدار رام پور سے آیا جس کو حضور نے بھی اپنا رسالدار بنا کر چند سوار ہمراہ دے کر حسب طلب خان زبان خان رئیس کھوی وکنگر اسکی طرف روانہ کیا جس کے ہمراہ کچھ پیادے اور چند شاہینیں بھی دی تھی۔

سیّد کو ہی تکلیف وایذا پہنچائی۔ گو آخر میں سب کو ہی سزا ملی، مگر اسلام کو مجموعی فائدہ اور عظیم الشان فائدہ اپنے ہاتھوں امراء کابل نے اور قبائل سمہ وغیرہ نے ضائع کر دیا۔ اس عاجزانہ خط کا جواب خانِ امب نے دیا کہ اس راستہ پر مت آؤ، اگر آتے ہو تو خوب سامانِ جنگ سے آراستہ اور باخبر ہو کر آؤ۔ اب ہزارہ کی طرف سے راستہ بند تھا اور کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ سکھوں سے ہمیشہ پائندہ خان برسرپیکار رہا تھا۔ اور درانی سردار یار محمد خان جو سیّد کے مقابلہ میں مقتول ہوا اس کے حقیقی بڑے بھائی سردار عظیم خان نے نواب پائندہ خان والی امب کے والد نواب خان کو دریا میں غرق کیا تھا۔ گویا ہر دو حکومتیں دشمن تھیں اور یہ خود پائندہ خان کی بھی دشمن تھیں۔ پائندہ خان اب سیّد کی بیعت ومریدی بھی کر چکا تھا۔ سیّد کو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ مسافر راہ اور مجاہدوں کو روک کر اعلانِ جنگ تحریری دے گا، مگر شیطان دشمن نیکی ودشمن عمل صالح انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ عجیب عجیب ناپسندیدہ کام انسانوں سے کراتا ہے۔

اب سیّد کا مجبوراً پائندہ خان کا اعلان جنگ منظور کرنا پڑا پھر بھی سادات ستھانہ کے رشتہ کے لحاظ سے اس نے اپنا لشکر کبل دکیا شان والے آسان وہموار راستہ پر نہ بھیجا، بلکہ دشوار گزار پہاڑی راستہ واماز ئی قبائل کی راہ سے روانہ کیا۔

جنگِ امب

سیّد صاحب کے لئے اب کوئی دوسرا راستہ ہی نہ تھا، چنانچہ مجبور ہو کر پنجتار سے کوچ کیا

اور اپنے عیال اطفال کو موضع وکاڑ خدو خیل میں ٹھہرایا۔ اور سر کردہ لشکر مولانا اسماعیل کو مقرر کر کے دو راستوں پر اپنا لشکر روانہ کیا۔ اور خود بھی ان کی پشت پر یاغستانی لشکروں کی امداد لے کر آئے۔ اس لئے کہ ایک بڑی طاقت ور ریاست کے بہادر اور جنگ آزمودہ والی ملک کے ساتھ مقابلہ درپیش آگیا ہے۔ آپ نے مولانا اسماعیل کو وصیت کر دی کہ اپنی طرف سے جنگ کی ابتداء ہرگز نہ کرنا، بلکہ صرف راہ طلبی کرنا جو ہر راہ رو مسافر کا حق ہے۔ اسی پر زور دینا اگر وہ مقابلہ پر اُتر آئے تو پھر جنگ میں کمی نہ کرنا۔

لشکر کا ایک دستہ زیر حکم سیّد احمد علی خواہرزادہ سیّد صاحب فرقہ جدون کے راستہ سے اشرا کو گیا۔ دوسرا دستہ ہمراہ مولانا اسماعیل امازئیوں کی طرف سے ہو کر موضع فروسہ کو گیا۔ امازئی جدون خدو خیل قوموں کے لشکر سب سیّد کی ماتحتی میں تھے۔ اور اس مقدمہ کے پشتی بان تھے یہ تمام یاغستانی علاقہ جات کے قبائل سادات ستھانہ کے ہمیشہ زیر قیادت جہادوں میں مصروف رہے تھے۔ صرف خدو خیل فرقہ خان فتح خان پنجتار کی وجہ سے سیّد صاحب کے مخالف تھے باقی علاقہ چملہ وبونیر وسوات جو اصل آزاد یوسف زئی میں اوّل روز سے جب کہ عہد بیعت حضرت سے ان لوگوں نے کیا آخر دم تک ان یاغستانی قبائل سے بال برابر بدعہدی اور مخالفت ظاہر نہ ہوئی۔ چونکہ وہ سادات ستھانہ کے زیر اثر لوگ رہے اپنے قدیم قائدوں کی پیروی میں کامل پابندی سے متقدر رہے تھے۔

حالات جب اس حد تک پہنچے تو پائندہ خان نے ایک خط سیّد صاحب کو دوئم مولانا اسماعیل کو لکھا کہ میں حسب سابق دوست اور مطیع ہوں جس پر ان کو بہت خوشی ہوئی کہ بے جا مقابلہ سے مخلصی ہوئی۔ جواباً انہوں نے لکھا کہ ہم صرف خدائی جاری راستہ کی آزادی مانگتے تھے ہمارا مقصد ہرگز مسلمان سرداروں سے آویزش کا نہیں۔ اس لئے سیّد احمد کو حکم لکھا کہ وہ اشرا سے امب کی طرف پیش قدمی ہرگز نہ کرے۔

واللہ اعلم خان امب کو کیا شُبہ ہوا یا صلح سے مایوسی پیدا ہوگئی کہ خود اس نے سیّد احمد علی کے دستہ اشرا والے پر حملہ کر دیا۔ مگر سیّد احمد علی نے مستعدی سے حملہ روکا اور سخت مقابلہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے جو امب اس وقت آباد تھا وہ اشرا سے صرف تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس قدر نزدیک دو مخالف لشکروں کا اجتماع ہو کر بجائے امکان صلح، امکان تصادم زیادہ ہو جاتا ہے۔ سخت

جنگ ہوئی اور میدان مجاہدین کے ہاتھ رہا۔ والی امب براہِ قلعہ چھتر بائی و گزر مکٹی دریا عبور کر کے فرار ہوگیا۔

یہ اطلاع سیّد صاحب کو پہنچی تو اپنے اہلِ حرم کو بھی آپ دکہاڑہ سے امب میں لے آئے اور دفتر وغیرہ بھی امب میں لے آئے۔ قاضی و محتسب مقرر ہو کر اس تمام ریاست تنول میں اسلامی احکام جاری کئے۔ اور دریا کنارے جو لوگ ننگے نہایا کرتے تھے، اس رواج کو ممنوع اور موقوف کردیا۔ اس وقت سیّد کے دفتر میں دس محرر تھے۔ مولانا اسماعیل و مولوی محمد حسن رامپوری سیّد صاحب کے وزیر تھے۔ اور حضرت کی مُہر میں کندہ تھا (اسمہ احمد)۔ وہ مولوی اسماعیل کے پاس رہا کرتی تھی گاہے منشی محمدی کے پاس رہتی تھی۔ تب سیّد صاحب نے مولوی نظام الدین چشتی کو جو بخارا کی سفارت سے آچکے تھے اپنی طرف سے بیعت لینے کا مختار و مجاز خلیفہ بنا کر اہلِ کشمیر کے حالات معلوم کرنے اور اُن کی ہدایت کے لئے روانہ کیا تا کہ بندوبست ہجرت بعد تکمیل انتظام کیا جائے۔

جس جس راستے سے مولوی صاحب نظام الدین گزرے کثیر خلق اللہ کو داخل بیعت کرتے گئے۔ درّۂ کاغان جو متصل کشمیر ہے اور سادات سیّد جلالی کی ملکیت ہے۔ ان میں تحریک پہنچی، تو تمام لوگ داخل بیعت ہوگئے۔ سیّد ضامن شاہ رئیس اعظم خود کاغان سے امب آکر داخل بیعت ہوگئے۔

جنگ تربیلہ

ان ایام زیر بحث میں سیّد صاحب خود تربیلہ تشریف لے گئے جہاں سکھوں کا قلعہ تھا۔ مگر یہ مقام ہرسُو سے ہموار سڑک پر صرف بارہ میل کے فاصلہ پر ہے جو سردار ہری سنگھ ناظم ہزارہ وغیرہ کا مرکزی ہیڈ کوارٹر تھا۔ سیّد صاحب نے قلعہ پر آسانی سے قبضہ کرلیا۔ (ہری پور کا شہر و قلعہ ہری سنگھ کی یادگار ہے) ہری سنگھ کے ہمراہ اس وقت پانچ ہزار نفری فوج معہ مکمل سامان جنگ موجود تھی، وہ تمام فوج لے کر آگیا۔ باوجودیکہ سیّد صاحب کے ہمراہ فوج بہت قلیل اور ناکافی تھی) مگر ہری سنگھ کا مقابلہ آپ نے خوب جم کر کیا اور اپنی قوتِ حربی کا پورا ثبوت دیا اور عرصہ تک مقابلہ جاری رکھا، مگر بوجہ کمی لشکر آخر نہایت استقامت اور باقاعدگی

سے ہٹ کر دریائے سندھ کو کشتیوں کے ذریعے عبور کر کے موضع کبل کو آگئے اور کیا و کبل کے قراء میں پہنچ کر سیدھے ستھانہ میں سیّد اکبر بادشاہ کے پاس آکر مہمان ہوئے۔

سیّد اکبر شاہ حضرت کے پاس تربیلہ میں پہنچ چکے تھے اور حضرت کو خود اپنے ہمراہ ستھانہ لے گئے۔ چونکہ حضرت کے اس ملک میں آنے سے پہلے سے ستھانہ سکھ حکومت کے دشمنوں کا مرکز تھا اور تمام امراء و روسا مفرورین حکومتِ سکھ کا دارالہجرت و دارالجہاد تھا لہٰذا سیّد صاحب کا وجود سادات ستھانہ کے حق میں ایک فرشتہ نصرت غیبی و رحمت لاریبی بن گیا۔ اور سیّد صاحب کے حق میں یہ خاندان مانند جسم اعضائے جسم خود از حد قابلِ اعتماد و بھروسہ تمام عمر کے لئے ہوگیا

سیّد صاحب کی انصاریت میں خاندان ستھانہ نے اپنی حکومتوں جاگیروں آبائی جائیدادوں کو لات ماردی۔ حضور کی اعتباری قیام گاہ پنجتار میں تھی یا مستقر اعتباری آپ نے ستھانہ کو قرار دے لیا کہ آپ کے خلفاء و علماء نے اہل الرائے و علمبرداران جہاد کے لئے سالہا سال مستقر و دارالہجرت ستھانہ ہی ہوگیا۔ تمام خاندان ستھانہ کے ارکان ماتحت لوگ حضرت کی بیعت سے مُشرف ہوئے۔ اور سادات ستھانہ کا خانہ شریکی کا رشتہ والیِ امب خان پائندہ خان کے ساتھ اس طور پر تھا کہ سیّد اکبر شاہ کے بڑے بھائی خان میاں سیّد اعظم کی زوجہ خان امب کی ماموں زاد بہن اور حقیقی سالی بھی تھی یعنی سیّد اعظم و پائندہ خان ہم زلف تھے۔ لہٰذا سادات ستھانہ نے خان امب کو طلب کیا چونکہ وہ بھی سکھوں کا دلی دشمن تھا، ستھانہ میں آگیا۔ اور حضرت کی بیعت سے مشرف ہو کر واپس چلا گیا۔ اس دفعہ خان امب نہایت خلوص نیت سے سیّد کا مرید ہوگیا تھا۔ وہ دوسری بار جب پھر ستھانہ میں آیا اور اس نے اپنے شدید دشمن سربلند خان پلال کو سیّد صاحب کے ہمراہ دیکھا اور اپنے حقیقی بھائی مدت خان کو بھی سیّد صاحب کا مقرب پایا تو وہ سیّد صاحب سے بھی روگردان ہوگیا جس کا ذکر خوانین ریاست امب کے ضمن حالات میں کچھ گزرا اور سیّد صاحب کے حالات میں آوے گا۔

پہلی دفعہ نواب پائندہ خان نے سیّد صاحب کو دعوت دی اور وہ اشرا کے راستے امب میں خان کے مہمان بھی ہوئے تھے۔ انگریز مورخ ہزارہ میجر ولسن نے اس بحث پر مختلف خیالات لکھے ہیں۔ ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ پائندہ خان نے سیّد کی بیعت زمانہ سازی سے کرلی تھی، مگر اس میں بھی اس کو اپنی ہتک محسوس ہوئی، تو وہ منحرف ہوگیا۔ پھر اس نے یہ حقیقت بھی

لکھی جو اصل وجہ برگشتگی کی تھی کہ ستھانہ میں دوئم ملاقات میں جب اُس نے سربلند خان پلال اور اپنے بھائی مدت خان کو سیّد کے حضور عزت اور وقار میں دیکھا تو اُس دل مخالف ہوگیا۔ اور اسی موقعہ پر بطور تمثیل میجر ولسن نے لکھا ہے کہ سیّد احمد کا دلی اخلاص اور اعتبار اس تمام ملک میں صرف سیّد اکبر بادشاہ ستھانہ پر تھا یا اس کی وجہ سے اس کی قریبی برادری سادات ناوہ گئی چملہ وتختہ بند بونیر والوں پر تھا اور وجہ میجر ولسن نے یہ بتلائی ہے کہ ایک تو اس تمام ملک میں سیّد اکبر کے مانند باثر وباعزت اور کوئی دوسرا نہ تھا۔ دوئم نسبتاً سادات اور دونوں ہم قوم تھے۔ سوئم عادات واخلاق اور خصلت سیّد احمد وسیّد اکبر کے یکساں ویک رنگ تھے۔ باوجود بہادر وغیور ومعاملہ فہم ہونے کے حلیم ومنکسر مزاجی نیک دلی وغیرہ تمام عادات واطوار میں فطری یکسانی تھی۔

سیّد صاحب ابھی اسی جگہ معہ کل لشکر کے ستھانہ میں تھے کہ آپ کو خبر ملی سردار سلطان محمد خان کی والدہ نے اس کو طعنہ دیا کہ باوجود اس قدر فوج وحکومت کے ایک مسافر حقیر سے اپنے بڑے بھائی کا انتقام نہیں لے سکتا۔ اس پر وہ مقاتلہ کے لئے تیار ہوگیا اور یوسف زئی ممالک سے خادی خان کے پیہرہ جنبہ کے روسا خوانین بھی، جب ایسے حالات پیش آجائیں تو برانگیختہ کراکر لڑانے میں یہ لوگ بڑے ماہر ہیں۔ غرض وہ آمادہ ہوگیا اور اس نے ایک انگریز فوجی کیول نام کی ماتحتی میں اپنی کل فوج سپرد کر کے خود قلعہ ہنڈ پر آپہنچا۔ اور قلعہ میں صرف پچاس مجاہد تھے۔ جنہوں نے کمال شجاعت سے چند روز اتنی بڑی فوج کا مقابلہ جاری رکھا اور قلعہ بزور فتح نہ ہوسکا۔ آخر پانی خوراک مجاہدین پر بند کر کے ان کو مجبور کیا اور کیول صاحب نے اپنی ذمہ داری پر یہ شرط پیش کی کہ وہ اسلحہ چھوڑ کر خالی ہاتھ قلعہ سے نکل کر چلے جائیں۔ مجاہدین جب قلعہ سے نکلے تو سردار نے ان کو قید کر کے کہا کہ ان کو لے جا کر اپنے بھائی کی قبر پر ذبح کروں گا۔ اس وجہ سے کیول صاحب نے بطور احتجاج اپنی ذمہ داری ختم کر کے استعفاء دے دیا اور سردار کی فوج سے چلا گیا۔ یہ اطلاع جب سیّد صاحب کو ستھانہ میں پہنچی تو آپ معہ لشکر کے پنجتار آگئے اور پشاور پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ جب سردار سلطان محمد خان کو سیّد کی پشاور کی طرف روانگی کا علم ہوا، تو اس نے قلعہ ہنڈ خالی کر کے اور مجاہدین قیدیوں کو ساتھ لے کر واپس پشاور آگیا۔

ہشت نگر کے علاقہ میں کسی جگہ قیدی جس مکان میں بند کئے تھے، اس کی دیوار رات میں توڑ کر بھاگ نکلے اور پنجتار میں بخیریت پہنچ گئے۔ جب سردار پشاور نے قلعہ ہنڈ خالی کردیا تو امیر خان نے دریا سے پار سکھ حکومت سے درخواست کی کہ وہ قلعہ ہنڈ کو اپنے قبضہ میں لے لیں تا کہ مجاہد دوبارہ نہ قبضہ کرلیویں۔ دریا کا گزر اور کشتیاں سکھ حکومت کے قبضہ میں آگئیں۔ سکھوں نے جلدی ہنڈ پر قبضہ کرلیا۔ اس وقت تمام سمہ یعنی ہموار میدان یوسف زئیوں میں دو قسم کی تحریکیں کارفرما تھیں۔ یہ دو بیرونی تھیں اور ایک اندرونی نقص تھا ایک تحریک نہایت زبردست ہم قومی وافغانیت کی عصبیت کی طرف سے غیرت دلا کر سرداران پشاور کی طرف سے جاری کردہ تھی جس کے ساتھ تخویف وتنذیر بھی شامل تھی۔ اس وقت دو بادشاہیاں اس وطن کے جوار میں موجود تھیں یعنی درانی وسکھ درانی حکومت کابل وپشاور سگے بھائیوں کی تھی۔ جو بوجہ قتل یار محمد خاں، جہادی تحریک کے دشمن ہوگئے تھے۔ گویا کل سلطنت امیر دوست محمد خان کی اور نسلِ افغان قتلِ برادر کی وجہ سے شدید دشمن ہوگئے، افغان سمجھدار لوگ جان گئے کہ شرعی حکومت کی پائیداری دائم قائم نہیں، دوئم سکھوں کی عظیم الشان طاقت وہ بھی سیّد ہی کی دشمن تھی۔ سکھ اور درانی اس بارے میں ہم خیال تھے۔ ان خیالات میں سمہ کی ایک پارٹی کے سرکردہ خان کے مرنے سے وہ بھی مذکورہ ہردو سلطنتوں کے ہم خیال ہوگئے۔ ان حالات میں تین قسم کی زوردار تحریکیں پیدا ہوگئیں۔ جن کا زور ایک ہی طرف پڑتا تھا۔ اس جگہ اہلِ سمہ خصوصاً مندن فرقہ یوسف زئیوں کے امتحان کا وقت آگیا۔ ان کا اس میں پورا اترنا نہایت مشکل تھا۔ تین سو سال پہلے اسی کتاب میں حضرت سیّد علی کا قول اخوند درویزہ کی زبانی نقل درج شدہ موجود ہے کہ دین کے بارے میں یوسف زئی قوم میں جب کوئی فساد داخل ہوتا ہے وہ ہمیشہ مندن قبیلہ کی طرف سے آتا ہے، چنانچہ اہل سمہ ہی مندن قبیلہ ہے اور ان میں مذکور تینوں تحریکیں موثر انداز میں داخل ہوگئی تھیں۔ اس حالت میں خطرہ ہی خطرہ تھا۔ مذکورہ ہر سہ امور دو بیرونی طاقتوں کے مخالف اثرات کا نتیجہ تھے جن کے ساتھ ایک شاخ ملک کے اندر احکامِ شریعت کے اجراء کی ایک جزو نکاح بیوہ گان اور لڑکیوں پر نکاح کنندوں سے افغانوں میں روپیہ لینے کے رواج کی تنسیخ کا فتویٰ جو افغانی غیرت کے اندر گویا مداخلت کا مسئلہ تھا۔ نیز زیرک لوگ تقسیم جائیداد کا مسئلہ بھی دور سے دیکھ رہے تھے۔

اسلامی حکومت کے خلاف تینوں اطراف سے مورچہ بندی ہو چکی تھی۔

اہلِ سمہ اس حکومت سے بے دل اور برگشتہ ہوگئے تھے۔ اور سیّد صاحب نے بھی اس حقیقت کو جان لیا تھا۔ انہوں نے در پردہ مصمم ارادہ کرلیا کہ اس وطن سے اپنا سلسلہ منقطع کرلیں۔ پشت کی طرف سے افغان سلطنت کی دشمنی اور سامنے سے سکھوں کا مقابلہ آخر تا بہ کے۔ آپ نے ارادہ کرلیا کہ یہاں سے آپ کشمیر کو چلے جائیں اور اس جگہ مرکز جہاد قائم کر کے افغانوں کے جنجال سے یکسو ہو جائیں۔ اگر کشمیر زیر قبضہ آگیا تو پنجاب پر براہِ راست اس تحریک کی زد پڑے گی اور اگر وہاں بھی اس تحریک میں کامیابی ناممکن ہوئی تو لداخ و تبت کے راستوں سے ہندوستان کو بھی واپس جاسکتے ہیں۔

الغرض اس ارادہ کی بناء پر آپ نے پنجتار سے مولانا اسماعیل شہید علیہ الرحمہ کو منتخب کیا کہ وہ ایک جماعت مجاہدین کی ساتھ لے کر براہ پکھلی وہ کشمیر کو چلے جائیں۔ اور جس جگہ بھی وہ مستقر پسند کریں مقرر کرلیں۔ جب مولانا اسماعیل یہ جماعت لے کر ستھانہ پہنچے تو سادات ستھانہ کو پائندہ خان والی امب کا دوسری ملاقات کے بعد برگشتہ ہونے کا علم تھا۔ انہوں نے مولوی صاحب کو سمجھایا کہ والی امب سے استفسار بغیر اس کے ملک میں ہو کر آپ نہ جائیں۔ جب انہوں نے پوچھا تو خانِ امب نے قطعی انکار کردیا کہ میں اپنے ملک کے اندر سے ہو کر کسی غیر کا فوجی دستہ گزرنے نہ دوں گا۔

مولانا نے خود ستھانہ میں رہ کر سیّد صاحب کو احوال لکھا۔ تب سیّد صاحب نے ایک خط نہایت عجز و الحاح سے لکھا کہ مسافروں اور مجاہدوں کے راستے مسلمان روکا نہیں کرتے۔ ہمارا تمہارے ملک سے کوئی واسطہ نہیں، وطن ہندوستان ہے اور اب کشمیر جانے کا ارادہ ہے۔ سیّد صاحب چونکہ سادات ستھانہ کے دلی دوست تھے اور امب و ستھانہ کی اس وقت رشتہ دارانہ دوستی تھی، اس لئے سیّد صاحب نے نہایت کوشش کی کہ خواہ مخواہ ہمارے لئے یہاں اختلاف نہ پیدا ہو، مگر اس عہد کے لوگوں پر عجیب تعجب اور افسوس ہوتا ہے کہ سکھ جیسی اَشدُّ الاَعداء سلطنت کا اگرچہ کچھ علاج تھا، تو سیّد تھا، مگر ہر کسی نے قدر بقدر ہوا۔ اور کشمیر میں بھی یہ تحریک بے حد گرمجوشی سے قبول کرلی گئی اور اہلِ کشمیر کی بے شمار عرضیاں اس مضمون کی پہنچی، کہ جب ان دنوں سکھ صوبہ دار کشمیر لاہور گیا ہوا تھا اور اعلیٰ افسران سے کشمیر خالی ہے۔ آپ جلد تشریف لا کر قبضہ

کرلیں۔ تب ہم سب مسلمانانِ کشمیر آپ کی حمایت میں جہاد اور جان نثاری ثبوت دیں گے۔

اس پر سیّد صاحب آمادہ روانگی بھی ہوگئے، مگر مولانا اسماعیل نے صلاح دی کہ امب سے لشکر روانہ ہو کر نہایت تیزی کرے، تب بھی بمشکل دس بارہ دن میں کشمیر تک جاسکیں گے اور اتنے میں ہزارہ سے بذریعہ سواران دربار لاہور کو اطلاع پہنچ کر کشمیر میں استحکام اور انتظام پختہ ہو جائے گا اور کشمیری مسلمان ہو سمہ کے افغانوں سے دغابازی میں کسی طرح کم نہیں۔ اگر خود غرضی اور دغابازی سے پیش آئیں تو اس ناواقف اور نادیدہ محصور مملکت میں سخت مشکل پڑ جائیگی، یہاں ٹھہر کر موازنہ و اندازہ کر کے قدم اُٹھانا چاہیے۔

جنگ پھولڑہ

چونکہ پائندہ خان سکھوں کے مخالف تھا، اس لئے سکھوں نے ریاست امب میں جابجا قلعے آباد کر کے ان پر قابض تھے۔ سیّد صاحب نے مجاہدین کا بیکار بیٹھنا پسند نہ کیا اور سکھوں سے مسلسل سلسلہ جہاد جاری رکھنے کا ارادہ فرما کر مولانا اسماعیل کے ماتحت سیّد احمد علی صاحب اور مولوی محمد حسن رامپوری کو مختلف راستوں سے دریا عبور کر کے پھولڑہ میں جمع ہونے کے واسطے بھیجا۔ دریائے سندھ سے مغرب کی جانب ہے۔ مشرقی کنارے کے مسلمان رعایائے سکھاں سیّد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطاعت قبول کر کے بیعت امامت کر کے امان نامے تحریری حملہ ہائے فوج کے بارے میں لے لئے اور محفوظ و مطمئن ہوگئے۔ پھولڑہ میں دستوں کا جمع ہونا مقرر تھا۔ راستے میں سکھوں کے ایک قلعہ کو فتح کرنے میں مولانا اسماعیل صاحب مصروف ہو کر معطل ہوگئے۔ صرف مولوی محمد حسن رامپوری اور سیّد احمد علی صاحب اس لشکر کے ہمراہ تھے۔ یہ دونوں صاحب فنِ جنگ سے ناواقف تھے۔ اس لئے جس جگہ اس فوج نے کیمپ لگایا وہ نہایت غیر اہم مقام تھا۔ فجر کے نماز مجاہد پڑھ رہے تھے، کہ سکھوں کی فوج نے ان پر حملہ کردیا۔ اور ان کے سواروں نے ان کو محصور کرلیا۔ صف بندی بھی نہ کرسکے اور ہر دو مذکور سردار شہید ہوگئے۔

سکھ سواروں کے نیزوں نے غازیوں کی تلواروں کو اپنے تک آنے ہی نہ دیا۔ اور چند غازی اور بھی شہید ہوگئے۔ اب مجاہدین میں سے چالیس پچاس قرابین چی الگ ہو کر انہوں

نے سواروں پر بھر مار شروع کر دی جس سے سکھوں کا دو چند نقصان ہو گیا اور حملہ آوروں کو پسپا کر دیا گیا۔ اور غازی بے اطمینان اپنے کیمپ میں مقیم ہو گئے۔ مولانا اسماعیل جو سکھوں کے قلعے موسوسہ گڑھی جمیری و گڑھی شونگلی کو سکھوں کے ہاتھ سے چھین لینے میں کامیاب ہو کر اور تنولی نمبرداروں سے عہد و پیمان لے کر قلعے ان کے حوالے کر کے براستہ گلی بدرحال پھولڑہ میں آ گئے، مگر جو دو نامور سرداروں کی شہادت کا حادثہ ہونا تھا، ہو چکا یہ جنگ پھولڑہ میں واقع ہوئی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے سیّد صاحب کو سفارت کا آنا

تنول کی مکمل ریاست سکھوں سے آزاد کرالی گئی اور اسلامی حکومت میں داخل ہو گئی۔ ان ایام میں مہاراجہ رنجیت سنگھ والیِ پنجاب کی طرف سے سردار وزیر سنگھ جمعدار جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا سالا بھی تھا، معہ حکیم عزیز الدین صاحب بطور سفارت سیّد صاحب کی خدمت میں بمقام امب پیغام لے کر آئے کہ دریائے سندھ سے مغرب جانب اس پار جو علاقہ ہے جس پر آپ کا گزر یا قبضہ ہو چکا ہے یا نہیں ہوا، وہ آپ کی حکومت کے ماتحت مہاراجہ بہادر کی طرف سے بطور انعام تصور کریں اور بلا مزاحمت اس پر عمل دخل اپنا کریں اور بے دغدغہ اس میں احکام شریعت کے جاری کریں۔ لیکن سندھ سے اس پار مشرق جانب کا قصد قطعاً اور وعدتاً کریں۔ یہ بھی کہا تھا کہ سیّد صاحب فقیر ہیں اور میں امیر ہوں۔ امیروں کو فقیروں کی خدمت کرنا ہے اور فقیروں کو امیروں کے لئے دُعا کرنا لازم ہے۔ اگر سیّد صاحب اس سے زیادہ تجاوز کریں گے، تو دنیا دار اور حریص سمجھے جائیں گے۔ تب اس طرف سے پوری تیاری کی جائے گی۔ اور اگر اس پر قانع رہے تو دونوں طرف بھلائی اور ہماری خوشنودی کا موجب امر ہوگا۔

یہ بھی لکھا کہ بعد طے شرائط صلح اپنا سفیر بھی معہ جواب نامہ روانہ کریں۔ جب یہ دونوں سفیر امب پہنچے اور حضرت کے کلمات ہدایت آمیز سُنے، تو قطع نظر حکیم عزیز الدین کے سردار وزیر سنگھ حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا، مگر سیّد صاحب نے اس کو اجازت دے دی کہ تاحصول موقعہ وہ اپنے ایمان کو چھپائے رکھے اور اسلام کی خیر خواہی کرتا رہے۔ ان دنوں راجہ کھڑک سنگھ (برادر زادہ مہاراجہ رنجیت سنگھ) معہ جنرل ونٹورا صاحب دریائے لنڈہ کے کنارے

بارہ ہزار فوج ہمراہ لئے سفارت کے جواب کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔ سردار فتح خان رئیس پنجتار کو اس فوج کے قیام سے جو تقریباً اس کے مرکز سے تیس میل کے فاصلہ پر تھی، خطرہ پیدا ہوا کہ نباید پنجتار پر حملہ ناگہانی کر دیں۔ اس نے سیّد صاحب کی خدمت میں عرضداشت لکھ کر امب سے فوج کو طلب کر لیا۔ حضور نے کل لشکر مجاہدین جو امب میں تھا، مولانا اسماعیل صاحب کی ماتحتی میں پنجتار کو بھیج دیا۔ اور مولوی خیر الدین شیر کوٹی اور حاجی بہادر شاہ خان معہ آٹھ اشخاص کے دربار لاہور کی سفارت کے لئے تجویز ہو کر معہ جواب نامہ کے ہمراہ سردار وزیر سنگھ وحکیم عزیز الدین روانہ کئے گئے۔

اس سفارت نے پہلے لشکر ونٹورا صاحب میں جانا تھا۔ جب یہ پہنچے تو سرکار خالصہ سے ان کے لئے وسیع پیمانہ پر سرکاری خرچ مقرر ہوا، اور ایک ملا کے گھر ان کو مقیم کیا گیا۔ جو سیّد صاحب کے مریدوں میں سے تھا۔ دوسرے دن ہر دو افسران سفارت معہ سردار وزیر سنگھ وحکیم عزیز الدین ونٹورا صاحب کے پاس ملاقات کے لئے بلائے گئے۔ اس وقت وہ اپنے خیمہ میں معہ دیگر دو فرانسیسی افسروں کے بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دونوں بزرگ سلام علی من اتبع الہدیٰ کہہ کر قالین پر بیٹھ گئے۔ وزیر سنگھ دروازے پر کھڑا تھا۔ ونٹورا صاحب اخبار نویس کو پاس بلالیا۔ حکیم عزیز الدین کو بھی بٹھالیا۔ پھر پوچھا کہ ان میں مولوی کونسا ہے، میں کچھ علمی باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولوی خیر الدین نے جواب دیا کہ اگر آپ نے دینی اور مذہبی امور میں پوچھنا ہو تو سخت جواب سے رنجیدہ نہ ہونا۔ اس نے کہا کہ آپ جو چاہیں کہیں مگر جواب عامیانہ اور جاہلانہ نہ ہو، عالمانہ ہو۔ پھر کہا کہ جب پہلی مرتبہ میرا ڈیرہ حضرو میں تھا، ایک قاصد سیّد صاحب کی طرف سے آیا تھا جس نے یہ پیغامات سنائے تھے کہ اگر مہاراجہ خلیفہ صاحب کی معرفت یوسف زئی علاقہ کی مالگزاری وصول کریں تو سرکار خالصہ ہر قسم تکالیف سے خلاص رہے گی۔ اور غریب رعایا ظلم اور لوٹ مار سے نجات پائیں گے۔ یہ صلاح مجھے اس وقت بھی پسند آئی تھی کیوں کہ اس میں ہر دو فریقوں کے لئے بہتری ہے۔ کیا یہ پیغام خلیفہ صاحب کی طرف سے تھا؟

مولوی خیر الدین نے کہا ہرگز نہیں۔ کسی مکار نے کسی ذاتی مقصد کے لئے یہ جھوٹ بنا کر آپ سے کہا۔ خلیفہ کوئی جاگیر حاصل کرنے کے لئے اس قدر تکالیف اُٹھا کر قسم قسم کی مصائب جھیل کر اس قسم کی جاگیریں لینے نہیں آئے ورنہ اُن کے ہندوستان میں لاکھوں مرید

ہیں اور شاہانہ ثروت ان کو وطن میں حاصل تھی۔ ونٹورا صاحب نے کہا کہ اگر ان کو جاگیر یا حکومت مطلوب نہیں تو باوجود بے سروسامانی کے، وہ ایک عظیم الشان دولت اور طاقت والے بادشاہ کے ساتھ لڑنے کیوں آئے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا آپ کو یہ علم واقعی ہے یا نہ کہ خلیفہ صاحب کو اپنے وطن میں ہر قسم عزت اور آرام حاصل تھا۔ اس نے کہا ہاں مجھے معلوم ہے کہ ہندوستان کے نواب اور اُمراء آپ کی توقیر کرتے تھے۔

مولوی صاحب نے کہا تو اس آرام اور عزت اور ہر قسم دنیوی راحت کے مقابلہ میں اب جو کام انہوں نے اپنے ذمے لیا ہے، یہ کس قدر مشکل ہے اور ہر قدم پر ہلاکت کی مصیبت درپیش ہے۔ ایسا عمل اختیار کرنا بغیر کسی معقول وجہ کے ایک عقل مند انسان یا اس کے ہمراہی ہزار ہا علماء کسی دنیوی لالچ کے بغیر کیونکر اپنے گلے ڈالتے ہیں۔

آپ سیّد کو ان لوگوں میں سے یقین کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلق اللہ کو خیر رسانی کے لئے منتخب ہوتے ہیں۔ توریت اور تاریخ سے آپ کو واضح ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس طاقت کے بھروسہ پر اپنے عظیم بادشاہ فرعونِ مصر کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہی تھا اور مقصد ظالم سے مظلوم کو چھڑانا تھا۔ وہی فریضہ جہاد اسلام میں رائج ہے جو حضرت موسیٰؑ نے کیا، حضرت یوشع نے کیا، حضرت سلیمانؑ نے کیا، حضرت داودؑ نے کیا۔ گو وہ بادشاہ تھے مگر آپ یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے۔ تو کیا وہ نفس کے لئے انسانوں کا قتل جائز رکھ سکتے تھے۔ ایسا وہ ہرگز نہ کرتے۔ ہر ایک انسانی حکومت ظالم کو سزا دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکومت سب سے غالب تر ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مرضی کے نمائندے ہوتے ہیں وہ بڑے سے بڑے ظالم کو جو عوام پر ظلم کرے اس کو سزا دینے پر مامور ہوتے ہیں، عوام کی امداد کرتے ہیں مگر ظالموں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ آپ سیّد کو معمولی انسان خیال نہ کریں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ یہ اسلامی فرائض با آسانی ادا ہو سکتے ہیں مگر حج کا سفر کس قدر مشکل امر ہے پھر بھی آپ نے سنا ہوگا کہ سیّد صاحب نے سات آٹھ سو آدمیوں کے ہمراہ کس اہتمام سے حج ادا کیا جس کی توفیق ہندوستان کے سینکڑوں شہنشاہوں اور اُمراء میں سے آج تک کسی کو نہیں ملی اور نہ ہی اس کی کوئی مثال تاریخ میں ملتی ہے۔ پانچواں فریضہ اسلام کا وہ عظیم الشان اولوالعزم انبیاء کا عمل ہے جس کا نام جہاد ہے وہ تمام فرائض سے زیادہ مشکل تر

ہے۔ پھر اس میں حصول جاگیر و سلطنت کا تخیل عقیدہ ثواب کو ضائع کر دیتا ہے بلکہ جہاد کی عظیم تر کامیابی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو جانا ہے۔

سیّد صاحب کبھی سلطنت کے حصول کے لئے اس عظیم مصیبت کے متحمل نہیں ہوئے بلکہ وہی عظیم فریضہ جو ظالم سے مظلوم کو چھڑوانے کا ہے، یا ظالم سے ظلم کا طریقہ چھڑانے کا ہے، وہی سیّد کو مطلوب ہے، اس پر ونٹورا صاحب نے کہا کہ مجھے سیّد صاحب کے ساتھ دلی محبت اور عقیدت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ان کی خدمت میں تحفہ ہدیہ بھیجوں، لیکن وہ اس کے بدلے میں مجھے گھوڑا ہدیہ بھیج دیں تو پھر آئندہ خالصہ دربار سے ہرگز کوئی فوج ان کی مزاحمت کو نہ آئے گی۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ اس مراد کو ہم سمجھ گئے ہیں اور اس صورت میں سیّد گھوڑا تو کیا گدھا بھی ہرگز نہ دیں گے۔ (گھوڑا دینا سکھ حکومت میں اطاعت ماننا ہوتا تھا)۔

انٹورا صاحب نے کہا کہ نزاع صرف اسی صورت سے رفع ہو سکتا ہے مگر خلیفہ صاحب عقلمند ہیں وہ ضرور میری صلاح کو مان لیں گے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اس بارے میں سیّد صاحب اور ہم سب اہل لشکر کا فیصلہ یکساں ہے اور ہم کو معلوم ہے۔ وہ ہرگز ظالم اور مشرک کی اطاعت کر سکتے ہی نہیں۔ ناممکن ہے کہ وہ ایسا کر سکیں۔ آپ یقین کریں کہ ان کے ہمراہ تمام علماء کا لشکر ہے۔ جب نبیوں کے قدم بقدم چلنے والا یقین کر لیا تو تمام ہندوستان کے چیدہ علماء سر و مال قربان کر کے اس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ پس صلح یا اطاعت قانونِ شرعی کے ماتحت ہی ہوگی اور مذکورہ صورت محال ہے۔ حکیم عزیز الدین اور اخبار نویس نے بھی تحریک کی کہ معاملہ صرف ایک گھوڑے پر ختم ہوتا ہے تو بہتر ہے۔ ایسا کر لیا جائے۔ مگر مولوی صاحب نے اقرار نہ کیا۔ اور بجائے گھوڑے کے گدھا بھی نہ دے سکنا بار بار بیان کیا۔ یہ بھی کہا کہ بصورت عدم آزادی شعائر مذہب ہمارا ارادہ تمہاری سرکار سے جزیہ لینے کا ہے۔ پھر ہم آپ کو کس طرح خراج ادا کریں۔ ونٹورا صاحب نے کہا اگر سیّد صاحب باوجود اس بے سروسامانی کے سکھ حکومت پر غالب ہو گئے تو میں اسی وقت ان کے ہاتھ پر توبہ کر کے مسلمان ہو جاؤں گا۔ پھر کہا کہ میری تمام تقریر خلیفہ صاحب سے ذکر کر دینا اور جواب مجھے واپس چھچھ موضع حضرو پہنچا دیں۔ مولوی صاحب نے کہا میرا فرض گفتگو بلا کم و کاست حضرت کو پہنچا دینا ہے۔ جواب دینا یا نہ دینا سیّد صاحب کا اختیاری امر ہے۔

ونٹورا صاحب نے اس کے بعد ان کو رُخصت کر کے کہا کہ پھر کسی وقت آپ سے تبادلہ
خیال کا موقعہ ملے۔ پھر کہا کہ آپ سردار کھڑک سنگھ کے ساتھ ایسی باتیں کر سکیں گے۔ مولوی
صاحب نے کہا بلکہ اس سے بھی زیادہ صاف گوئی سے کہوں گا۔ وہاں سے رُخصت ہو کر حکیم
عزیز الدین کے ڈیرے پر آئے۔ دوپہر کا کھانا وہاں کھایا اور شام کو اپنے ڈیرے پر آئے۔
دوسرے دن خفیہ نو مسلم سردار وزیر سنگھ نے آکر مولوی خیر الدین کو یہ اطلاع دی کہ آج دو
فرانسیسی افسر اور سردار کھڑک سنگھ اور امیر خان برادر خادی خان آپس میں باہم گفتگو ہوئے تھے
اور کہتے تھے یہ مولوی بڑا تیز طبع اور بیباک ہے۔ کوئی بات قبول ہی نہیں کرتا۔ امیر خان نے کہا
باتیں مت کرو۔ باتیں فضول ہیں۔ پنجتار پر قبضہ کرنا ضروری ہے جس سے تمام سمہ مطیع ہو کر
جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ اسی رات میں آخری پہر کل فوج کوچ کر کے پنجتار
پر جا رہی ہے۔ آپ مولانا اسماعیل کو اطلاع دے دیں چنانچہ مولوی صاحب نے اپنے میزبان
کو تمام حالات سنا کر شبا شب روانہ کر دیا کہ وہ پنجتار پہنچ کر سب حالات سے مولانا اسماعیل
صاحب کو باخبر کر دے اور رستے کے ہر گاؤں میں اپنے مخلصین کو بھی اطلاع دیتا جائے۔

پنجتار پر ونٹورا صاحب کا دوسرا حملہ

اس شب کے آخری حصہ میں تمام فوج بغیر راجہ کھڑک سنگھ کے روانہ ہوگئی اور زیدہ کو پہنچ
کر جو پنجتار سے بارہ تیرہ میل کے فاصلہ پر ہے، مقیم ہوگئی مگر غروب آفتاب کے بعد تمام لشکرِ
خالصہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ مجاہدین کا شب خون آرہا ہے اور اس خبر نے تمام سکھ فوج میں اس
قدر خوف و ہراس پیدا کر دیا کہ ہر سپاہی بدحواس ہوگیا۔ مارے خوف کے کوئی نہ سویا۔ ہر سوار
کے ہاتھ میں زین شدہ گھوڑا پکڑا ہوا تھا۔ ہوا کی سرسراہٹ پانی گرنے کی آواز یا مال مویشی کی
ہر قسم کی حرکت کو بھی دشمن کا حملہ جان کر بار بار فوج میں کھلبلی مچ جاتی۔

ونٹورا صاحب نے یہ حال دیکھ کر یوسف خان اجیٹن جنرل و دیگر افسران کو بلا کر
تاکید سے سمجھایا کہ یہ کیا آفت خوف و ہراس کی فوج پر نازل ہے۔ سب کو تسلی دے کر مضبوط
دل کرو۔ افسران نے سب فوج کو تسلی و تشفی دی، مگر یہ اثر بھی جلد ہی زائل ہوگیا۔ آخر شب میں
تمام لشکر بغیر از حکم خود بخود واپس چل پڑا اور دریائے لنڈہ کے پل سے پار ہو کر پل کو بھی توڑ

دیا، تاکہ غازی تعاقب میں پل کی وجہ سے پہنچ نہ سکیں کوئی افسر ماتحت ایک دوسرے سے نہ
پوچھتا تھا، نہ کوئی کسی کی سنتا تھا کہ کیوں اور کس وجہ سے یہ ہو رہا ہے۔ عجیب حیرت افزا ہیبت ہر
ایک فوجی کے دل پر چھائی ہوئی تھی۔ (وَالقی فی قلوبھم الرّعب) ادھر مولوی خیر الدین
شیر کوٹی بھی بلاحصول جواب وہاں سے چل کر پنجتار پہنچ گئے اور مولوی صاحب کو حالات سنائے
اور دوسرے دن امب سیّد صاحب کے پاس جا پہنچے اور من و عن حالات ان کو سنائے جس پر
حضرت نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ آپ نے میرے مافی الضمیر کی ترجمانی کی ہے، مگر
جواب دینے کو چونکہ وعدہ نہ کر کے آئے تھے اس لئے جواب نہ دیا گیا۔ اس واقعہ فرار فوج
خالصہ کے بعد قلعہ ہنڈ پر جو سکھ فوج تھی وہ خود بخود قلعہ خالی کر کے چلی گئی۔ جس پر خبر پا کر
مجاہدوں نے پھر قبضہ کر لیا۔

نکاحِ دُختران پر اُجرت نہ لئے جانے کی تحریک
اور نکاح ثانی بیوہ گان کی تحریک کا اجراء اور اُس کا نتیجہ

میں نے متعدد تاریخوں میں دیکھا ہے کہ علماء لشکر نے اس مسئلہ کو اُٹھایا کہ جب ملک
میں اجرائے شریعت علی نہج خلافتِ راشدہ ہو چکا ہے، تو دُختر فروشی جو اسلام میں ممنوع اور
افغانوں میں رائج ہے اس مذموم رسم کو جلد اُٹھا دینا چاہیے۔ اس پر مولانا اسماعیل صاحب
مصلحت وقت دیکھ کر متوقف اور خاموش تھے کہ فی الحال توقف کرنا بہتر ہوگا۔ جب کم اندیش
علماء نے یہ سوال خلیفہ برحق کے سامنے پیش کر دیا، تو آپ کا منصب ہی ایسا تھا جو مصلحتِ وقت
کی وجہ سے ایک شرعی خلاف ورزی و نقص پر صبر نہ کر سکے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ
درخواست ملک کی عورتوں کی طرف سے حضور کی خدمت میں پیش ہوئی تھی کہ اس ملک کا یہ
رواج ہے کہ لڑکی جوان ہو کر اور منگنی ہو کر بھی، جب تک وارثانِ دُختر کو کافی رقم وصول نہ ہو وہ
بیاہ کر نہیں دیتے۔ اس طرح ناداری کی وجہ سے ہزاروں لڑکیاں باپ کے گھر سر سفید ہو کر مر
جاتی ہیں۔ مردوں کو ملک بہ ملک تجارت و نوکریاں کرنے کے بعد کہیں جا کر مردو زن کی شادی
ہوتی ہے جس کا بڑا اثر تمام امت پر اور افزائش نسل پر پڑتا ہے اور اقتصادیات بھی متاثر ہوتی

ہے۔ اور اس رسم کو ختم کرنے اور بمطابق شریعت عمل کرنے سے ہزاروں قباحتیں رفع ہوسکتیں ہیں۔

غرض سیّد صاحب نے تمام محروسہ ممالک وقبائل کے خوانین وعلماء وسادات کو طلب کر کے اس رسم قبیح کے نقصانات بیان کر کے ہر مرد وعورت کو ضبط نفس کی مصیبت اور مردوں کی دربدر کی مصیبت کی تشریح فرما کر فرمایا، اگر حسب قانونِ اسلام بالغ ہوتے ہی مرد وزن کے نکاح میں روپیہ پیسہ کی رکاوٹ حائل نہ ہو تو نہ صرف مرد کے لئے ہی آسانی اور نسل کی افزائش کا فائدہ اور عصمتِ طرفین کی حفاظت کا ہی فائدہ ہوگا بلکہ جس لڑکی والے نے بہ آسانی بلا اخذ مال دے دی ہے اس کے دو چار لڑکوں کو بھی آسانی وبلا پریشانی بیبیاں مل جائیں گے۔ یعنی اپنے ہی لئے تمام قوم نے آسان اور نیک کام مشکل اور گناہ بنا کر اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ط۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی آسان قانون دے کر تمہاری مشکلات آسان کردی ہیں۔ اب تم خود اپنے اوپر ظلم کر کے سخت ترین تمدنی خرابی میں پڑے ہو۔ لازم ہے کہ اس کی اصلاح قانونِ اسلامی مان لینے سے کرلو۔ اس تجویز کو تمام خوانین وسردارانِ ملک وقوم نے وعلمائے بطیب خاطر قبول ومنظور کرلیا اور اجراء کا حکم جاری ہوگیا۔

احمد خان رئیس مردان اس جلسہ کے اغراض ومقاصد سن کر حسب الطلب سیّد صاحب اس مجلس میں حاضر ہی نہ ہوا۔ بلکہ اپنے بھائی کو اپنی گڑھی کی حفاظت میں چھوڑ کر خود پشاور سردار درانی کے پاس چلا گیا۔ یہ قانون اس خوبی سے نافذ ہوا کہ تمام سمہ کے ملک میں معہ چملہ وبونیر وصوات کے ایک لڑکی بھی بن بیاہی نہ رہی اور ایک بیوہ بھی جس نے خود انکار نہ کیا ہو، بغیر نکاح نہ رہی۔ نہایت خوبی سے اس عمل وخیر واصلاح کا اجراء بھی ہوگیا اور آسانی اور فائدہ بھی ہر ایک مرد وزن کو محسوس ہوگیا۔ لیکن افسوس ہے کہ مطابق مقولہ:

چشم بداندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش درنظر

یہی بہترین اصلاح یوسف زئیوں کے صرف سمہ اور میدانی مندن قبائل میں موجب نفرت وغیرت وتعصب دکھلا کر انجام نہایت بربادی بخش پیدا کیا گیا۔ جب احمد خان رئیس مردان اعلانیہ باغی ثابت ہو کر مخالفین حکومت شرعیہ کے پاس چلا گیا، تو اس کی بازپرسی وسرکوبی

کے لئے مولانا اسماعیل کی ماتحتی میں عبدالحمید خان رسالدار اور قاضی جان کی جماعتیں دے کر روانہ کیا۔ قاضی جان اہل سمہ میں سے سیّد صاحب کا انتہائی محب ومخلص تھا اور سمہ میں قاضی تھا۔ خانانِ مردان کو سریہ کی روانگی سے پہلے اطلاع ہوگئی تھی کہ وہ اپنے پرہ جنبہ کے افغانوں کا لشکر ہزاروں کی تعداد میں جمع کرچکے تھے، مگر باوجود سخت مقابلہ کے مولانا صاحب نے دونوں گڑھیاں (قلعے) مخالفین سے چھین لئے اور تمام قوانین اسلامیہ کو دل وجان سے قبول کرنے کا عہد وپیمان لے کر اور خدمت گزاری ورفاقت مجاہدین کا وعدہ لے کر رسول خان برادر احمد خان کو دو گڑھیاں سپرد کر کے واپس پنجتار کو آگئے۔ مگر افسوس ہے کہ قاضی جان اس مقابلہ کی جنگ میں شہید ہوگیا۔ احمد خان بھی ایک غیور وجسور افغان تھا دراصل وہ پہلے سے درانی تحریک سے متاثر شدہ تھا۔ اب اس نے درانیوں کو ملکیوں کی طرف سے اس اصلاحی حکم سے ناخوش ہونے کا یقین دلایا اور اپنی حمایت کا بھی ذمہ پیش کر کے درانیوں کی کثیر فوج چڑھا کر مردان پر لے آیا کہ اس مملکت کو وہ اپنے مقبوضات میں شامل کرلیں۔

جب ان کی فوج چکنی میں پہنچی تو سیّد صاحب کو بھی اطلاع ہوگئی۔ سردار سلطان محمد خان نے خوانین سمہ کو ایک اعلام نامہ بدین مضمون لکھا کہ سیّد ایک فقیر اور مسافر ہے۔ میرے بھائی یار محمد خان کو بھی تم لوگوں نے سیّد کے لشکری بن کر قتل کیا ہے۔ اور اب میرے دوست احمد خان کے قلعوں پر بھی تم اہلِ سمہ کا لشکر چند مجاہدوں کے ہمراہ ہو کر آیا ہے۔ اس کا بدلہ میں بذریعہ شمشیر تم سے اور سیّد سے لوں گا۔ یہ یورش اس قدر پُرجوش تھی کہ سلطان محمد خان سردار معہ سیّد محمد خان برادرش وپیر محمد خان برادر زادہ ش اور تمام نامی وجنگی درانی افسران آندھی کی طرح اُٹھے کہ مجاہدین کا نام ونشان صفحہ ہستی سے اور اہل سمہ کی آبادیوں کو بھی معدوم کر کے چھوڑیں گے۔

سیّد صاحب نے عبدالحمید خان رسالدار کو واسطے سدِ راہ ہونے کے لشکر درانیاں کے بھیج کر عین اُسی راہ پر گڑھی امازئی (امازہ گڑھی) میں اپنا لشکر کس قدر رسالدار کی پشتی پر بٹھا دیا۔ جو ہراول فوج کے طور پر تھا۔ امب کا قلعہ اور حکومت جہاں دختر وحرم محترم وذخائر ضروریات وغیرہ تھے سیّد اکبر شاہ ستھانوی کو خان امب کے حملہ کے مقابلہ میں امیر مقامی اور ذمہ دار مقرر کر کے کس قدر مجاہدین بھی اس کے ساتھ دے کر شیخ بلند بخت کی ماتحتی میں اس کے پاس چھوڑ کر سیّد اکبر شاہ کو بھی ایک اہم ترین ذمہ داری سپرد کردی کہ پائندہ خان جیسا شیر دل بہادر والی ملک ہر

وقت پُشت سے اپنے حق ذاتی اور تمام قوم تنولی کی سرداری کی طاقت سے ہر وقت جب اُسے موقع ملتا حملہ پر آمادہ بیٹھا ہوا تھا۔

اندریں صُورت کہ سیّد کو درانی فوج سے شدید مقابلہ درپیش ہو۔ والی امب کا حملہ ہیڈ کوارٹر امب پر ایک یقینی امر تھا۔ جس کی ذمہ داری والیِ تنول کے قریبی رشتہ دار سیّد اکبر شاہ پر اس نے ڈالی (یہی واقعات انگریز مورخوں سے لکھوا رہے ہیں کہ سیّد احمد و سیّد اکبر شاہ یک جان دو قالب تھے کہ اپنے قریب ترین رشتہ دار کے مقابلہ کے لئے صرف اسی کا وجود سیّد صاحب نے اس وقت منتخب کیا تھا) اور بذات خود سیّد صاحب کمال مستعدی سے مقابلہ کے واسطے بطرف مردان روانہ ہوا یہ مقدمہ ہر طرف سے خطرناک تھا، مگر اللہ تعالیٰ کی تائید اس کے برگزیدہ بندوں کے ساتھ شامل ہوتی ہے۔ جب آپ امب سے چل کر ستھانہ میں پہنچے، تو ایک تیسری مصیبت کی خبر ملی کہ بہ اشارہ دُرانیاں سکھ فوج بھی امب اور قلعہ چھتر بائی پر حملہ کے لئے آرہی ہے۔ تب آپ نے ستھانہ سے واپس پھر امب جا کر معہ امب کے سامنے ایک خندق جلدی تیار کرا دی۔

سکھ فوج نے امب کا مقابلہ ترک کر کے چھتر بائی کے قلعہ کے محاذ پر جہاں اب موضع گنگی ہے دربند سے دو میل قطب کو ایک دمدمہ تیار کیا۔ درمیان تو دریائے سندھ تھا اور آر پار سے گولہ باری سکھوں نے اس دمدمہ سے قلعہ چھتر بائی پر متواتر شروع کر دی۔ مغربی کنارے سے غازیوں نے بھی توپ و شاہین سے برابر جواب دیا۔

یہ عجیب روایت قابلِ ذکر ہے کہ اس لشکرِ مجاہدین میں کوئی ایسا کامل الفن ہندوستانی اُستاد تھا جو کچا چمڑہ مسالہ میں تر اور سریش آلود کر کے ایک سیدھی لکڑی پر چمڑے نکلے ہوئے لپیٹ کر چار پانچ انچ موٹائی چمڑے کا دل کے بعد دیگرے لپیٹ کر چمڑے کی توپ بنا لیا کرتا تھا۔ جو صرف ایک آدمی اُسے اُٹھا کر ہر مشکل اور پہاڑی راستوں پر لے جا سکتا تھا۔ وہ توپ چھ سات فائر تو اعتباری طور پر کرتی تھی۔ بعد ازاں اس کو ضائع کر دیا جاتا تھا۔

حملہ فوج سِکھاں بر قلعہ چھتر بائی

یہ حملہ اور توپ شاہین کی جنگ دریائے سندھ کے آر پار سے خوب زور شور سے ہوئی مگر جب سکھ فوج کو اس میں کامیابی نظر نہ آئی، بلکہ اس کو مجاہدین کے رات کے شبخون سے سخت خطرات لاحق ہوئے تو وہ فوج خود شکست خوردہ ہو کر واپس ہوگئی۔

اس جگہ بھی سیّد اکبر شاہ ستھانہ کی وہ تدبیر مدافعت کام آئی جو ۱۸۲۴ء میں رنجیت سنگھ کی فوج کو مایوس ستھانہ سے واپس کرنے میں کارگر ہوئی تھی۔ سیّد صاحب نے جب اس حملہ سکھاں کو مسترد شدہ یقین کر لیا۔ اور سیّد اکبر شاہ کو خانِ امب کے حملہ کا ذمہ دار بنا کر سب کچھ اس کو سپرد کر کے خود معہ کل فوج مجاہدین کے پنجتار پہنچے اور پنجتار سے پانسو غازی ہمراہ لے کر امازو گڑھی میں جا پہنچے۔ اس وقت آپ کے بعض رفیقوں نے صلاح دی کہ دُرانیوں کی توپوں شاہینوں اور کثرت لشکر کی بڑی شہرت ہے۔ قلعہ امب و قلعہ چھتر بائی سے کچھ توپ شاہین منگوا لینی بہتر ہوں گی۔ مگر حضور نے فرمایا کہ ہمارا بھروسہ توپ و شاہین پر نہیں، بلکہ اُس زبردست ذات پر ہے جو سب پر غالب ہے وہ ہم کو ضرور انشاء اللہ غلبہ دے گا۔

امازئی گڑھی میں آپ کو جاسوس نے اطلاع دی کہ درانیوں کا لشکر موضع اوتمان زئی اشغر میں مقیم ہے۔ تب آپ نے اتمام حجت کے لئے ایک خط بطور اعلام نامہ سردار سلطان محمد خان کو لکھا کہ ہم لوگ اس ملک میں واسطے مقاتلہ و مقابلہ کے لئے آئے ہیں۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ ہمارا نصیب العین ہے۔ مسلمان کلمہ گو سے لڑنے نہیں آئے، مگر تم بار بار ہم پر چڑھائی کر کے جہاد کے کاروبار میں خلل ڈالتے ہو۔ تم اللہ سے ڈرو اور کفار کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ اسلام کی تائید کرو ورنہ اگر ہم پر ہی حملہ کا ارادہ ہے تو ہم بھی مقابلہ کیلئے مجبور ہوں گے، ہمارا بھروسہ اس ذات پر ہے جو ناتوانوں کی جائے پناہ ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں فتح و شکست ہے۔

اس کا جواب سردار موصوف حاکم پشاور نے یہ دیا کہ آپ نے جو کچھ اپنے متعلق لکھا ہے وہ آبلہ فریبی ہے۔ آپ کا عقیدہ فاسد اور نیت خراب، فقیر ہو کر امارت و حکومت کرنا آپ کا مقصودِ دلی ہے۔ اس لئے محض خدا کے لئے ہم بھی اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں تا کہ آپ کے فتنہ سے اس ملک کو پاک کر دیں۔ جب یہ جواب پڑھا تو حضور کو سب مشیروں نے کہا کہ اتمامِ حجت ہو گئی۔ بحث کا امکان ختم ہو چکا ہے۔ جنگ کے بغیر اب چارہ نہیں۔ سیّد صاحب نے

فرمایا کہ نہیں، بلکہ اس سے مزید اتمام حجت کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس نے اپنا اُٹھنا اللہ کے واسطے بیان کیا ہے۔ لہٰذا آپ نے دوسرا نامہ اس کو لکھا کہ الحمدللہ باوجود جواب ناموافق تم نے اپنے خط میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کا واسطے اُٹھنا بیان کیا ہے اور ہم پر الزام دیا ہے لہٰذا ہم دوبارہ تم کو لکھتے ہیں کہ شریعت اسلام کے خلاف جو الزام تمہارے ذہن میں ہے وہ اپنے معتمد بھیج کر ہم پر ثابت کرو۔ بصورت ثبوت ہم خود دست بستہ ہو کر ہر سزا گوارا کرنے آپ کے پاس حاضر ہو جائیں گے۔ اور اگر ہم پر الزام ثابت نہ ہوا اور دونوں نے خدا کے واسطے مرنے مارنے پر کمر بندھی ہے تو معلوم اور ظاہر و ثابت ہو جائے کہ ہم میں سے کونسا فریق اپنے دعوے میں سچا یا جھوٹا ہے اور ضد ترک کر دینا اور متحد ہو جانا لازم ہوگا۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

اس آخری نامہ کو پڑھ کر سردار پشاور نے جواب تحریری نہ دیا۔ بلکہ زبانی قاصد کو کہا کہ کل اس کا جواب تلوار سے دیں گے۔

جب یہ قاصد واپس آیا تو حضور نے فرمایا:

اب ہمارا مقدمہ حق و باطل کا اللہ تعالیٰ کے حضور سے فیصل ہوگا۔ اتمام حجت ہو چکی۔

جنگ مایار با لشکر دُرانی جنگ دُرانی

اسی دن سوارانِ طلایہ نے خبر دی کہ دُرانیوں کا لشکر گڑھی مایار میں داخل ہونے کے قصد سے آ گیا ہے۔ مایار مردان کے قریب گاؤں ہے جہاں قلعہ تھا۔ لشکرِ اسلام میں تیاری کا نقارہ بجایا گیا اور فوراً جانب مایار روانہ ہو گئے۔ وہاں میدان میں جا کر معلوم ہوا کہ قلعہ نشین مجاہدوں کی مستعدی دیکھ کر اُس دن درانی لشکر موقعہ نہ دیکھ کر بغیر حملہ واپس ہو گیا۔ اس لئے لشکر اسلام بھی اسی جگہ ٹھہر گیا۔ دوسرے دن بعد نماز فجر مایار کے میدان میں تمام درانی لشکر بہ ارادہ جنگ صف آرا ہو گیا۔ ادھر سے مجاہدین بھی تیار ہو کر موقعہ جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ تھوڑے لوگ قلعہ کی حفاظت پر مقرر کئے اور کچھ آدمی دربار مایار کی نگہداشت پر بھی چھوڑے۔ کُل لشکر مجاہدین کا ساڑھے تین ہزار نفری تعداد میں تھا۔ جس میں ملکی اور مجاہد سب شامل تھے۔

درانی فوج آٹھ ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ تین چار ہزار سے کم پیادہ فوج بھی نہ تھی چار توپیں اور دس شاہینیں تھیں۔

سیّد صاحب نے درانی لشکر کی صفوں کو دیکھ کر اپنے کُل پیادہ فوج کو آگے کر لیا اور اپنی شاہینوں کو پیادوں کے پیچھے کرایا۔ اور اپنے سواروں کو شاہین کے عقب میں مقرر کیا اور آگے بڑھنا شروع کیا۔ جب مجاہد لشکر ان کی زد میں آیا تو درانی فوج سے توپ خانہ کی آتش باری شروع ہوئی تب سیّد نے آگے ہو کر پیادہ مجاہدوں کو حکم دیا کہ اے بھائیو! تم اپنے اوپر دوڑنا حرام سمجھ کر صرف نہایت تیز قدم سے دریا کی موج کے مانند بڑھتے جاؤ اور توپ خانہ پر پہنچ کر اس پر قبضہ کر لو۔ اور خود سیّد صاحب گھوڑے سے اُتر کر پیادوں کی پہلی صف کے ساتھ ہو کر پیدل ہو گئے۔

مولوی اسماعیل صاحب اور دوسرے چند سوار بطور محافظین آپ کے دائیں اور بائیں ہو گئے۔ جب درانی لشکر سے توپ چلنی شروع ہوئی تھی اور پیادہ فوج دریا کی موجوں کی مانند بڑھ رہی تھی۔ صرف دو چار فائر توپوں کی باڑھوں کے ہوئے ہوں گے کہ یہ فوج توپ خانہ پر پہنچ گئی اور درانی گولہ آور بھاگ کر اپنی سوار صفوں میں جا گھسے جو توپ خانہ کی پشت پر کھڑے تھے۔ اس وقت آٹھ ہزار دُرانی سواروں نے غضب ناک ہو کر اپنی داڑھیاں دانتوں میں دبا کر اس مجاہد پیادہ فوج پر حملہ کر دیا۔ ہر کابلی سردار سیّد کے خون کا پیاسا تھا اور آواز دے رہا تھا۔ سیّد کجا است۔ سیّد کجا است۔ ان تمام سواروں کے کوہاٹی شیر بچے تھے (چھوٹے فرانچی تفنگے) جس سے صرف ایک فائر ہونے کے بعد دوبارہ بھرنے کا وقت ہی نہ ملتا تھا پھر نیزہ اور تلوار سے کام لیتے تھے اس وقت توپ خانہ پر قبضہ کر کے سیّد صاحب نے پیادوں کو حکم دیا کہ صف بستہ ہو کر بھر مار کریں۔

نہایت قاعدہ سے قرابین بھرنے اور چلنے لگی۔ بندوقوں قرابینوں کی باڑ پر باڑ سے گولیوں کی بارش دشمن کے سواروں پر برسا دی گئی، خود سیّد صاحب کے اپنے چلانے کی تین بندوقیں چھ سپاہیوں کے پاس ہوا کرتی تھیں۔ ایک بندوق دو سپاہیوں کے ذمہ جب خالی ہو چکے تو جلد بھر کر تیار کرنا ہوتا تھا۔ آپ مسلسل چلاتے رہتے۔ تیسری بندوق خالی ہونے تک پہلی خالی شدہ بھر لی ہوتی تھی۔ اس طور سے حضرت کا فائر مسلسل جاری رہتا تھا اور کارآمد

دشمنوں کو تاک تاک کر نشانہ بنا رہا ہوتا تھا۔ سیّد صاحب ہر دُرانی سپاہی کے سوال پر سیّد کجا است خود جواب دیتے تھے۔ سیّد ہمیں است۔ سیّد ہمیں است۔ اس گڈمڈ ہو جانے سے اس گھمسان کی جنگ میں مجاہدوں کا نہایت کم نقصان ہوا، لیکن درانی سواروں کے مردوں کے ڈھیر اس میدان میں لگ گئے۔ کئی ہزار درانی سپاہی مقتول ہو گئے اور مجبور ہو کر باقی درانی سپاہ نے ہزیمت اُٹھا کر پسپائی اختیار کی۔

تب مجاہدوں نے جو ان کے توپ خانہ پر پورا قبضہ جمالیا تھا بھاگتے دشمنوں کو ان کی توپوں شاہینوں نے نشانہ بنایا اور تمام فوج کو تباہ و برباد کر ڈالا اور تقریباً تین ہزار کے لگ بھگ افراد قتل ہوئے اور ان میں نہایت کار آمد اور بہادر سردار بھی شامل تھے۔ مجاہدین کے کل بیس مقتول اور بیس ہی مجروح ہوئے تھے۔ میدان معہ توپ خانہ مجاہدین کے ہاتھ رہا۔ توپیں شاہینیں۔ گھوڑے بندوقیں، خیمے، ظروف وغیرہ بے حساب مالِ غنیمت مجاہدوں کے ہاتھ آیا۔ ظہر اور عصر کی نمازیں سیّد صاحب نے جمع کر کے پڑھائیں۔ اور قبل از نماز شام معہ اموال غنیمت آپ مظفر و منصور میدانِ مقتل سے آپ موضع مایار میں پہنچ کر وہاں شب باش ہوئے۔

دوسرے دن اطراف و جانب سے خوانین وعلماء وسادات وملکاں مبارکباد کیلئے حاضر ہوئے اور مولانا اسماعیل صاحب نے مردان جا کر وہ اموال واسباب دُرانیوں کا جو جنگ سے پہلے وہ لوگ وہاں محفوظ رکھ آئے تھے اور واپسی پر بھاگڑ میں چھوڑ گئے تھے اس پر آپ نے قبضہ کر لیا۔

سنا گیا کہ افغانی لشکر نہایت بدزبانی کرتے گئے تھے (افسوس ہے کہ افغانوں میں بدزبانی اور سخت ترین فحش گالیاں دینے کی عادت نہایت ہی بُری خصلت اُنکی سرشت میں داخل ہو چکی ہے، جو ایک نجیب شریف اسلامی قوم کے مناسب حال ہرگز نہیں۔

(عبدالجبار شاہ)